جواہر الفتاویٰ

حضرت مولانا مفتی محمد عبد السلام چاٹگامی دامت برکاتہم العالیہ

سابق رئیس دار الافتاء
جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

استاد حدیث وفقہ
جامعہ اہلیہ دار العلوم معین الاسلام
ہاٹہزاری چاٹگام بنگلہ دیش

کے علمی وتحقیقی فتاویٰ ومقالات کا منتخب مجموعہ

۱

اسلامی کتب خانہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

جواہر الفتاویٰ

جواہر الفتاوی

جلد ۱

حضرت مولانا مفتی محمد عبد السلام چاٹگامی دامت برکاتہم العالیہ

سابق رئیس دار الافتاء
جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

استاد حدیث وفقہ
جامعہ اہلیہ دار العلوم معین الاسلام
ہاٹہزاری چاٹگام بنگلہ دیش

کے علمی وتحقیقی فتاوی ومقالات کا منتخب مجموعہ

اسلامی کتب خانہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب : جواہر الفتاویٰ

مؤلف : حضرت مولانا مفتی محمد عبد السلام چاٹگامی دامت برکاتہم العالیہ

اشاعتِ اول : اگست ۲۰۱۱

ناشر

اسلامی کتب خانہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

فون: 021-34927159

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
(۱) احکام رمضان اور اس کے مسائل	۱۳
روزہ کن لوگوں پر فرض ہے	۱۴
روزہ کی چند سنتیں	۱۵
روزہ دار کے لئے ناجائز اور مکروہ چیزیں	۱۶
روزے کو فاسد کرنے والی چیزیں	
متفرق مسائل	۱۹
تراویح کے مسائل	۲۱
اعتکاف کی حقیقت اور اس کے مسائل	۲۴
اعتکاف نذر اور اس کے مسائل	۲۵
اعتکاف سنت اور اس کے مسائل	۲۸
معتکفین کے لیے مسجد کے اندر کن امور کی اجازت ہے	۳۱
مفسدات اعتکاف	۳۳
عورتوں کے اعتکاف کے بارے میں چند ضروری مسائل	۳۵
ایام اعتکاف کے معمولات	۳۶
اعتکاف کرنے کے فوائد	۳۷
اعتکاف نفل	۳۸
(۲) زکوۃ اور رمضان المبارک	۳۹
زکوۃ کی فرضیت اور زکوۃ ادا نہ کرنے کا عذاب	۴۰
زکوۃ ادا کرنے کے فوائد اور رمضان المبارک میں ادا کرنے کی فضیلت	۴۰
نصاب زکوۃ	۴۲
مال تجارت پر زکوۃ	۴۵

جائیداد پر زکوۃ ۴۶
زکوۃ کہاں کہاں لگائی جاسکتی ہے ۴۷
صدقۃ الفطر ۴۹
(۳) تملیک زکوۃ کے بارے میں حضرت گنگوہیؒ اور حضرت سہارنپوریؒ کی رائے ۵۲
دینی مدارس کے مہتممین عاملین زکوۃ کے حکم میں ہیں یا نہیں؟ ۵۵
حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے فتوی پر شبہ اور اس کا جواب ۵۷
مدارس کے مہتممین اور منتظمین کے لئے اموال زکوۃ کو بلا تملیک غیر مصارف زکوۃ میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں۔ ۶۰
حکومت کو یا کسی ادارہ کے لئے اموال زکوۃ کو منصوص مصارف میں خرچ کرنے کی اجازت ہے غیر مصارف میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں ....

(۴) ہمارے جنگی قیدی اور نماز قصر ۶۳
حالت سفر میں نماز قصر واجب ہے خواہ خوف، فتنہ یا کسی قسم کی مشقت ہو یا نہ ہو ....
جنگی قیدیوں کے لئے دارالحرب میں نیت اقامت درست نہیں ....
حالت سفر میں افسر اعلیٰ کی نیت کا اعتبار ہوگا ....

(۵) قربانی کی اہمیت اور اس کے مسائل ۸۳
نصاب قربانی ۸۵
قربانی کے جانور اور اس کی تفصیلات ۸۷
قربانی کے ایام اور اوقات ۸۹
قربانی کا گوشت ۹۰

(۶) نذر کی حقیقت اور اس کے مسائل ۹۲
نذر کی شرعی حیثیت ۹۴
نذر کی قسمیں ....
نذر اور منت کے درمیان شرعی اصول ۱۰۲

غیر اللہ کے نام پر نذر اور منت ماننا جائز نہیں، نہ ہی اس کو پورا کرنا لازم ہے ....

(۷) طویل دن رات والے ممالک میں نمازوں کا حکم ۱۱۰

ایک استفتاء اور دار العلوم کورنگی کراچی کا جواب ۱۱۳

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کا جواب ۱۱۹

اکابر علمائے دیوبند کی تحقیق وفتوی ۱۲۵

(۸) غیر عربی میں نماز اور قرات ۱۲۹

ایک غلط فہمی کا ازالہ ۱۲۹

(۹) کیا حکومت پاکستان کا موجودہ نظام بینکاری بلاسود ہے؟ ۱۳۲

(۱۰) ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت ۱۳۹

کیا غیر فطری طریقوں سے اولاد کی پیدائش جائز ہے؟ ....

انسانی توالد وتناسل کے واسطے شرعی اصول ....

کسی مرد کا مادہ منویہ اجنبی عورت کے رحم میں ڈالنا

تاکہ اولاد پیدا ہو، ناجائز وحرام ہے۔ ....

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ پیدا ہونے والی اولاد کی شرعی حیثیت ....

(۱۱) اسلام کے قانون شہادت میں خواتین کا مقام ۱۶۴

گواہی اور شہادت دینے والوں کے لئے شرعی ہدایات ۱۷۰

قاضی اور ججوں کے لئے بعض ضروری اور شرعی ہدایات ۱۷۴

کتاب وسنت کے فیصلہ کو چھوڑ کر کسی قوم یا آئین کے تحت فیصلہ کرنا ظلم ہے ۱۷۶

اسلام کے قانون شہادت کے چار درجے ہیں ۱۷۹

حدود وقصاص میں عورت کی شہادت معتبر نہیں، اس پر شرعی دلیل ۱۸۰

حقوق اور دوسرے معاملات میں عورتوں کی شہادت مردوں کے ساتھ معتبر ہے ۱۸۹

صرف عورتوں کی شہادت خواہ ان کی تعداد کتنی ہی ہوں معاملات میں بھی معتبر نہیں۔ ۱۹۴

بعض مخصوص مسائل میں تنہا عورتوں کی شہادت بھی معتبر ہے ۱۹۴
عورت پیدائش ہی سے مرد کے ماتحت اور تابع ہے
اور مرد کے مقابلہ میں عورت کی حیثیت دوسرے درجہ کی ہے ....
مرد طبعی اور فطری قابلیت کی بناء پر عورتوں کے اوپر حاکم اور سربراہ ہیں ....
ثقہ عورتوں کی روایت بلاشرط عدد معتبر ہے لیکن ان کی شہادت معتبر نہیں ہے۔ ....
بعض انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کی غلط فہمی اور اس کا ازالہ ....
شہادت اور روایت میں کئی وجوہ سے فرق ہے ....
(۱۲) شریعت اسلامیہ میں عورت کی سربراہی ۲۳۳
عورت سربراہ مملکت نہیں بن سکتی از روئے قرآن و تفسیر ....
عورت مردوں پر حاکم نہیں بن سکتی از روئے حدیث ۲۳۹
حضرت عائشہ صدیقہؓ کی جنگی قیادت اور مملکت کی سربراہی کا شبہ اور اس کا جواب ۲۴۲
ملکہ بلقیس کی حکمرانی کا شبہ اور اس کا جواب ۲۴۵
شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں اہم استفتاء اور اس کا جواب ۲۵۰
شیعہ اثنا عشریہ کے موجب کفر عقائد ۲۵۳
شیعہ اثنا عشریہ کے عقائد کفریہ اور ان کے احکام ....
حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے بارے میں شیعہ اثنا عشریہ کا نظریہ ۲۵۴
حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے بارے میں خمینی کے فرمودات ۲۶۰
شیعوں کا عقیدہ تحریف قرآن ۲۶۳
قرآن میں تحریف کے بارے میں ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات ....
قرآن میں توراۃ و انجیل کی طرح تحریف ہوئی شیعی نظریہ ۲۷۲
متقدمین شیعہ سب ہی تحریف کے قائل اور مدعی ہیں مگر چار آدمی: ۲۷۳
شیعوں کا کہنا ہے کہ تحریف کی روایات دو ہزار سے زائد ہیں ۲۷۵
شیعوں کا عقیدہ ہے کہ تحریف کی روایات میں تواتر ہے ۲۷۶
حاصل کلام ۲۸۲
شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ ختم نبوت کی نفی کرتا ہے ۲۸۳

شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں اہل السنۃ والجماعت کے متقدمین ومتاخرین کے فیصلے اور فتاویٰ ۲۸۸
شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا فتویٰ ۲۸۹
شیخ ابن تیمیہؒ کا فتویٰ ۲۹۱
ملا علی قاریؒ کا فتویٰ ۲۹۲
بحر العلوم لکھنوی کا فتویٰ ۲۹۳
شیخ کمال الدین ابن ہمام کا فتویٰ ۲۹۳
فتاوی عالمگیریؒ ۲۹۳
فتاوی شامیؒ ۲۹۴
ایک اہم انتباہ ۲۹۴
شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ کا فیصلہ ۲۹۶
ماضی قریب میں برصغیر کے اکابر علماء کا فتویٰ ۲۹۷
دور حاضر کے علماء کرام کا فتویٰ ۲۹۹
محدث جلیل مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی کا فتویٰ ۳۰۱
ہندوستان کے مفتیان کرام ودیگر علما کرام کی تصدیقات ۳۱۳
تصدیقات علمائے بدایون ۳۱۸
تصدیقات علمائے دیوبند ۳۱۹
تصدیقات علمائے سہارنپور ۳۲۵
تصدیقات علمائے ندوۃ العلماء لکھنو ۳۲۶
تصدیقات علماء اہل حدیث سلفیہ ۳۲۷
تصدیقات علمائے پاکستان ۳۴۹
تصدیقات علمائے بنگلہ دیش ۳۶۷
(۱۳) رقص وسرور ۳۷۰
(۱۴) انسانی اعضاء کا عطیہ اور اس کا شرعی حکم ۳۷۹
(۱۵) مسلمان کے خلاف شیعہ کی گواہی ۳۸۴
(۱۶) کیا از روئے شریعت کسی دینی یا سیاسی مقصد سے ہڑتال جائز ہے؟ ۳۹۱

کیا سیاستاً غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے ۳۹۸
جمہور فقہاء غائبانہ نماز جنازہ سے منع کرتے ہیں۔ان کے دلائل ۴۰۲
حافظ ابن حجرؒ کا شبہ اور اس کا جواب ۴۰۵
ایک اعتراض اور اس کا جواب ۴۱۲
دوسرا وہم اور اس کا جواب ۴۱۲
کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت ۴۱۴
کرنسی نوٹ اور اس کی شرعی حیثیت ۴۱۶
شرعی اصولِ تجارت اور فقہی قواعد کے رو سے موجودہ کاغذی سکّے قائمقام ثمن ہیں ۴۱۷
ایک شبہ اور اس کا ازالہ ۴۲۲
حکومت پاکستان کے مرکزی بنک کے گورنر کو ایک مفید مشورہ ۴۲۸
حیاۃ النبی ﷺ ۴۳۰
قبر میں حیات النبی ﷺ بلکہ حیات انبیاءؑ پر امت اسلامیہ کا اجماع ہے ۴۳۲
دنیا کی حیات اور موت کی حقیقت ۴۳۳
حیات النبی ﷺ کتاب اللہ اور سنت رسول کی روشنی میں ۴۳۸
حیاۃ النبی ﷺ بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات کا ثبوت احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں ۴۴۰
خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عقیدۂ حیات النبی ﷺ ۴۴۶
خلیفۂ ثانی حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطابؓ کا عقیدۂ حیات النبی ﷺ: ۴۴۷
خلیفۂ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدۂ حیاۃ النبی ﷺ ۴۴۸
حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ حیات النبی ﷺ ۴۴۹
فقہائے کرام کا عقیدۂ حیات النبی ﷺ ۴۵۱
فقہائے حنابلہ کے نزدیک حیات انبیاء کا عقیدہ ۴۵۳
حیات النبی ﷺ کے بارے میں محدثین کرام کے اقوال ۴۵۳

تبصرہ

از سیّد انور علی، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان، سابق پروفیسر آف لاء ایس ایم گورنمنٹ لاء کالج کراچی، پاکستان۔

بخدمت جناب مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

بعد تسلیم مسنون یہ کہ میں نے قانون کی تعلیم مغربی ذرائع سے حاصل کی ہے، اس لئے اوروں کی طرح میرا بھی یہی خیال تھا کہ مقدّمات کے فیصلوں کا تحفظ اور آئندہ کے مقدمات میں بطور نظائر ان کا استعمال مغربی قانون سازوں اور عدالتوں کا کارنامہ ہے، مگر میں نے جب اسلامی فقہ کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ دراصل یہ کارنامہ مسلمان فقہاء کرام صدیوں پہلے انجام دے چکے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ دیگر علوم و فنون کی طرح مقدمات میں پچھلے نظائر کا استعمال بھی مغرب نے مسلمانوں سے ہی سیکھا ہو۔ مقدمات میں پچھلے نظائر کی بنیاد دراصل فقہاء اسلام کے فتوؤں پر ہے، اس سلسلہ میں کلیدی حیثیت قرآن وسنت کو حاصل ہے جو اسلامی قانون کی اساس ہیں۔ قرآن وسنت کے بعد ایسا قیاس فیصلہ کی بنیاد بنتا ہے جو قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا گیا ہو اور اصول قیاس کے دائرہ میں رہ کر کیا گیا ہو۔ قیاس اگر تمام جماعت فقہاء کی اکثریت کا ہے یا ایک سے زائد فقہاء اسلامی کا ہے جس پر دوسرے فقہاء کی خاموشی اور سکوت پایا جاتا ہو تو اس کو اجماع کہا جاتا ہے۔ بالاتفاق اجماع صحابہ امت کے لئے مسلّمہ تیسرا ماخذ قانون کی حیثیت رکھتا ہے بدلیل:

(۱) قوله عليه الصلاة والسلام: ماانا عليه و اصحابى.

(۲) و قوله عليه الصلاة و السلام: اصحابى لامتى فاذا ذهب اصحابى امتى مايوعدون.

اس کے بعد تابعین تبع تابعین کا اجماع بھی حجت ہے:

لقوله عليه الصلاة و السلام: خير القرون قرنى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم.

اس کے بعد ہر دور کے فقہاء اسلام کا اجماع اس دور کے لئے حجت ہے اور آئندہ نسلیں بھی اس سے رہنمائی حاصل کرتی ہیں۔ اور قیاس اگر بعض فقہاء کرام کا ہے تو اس کی حیثیت شرعی رائے اور قیاس شرعی ہوتا ہے دوسرے مجتہدین وفقہاء کرام کے لئے اس شرائط قیاسی کے تحت بحث اور اجتہاد کرنے کی

گنجائش رہتی ہے البتہ عامی اور غیر مجتہد کے لئے کسی فقیہہ و مجتہد کی رائے اور قیاس شرعی پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے: لقوله تعالیٰ: **فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لاتعلمون.**

غرض اجماع اور قیاس شرعی دونوں قرآن وسنت کے پابند ہیں، بالفاظ دیگر اجماع اور قیاس کبھی اور کسی زمانے میں تا قیامت قرآن وسنت کے منافی نہیں ہو سکتے یعنی قرآن وسنت کی نصوص کے خلاف او رمنافی کوئی اجماع یا قیاس حجت شرعیہ نہیں بن سکتے۔ ایسا اجماع و قیاس جو قرآن وسنت کے خلاف ہوگا اس کی حیثیت خالص اجتہاد اور رائے کی ہوگی اس کو قرآن وسنت کا قانون ہرگز نہ کہا جائے گا۔

اسلامی فقہ کی تدریس جو آئمہ اربعہ کا عظیم کارنامہ ہے اس کی بنیاد تمام تر قرآن وسنت، خلفائے راشدین و دیگر فقہاء صحابہ کے فتوؤں پر ہے اور چونکہ قرآن وسنت کی روشنی میں دیئے ہوئے فتوؤں کو آئندہ نسلوں کے لئے مسائل کے حل اور مقدّمات کے فیصلوں کی بنیاد مانا گیا ہے اور ادوار خیر القرون کے علماء و فقہاء نے اسے حجت شرعیہ تسلیم کیا ہے، اس لئے علماء و فقہاء متقدمین نے فتوؤں کی تدوین کا کام بھی بڑی احتیاط سے انجام دیا ہے۔ آئمہ اربعہ کے اصولِ فقہ و فتاویٰ کی روشنی میں ہر مسلک کے علماء و مفتیان کرام نے فتاویٰ لکھے ہیں اس سلسلہ میں فقہ حنفی کے اندر بیسیوں فقہ و فتاویٰ کی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔ استفتاء اور سوالات کے جوابات کے مجموعے لکھے گئے ہیں اس انداز سے فقہ حنفی میں اپنی دانست میں اولین کتاب غالباً ''فتاوی ولوالجیہ'' ہے جو علامہ عبدالرشید ولوالجی متوفی ۵۴۰ھ کی تالیف ہے، اس کے بعد ایک اور مجموعہ ''فتاویٰ قاضیخان'' کے نام سے علامہ فخر الدین حسن بن منصور الفرغانی المتوفی ۵۹۲ھ نے چار جلدوں میں مدوّن کیا جسے فتاویٰ خانیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک جیّد عالم فقیہ ظہیر الدین بخاری متوفی ۶۱۹ھ نے ''فتاوی ظہیریہ'' کے نام سے ایک اور مجموعہ تدوین کیا یوں یہ سلسلہ چلتا رہا۔ گیارھویں صدی ہجری میں برصغیر میں شاہ اورنگ زیب عالمگیر کے حکم پر نظام الدین ٹھٹوی یا ملاّ نظام الدین برہان پوری کی سرکردگی میں چالیس جید علماء کی ایک جماعت نے فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کی جو کہ ۶ جلدوں پر مشتمل ہے اور یہ ''فتاویٰ ہندیہ'' کے نام سے بھی مشہور ہے اور فقہ حنفیہ پر مستند مانا جاتا ہے، اور بارھویں صدی میں مفتی شام علامہ ابن عابدین الشامی نے الردالمحتار کے نام سے ایک فتاویٰ مدوّن کیا ہے جو کہ فقہ حنفی کے تمام مکاتب فکر خواہ ان کا تعلق علماء بلاد عرب سے ہو یا بلاد ہند و پاک سے سب کے نزدیک ماخذ فتاویٰ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بارھویں صدی ہجری کے دوران لکھے جانے والے فتاویٰ کے کئی اور مجموعے منظر عام پر آئے ان میں مفتی مسعود احمد صاحب شاہی امام و خطیب مسجد فتحپوری دہلوی متوفی ۱۳۰۹ھ کے تحریر کردہ فتاویٰ ''مجموعہ فتاویٰ مسعودی'' مطبوعہ کراچی ۱۴۰۷ھ اور مولوی نذیر

حسین صاحب متوفی ۱۳۲۰ھ کے فتاویٰ کا مجموعہ ''فتاویٰ نزیریہ'' مطبوعہ ۱۳۹۰ء، اور مولانا احمد رضا خان کے فتاویٰ رضویہ کے نام سے شائع ہوا، اور شاہ عبدالعزیز دہلوی متوفی کے فتاویٰ کا مجموعہ ''عزیز الفتاویٰ''، مولانا عبدالحی لکھنوی کے فتاویٰ کا مجموعہ ''مجموعۃ الفتاویٰ'' تین حصوں میں بارہا ہندوستان اور پاکستان میں شائع ہوا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا رشید احمد گنگوہی متوفی کا مجموعہ ''فتاویٰ رشیدیہ'' کے نام سے اور مفتی کفایت اللہ دہلوی متوفی کے فتویٰ کا مجموعہ ''کفایت المفتی'' کے نام سے، مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی کے فتاویٰ کے مجموعہ ''عزیز الفتاویٰ'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ غرض ہر زمانہ میں فقہ اور فتاویٰ سے مناسبت رکھنے والے حضرات علماء کرام نے اپنے فتوؤں کے ذریعہ امت کی رہنمائی کی ہے۔

حال ہی میں دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے فاضل وصدر مفتی عبدالسلام چاٹگامی کے بعض اہم فتاویٰ کا مجموعہ ''جواہر الفتاویٰ'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اب تک اس کی دو جلدیں آئی ہیں، پہلی جلد پہلے دیکھ چکا اور اس وقت اس کی دوسری جلد میرے سامنے ہے۔

جناب مفتی محمد عبدالسلام صاحب کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ وہ بحیثیت عالم دین اور فقیہ برصغیر پاک و ہند میں اچھی طرح جانے پہچانے جاتے ہیں، انہیں جدید علوم پر دسترس حاصل ہے۔ اس سے پہلے ان کی دو بصیرت افروز کتابیں ''انسانی اعضاء کا احترام اور طب جدید'' اور ''اسلام کا قانون شہادت اور عورت کا مقام'' کے عنوان سے شائع ہو چکی ہیں۔ ان کتابوں میں قرآن وسنت اور اقوال صحابہ اور قدیم وجدید فقہاء اسلام کی آراء کی روشنی میں اہم جدید مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

جواہر الفتاویٰ میں مفتی صاحب کے صرف وہ فتاوی شامل ہیں جو انہوں نے پچھلے کئی سالوں میں اہم مواقع اور حالات میں جاری کئے۔ ان فتوؤں کی افادیت اور اہمیت اس سبب سے اور بھی زیادہ ہے کہ اس میں ان شبہات اور اعتراضات اور مسائل کو بڑی خوبی اور سند کے ساتھ زیر بحث لایا گیا ہے جو مغرب زدہ اسکالرز کی جانب سے موجودہ دور میں اٹھائے گئے ہیں، خاص طور پر انسانی اعضاء کی پیوند کاری، عورت کی شہادت، رجم، ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت، مجلس واحدہ میں تین طلاقیں، رجم کی سزا اور اس کا انکار، زکوٰۃ کے سلسلہ میں بے شمار نئے قسم کے اعتراضات اور ان کے جوابات اور جھینگا کی حلت و حرمت وغیرہ وغیرہ۔

مفتی صاحب نے قرآن وسنت اور اجماع کی روشنی میں نیز عقلی دلائل کی بنیاد پر ہر مسئلہ کا مدلل جواب دے کر مغرب زدہ طبقہ کا منہ بند کر دیا ہے، اور امت مسلمہ کو ان کی پھیلائی گمراہی سے بچانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ فتوے نہایت سادہ اور سہل زبان میں لکھے گئے جن کو ہر لکھا پڑھا شخص آسانی سے

سمجھ سکتا ہے، جدید مسائل کے معاملہ میں بالخصوص اور عام معاملات میں بالعموم یہ فتاویٰ لوگوں کی رہنمائی کا سبب بنیں گے اور چونکہ تمام فتاویٰ مستند حوالوں کے ساتھ شرعی اور عقلی دلائل سے ہم آہنگ ہیں اس لئے مقدمات کے سلسلہ میں وکلاء اور عدالتیں بھی ان سے پورے اعتماد کے ساتھ استفادہ کر سکتی ہیں۔ مولائے کریم مفتی صاحب موصوف کی اس عظیم دینی خدمت کو قبول فرمائے اور انہیں فلاحِ دارین عطا کرے۔ آمین

سید انور علی ایڈووکیٹ
سپریم کورٹ آف پاکستان کراچی۔
۱۳ نومبر ۱۹۹۱ء

گرامی خدمت جناب مولانا مفتی عبدالسلام صاحب چاٹگامی زید مجدہٗ! بعد سلام مسنون اینکہ روزنامہ اخبار جنگ میں اشاعت کے لئے رمضان و احکام رمضان کے متعلق ایک مختصر مضمون اگر تحریر فرمادیں گے مناسب ہوگا اس سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچے گا۔ مضمون ہفتہ کو مل جانا چاہیئے۔

فقط والسلام
محمد جمیل
۶ شعبان ۱۳۹۹ھ

گرامی قدر بعد سلام مسنون اینکہ بینات کے لئے تحریر کردہ مضمون حوالہ کے ساتھ موجود ہے آپ اختصار کے ساتھ بغیر حوالہ اس کو اشاعت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ فقط والسلام۔

بندہ محمد عبدالسلام چاٹگامی عفا اللہ عنہٗ

احکام رمضان

اور

اسکے مسائل

احکامِ رمضان اور اسکے مسائل

- رمضان المبارک کے روزے فرض عین ہیں، اس کی فرضیت کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے، اس کا انکار کرنے والا کافر اور اسلام سے خارج ہے، اور روزہ نہ رکھنے والا فاسق اور مرتکب کبائر ہے۔
- کافر، نابالغ، مجنون پر روزہ فرض نہیں البتہ نابالغ جس کی عمر ۱۰ سال ہو اس کو روزہ کا حکم کرنا ولی اور وصی پر ضروری ہے۔
- مریض اور مسافر پر حالت مرض اور حالتِ سفر میں روزہ رکھنا ضروری نہیں البتہ مسافر کے لئے بہتر یہ ہے کہ اگر مشقت اور تکلیف نہ ہو تو روزہ رکھ لے تا کہ بعد میں قضاء ادا کرنے کی مشقت اٹھانی نہ پڑے۔
- عورت کو حالتِ حیض ونفاس میں روزہ رکھنا صحیح نہیں، وسط رمضان میں اگر پاک ہوگئی تو بقیہ روزے رکھے اور فوت شدہ روزوں کی بعد میں قضاء کرے۔
- جب تک مریض کو صحت کی امید ہے روزہ کے بدلہ فدیہ ادا کرنا صحیح نہیں۔
- جو شخص بڑھاپے یا دائم المریض ہونے کی وجہ سے روزہ پر قادر نہیں اور نہ ہی مستقبل میں اس کی کوئی امید ہے کہ صحت نصیب ہو تو وہ ہر روزہ کے بدلہ پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت فدیہ دے سکتا ہے لیکن اس کے بعد اگر صحت یاب ہو گیا تو دوبارہ قضا کرنا ضروری ہے۔
- دوسری عبادات کی طرح روزہ میں نیت کرنا ضروری ہے۔ اور نیت دل کے ارادہ کا نام ہے لہٰذا دل میں روزہ کا عزم کرنا ہی نیت ہے زبان سے کچھ الفاظ کہنا ضروری نہیں، البتہ زبان سے کہہ دینا بہتر ہے۔ اردو میں یوں کہے کہ ”آنے والے دن کے روزے کی نیت کرتا ہوں“ عربی میں یوں کہے ”نویت ان اصوم غدًا للّٰہ تعالیٰ من فرض رمضان ھٰذا.“
- رمضان کے روزہ کی نیت کرنے کا وقت رات شروع ہونے سے لیکر صبح نصف نہار کے قبل تک ہے البتہ رات ہی میں نیت کر لینا بہتر ہے۔
- روزہ کے لئے سحری کھانا سنت ہے اور سحری کھانا قائم مقام نیت ہے اگرچہ زبان سے کچھ نہ کہا ہو۔
- رات کو روزہ کی نیت کرنے کے بعد صبح صادق سے قبل تک کھانا پینا جماع کرنا جائز ہے، ان چیزوں کی وجہ سے روزہ کی نیت میں کچھ فرق نہیں پڑے گا۔

روزے کی چند سنتیں

- سحری کھانے میں کھجور سے سحری کرنا الگ سنت ہے سحری میں کھانا ضروری نہیں ماکولات و مشروبات میں سے جو بھی میسر ہو اس سے سحری کی سنت ادا ہو جائے گی۔
- سحری کو مؤخر کرنا افضل اور باعث خیر ہے البتہ اتنی تاخیر کرنا کہ طلوع صبح صادق پر شک ہو مکروہ ہے۔
- اگر سحری میں اس گمان سے تاخیر کی کہ ابھی رات باقی ہے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ سحری صبح صادق کے بعد واقع ہوئی تو روزہ نہیں ہوگا قضاء ضروری ہے کفارہ نہیں۔
- غروب آفتاب کے بعد بلا تاخیر افطار کرنا سنت ہے اور باعث خیر و برکت ہے۔
- افطار کے وقت یہ دعا پڑھنا مستحب ہے: ''اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَ عَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ فَاغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَ مَا اَخَّرْتُ'' دوسرے الفاظ بھی ثابت ہیں جو بھی کہیں استحباب ادا ہو جائے گا۔
- افطار میں اتنی جلدی نہ کرے کہ غروب سے پہلے افطار ہو جائے، اگر اس گمان سے افطار کر لیا کہ غروب ہو گیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ غروب سے پہلے افطار ہوا ہے تو روزہ فاسد ہو جائے گا قضاء ضروری ہے۔
- کھجور، چھوہارے سے افطار کرنا سنت ہے اس کے علاوہ دودھ جیسی چیزوں سے کرنا بھی بہتر ہے۔
- افطار کے وقت دعا قبول ہوتی ہے اس لئے افطار کر کے یا پہلے یا بالکل فارغ ہو کر دعا کرنا مستحب ہے۔
- رمضان المبارک میں مغرب کی اذان افطار کرنے کے بعد دی جائے البتہ جماعت میں پانچ سات منٹ کی تاخیر کی گنجائش ہے، کذا فی کتب الفقہ۔
- کسی روزہ دار کو افطار کرانے سے اتنا ثواب ملتا ہے جتنا روزہ دار کو، اور کھانا کھلانے کا ثواب اس سے زیادہ ہے حوض کوثر سے پلانے اور جنت میں داخل ہونے کا وعدہ ہے۔
- روزہ کی حالت میں پاک صاف رہنا تلاوتِ قرآن، ذکر الٰہی، تعلیم و تعلم میں مشغول رہنا اور انفاق (اللہ کے لئے مال خرچ کرنا) مستحب ہے۔

روزہ دار کے لئے ناجائز اور مکروہ چیزیں

- روزہ دار کو جھوٹ بولنا، جھوٹی شہادت دینا، غیبت کرنا، چغلی کھانا، جھوٹی قسم کھانا، فحش حرکات کرنا، فحش گوئی کرنا، ظلم کرنا، کسی سے عداوت و دشمنی رکھنا، اجنبی عورتوں سے ملنا جلنا ان کو دیکھنا، سینما بینی کرنا سب ناجائز ہیں ان چیزوں کے علاوہ بھی ہر بری چیز سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ ان چیزوں سے روزہ فاسد تو نہیں ہوتا لیکن مکروہ ہو جاتا ہے اور ثواب میں کمی آجاتی ہے۔
- بحالتِ روزہ کسی چیز کا چکھنا اور چبانا بلا عذر مکروہ ہے۔
- مبالغہ کے ساتھ پاخانہ کی جگہ کو صاف کرنا یہاں تک کہ اندر پانی چلے جانے کا شک ہو جاوے مکروہ ہے۔
- ناک میں پانی ڈالنے اور کلی کرنے کے وقت مبالغہ کرنا مکروہ ہے۔
- روزہ کی حالت میں بیوی کو شہوت کے ساتھ چھونا اور بوسہ لینا مکروہ ہے۔
- رات کو ہمبستری کی، اور صبح صادق سے پہلے غسل نہیں کر سکا اور اس کے بعد غسل کیا تو روزہ مکروہ نہیں ہوا۔
- وہ مسافر جو تعب اور مشقت میں مبتلا ہے اور اسے روزہ سے تکلیف ہوتی ہے اس کے لئے روزہ رکھنا مکروہ ہے۔
- جس مسافر نے حالتِ سفر میں روزہ کی نیت کی اور اسی روز مقیم ہو گیا اب روزہ توڑنا درست نہیں۔

روزہ کو فاسد کرنے والی اشیاء

- اگر کسی کو مارنے اور نقصان پہنچانے کی دھمکی دے کر کچھ کھلایا یا پلایا گیا تو روزہ فاسد ہو گیا صرف قضاء ضروری ہے کفارہ نہیں۔
- غسل یا وضو کے وقت اگر حلق میں پانی چلا گیا اور روزہ یاد ہے تو اس کا روزہ فاسد ہو گیا قضاء ضروری ہے کفارہ نہیں۔
- ہر وہ چیز جو غذا، دوا یا کسی فائدہ کی غرض سے استعمال نہ ہو اس کے کھانے پینے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے قضاء ضروری ہے کفارہ نہیں۔

- دانت کے درمیان اگر کوئی چیز چنے سے بڑی لگی ہوئی تھی اور اسے نگل لیا تو روزہ فاسد ہوگیا، اگر چنے سے چھوٹی ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا البتہ مکروہ ہے۔
- اگر دانت سے خون نکلا اور تھوک کے ساتھ ملکر حلق کے اندر چلا گیا تو دیکھا جائے گا کہ خون زیادہ ہے یا تھوک، اگر خون زیادہ تھا تو روزہ فاسد ہوگا قضاء ضروری ہے کفارہ نہیں اور اگر تھوک زیادہ ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوا۔
- روزہ دار کا پسینہ یا آنسو اگر زیادہ مقدار میں منہ میں چلا گیا اور مزہ حلق میں محسوس ہورہا ہے یا خود بخود چلا گیا تو روزہ فاسد ہے اگر معمولی پسینہ یا آنسو منہ میں چلا گیا تو فاسد نہ ہوگا۔
- اگر مقعد (پاخانہ کی جگہ) پر دوا ڈال دی گئی اور دوا موضع حقنہ سے آگے داخل ہوگئی، یا کان اور ناک میں دوا ڈالی گئی تو ان سب صورتوں میں روزہ فاسد ہوگیا قضاء ضروری ہے۔
- عورت نے اگر داخل فرج (یعنی شرمگاہ کے اندر) دوا ڈالی تو روزہ فاسد ہوجائے گا قضاء ضروری ہے۔مرد نے اگر اپنے آگے کے راستہ کے اندر دوا ڈالی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔
- جو دوا پیٹ اور دماغ کے ذخم میں لگانے کی وجہ سے پیٹ اور دماغ کے اندر پہنچ گئی ہے اس سے روزہ فاسد ہوگیا۔ بدن کے اور کسی حصہ کے اندر زخم پر دوا لگانے سے جب کہ دوا پیٹ اور دماغ میں نہ پہنچتی ہو روزہ فاسد نہ ہوگا۔
- پانی یا تیل سے تر انگلی کو اگر مقعد (پاخانہ کی جگہ) میں داخل کیا یا عورت نے اپنی شرمگاہ میں تر انگلی کو داخل کیا تو اس سے روزہ فاسد ہوگیا قضاء ضروری ہے۔
- استنجاء بالماء کے وقت اگر صفائی میں اتنا مبالغہ کیا گیا کہ پانی مقعد کے اندر پہنچ گیا تو روزہ فاسدہ ہوجائیگا اس لئے ایسے موقع پر بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔
- اگر؟ مارنے یا نقصان پہنچانے کی دھمکی دے کر کسی عورت سے خاوند نے جماع کیا یا عورت نے خاوند کو مجبور کیا تو روزہ دونوں کا فاسد ہوجائے گا۔ البتہ جس پر جبر کیا گیا اس پر صرف قضاء ضروری ہے کفارہ نہیں اور جس نے جبر کیا اس پر کفارہ بھی لازم ہے۔
- اگر ہمبستری کی حالت میں صبح صادق ہوگئی جب کہ گمان یہ تھا کہ ابھی رات باقی ہے اور گمان غلط نکلا تو روزہ فاسد ہوگیا قضاء ضروری ہے کفارہ نہیں۔
- اگر صبح صادق ہوجانے کا علم تھا اس کے باوجود ہمبستری کی تو قضاء وکفارہ دونوں لازم ہیں۔
- اپنی بیوی یا کسی اجنبی عورت یا مرد کو شہوت کے ساتھ مس کرنے یا بوسہ لینے سے انزال ہوگیا تو روزہ

فاسد ہوجائے گا قضاء ضروری ہے کفارہ نہیں۔ انزال نہ ہونے کی صورت میں روزہ مکروہ ہوگا۔

- کسی جانور کے ساتھ بدفعلی کی اور انزال ہوگیا تو قضاء ضروری ہے کفارہ نہیں۔
- استمناء بالید (مشت زنی) کرنے سے اگر انزال ہوگیا تو روزہ فاسد ہے قضاء ضروری ہے کفارہ نہیں۔
- خلافِ عادت قصداً نمک کھالیا تو قضاء ضروری ہے کفارہ نہیں۔
- اگر عادت کی بناء پر نمک کھالیا تو قضاء و کفارہ دونوں لازم ہیں۔
- بھول کر کھانے پینے جماع کرنے کے بعد پھر اگر قصداً کھالیا، جماع کیا اس گمان سے کہ مذکورہ بالاصورت میں روزہ فاسد ہوجاتا ہے تو اس قصد سے کھانے پینے سے روزہ فاسد ہوگیا قضاء ضروری ہے۔
- اگر دن کو رمضان میں احتلام ہوجانے سے یہ سمجھا کہ اس سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے اس کے بعد قصداً کھاپی لیا تو اس قصداً کھانے سے روزہ فاسد ہوگیا قضا ضروری ہے کفارہ نہیں۔
- اپنی بیوی یا اجنبی عورت کو صرف شہوت کے ساتھ دیکھنے سے اگر انزال ہوگیا تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔
- اگر کسی کو نظر شہوت کی وجہ سے انزال ہوگیا اس نے اس گمان سے کہ روزہ فاسد ہوگیا اس کے بعد قصداً روزہ کو فاسد کیا تو قضاء ضروری ہے۔
- کان کے اندر پانی داخل ہوجانے سے یا ڈالنے سے صحیح روایت کے مطابق روزہ فاسد نہیں ہوگا البتہ احتیاط اس میں ہے کہ پانی ڈالنے کی صورت میں قضاء رکھا جائے۔
- اگر ایک شخص اپنے شہر میں چاند دیکھ کر روزہ رکھنا شروع کردے پھر رمضان میں کسی دوسرے ملک میں چلا گیا جہاں اس کے دو یا ایک روزہ کم ہوگیا تو عید کے بعد اپنے ملک کے اعتبار سے بقیہ روزوں کی قضاء کرنا ضروری ہے۔
- اگر ایک آدمی نے خود چاند دیکھا اس نے چاند دیکھنے کی شہادت دی لیکن نصابِ شہادت نہ ہونے کی وجہ سے شہادت مسترد کردی گئی تو چاند دیکھنے والے پر روزہ ضروری ہے، اگر افطار کیا قضاء ضروری ہے کفارہ نہیں۔
- اگر اس کے برعکس وہ آدمی کسی ایسے ملک میں چلا گیا کہ جہاں اس کے تیس ۳۰ روزے پورے ہوگئے لیکن دوسرے ملک میں ابھی تک ۲۸ یا ۲۹ روزے ہیں تو تیس ۳۰ روزے کے بعد اس شخص کو

اختیار ہوگا چاہے روزہ ان کی مطابقت میں رکھے یا نہ رکھے البتہ رکھنا افضل ہے نفل ہو جائے گا۔

- قصداً ایام رمضان میں کھانے پینے یا جماع کرنے سے قضاء وکفارہ دونوں لازم آتے ہیں۔
- تیل یا سرمہ لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا لیکن کسی نے اگر تیل یا سرمہ استعمال کرنے کے بعد سمجھا کہ روزہ فاسد ہو گیا اس کے بعد عمداً کچھ کھایا پیا تو اس عمداً کھانے پینے سے روزہ فاسد ہو گیا قضاء وکفارہ دنوں لازم ہیں۔
- مسواک کرنے یا تھوک حلق کے اندر چلے جانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔
- اگر کسی نے مسواک کرنے یا حلق میں تھوک چلے جانے کے بعد قصداً کھا پی لیا تو قضاء وکفارہ دونوں لازم ہیں۔
- غیبت کرنے، جھوٹ بولنے یا جھوٹی شہادت دینے سے روزہ مکروہ ہوتا ہے فاسد نہیں ہوتا۔
- اگر کسی نے سمجھا کہ غیبت وغیرہ کرنے سے روزہ فاسد ہو گیا اس لئے پھر قصداً کھانا پینا شروع کر دیا تو اس قصداً کھانے یا پینے سے قضاء وکفارہ دونوں لازم ہیں۔
- ایک ہی رمضان میں اگر متعدد دفعہ روزہ کو فاسد کیا تو کفارہ میں تداخل ہو جائے گا سب کی طرف سے ایک ہی کفارہ کافی ہوگا البتہ متعدد بار جماع کرنے سے اگر روزہ فاسد کیا ہے تو کفارہ میں تداخل نہ ہوگا ہر فساد کے لئے الگ الگ کفارہ ضروری ہے۔
- انجکشن کا استعمال کرنے سے خواہ کسی مرض کے لئے ہو یا طاقت کیلئے روزہ فاسد نہ ہوگا البتہ بلا ضرورت روزے کا احساس نہ ہونے کے واسطے سے اگر طاقت کا انجکشن لگوایا تو اس میں کراہت ہوگی۔

متفرق مسائل

- جن ممالک میں چاند وقت کے مطابق نظر نہیں آتا وہاں کے باشندے اپنے سے قریبی ملک کے حساب سے روزہ رکھیں اور عید کریں۔
- جن ممالک میں دن بہت بڑے ہیں لوگ پورے دن بھوکے پیاسے نہیں رہ سکتے تو وہاں کے باشندے سب سے قریبی اور معتدل ملک کے حساب سے روزہ رکھیں اور افطار کریں۔
- حکیم اور ڈاکٹر نے اگر ٹی بی یا تپ دق کے کسی مریض کو متعدد دفعہ دوائی استعمال کرنے کا مشورہ دیا اور دوا استعمال نہ کرنے کی صورت میں ہلاک یا ضرر ونقصان ہونے کا کہا تو صحتیابی تک روزہ کو مؤخر کر سکتا ہے صحیح ہو جانے کے بعد قضاء کرے اگر صحت کی امید ختم ہو چکی ہے تو مرنے سے قبل

وصیت کردے کہ اس کے روزوں کا فدیہ ادا کیا جائے۔

- حقہ، پان، نسوار اور ہر ایسی چیز جو کسی مقصد سے منہ میں رکھی جاتی ہے اس کے اثرات حلق میں چلے جاتے ہیں تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر اثر نہ جانے کا اہتمام کرے تو پھر بھی شک کی وجہ سے مکروہ ہے۔
- جو شخص کسی مہلک مرض میں مبتلا ہے ڈاکٹروں اور حکیموں کے علاج سے کچھ فائدہ نہ ہو اور روزہ رکھنے سے مرض میں اضافہ ہوتا ہے تو صحتیابی کی امید سے روزہ نہ رکھے، اگر صحیح ہو جاوے تو قضا کرے، اگر صحت کی امید نہیں تو فدیہ ادا کرسکتا ہے۔
- طاعونی ٹیکہ بلکہ کسی قسم کے ٹیکے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔
- لوبان اور عود بتی وعطر، دیگر خوشبو جات کی وجہ سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ البتہ لوبان اور عود بتی جلانے کے بعد اگر روزہ دار کے منہ میں دھواں داخل ہو کر حلق میں چلا گیا تو حلق میں دھواں چلے جانے سے روزہ جاتا رہے گا۔
- زخم سے زیادہ مقدار میں پیپ یا خون نکلنے یا خون نکالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ البتہ روزہ دار سے خون نکالنا مکروہ ہوگا۔
- بے ہوش ہو جانے اور بیمار پڑ جانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا البتہ دوائی اور علاج کی غرض سے روزہ توڑنا جائز ہے۔
- منجن وٹوتھ پاؤڈر وغیرہ رمضان کے روزے میں استعمال کرنا حلق میں اثرات جانے کے شک کی وجہ سے مکروہ ہے اگر حلق میں چلا جاوے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔
- منہ اور دانت کی صفائی کے لئے مسواک استعمال کی جائے تو بہتر اور سنت ہے، مسواک تر ہو یا خشک کیونکہ حدیث سے ثابت ہے۔
- مصنوعی دانت اگر منہ میں لگاوے تو اس کا حکم اصل دانت کا ہو جاتا ہے لہٰذا روزہ غسل اور وضو میں کچھ حرج واقع نہ ہوگا۔
- اگر بواسیر کے مسے اجابت کے وقت باہر نکل آویں اور آبدست کر لینے کے بعد دوبارہ اس کو چڑھانے کی ضرورت پڑے تو چڑھانے سے پہلے اسے خشک کر لیا جاوے ورنہ پانی اندر داخل ہونے کی وجہ سے روزہ فاسد ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔
- البتہ مسہ کو خشک کرنے میں اگر مزید بیماری بڑھ جانے یا نقصان کا اندیشہ ہو تو خشک نہ کیا جاوے،

اندر پانی جانے کا شبہ تو رہتا ہے لیکن یقین یا ظنِ غالب نہیں اس لئے شبہ کا اعتبار نہ کیا جاوے۔

- شیخ فانی ضعیف العمری یا مرض کی بناء پر اگر روزہ رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو ہر روزہ کے بدلے میں پونے دوسیر گندم یا اس کی قیمت ادا کرے۔
- فدیہ رمضان داخل ہونے کے بعد پورے رمضان کا متفرق طور پر ایک مسکین کو یا کئی مسکینوں کو بیک وقت دینا جائز ہے۔

تراویح کے چند مسائل

- تراویح کی بیس ۲۰ رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں اس پر صحابہ کا اجماع ہے، پڑھنا چاہئیں نہ پڑھنے والا قابل ملامت ہے۔
- تراویح کا وقت عشاء کے بعد ہے اگر عشاء سے قبل تراویح پڑھی گئیں تو صحیح نہ ہوں گی۔
- وتر سے قبل اور بعد دونوں طرح تراویح پڑھی جاسکتی ہے۔
- اگر کسی رمضان میں چاند کی اطلاع دیر سے ملی عشاء اور وتر کی نماز ہوگئی تو تراویح کی نماز ساقط نہ ہوگی تراویح پڑھی جائے گی۔
- تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد بیٹھنے کی حالت میں تسبیح وتہلیل، درود کوئی بھی چیز پڑھے جائز ہے اور سکوت بھی جائز ہے کسی ایک چیز کا التزام صحیح نہیں۔
- تراویح کی جماعت سنت علی الکفایہ ہے گھر میں اکیلی عورتیں جماعت کرسکتی ہیں لیکن عورتوں کی جماعت کو فقہاء نے مکروہ کہا ہے پھر بھی نماز ہوجائیگی۔
- تراویح کے ہر شفع کے لئے مستقل نیت ضروری نہیں بلکہ صحیح روایت کے مطابق بیس ۲۰ رکعت کے لئے ایک ہی نیت کافی ہے۔
- مستحب یہ ہے کہ تراویح ایک ہی قاری کی اقتداء میں پڑھی جاوے اگر دو قاری سناتے ہوں تو ہر قاری اپنی قرأت کسی ترویحہ پر ختم کرے اگر پہلے قاری نے تراویح کے درمیان میں چھوڑ دیا اور دوسرے قاری نے درمیان ترویح سے شروع کیا تو یہ خلاف سنت ہے۔
- نابالغ حافظ جس کی عمر ابھی پندرہ سال کو نہ پہنچی ہو اس کی امامت خواہ تراویح میں بھی ہو صحیح نہیں۔
- جس کو جماعت نہ ملی ہو اس نے گھر میں نماز فرض پڑھی ہو وہ تراویح کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے۔

- اگر بعض یا پوری تراویح جماعت کیساتھ پڑھی گئی تو وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں خواہ عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی گئی ہو یا نہیں۔
- اگر ختم قرآن میں قاری سے ایک دو آیت چھوٹ گئی تو یاد آنے پر فوت شدہ آیات کے بعد پڑھی گئی تا کہ ترتیب باقی رہے۔ یہی افضل ہے۔
- تراویح کی رکعتوں میں اگر اختلاف ہو جائے تو امام اپنی رائے پر عمل کرے اگر امام کو بھی شک ہو تو جن کی رائے صواب معلوم ہو اسی پر عمل کرے۔
- اگر تراویح کا کوئی شفع کسی وجہ سے فاسد ہو گیا تو اس میں پڑھی جانے والی آیات کا دوبارہ اعادہ کرنا چاہیئے۔
- تراویح میں بھول کر دو رکعت کے بعد قعدہ نہیں کیا اور تیسری رکعت پڑھ کر سلام پھیرا تو پوری نماز فاسد ہو گئی اس شفع اور اس میں پڑھی جانے والی آیات کا اعادہ کریں۔
- تراویح میں دو رکعت کے بعد قعدہ نہیں کیا تیسری اور چوتھی رکعت پڑھ کر قعدہ کیا اور سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرا تو صرف دو رکعت نماز ہو گی چار رکعتیں نہ ہونگی اور دو رکعت بھی دوسرے شفع کی ہو گی پہلی شفع کا اعادہ ضروری ہے۔
- اگر تراویح میں دوسری رکعت پر قعدہ کر کے سہوًا کھڑا ہو گیا تو جب تک تیسری رکعت کے لئے سجدہ نہیں کیا بیٹھ جانا چاہیئے، اگر تیسری رکعت کے لئے سجدہ کر لیا تو چوتھی رکعت ملا کر سجدہ کرے پھر دونوں شفع صحیح ہو جائیں گے۔ اور اگر تیسری رکعت میں سجدہ سہو کر کے سلام پھر دیا تو صرف دو رکعت ہو گی تیسری رکعت لغو جائے گی۔
- آجکل بعض مساجد میں یہ دیکھا گیا ہے کہ مقتدیوں میں سے کچھ لوگ نماز تراویح شروع ہو جانے کے باوجود نماز میں شامل ہوئے بغیر بیٹھے رہتے ہیں جب امام رکوع میں جاتے ہیں تو یہ لوگ جلدی جلدی اٹھکر نماز میں شامل ہو جاتے ہیں بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے کسل اور سستی کو دعوت دینا ہے اور منافقین کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا ہے جو کہ بہت بری بات ہے۔
- اسی طرح تراویح کے دوران اگر نیند کا غلبہ ہو تو اس حالت میں نماز نہیں پڑھنا چاہیئے بلکہ نیند کے بعد اطمینان کے ساتھ نماز ادا کرنا چاہیئے کیونکہ غفلت اور بے احتیاطی کے ساتھ نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے مکروہ ہے۔
- رمضان المبارک میں ایک مسجد میں بیک وقت تراویح کی متعدد جماعتیں جائز ہیں البتہ بہتر یہ ہے

کہ ایک ہی جماعت قائم کی جائے۔

- معاوضہ لے کر ختم قرآن پڑھنا ناجائز وحرام ہے ثواب نہیں ملے گا خواہ معاوضہ متعین ہو یا غیر متعین مشروط ہو یا معروف۔
- معاوضہ دیئے بغیر اگر حافظ نہ ملے تو اَلَمْ تَرَ کَیْفَ سے تراویح پڑھنا افضل ہے۔
- مروجہ شبینہ جس میں ریا وسمع کے علاوہ تداعی کیساتھ نفل کی جماعت، سامعین کی غفلت وسستی، قارئین کا معاوضہ لینا، لوگوں سے شبینہ کے سلسلہ میں چندہ وصول کرنا وغیرہ قباحتیں ہیں اس لئے ناجائز ہے۔
- بعض عورتیں نماز تراویح کا اہتمام نہیں کرتیں حالانکہ نماز تراویح مرد اور عورت دونوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے۔
- تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد اجتماعًا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا کسی نص شرعی یا روایت فقہی سے ثابت نہیں اس لئے بدعت ہے البتہ تنہا کوئی فرد دُعا کرلے تو کوئی حرج نہیں ہے۔
- نابالغ لڑکا حافظ قرآن، تراویح میں لقمہ دے سکتا ہے۔
- داڑھی منڈانا اور قبضہ سے کم کرنا ناجائز ہے اور جو لوگ داڑھی منڈاتے ہیں یا قبضہ سے کم کرتے ہیں ان کو امام بنانا درست نہیں ان کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی ہے۔

کتبہٗ

محمد عبد السلام عفا اللہ عنہ

دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ

بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵۔ ۹/۱/ ۱۳۹۹ء

اعتکاف اور اس کے ضروری مسائل

اعتکاف کے ثبوت اور اس کی فضیلت کے واسطے بیسیوں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہیں۔ سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود پوری مدنی زندگی میں (سوائے ایک سال اور وہ بھی جنگ میں شریک ہونے کی بنا پر نہ بیٹھ سکے) اعتکاف کرتے رہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وفات دے دی، پھر آپؐ کے بعد آپ کی ازواجِ مطہرات اعتکاف کرتی رہیں، دوسری روایت میں ہے کہ ہر رمضان میں آپ اعتکاف کیا کرتے تھے۔ (بخاری)

حدیث شریف کی شرح بالکل واضح ہے کہ آپ ہر سال رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف کیا کرتے تھے اور اس پر آپ نے مداومت فرمائی ہے، پھر آپ کے بعد ازواج مطہرات بھی اس کا اہتمام کرتی رہیں، پھر آپ نے اس کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معتکف کے بارے میں فرمایا کہ وہ گناہوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور اس کی نیکیاں اعمال نامے میں اس طرح لکھی جاتی رہتی ہیں جیسے کوئی تمام نیکیاں کر رہا ہو۔ (مشکوٰۃ، ابن ماجہ)

جس کا مطلب یہ ہے کہ اعتکاف کرنے والے بے شمار گناہوں سے بچ جاتے ہیں، اور اس کے لئے ان سب نیکیوں کا لکھنا اس طرح جاری رہتا ہے جیسا کہ اعتکاف سے پہلے کرتا تھا اب اعتکاف کی وجہ سے نہیں کر پا رہا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں سے اعتکاف کا ثبوت اور اس کا سنت ہونا رسول اللہ ﷺ سے معلوم ہوتا ہے، اس واسطے فقہاء اسلام نے فرمایا ہے اعتکاف کرنا سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔

حقیقتِ اعتکاف اور اس کا معنی

شریعت میں اعتکاف کا معنی اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی بہ نیت نیکی وعبادت الٰہی مسجد میں قیام کرے، ٹھہرے، خواہ ایک سیکنڈ کے لئے ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا بڑا ثواب ہے۔

اعتکاف کی اقسام:

اعتکاف کی تین قسمیں ہیں: (۱) اعتکاف واجب[۱] سنت[۲]، مستحب[۳] ونفل

۱۔ اعتکاف واجب وہ اعتکاف ہے جو نذر اور منت ماننے سے واجب ہوتا ہے، یا اعتکاف مسنون کو شروع کرنے کے بعد جب فاسد کیا جاوے تو اس کی قضاء واجب ہوتی ہے (اسکی بقیہ تفصیلات اعتکاف مسنون کی بحث میں آئیں گی)

اعتکاف کی نذر دو طرح کی ہوتی ہے: (۱) معلّق (۲) وغیر معلق

(۱) نذرِ معلق: اس طرح کہ مثلاً یوں کہا جاوے کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو اللہ تعالیٰ کے واسطے اعتکاف کروں گا، یا اس طرح کہا کہ فلاں آدمی اگر سفر سے واپس آگیا تو میرے ذمہ تین روز اعتکاف کرنا لازم ہوگا، اس طرح نذر اور منت ماننے سے اعتکاف لازم ہوجاتا ہے۔ پھر مشروط کام ہوجانے پر اس نذر کو پورا کرنا فرض اور لازم ہوجاتا ہے پورا نہ کرنے سے آدمی سخت گناہ گار ہوگا۔ لیکن اگر شرط پوری نہیں ہوتی تو نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہوتا۔

(۲) نذر غیر معلق: مثلاً بلا کسی شرط کے کسی نے یوں کہا کہ اللہ کے واسطے دس روز کا اعتکاف میرے ذمہ واجب ہے، یا یوں کہا کہ میرے اوپر اللہ کے واسطے دس روز کا اعتکاف لازم ہے، غرض یہ کہ وجوب اور لزوم کے ہم معنی الفاظ سے نذر اور منت منعقد ہوجائے گی، خواہ صریح الفاظ استعمال کرے یا نہ کرے، اعتکاف لازم ہوجائے گا، جب تک آدمی زبان سے نذر سے متعلق الفاظ استعمال نہ کرے گا صرف دل کی نیت اور ارادہ سے نذر منعقد نہ ہوگی، اور اس کا پورا کرنا لازم نہیں ہوگا۔ مگر دل کی نیت اور ارادہ کے مطابق اس عمل کو کرلینا جس کا ارادہ کیا بہتر ہے۔

- نذر کرتے وقت اگر متصلاً انشاء اللہ کہہ دیا، یا اس کے ہم معنی کوئی لفظ یا جملہ استعمال کیا تو اس وقت نذر صحیح نہ ہوگی، مثلاً یوں کہا اگر فلاں کام ہوگیا تو میں انشاء اللہ تین روز اعتکاف کروں گا، یا اللہ نے چاہا تو اتنی رقم صدقہ کروں گا، یا اللہ کی مشیت ہوئی تو ایک بکرا دوں گا، تو اس طرح کہنے سے نذر صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ جملہ انشاء اللہ کی وجہ سے وجوب اور لزوم کے معنی باقی نہیں رہتے لہٰذا اس طرح کہنے والے پر اعتکاف کرنا، مسمّٰی رقم کا صدقہ کرنا، بکرا صدقہ کرنا واجب اور ضروری نہ ہوگا۔
- البتہ واجب نہ ہونے کے باوجود اگر مذکورہ بالا صورتوں میں اعتکاف کرتا ہے، اتنی رقم، یا بکرا صدقہ کردیتا ہے تو ثواب ملے گا، یہی بہتر ہے کیونکہ یہ اگرچہ نذر تو نہیں لیکن ایک طرح نیکی کا ارادہ ہے اس لئے اس کو پورا کرنا بہتر ہوگا۔

- نذر باعتبار وقت کے کبھی معین اور کبھی غیر معین ہوتی ہے۔
- مثلاً یوں کہے کہ فلاں کام ہوا تو آئندہ ہفتہ میں اللہ کے واسطے تین روز اعتکاف کروں گا یا اللہ کے واسطے آئندہ مہینہ دس روز اعتکاف کروں گا، تو ایسی صورتوں میں متعین دنوں میں، یا متعین ہفتہ یا متعین سال میں اعتکاف کرنا واجب اور لازم ہوگا۔
- بلا عذر شرعی متعین ایام اور مہینہ سے اعتکاف نذر کو مؤخر کرنا گناہ ہے۔
- عذر طبعی، بیماری وغیرہ سے اگر تاخیر ہوگئی تو گناہ نہ ہوگا، اور عذر شرعی مثلاً عورتوں کے ایام ماہواری میں ہونے یا ایام ممنوعہ عیدین کے دنوں میں نذر کرنے سے نذر کو مؤخر کر دیا گیا تو گناہ نہ ہوگا۔
- نذر موقّت میں متعین زمانہ کے گذر جانے سے اعتکاف نذر یا دوسری نذر ساقط نہیں ہوتی، لہٰذا بلا عذر یا عذر کی وجہ سے متعین زمانہ میں اگر اعتکاف نذر، یا دوسری نذر کو پورا نہ کیا جاسکا تو دوسرے اوقات میں نذر کو پورا اور قضا کرنا واجب ہے۔
- اس کے برعکس نذر غیر معین (یعنی جس نذر کے لئے کوئی دن یا ہفتہ یا مہینہ مقرر نہیں کیا گیا) کو پوری زندگی میں کسی بھی وقت ادا کر سکتا ہے۔
- البتہ اعتکاف نذرِ غیر معین کو بھی جلدی جلدی پورا کر لینا بہتر ہے تاخیر کرنا مکروہ ہے۔
- بلا وجہ نذرِ مطلق کی ادائیگی میں اتنی تاخیر نہیں کرنا چاہیئے کہ فوت ہوجانے کا اندیشہ ہو کہ آدمی بڑھاپے میں آجاوے پھر بھی نذر کو پورا نہ کرے۔
- اعتکافِ نذر میں روزہ رکھنا شرط ہے، خواہ نذر کے وقت روزہ کا نام لیا ہو یا نہیں، روزہ کی نیت کی ہو یا نہیں۔
- لہٰذا آدمی جب اعتکاف نذر کو پورا کرے گا روزہ کے ساتھ پورا کریگا بغیر روزے کے اعتکاف نذر صحیح نہ ہوگا۔
- رمضان میں اعتکاف کرنے کی نذر کرے تو رمضان کے روزے کیساتھ اعتکاف نذر صحیح ہوگا۔
- کسی نے بلا تعین وقت کسی بھی وقت دس روز یا تین روز اعتکاف کرنے کی منت مانی تھی اگر غیر رمضان میں پورا کرتا ہے تو غیر واجب روزوں کے ساتھ پورا کرے گا، اگر رمضان المبارک میں پورا کرتا ہے تو رمضان المبارک کے روزوں کے ساتھ پورا کر سکتا ہے۔
- صرف ایک دن اعتکاف کرنے کی منت مانی تو صبح صادق سے کچھ منٹ پہلے اعتکاف کے واسطے داخل ہونا پھر غروب آفتاب تک وہاں پر ٹھہرنا لازم ہے، رات گزارنا لازم نہیں۔

- اگر ایک دن ایک رات اعتکاف کرنے کی منت مانی تو غروب آفتاب سے کچھ منٹ پہلے مسجد میں داخل ہونا پھر اگلے دن کو اعتکاف کرتے ہوئے غروب تک ٹھہرنا لازم ہے۔
- اگر تین روز کے اعتکاف کی نذر مانی تو تین دن تین رات اعتکاف کرنا لازم ہوگا، اور اس کی ابتداء غروب آفتاب یعنی رات سے ہوگی اور اختتام تیسرے روز غروب آفتاب پر ہوگا۔
- اسی طرح اگر کسی نے دس روز اعتکاف کی منت مانی تو دس روز اور دس راتیں اعتکاف کرنا واجب ہوگا، کیونکہ ایک دن سے زیادہ اعتکاف کی نذر کرنے کی صورت میں راتیں بھی عرفاً شرعاً داخل ہوجاتی ہیں۔
- صرف رات کو اعتکاف کرنے کی نذر مانی تو یہ نذر منعقد نہیں ہوگی کیونکہ شریعت میں صرف رات کو اعتکاف کرنے کی کوئی صورت سنت یا واجب موجود نہیں ہے، لہٰذا ایسی صورت میں رات کو اعتکاف کرے گا تو اعتکاف نفل کا ثواب ملے گا، اور نذر کے مطابق اگر رات کو اعتکاف نہ کیا تو گناہ نہ ہوگا،
- ایک ہفتہ یا ایک ماہ اعتکاف کرنے کی نذر مانی تو لگاتار ایک ہفتہ یا ایک مہینہ اعتکاف کرنا چاہیئے یہی افضل اور بہتر ہے، البتہ تکلیف یا عذر کی صورت میں تفریق یعنی متفرق طور پر ادا کرنے کی گنجائش بھی ہے۔
- اگر وقت ملنے کے باوجود اعتکاف نذر یا اعتکاف مسنون (جس کو فاسد کیا ہے) پورا نہ کیا یہاں تک کہ مرض الموت کا وقت آ گیا یا ایسی بیماری میں مبتلا ہوگیا جس کے بعد نذر کو پورا نہیں کرسکتا تو اعتکاف کا کفارہ اور فدیہ ادا کرنے کے واسطے وصیت کر جانا ضروری اور واجب ہے۔
- لیکن اگر نذر کے بعد اتنا وقت نہیں ملا جس میں نذر کو پورا کر سکے تو فدیہ دینے کی وصیت لازم نہیں۔
- اعتکاف نذر کا فدیہ ہر روز کے بدلہ میں کم از کم نصف صاع گندم یعنی پونے دو کلو یا اس کی قیمت ادا کر دینا ضروری ہے۔ دو کلو ادا کر دینا زیادہ بہتر ہے۔
- اعتکاف نذر کی پابندیاں اور اس کے باقی مسائل اعتکاف مسنون کے تحت آ جائیں گے۔

❁❁❁

اعتکاف مسنون

- رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں شوال کا چاند نظر آنے تک جو اعتکاف کیا جاتا ہے وہ اعتکاف مسنون ہے۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد ہر سال رمضان المبارک میں اعتکاف کیا ہے، صرف ایک سال عذر کی بناء پر نہ کر سکے، پھر آپ نے اور لوگوں کو اس کے لئے ترغیب دی ہے صحابہ کرامؓ میں بعض اعتکاف کرتے تھے اور بعض نہیں بھی کرتے تھے، لیکن آپ نے کسی پر نکیر نہیں فرمائی، اس وجہ سے فقہائے کرامؒ نے فرمایا کہ یہ اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔
- جس کا مطلب یہ ہوا کہ گاؤں کی ہر مسجد کے ارد گرد رہنے والوں میں ایک شخص بھی اگر رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کر لیتا ہے تو سب کی جانب سے سنت ادا ہو جاوے گی، ورنہ اہل محلہ سب موجب ملامت اور گناہ گار ہوں گے۔
- اعتکاف مسنون میں داخل ہونے کا وقت بیسواں روزہ پورا ہونے کے دن غروب آفتاب سے کچھ دیر پہلے ہے، اور یہ اعتکاف شوال کا چاند نظر آنے تک باقی رہتا ہے، گویا اعتکاف مسنون کی ابتداء اکیسویں شب کی ابتدا سے ہوتی ہے، اور شوال کا چاند نظر آ جانے پر اعتکاف ختم ہوتا ہے۔
- اعتکاف مسنون کرنے والے پر لازم ہے کہ بیسویں روزے کے دن غروب آفتاب سے پہلے متعلقہ سامان لے کر مسجد میں پہنچ جاوے کہ غروب آفتاب اس کے مسجد میں ہوتے ہوئے ہو جاوے۔
- اگر سامان کی تیاری میں دیر لگے تو خود غروب آفتاب سے پہلے مسجد میں پہنچ جاوے سامان بعد میں دوسرے کے ذریعہ لایا جاوے۔
- اعتکاف مسنون چونکہ آخری عشرہ میں ہوتا ہے اس لئے اس سے کم ایام کی نیت سے داخل ہونے سے یا کم ایام کے اعتکاف کرنے سے اعتکاف مسنون ادا نہ ہوگا لہٰذا اعتکاف مسنون میں پورے عشرہ کی نیت کر لینا پھر اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔
- بعض لوگ اس طرح نیت کرتے ہیں کہ پہلے پانچ روز اعتکاف کرتا ہوں پھر اگر ہمت ہوئی تو پورے عشرہ کا اعتکاف کر لوں گا، اس طرح نیت کرنے سے اعتکاف مسنون کا ثواب نہ ہوگا بلکہ نفل کا ثواب ہوگا۔

- اعتکاف مسنون میں پورے عشرہ کی نیت سے اعتکاف شروع کرنے کے بعد اگر شوال کا چاند انتیس رمضان کی شام کو نظر آ گیا تو اعتکاف مسنون ادا ہو گیا ہے، دس روز کی نیت کی وجہ سے دسویں روز کا اعتکاف قضا کرنے کی ضرورت نہ ہوگی، البتہ مطلق دس روز کے واسطے اگر نذر کی تھی اور رمضان میں نو روز رکھے تو باقی ایک روز کا اعتکاف شوال میں کرنا ضروری ہے۔
- اعتکاف مسنون کو شروع کرنے کے بعد اس کو پورا کر لینا چاہیئے، بلا عذر درمیان میں چھوڑ دینا درست نہیں، کیونکہ اعتکاف مسنون شروع کرنے کے بعد ایک طرح سے لازم ہو جاتا ہے۔
- اعتکاف مسنون کو شروع کرنے کے بعد اگر بلا عذر درمیان میں اعتکاف کو فاسد کیا ہے تو امام ابو یوسف کے نزدیک تمام ایام کا اعتکاف روزوں کے ساتھ لازم ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جس روز کا اعتکاف فاسد کیا ہے صرف اسی روز کا اعتکاف قضا کر لینا کافی ہے، یہی مفتی بہ قول ہے، باقی امام ابو یوسفؒ کا قول زیادہ احتیاط اور تقویٰ پر مبنی ہے۔
- بوجہ مجبوری یا بلا مجبوری کے محلہ کی مسجد میں اعتکاف کرنے کے لئے اگر کوئی تیار نہ ہو تو دوسرے محلہ کے آدمی کے اعتکاف کر لینے سے سنت کفایہ ادا ہو جائے گی کیونکہ معتکف کا اہل محلّہ سے ہونا شرط نہیں ہے البتہ بہتر ہے۔
- اعتکاف کے واسطے اجرت لے کر اعتکاف میں بیٹھنا یا بٹھانا جائز نہیں گناہ ہے کیونکہ اعتکاف عبادت ہے اس پر اجرت لینا یا دینا دونوں حرام ہیں۔
- اعتکاف کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ اعتکاف کے ایام کو قیمتی سمجھ کر ان ایام کے اندر مسجد میں خوب عبادت کرتے رہیں، ظاہری اعتبار سے جس طرح یکسو ہو کر اعتکاف میں بیٹھ گئے معنوی اعتبار سے بھی دنیاوی مشغلوں اور جھمیلوں سے اپنے آپ کو فارغ کر کے زیادہ سے زیادہ عبادت میں لگے رہیں۔
- ہر معتکف اپنے کام کے واسطے ہر روز کے لئے ایک نظام الاوقات بنا لے کہ مثلاً نماز فجر کے بعد روزانہ اتنی مقدار تلاوت کرنا ہے، پھر فلاں فلاں وظائف ادا کرنے ہیں۔ غرض پورے چوبیس گھنٹے میں ہر ہر کام کو نظم اور طریقے سے کرنے کا اہتمام کرے۔
- جو لوگ علماء اور دینی علوم سے واقف ہیں ان کے واسطے تو کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں لیکن جو لوگ دینی علوم سے زیادہ باخبر نہیں ہوتے، اگر وہ کسی مستند عالم دین اور بزرگ سے تعلق، بیعت رکھتے ہیں تو اعتکاف کے ایام اس عالم دین بزرگ کی ہدایات اور بتائے ہوئے طریقے کے مطابق

معمولات اور وظائف ادا کر کے اعتکاف کے اوقات گذاریں۔

- اگر یہ لوگ کسی مستند عالم دین اور بزرگ سے تعلق، بیعت نہیں رکھتے ہیں تو اعتکاف کے مسائل کے واسطے محقق مقامی عالم یا امام مسجد سے رابطہ کر کے معلومات حاصل کریں، اور اگر معتکفین میں کوئی محقق عالم دین موجود ہیں تو ان سے مسائل معلوم کرتے رہیں اور کچھ ضروری ہدایت لے لیں تا کہ وقت صحیح گذرے۔
- لکھا پڑھا آدمی ہو تو اعتکاف کے بارے میں مسائل کی کوئی کتاب ساتھ رکھے، خود بھی مطالعہ کرے، اور دوسرے ناواقف لوگوں کو بھی مسائل بتاتا رہے۔
- ایام اعتکاف کے دوران نمازوں میں پڑھی جانے والی سورتوں کی تصحیح کے واسطے ایک تعلیمی مجلس رکھے، اور نماز، روزہ، زکوٰۃ اور دوسرے ضروری مسائل کے لئے بھی ایک مجلس رکھے، زیادہ مناسب ہے۔
- مردوں کے واسطے اعتکاف واجب و اعتکاف مسنون مسجد میں کرنا واجب ہے، گھر میں ان کا اعتکاف صحیح نہیں۔
- عورتوں کے لئے مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ تحریمی ہے بوجہ خوف فتنہ، ان کا گھر میں اعتکاف کرنا زیادہ ثواب کا باعث ہے۔
- عورتیں اعتکاف کے واسطے گھر میں ایسی پردہ والی جگہ یا کمرہ کا انتخاب کریں کہ جہاں غیر محارم کی آمدورفت یا نگاہ نہ پڑے، خاص کمرہ نہ ملے تو کپڑے ڈال کر پردہ کا انتظام کریں۔
- اعتکاف مسنون بالغ مرد و عورت کے علاوہ نابالغ سمجھدار نماز، روزہ کے مسائل سے واقف بچے اور بچیاں بھی کر سکتی ہیں۔
- بے سمجھ اور نماز، روزے کے مسائل سے ناواقف بچوں کو اعتکاف میں بیٹھنے نہ دیا جائے کیونکہ ایسے حالات میں ان کا اعتکاف فاسد ہونے کا گمان غالب ہوتا ہے اور دوسرے کا اعتکاف فاسد کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔
- جس مسجد میں اعتکاف کیا جاوے اس میں پنج وقتہ نماز با جماعت ہوئی چاہیئے خواہ جامع مسجد ہو یا محلّہ کی چھوٹی مسجد (جس میں جمعہ نہ ہوتا ہو)۔
- البتہ جامع مسجد میں اعتکاف کرنے کا زیادہ ثواب ہے جب کہ محلّہ کی مسجد میں اعتکاف کرنے والا موجود ہو ورنہ محلّہ کی مسجد میں اعتکاف کرنا زیادہ بہتر ہے۔

- دنیا بھر کی تمام مساجد میں سے مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کا ثواب سب سے زیادہ ہے، اس کے بعد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں، اس کے بعد مسجد اقصیٰ بیت المقدس میں۔ اگر استطاعت ہو اور کوئی شرعی یا طبعی یا خارجی مانع نہ ہو تو انہیں مساجد میں اعتکاف کرنے کا ثواب حاصل کرنا چاہیئے۔
- پورے سال میں خاص کر رمضان المبارک میں تمام مسلمانوں کو حلال غذا کا اہتمام کرنا چاہیئے، اعتکاف کرنے والوں کو اس کا خاص اہتمام کرنا چاہیئے کہ غذا، لباس، افطاری سب چیزیں حلال کمائی اور حلال روزی سے ہوں کیونکہ ساری عبادت خواہ نماز ہو یا زکوٰۃ، تلاوت ہو یا تسبیح وتہلیل وغیرہ سب کی قبولیت حلال روزی پر موقوف ہے، کیونکہ اعتکاف سے مقصد قرب الٰہی اور رضاء الٰہی ہے اور یہ چیزیں تب حاصل ہوسکتی ہے کہ عبادت کو اپنی شرائط کے ساتھ قابل بنایا جاوے کہ اسے اللہ تعالیٰ قبول فرماویں۔
- اجتماعی کھانا اور افطار کو زیادہ باعث ثواب وبرکت سمجھتے ہوئے حالت اعتکاف میں بعض لوگ اس کا اہتمام کرتے ہیں، لیکن اس میں عموماً اس کا اہتمام نہیں کیا جاتا کہ کھانے یا افطاریاں حلال غذا کی ہیں یا حرام کمائی کی، لہٰذا اس کا اہتمام ہونا چاہیئے تاکہ فائدے کے بجائے الٹا نقصان نہ ہو۔
- معتکفین کو کھانا اور افطاری پیش کرنے یا دعوت کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ اگر اپنے کُل ذرائع آمدنی حرام یا اکثریت حرام کے ہیں تو پھر برائے مہربانی معتکفین کی تواضع اپنے کھانے اور افطاریوں سے ہرگز نہ کریں، کیونکہ اس سے ثواب تو نہیں ملے گا بلکہ الٹا حرام غذا اور حرام افطاری کھانے والوں کی عبادت کو خراب کرنے کا گناہ ہوگا۔
- البتہ کسی نادر غریب مستحق آدمی کو بلانیت ثواب کھلانے سے گناہ نہ ہوگا۔

معتکفین کے لئے مسجد کے اندر کن امور کی اجازت ہے

- اعتکاف کی حالت میں روزہ کھولنے کے بعد سے صبح صادق تک کھانا، پینا، چائے، ناشتے کی اجازت ہے۔
- دن یا رات میں ضروری عبادت سے فارغ ہو کر سونا، آرام کرنا، ذکر اور تسبیح تہلیل، استغفار، بیٹھنے،

کھڑے، لیٹے ہر حالت میں جائز ہے۔

- حالت اعتکاف میں ضروری چیزوں کا خریدنا اور فروخت کرنا جبکہ سامان مسجد میں نہ لایا جاوے جائز ہے، لیکن مسجد کو تجارت اور دکانداری کا دفتر اور گودام کے طور پر استعمال کرنا جائز نہیں۔
- تلاوت قرآن اور دینی کتابوں کا مطالعہ کرنا جائز ہے، اور دینی کتابوں کی تعلیم بھی جائز ہے۔
- دینی یا دنیوی امور سے متعلق ضروری گفتگو کرنا اور گھر والوں کو ضروری ہدایات دینا جائز ہے۔
- دنیوی تعلیم سے متعلق کتابوں اور رسالوں یا اخباروں کے مطالعہ کا حکم دنیوی گفتگو کی طرح ہے۔ مسجد میں اس طرح کی کتابوں اور رسالوں کا مطالعہ نہیں کرنا چاہیئے، ممنوع ہے۔
- ناجائز مضامین پر مشتمل کتابوں اور رسالوں کا مطالعہ کرنا ناجائز ہے۔
- فضول گفتگو، غیبت، ناجائز شکایت، قطعًا جائز نہیں۔
- ضروری خط وکتابت کرنا جائز ہے۔
- طبیب کے لئے بغیر اجرت کے نسخہ لکھنا، کسی مریض کا معائنہ کرنا جائز ہے، اجرت پر طبابت جائز نہیں۔
- دینی مضامین کا لکھنا، بیان کرنا جائز ہے۔
- پیشاب، پاخانہ، غسل واجب اور غسل مسنون پھر ان کے واسطے نکلنے کے بعد ضروری کپڑوں کا دھونا جائز ہے۔
- مسجد میں سر کے بال اور مونچھوں کا کاٹنا، ناخن تراشنا کپڑا وغیرہ بچھا کر جبکہ مذکورہ چیزیں مسجد کے اندر نہ گریں جائز ہے۔
- بدن اور سر پر تیل لگانا، عطر لگانا، ڈاڑھی اور سر کے بالوں کا کنگی کرنا جائز ہے۔
- مؤذن اگر اعتکاف کرے اور اذان کی جگہ مسجد سے باہر ہو تو اذان کے واسطے مسجد سے باہر نکل سکتا ہے، کیونکہ اذان دینا سنت ہے، اس سنت کے واسطے مسجد سے باہر نکلنا درست ہے۔
- کھانا لانے کے واسطے مسجد سے باہر گھر میں اور اگر مسافر ہو تو ہوٹل اور دکان میں جا سکتا ہے لیکن کھانا مسجد میں لا کر کھانا چاہیئے جبکہ کوئی عذر نہ ہو۔
- بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ مسجد حرام میں اعتکاف کرنے والوں پر حکومت سعودیہ کی جانب سے مسجد کے اندر کھانا لانے پر پابندی ہے تو ایسی حالت میں بوجہ مجبوری ہوٹل اور دکان میں کھانا کھا کر آنے کی اجازت ہے۔

- سحری کا کھانا لانے کے لئے مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے خواہ کھانے کے تقاضے زیادہ ہوں یا کم، صرف سحری کھانے کے سنت ادا کرنے کے لئے نکلنا بھی جائز ہے۔
- اگر اعتکاف والی مسجد میں نماز جمعہ کا اہتمام نہ ہو تو نماز جمعہ کے واسطے دوسرے مسجد میں جانا جائز ہے، خواہ اعتکاف والی مسجد میں نماز جمعہ کا اہتمام ہو سکتا ہو یا نہیں۔
- پیشاب یا پاخانہ کے لئے نکلنے کے بعد راستہ میں غسل تبرید (ٹھنڈک حاصل کرنے کا غسل) اور مسجد کی حدود میں نماز جنازہ میں شریک ہونا جائز ہے۔

مُفسدات اعتکاف

- مستقلاً غسل مباح یا کسی غیر ضروری کام کے واسطے نکلنے سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔
- گرمی سے بچنے اور غسل تبرید کے واسطے نکلنا امام ابوحنیفہؒ کے اصول کے مطابق درست نہیں اس سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا، البتہ ائمہ ثلاثہ، مالکؒ، شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک اعتکاف فاسد نہ ہوگا لہٰذا احتیاط اس میں ہے کہ غسل تبرید کے واسطے مستقلاً نہ نکلے۔
- اگر اعتکاف مسنون میں جانے سے قبل زبانی طور پر غسل تبرید، عیادت مریض، کسی کی نماز جنازہ کو مستثنیٰ کر لیا جاوے تو فقہاء کے اصول کی رو سے گنجائش معلوم ہوتی ہے جیسا کہ اعتکاف نذر میں اس طرح استثناء جائز ہے۔ (شامی، عالمگیری)
- اعتکاف نذر میں نذر کے وقت اگر غسل تبرید، کسی کی نماز جنازہ میں شرکت، عیادت مریض کو زبانی مستثنیٰ کر لیتا ہے تو ان امور مذکورہ کے لئے نکلنا جائز ہے، اس سے اعتکاف نذر فاسد نہ ہوگا۔
- اسی طرح اعتکاف مسنون (جو کہ شروع کرنے کے بعد ایک طرح سے لازم ہو جاتا ہے) شروع کرنے سے قبل اگر زبانی طور پر غسل تبرید کو، جنازہ کے واسطے نکلنے کو، عیادت مریض کو یا مجلس تعلیم میں شرکت کرنے کو مستثنیٰ کر لیتا ہے تو حالت اعتکاف میں مذکورہ امور کے لئے نکلنے سے اعتکاف مسنون فاسد نہ ہوگا جیسا کہ فقہائے کرامؒ کے اصول اور قواعد سے معلوم ہوتا ہے۔ (شامی، عالمگیری)
- حالتِ اعتکاف میں غیر ضروری چیزوں کی خریداری کے واسطے مسجد سے نکلنا جائز نہیں، اس سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔

- صرف کلی کرنے ، ہاتھ دھونے کے واسطے مسجد سے نکلنا درست نہیں اس سے اعتکاف فاسد ہوجائے گا کیونکہ یہ امور باہر نکلے بغیر حاصل ہوسکتے ہیں۔
- نماز (خواہ فرض ہو یا غیر فرض) تلاوت کلام پاک وغیرہ ادا کرنے کے واسطے اگر وضو کرنا ہو تو اس کے لئے مسجد سے باہر جاکر وضو کرنے کی اجازت ہے۔
- مدرّسین، مقررین، ملازمین کے لئے اپنی تدریس تقریر یا ملازمت کے لئے مسجد سے نکلنا درست نہیں اس سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے۔
- ختم قرآن سننے یا سنانے کے واسطے ایک مسجد سے دوسرے مسجد میں جانے سے اعتکاف نہ رہے گا۔
- مؤذن اگر اعتکاف میں ہو تو وضو خانے کی صفائی، مسجد سے باہر ٹنکی کی صفائی یا اس میں پانی بھرنے کے واسطے نہیں نکل سکتا اگر نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔
- معتکف تقریر اور وعظ سننے یا ختم قرآن کی تقریب میں شرکت کے واسطے دوسری مسجد میں نہیں جاسکتا، اگر جائے گا تو اعتکاف مسنون فاسد ہوجائے گا۔
- جن امور کے لئے مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے ان امور کو انجام دینے کے بعد اگر بلاضرورت تاخیر کی تو اس سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف فاسد ہوجائے گا، دوسرے آئمہ کے نزدیک معمولی تاخیر سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔
- غیر ضروری کام کے لئے اگر مسجد سے نکلا خواہ تھوڑے وقت کے لئے ہو یا زیادہ وقت کے لئے قصداً ہو یا سہواً اس سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔
- اگر معتکف کا روزہ کسی وجہ سے فاسد ہوگیا یا کسی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکا تو اس سے اعتکاف فاسد ہوگیا خواہ بوجہ عذر ہوا ہو یا بلا کسی عذر کے، کیونکہ اعتکاف واجب یا مسنون کی بقا کے لئے حالت روزہ شرط ہے۔
- حالت اعتکاف میں جماع کرنے سے اعتکاف واجب و مسنون فاسد ہوجاتا ہے۔
- حالت اعتکاف میں بیوی سے بوس و کنار کرنا یا شہوت سے مس کرنا درست نہیں، اگر کسی نے ایسا کیا ہے اور ان امور سے انزال ہوگیا ہے تو اعتکاف فاسد ہوگیا، اور اگر انزال نہیں ہوا تو اعتکاف فاسد نہیں ہوا لیکن ایسا کرنے سے اعتکاف میں نقصان واقع ہوا۔
- معتکف اگر بے ہوش اور مجنون ہوگیا تو اعتکاف فاسد ہوجائیگا۔

- حدود مسجد میں مدرسہ، امام و مؤذن کے کمرے، وضو خانہ وغیرہ مسجد کے حکم میں نہیں ہیں اس لیے حالت اعتکاف میں مسجد سے باہر ایسی جگہوں میں جانے سے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف فاسد ہو جائیگا البتہ مسجد کا صحن جس کو مسجد میں شامل کیا گیا ہے اس میں معتکف جا سکتا ہے۔ اسی طرح مسجد کی چھت خواہ مسجد ایک منزلہ ہو یا کئی منزلہ مسجد کے حکم میں ہے۔

عورتوں کے اعتکاف کے بارے میں چند ضروری مسائل

- عورتوں کے لئے چونکہ مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ تحریمی ہے اور ان کے واسطے گھر میں اعتکاف کرنا زیادہ باعث ثواب ہے، اس لئے وہ گھر میں اعتکاف کرنے کے بعد کسی ضروری کام کے لئے اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہیں جائے گی بلکہ نماز، تلاوت کلام پاک، تسبیح تہلیل سب کام اعتکاف کی جگہ انجام دے گی۔
- جس عورت کا شوہر موجود ہے اعتکاف مسنون کے واسطے اپنے شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے کیونکہ شوہر کی اجازت کے بغیر ان کا اعتکاف درست نہیں۔
- جو عورت بے شوہر ہے اپنے نگران اور سرپرست سے مشورہ اور اجازت سے اعتکاف کرے تو زیادہ بہتر ہے۔
- ہاں جو عورت ایسی نہیں ہے اور فارغ البال ہے تو ان کے لئے بلا کسی سے مشورہ و اجازت کے اعتکاف کرنے میں کچھ حرج نہیں۔
- جس عورت کا شوہر معذور یا بیمار ہو، خدمت کا محتاج ہو ایسی عورت کو چاہیئے کہ اعتکاف میں نہ بیٹھے بلکہ شوہر کی خدمت کرے، اس میں زیادہ اجر ملے گا اور صرف نیت اعتکاف کی بناء پر اسکو ثواب ملے گا۔
- اسی طرح جن عورتوں کے چھوٹے بچے اور بچیاں ہیں خدمت کے لئے کوئی دوسرا نہیں ہے یا جوان لڑکیاں ہیں، گھر میں ان کی دیکھ بھال کیلئے کوئی بڑا موجود نہیں ہے تو ایسی عورتوں کے لئے مناسب یہی ہے کہ بچوں کی پرورش اور ان کی دیکھ بال اور تربیت کرتے ہوئے رمضان گذاریں کیونکہ اعتکاف میں بیٹھنے سے زیر کفالت بچے بچیوں کی پرورش اور تربیت میں خلل واقع ہوسکتا ہے۔

- عورت کے اعتکاف کے لئے پاکی کا زمانہ شرط ہے ایام ماہواری میں روزہ واعتکاف درست نہیں۔
- عورت ایام ماہواری کی ابتدا وانتہائی کا حساب کر کے اعتکاف شروع کرے تا کہ اعتکاف شروع کرنے کے بعد فاسد ہو جانے کا احتمال پیدا نہ ہو، کیونکہ اعتکاف کے درمیان اگر ماہواری شروع ہو جاوے تو اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔
- اگر شوہر یا سر پرست کی اجازت سے اعتکاف شروع کیا گیا تو بعد میں ان کے حکم سے بلا عذر اعتکاف توڑنا درست نہیں گناہ ہے، اور بلا عذر اعتکاف توڑنے پر بھی گناہ ہوگا۔
- عورت کا اعتکاف ان تمام امور سے فاسد ہو جاتا ہے جن امور سے مرد کا اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔
- کسی کا ایک دن یا ایک سے زائد دنوں کے بعد اعتکاف فاسد ہو گیا تو اعتکاف مسنون تو صحیح نہ ہوگا، لیکن اس کے بعد بقیہ ایام کا اعتکاف کر لینا بہتر ہے، رمضان میں اعتکاف نفل کا ثواب زیادہ ملے گا۔

ایام اعتکاف کے معمولات

- ایام اعتکاف کی خوب قدر کی جاوے فرض نمازوں کے علاوہ تمام سنن رواتب مؤکدہ ہوں یا غیر مؤکدہ مثلاً نماز اشراق، چاشت، تحیۃ الوضو، ظہر کے بعد مؤکدہ ادا کر کے دو رکعت نفل، عصر سے قبل چار رکعت سنت غیر مؤکدہ، سنت مغرب کے بعد چھ رکعت صلوٰۃ الاوّابین، عشاء سے پہلے چار رکعت سنت غیر مؤکدہ، عشاء کے بعد دو رکعت سنت موکدہ ادا کر کے دو رکعت نفل پھر سحری کے وقت خواہ سحری کھانے سے قبل یا بعد نماز تہجد چار سے بارہ رکعت ادا کرنے کا اہتمام کرے تو فرض عبادتوں کا ثواب ہے۔
- بعد نماز وتر دو رکعت نفل بیٹھ کر جو عموماً لوگوں میں رواج ہے جائز تو ہے لیکن اس طرح کا معمول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ، تبع تابعین، اور آئمہ اربعہ سے ثابت نہیں لہٰذا جو لوگ غیر ضروری اور جائز سمجھ کر پڑھتے ہیں ان پر نکیر کرنا مناسب نہیں اور جو لوگ اس کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے نہیں پڑھتے ہیں ان پر لعن وطعن بھی درست نہیں۔
- دوران اعتکاف فارغ اوقات میں نوافل، تسبیح وتہلیل، استغفار، درود شریف، تلاوت کلام پاک جس قدر ہو سکے کرتے رہیں۔

- طبیعت پر زیادہ بوجھ ڈال کر بے اطمینانی اور بے توجہی سے کوئی نفل عبادت نہ کرے بلکہ ایسے موقع پر تھوڑی دیر استراحت اور آرام کرلیا جاوے پھر سکون واطمینان کے ساتھ اور پوری یک جہتی سے عبادت میں لگ جاوے۔
- لیلۃ القدر کی حفاظت کے واسطے ہر معتکف کو اکیسویں ۲۱ شب سے انتیسویں ۲۹ شب تک ہر طاق رات کا خیال رکھنا چاہیئے، اگر پوری رات بیدار رہنے کا اتفاق نہ ہو تو رات کا زیادہ سے زیادہ حصہ بیدار رہنا چاہیئے تاکہ اس مبارک رات کے فضائل اور برکات سے مستفیض ہوسکے۔
- صلوٰۃ لیلۃ القدر کے نام سے اس رات کو کوئی مخصوص نوافل جن میں مخصوص سورتیں پڑھی جائیں کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔
- بعض لوگ غیر مستند کتابچے یا رسالے یا پمفلیٹ کے ذریعہ اس طرح کی نمازوں کے بے شمار فضائل اور ثواب بیان کرتے ہیں وہ کسی مستند حدیث یا روایت سے ثابت نہیں ہیں۔
- مشہور لیلۃ القدر یعنی ستائیسویں شب کے بعد لوگ عموماً عمل اور عبادات میں سستی کرنے لگتے ہیں یہ بات بہت ہی غلط اور افسوس ناک ہے، کیونکہ لیلۃ القدر کا احتمال ۲۹ کی شب کو بھی ہے، اس کے علاوہ بھی رمضان المبارک کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، حدیث میں رمضان المبارک کے آخری دنوں اور آخری راتوں میں بڑی مغفرت کی بشارت آئی ہے، لہٰذا شوال کا چاند نظر آنے تک پوری محنت سے عبادت میں لگے رہنا چاہیئے۔ فقط۔

اعتکاف کرنے کے فوائد

- شب قدر کی فضیلت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔
- اعتکاف کرنے والے کے دن رات ۲۴ گھنٹے عبادت میں شمار ہوتے ہیں خواہ اس نے فارغ اوقات میں کچھ نہ کیا ہو۔
- معتکف بہت سے گناہوں سے بچ جاتا ہے۔
- اعتکاف مسنون کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ نزدیکی اور قرب حاصل ہوتا ہے جو کسی اور عبادت سے حاصل نہیں ہوسکتا، روزہ کی حالت میں ۱۲ گھنٹے فرشتوں کی مشابہت ہوتی ہے جب کہ اعتکاف میں ۲۴ گھنٹے فرشتوں سے مشابہت حاصل ہوتی ہے۔
- اعتکاف گناہ کو معاف کرانے کے واسطے بہترین ذریعہ ہے۔

- خدا کو راضی کرنے اور اس سے محبت پیدا کرنے کا بہترین وسیلہ ہے۔
- حالت اعتکاف میں بندہ خدا کے دربار میں حاضر رہتا ہے اس لئے خدا کے یہاں اس کی قدر زیادہ ہوتی ہے، نظر رحمت اور نظر عفو و کرم کا زیادہ سے زیادہ امکان پیدا ہوتا ہے۔

اعتکاف نفل

- اعتکاف نفل کے لئے روزہ شرط نہیں، نہ ہی کوئی وقت مقرر ہے بلکہ جب بھی مسجد میں داخل ہوئے خواہ نماز کے ارادہ سے داخل ہو یا کسی اور عبادت کے لئے اگر اعتکاف کرنے کی نیت کرے گا تو ثواب ملے گا خواہ کم سے کم وقت کے لئے ہو۔
- پنج وقتہ نمازوں کے لئے جب آدمی مسجد میں داخل ہو تو اعتکاف کی نیت کر لینا مستحب ہے۔ اس سے ثواب میں اضافہ ہو جاتا ہے، اس طرح نمازوں سے قبل جب مسجد میں آ کر ٹھہرنا ہو یا نمازوں کے بعد جب مسجد میں کچھ دیر ٹھہرنا ہو تو اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنے میں زیادہ اجر ملتا ہے، اسی طرح دینی تعلیم، تقریر، علمی مذاکرہ و مطالعہ کتب کے لئے جب داخل ہو تو اعتکاف کی نیت کر لینا مستحب ہے۔
- رمضان میں کسی بھی وقت سوائے آخری عشرہ کے خواہ زیادہ یا کم وقت کے لئے ہو یا آخری عشرہ میں کم وقت کے لئے ہو اعتکاف مستحب ہوگا۔ رمضان المبارک کے پہلے بیس روز میں اعتکاف کرنا مستحب ہے سنت نہیں، اور آخری عشرہ میں اکیسویں تاریخ شروع ہو جانے کے بعد اعتکاف کرنے سے اعتکاف نفل ہوتا ہے۔
- اعتکاف نفل فاسد نہیں ہوتا۔

زکوٰۃ اور رمضان المبارک

حَامِدًا وَّ مُصَلِّیًا وَّ مُسَلِّمًا

ماہِ رمضان المبارک فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق بہت ہی برکت والا مہینہ ہے، ماہِ رمضان المبارک میں جیسا کہ فرض روزوں اور نماز تراویح کا حکم ہے ایسے ہی تلاوت قرآن، اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ انفاق (خرچ کرنے) دوسرے کارِ خیر اور نیکیوں کو بڑھ چڑھ کر کرنے کا حکم بھی ہے۔

اس ماہِ رمضان المبارک کی برکت سے تمام نیکیوں کے درجے بڑھ جاتے ہیں چنانچہ ایک فرض کی ادائیگی میں ستر فرض کا ثواب ملتا ہے، اور ایک نفل نیکی میں ایک فرض کا اجر ملتا ہے، تو انسان جتنی نفلیں پڑھے گا اتنی فرض نماز کا ثواب ملے گا، قرآن میں سے جتنا حصّہ تلاوت کرے گا اتنے حصّہ کو نماز میں فرض قرأت کرنے کا ثواب ملے گا، جتنا ذکر اللہ کرے گا ذکر کے ہر کلمہ میں فرض ادا کرنے کا ثواب ملے گا، جتنی مقدار درود پڑھے گا ہر درود میں فرض درود ادا کرنے کا ثواب ملے گا، اور جتنا مال صدقہ کرے گا اس میں فرض زکوٰۃ کا ثواب ملے گا، اسی واسطے ہر انسان کو چاہیئے کہ اس ماہ مبارک میں ہر طرح کی نیکی زیادہ سے زیادہ کرنے کی سعی کرے، خاص طور پر زکوٰۃ جو کہ ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے، اور سالانہ ایک دفعہ ادا کرنا ہوتی ہے پورے سال میں کسی بھی وقت اس کی ادائیگی سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے لیکن رمضان المبارک میں ادا کرنے سے ستر ۷۰ فرض کا ثواب زیادہ ملتا ہے لہٰذا اسے بھی رمضان المبارک ہی میں ادا کرنا چاہیئے کیونکہ رمضان المبارک کا مہینہ جس طرح فرض روزوں کا مہینہ ہے اسی طرح زکوٰۃ کا مہینہ بھی ہے۔ اور دونوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی دوسرے مہینوں میں بھی جائز ہے روزے بلا عذر رمضان المبارک کے علاوہ دوسرے مہینوں میں جائز نہیں ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: اے لوگو! رمضان المبارک کا مہینہ زکوٰۃ ادا کرنے کا مہینہ ہے تم اپنے اموال کا حساب کر کے اگر بقدر نصاب ہو تو زکوٰۃ ادا کر دو، اور اگر کسی پر فرض ہے تو فرض کو منہا کر کے باقی مال کی زکوٰۃ ادا کرو۔

بعض حضرات رمضان المبارک کے روزے تو رکھ لیتے ہیں، تراویح بھی پڑھ لیتے ہیں، دوسری نیکیاں بھی کرتے ہیں لیکن فرض زکوٰۃ کو ادا نہیں کرتے یا کرتے بھی ہیں تو اہتمام کے ساتھ ادا نہیں کرتے یہ کوتاہی اور غفلت بہت ہی خطرناک ہے، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت

زکوٰۃ اسلام کے بنیادی احکام میں سے ایک حکم ہے، قرآن کریم کے اندر جہاں کہیں نماز کا حکم آیا ہے اکثر وہیں پر زکوٰۃ کا حکم بھی آیا ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہے جیسا کہ اس کا عقیدہ اور اس پر ایمان لانا فرض ہے، اس کا منکر کافر اور مرتد ہے ادانہ کرنے سے انسان فاسق بن جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرنے والوں سے اس طرح قتال اور جنگ کی جائے گی جس طرح نماز سے انکار کرنے والوں سے قتال کیا جائیگا۔ (بخاری و مسلم)

اسی واسطے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں سے قتال کیا تھا، بہرحال شریعت اسلامیہ میں زکوٰۃ کی بڑی اہمیت ہے۔

زکوٰۃ دینے کے فوائد

(۱) عبادت کی نیت سے حلال مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد انسان کو فرض عبادت کا ثواب ملتا ہے اور رمضان المبارک میں ادا کرنے سے ستر ۷۰ فرض کا ثواب ملتا ہے۔

(۲) زکوٰۃ ادا کرنے سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی حاصل ہوتی ہے اور زکوٰۃ نہ دینے سے غضب الٰہی کا مستحق بنتا ہے۔

(۳) انسان جس مال کی زکوٰۃ ادا کرتا ہے زکوٰۃ دینے سے اس کو بقیہ سارا مال پاک وصاف ہو جاتا ہے لیکن زکوٰۃ نہ دینے سے سارا مال ناپاک ونجس بن جاتا ہے۔

(۴) زکوٰۃ دیئے ہوئے مال کو منجانب اللہ تحفظ حاصل ہوتا ہے، جب کہ زکوٰۃ نہ دینے سے اس کے مال کو کوئی تحفظ حاصل نہیں ہوتا۔

(۵) زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ دینے والے کا تزکیۂ قلب ہو جاتا ہے یعنی دلی بخل نکل جاتا ہے۔

(۶) اور حبّ جاہ اور حبّ مال سے پاک ہو جاتا ہے، دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کا خوف پیدا ہوتا ہے جب کہ زکوٰۃ نہ دینے والے انسان میں بخل پیدا ہوتا ہے اور حبّ مال اور حبّ جاہ پیدا ہو جاتا ہے، اور جوں جوں وقت گزرتا ہے بخل میں اضافہ ہوتا ہے اور انسان محبت الٰہی سے دور ہوتا جاتا ہے، جنت سے دور اور جہنم سے قریب ہوتا جاتا ہے۔

(۷) زکوٰۃ دینے میں نادار اور غریب مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی ہو جاتی ہے پھر اگر دین کی خدمت

کرنے والے غریب مسلمانوں کو زکوٰۃ دی جائے تو خدمت دین کا ثواب بھی مل جاتا ہے، اور مستحق عزیز واقارب اور پڑوسی کو زکوٰۃ دینے سے ان کے ساتھ ہمدردی، صلہ رحمی کا ثواب بھی ملتا ہے جب کہ ایسے لوگوں کو زکوٰۃ نہ دینے سے باہمی منافرت، بغض وعداوت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

(۸) زکوٰۃ دینے والوں کے مال میں نورانیت اور برکت پیدا ہوتی ہے جب کہ زکوٰۃ نہ دینے والے لوگوں کے مال میں برکت نہیں ہوتی، اور ظلمت آجاتی ہے اور خبث پیدا ہوجاتا ہے۔

(۹) زکوٰۃ دینے والوں کے لئے آخرت میں بڑے اجر وثواب کا وعدہ ہے جب کہ زکوٰۃ نہ دینے والوں کے لئے جہنم کے عذاب الیم (دردناک عذاب) کی دھمکی اور اس کے علاوہ خاص طریقے سے عذاب دیئے جانے کی وعید بھی ہے۔

حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے دولت اور مال عطا فرمایا پھر اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو اس کی دولت قیامت کے دن اسی آدمی کے سامنے ایسے زہریلے عظیم سانپ کی شکل میں آئے گی کہ اس کے سر کے بال جھڑ گئے ہوں گے، اور اس کی آنکھوں میں دو سفید نقطے ہوں گے پھر اس سانپ کو زکوٰۃ نہ دینے والے کے گلے کا طوق بنادیا جائے گا پھر وہ سانپ اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا اور کاٹتا جائیگا اور کہے گا کہ میں تیری دولت ہوں، میں تیرا مال ہوں، اس حدیث کو بیان کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ آل عمران کی آیت بھی تلاوت فرمائی۔

ترجمہ: اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس مال ودولت میں جو اللہ نے اپنے فضل وکرم سے ان کو دیا ہے (اور اس کی زکوٰۃ نہیں نکالتے) وہ دولت ان کے حق میں بہتر ہے بلکہ انجام کے لحاظ سے یہ مال ان کے لئے بدتر سے بدتر ہے۔ اس مال کو قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق بنادیا جائے گا الخ۔

سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: جو لوگ سونا چاندی وغیرہ مال ودولت بطور ذخیرہ جمع کرتے اور جوڑتے رہتے ہیں اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپ ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادیجئے، اور یہ عذاب انہیں اس دن ہوگا جس دن ان کے مال ودولت کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کے ماتھے اور ان کے پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی اور ان سے کہا جائے گا یہ ہے تمہاری دولت، یہ ہے تمہارا مال جس کو تم اپنے لیے جوڑتے اور ذخیرہ کرتے تھے۔

ابوداؤد شریف کے اندر آیت کی تفسیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہاں پر انفاق سے مراد فرض انفاق زکوٰۃ مراد ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے انکا مال کنز اور ذخیرہ ہے اور انکے لئے عذاب الیم کی وعید ہے لیکن جو لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ دیتے ہیں ان کا مال کنز اور ذخیرہ اندوزی میں نہیں آتا اس لئے عذاب الیم کی وعید زکوٰۃ دینے والوں کے لئے نہیں ہے۔

نصابِ زکوٰۃ

(۱) صرف سونا جب بیس مثقال یعنی ۷/۱/۲ تولہ یا اس سے زیادہ مقدار میں ہو اس پر کل سونے کا چالیسواں حصّہ نصف مثقال ۱۰ قیراط اس کی مجموعی مالیت میں سے ڈھائی فیصد کے اعتبار سے زکوٰۃ میں نکالنا ضروری ہے۔

(۲) چاندی جب کہ دوسو درہم یعنی ۵۲ ۱/۲ تولہ کے وزن کے برابر ہو یا اس سے زیادہ ہو اس پر چالیسواں حصّہ یا مجموعی مالیت کا چالیسواں حصّہ زکوٰۃ میں نکالنا لازم ہے۔

(۳) واضح رہے کہ سونا اور چاندی کو خواہ استعمال کے لئے رکھا ہو یا تحفظ زر کے واسطے، تجارت کی نیت سے رکھا ہو یا کسی کو تحفہ کے طور پر دینے کے واسطے، زیورات کی شکل میں موجود ہو یا سکوں کی شکل میں ہر صورت میں اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(۴) اگر سونا چاندی دونوں میں سے کوئی چیز الگ الگ مقدار نصاب کے برابر موجود نہیں ہے لیکن دونوں کو ملا کر مقدار نصاب بن جاتی ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے مثلاً چار تولہ سونا ہے، اور ۲۵ تولہ چاندی ہے تو دونوں کو ملا کر مجموعہ کی مالیت لگا کر چالیسواں حصّہ زکوٰۃ میں نکالنا واجب ہے۔

(۵) سونا اور چاندی کا جو حکم ہے نقد رقم کا وہی حکم ہے، اگر کسی کے پاس ضرورت سے زائد سال گذرنے کے بعد بقدر نصاب چاندی ۵۲ ۱/۲ کی مالیت کے برابر کا سکّہ رائج الوقت موجود ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے، سکہ رائج الوقت نصابِ زکوٰۃ کے برابر ہے یا نہیں اندازہ کرنے کے لئے ۵۲ ۱/۲ تولہ چاندی کو معیار بنایا جائے گا کیونکہ مالِ زکوٰۃ میں کم سے کم نصاب جس میں فقراء کا فائدہ ہے اور صاحب مال میں غنی اور تونگری آجاتی ہے وہ دوسو درہم چاندی یعنی ۵۲ ۱/۲ تولہ چاندی ہے لہٰذا کم سے کم نصاب کو معیار بنایا جائیگا۔

(۶) سونا و چاندی اور سکہ رائج الوقت پر جس طرح زکوٰۃ واجب ہے اس طرح اگر کوئی شخص سونے چاندی کے علاوہ تحفظ مال کے ارادہ سے قیمتی پتھر، ہیرے، جواہرات وغیرہ خرید کر رکھے تاکہ قیمت بڑھنے پر اسے فروخت کر کے کیش میں تبدیل کیا جاسکے ایسے ہیرے، جواہرات وغیرہ میں بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

(۷) گھریلو استعمالی اشیاء، کپڑے، فرنیچر وغیرہ میں زکوٰۃ نہیں، اسی طرح برتنوں اور قالین، الماریوں میں زکوٰۃ واجب نہیں البتہ سونے چاندی کے برتنوں پر زکوٰۃ واجب ہے اور جو ہیرے اور جواہرات اور دوسری قیمتی دھات کے زیوارات وغیرہ بنا کر استعمال کے لئے رکھے ہیں اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

(۸) لیکن اگر جواہرات اور قیمتی پتھروں کو ذخیرہ اور تحفظ سرمایہ کی نیت سے خرید کر رکھا گیا تاکہ بوقت ضرورت فروخت کیا جاسکے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اسی طرح جو لوگ تحفظ زر اور تحفظ سرمایہ کے ارادہ سے انعامی بانڈ اور دوسرے سرٹیفیکیٹ وغیرہ خرید کر رکھتے ہیں ان پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

(۹) سونا و چاندی بقدر نصاب جس کی ملکیت میں ہونگے وہ صاحب نصاب ہوگا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۱۰) اگر زیوات بیوی کی ملکیت میں دے دیئے گئے تو بقدرِ نصاب سونے چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ ادکرنا بیوی پر ضروری ہے، خاوند پر بیوی کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں ہے البتہ یہ دوسری بات ہے کہ خاوند برضا و رغبت بیوی کی طرف سے بیوی کے کہنے پر زکوٰۃ ادا کر دے تو اس صورت میں بیوی کی جانب سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

(۱۱) زیورات اگر شوہر کی ملکیت میں ہیں بیوی کو صرف استعمال کے لئے دئے ہوئے ہیں تو ایسے زیورات کی زکوٰۃ بیوی پر واجب نہیں بلکہ شوہر پر واجب ہے۔

(۱۲) جن لوگوں کے زیورات کے بارے میں یہ متعین نہیں کہ بیوی کی ملکیت میں ہیں یا شوہر کی ایسے لوگوں کو ملکیت کا تعین کر لینا ضروری ہے، جس کی ملکیت قرار دی جائے گی اسی پر واجب ہے۔

(۱۳) گھر میں مختلف بھائیوں کی بیویاں ہوتی ہیں جن کے پاس بقدرِ نصاب سونے چاندی کے زیورات ہوتے ہیں تو اس میں ملکیت کا اعتبار ہے جس کی ملکیت میں بقدر نصاب زیورات ہوں گے اسی پر زکوٰۃ واجب ہوگی، سب بھائیوں کے مشترکہ مال میں سے زکوٰۃ نکالنا درست نہیں البتہ شوہر اپنے حصے کی آمدنی میں سے بیوی کی زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

(۱۴) نابالغ کے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

(۱۵) جن لوگوں کا مشترکہ کاروبار ہے یا ان کی مشترکہ جائیداد ہے اگر سب شریک بالغ ہیں پھر تو مشترکہ جائیداد میں سے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر کچھ شریک یا وارث نابالغ ہیں تو پوری جائیداد اور مشترکہ مال میں سے نابالغ شریک اور نابالغ وارث کے حصّے کی زکوٰۃ ادا کی نہیں جائیگی، صرف بالغ شریک اور وارث اپنے حصے کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

(۱۶) مثلاً چار بھائیوں کا مشترکہ کاروبار ہے مشترکہ جائداد ہے جس میں سے دو بالغ ہیں اور دو نابالغ، اور کل مال میں ایک لاکھ روپے زکوٰۃ نکالتے ہیں تو دو بھائیوں کے حصے کے اعتبار سے تو صرف پچاس ہزار روپے زکوٰۃ میں نکالے جائیں گے، دوسرے نابالغ بھائیوں کے پچاس ہزار روپے یا تو ان کے نام پر الگ کھاتے میں جمع کرادیں یا پھر کاروبار میں ان کے پچاس ہزار کو ملادیں اور آئندہ تقسیم منافع کے موقع پر ان کے پچاس ہزار روپے کا منافع بھی الگ ان کو دیا جائے۔

(۱۷) نابالغ اولاد کے نام اور ملکیت میں نقد رقم، کاروبار، سونا وچاندی زیورات جو کچھ بھی ہیں کسی چیز پر زکوٰۃ واجب نہیں، اس لئے جو لوگ اپنی نابالغ اولاد کے نکاح اور شادی کے لئے سونا چاندی کے زیورات بناکے رکھتے ہیں یا نقد رقم بینک میں یا کاروبار میں لگا کر رکھتے ہیں خواہ ان کے قبضہ میں نہ دیا ہو ان سب چیزوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، البتہ بالغ اولاد کے نام پر جو زیورات نقد رقم، بینک میں، یا کاروبار میں لگا رکھی ہے اور بالغ اولاد کے قبضہ میں دے دی ہے اور یہ زیورات یا نقد رقم مقدار نصاب کے برابر بھی ہے تو اس پر زکوٰۃ ادا کرنا بالغ اولاد کے ذمہ ضروری ہے۔

(۱۸) لیکن ماں باپ نے اگر بالغ اولاد کے نام سے زیورات بنوائے یا نقد رقم بینک یا کاروبار میں لگا رکھی ہے اور بالغ اولاد کے قبضہ میں ابھی تک دیا نہیں تو ایسے زیورات نقد رقم، اور کاروباری سرمایہ پر زکوٰۃ ماں باپ کے ذمہ آئے گی، اولاد کے ذمہ نہیں کیونکہ اب تک مذکورہ چیزیں اولاد کی ملکیت میں نہیں آئیں۔

(۱۹) گھر کے افراد میں سرپرست ماں باپ موجود ہیں پوری جائیداد اور سرمایہ ماں باپ کے قبضہ میں اور ان کی ملکیت میں ہے، بیٹے اور بیٹیوں کے قبضہ میں کچھ بھی نہیں تو زکوٰۃ کی ذمہ داری ماں باپ پر عائد ہوگی اولاد پر نہیں۔

(۲۰) البتہ ماں باپ نے اگر نقد رقم، یا کاروبار کے کچھ حصّہ کو اپنی اولاد میں تقسیم کردیا ہے اور ان کے قبضہ میں دے دیا ہے تو جو رقم یا کاروبار کا حصہ اولاد کے قبضہ میں ہے اور وہ بقدرِ نصاب بھی ہے تو اولاد کی

ملکیت کی مقدار زکوٰۃ ادا کرنا اولاد کی ذمہ داری ہے۔

(۲۱) زکوٰۃ نکالنے کے واسطے سال کے اخیر میں پورا سرمایہ اور کاروبار کی نقد رقم وادھار کی رقم کا حساب لگانا ضروری ہے، علی الحساب کچھ رقم زکوٰۃ میں دے دینے سے زکوٰۃ کی ذمہ داری ادا نہ ہوگی۔

(۲۲) گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ اگر ادا نہیں کی گئی تو اب اس کا حساب کر کے زکوٰۃ دے دینا واجب ہے کیونکہ مدّت گزرنے سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی نہ قضا ہوتی ہے۔

(۲۳) اگر کسی پر زکوٰۃ فرض تھی اس نے زندگی میں زکوٰۃ ادا نہ کی اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وصیت کر کے مرا ہے تو اس کی وراثت میں سے سب سے پہلے وصیت کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

(۲۴) اگر مرنے والے نے واجب الاداء زکوٰۃ نکالنے کے بارے میں کوئی وصیت نہیں کی تو وارثوں پر ترکہ میں سے زکوٰۃ نکالنا ضروری نہیں ہے۔

(۲۵) لیکن سب ورثاء مرحوم کے ذمّہ میں سے واجب الاداء زکوٰۃ کی رقم ادا کر دینا چاہیں تو ورثاء اپنے اپنے حصّے سے زکوٰۃ ادا کر سکتے ہیں، غالب امید یہ ہے کہ زکوٰۃ کا ثواب مرحوم کو ملیگا اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔

(۲۶) یہ واضح رہے کہ اگر مرحوم نے واجب الاداء زکوٰۃ ادا کرنے کی وصیت نہیں کی اور ورثاء سب نابالغ ہیں یا ان میں بعض نابالغ ہیں تو وراثت میں سے مرحوم کی زکوٰۃ نہیں ادا کی جائے گی بلکہ ورثاء کے بالغ ہونے کے بعد بھی ان پر مرحوم کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں ہے۔ مگر بالغ ہو جانے کے بعد اپنی مرضی اور خوشی سے اگر انہوں نے مرحوم ماں باپ کی زکوٰۃ ادا کر دی تو خدا سے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ اسے قبول فرمالیں گے۔ یا جو ورثاء بالغ ہیں وہ اپنے اپنے حصّے میں سے مرحوم کی زکوٰۃ نکال سکتے ہیں، نابالغ ورثاء کے حصّے میں سے نہیں۔

مالِ تجارت کی زکوٰۃ

(۲۷) مالِ تجارت جب بقدر نصاب ہو یعنی ۲/۱ ۷ تولہ سونا یا ۲/۱ ۵۲ تولہ چاندی کی مالیت کے برابر ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، ڈھائی فیصد کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

(۲۸) مالِ تجارت کا اصل سرمایہ اور منافع جو سال کے اخیر میں خرچ کے بعد بچا ہوا ہو دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(۲۹) مثلاً کسی آدمی کا اصل سرمایہ ایک لاکھ روپے ہیں اور پورے سال کا منافع ۲۵ ہزار روپے ہیں جس

میں سے بارہ ہزار روپے بچے ہوئے ہیں اور تیرہ ہزار روپے خرچ ہو گئے ہیں تو سال کے بعد ایک لاکھ بارہ ہزار روپے پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(۳۰) مال میں خواہ سونا و چاندی ہو یا مالِ تجارت سب کے اندر وجوب زکوٰۃ کیلئے قیمت فروخت کا اعتبار ہوگا قیمت خرید کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۳۱) مثلاً جو مال زکوٰۃ موجود ہے اس کی قیمت خرید ایک لاکھ روپے ہیں اور موجودہ قیمت فروخت ایک لاکھ دس ہزار روپے ہے، تو زکوٰۃ ایک لاکھ دس ہزار روپے پر آئے گی، یا اس کا برعکس ہے مثلاً مال زکوٰۃ کی قیمت خرید ایک لاکھ روپے ہے، اور قیمت فروخت نوے ہزار روپے ہے تو نوے ہزار روپے پر زکوٰۃ واجب ہے ایک لاکھ پر نہیں۔ اور اسٹاک میں موجودہ مالِ تجارت میں جس طرح زکوٰۃ واجب ہے فروخت شدہ مال کی قیمت جو وصول کرلی ہے اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

جائیداد کی زکوٰۃ

(۳۲) رہائشی جائیداد، مکان، پلاٹ وغیرہ پر زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ یہ چیزیں ضروریات میں شامل ہیں۔

(۳۳) کرایہ پر دیا ہوا مکان، دکان، گودام کی مالیت پر زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ یہ ذرائع آمدنی ہے ایسی چیزوں پر زکوٰۃ نہیں آتی لیکن ان چیزوں کے مالک پر قربانی اور صدقہ فطر واجب ہے اور حج بھی، البتہ کرایہ سالانہ اخراجات کے بعد بقدر نصابِ بچتا ہے، یا دوسرے مال کے ساتھ نصاب بن جاتا ہے تو اس کرایہ پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(۳۴) خرید و فروخت اور تجارت کی نیت سے خریدی ہوئی جائیداد، پلاٹ، اور فروخت کر کے سرمایہ بڑھانے کے ارادہ سے خریدا ہوا مکان، دکان، دفتر وغیرہ پر زکوٰۃ واجب ہے، خواہ سالوں تک فروخت نہ ہو یا قیمت گھٹتی بڑھتی رہے، کیونکہ تجارت کی نیت سے خریدی ہوئی جائیداد مال تجارت میں شامل ہو گئی ہے اور مال تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے۔

(۳۵) کارخانہ، مل، فیکٹری کی زمین، مشینوں، فرنیچر، تعمیرات کی مالیت پر زکوٰۃ واجب نہیں، کیونکہ یہ چیزیں آلات حرف اور ذرائع آمدنی ہیں ثمن اور زر میں شامل نہیں ہیں۔

(۳۶) کارخانوں، ملوں، فیکٹریوں کی آمدنی، خام اور کچے مال، تیار اور پکے مال پر زکوٰۃ واجب ہے اور قیمت فروخت کے اعتبار سے زکوٰۃ دی جائے گی۔

(۳۷) کارخانہ کے سلسلہ میں اگر قرض ہے تو مجموعہ میں سے قرض منہا کر کے بقایا آمدنی یا بقایا مال یا مال بقدر نصاب پہنچتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(۳۸) کارخانہ، مل، فیکٹری کی ضرورت میں استعمال ہونے والی گاڑیوں کی مالیت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، خواہ گاڑیاں ضرورت سے زائد بھی ہوں لیکن ضرورت سے زائد گاڑیوں کی بناء پر قربانی، صدقہ، فطر، حج لازم ہو جاتا ہے۔

(۳۹) زکوٰۃ سال ختم ہونے سے قبل پیشگی ادا کی جاسکتی ہے، البتہ یہ نیت کرے کہ یہ رقم سال کے اختتام پر واجب الاداء زکوٰۃ میں سے ادا کر رہا ہوں جس کا حساب بعد میں کیا جائے گا۔

(۴۰) جس مال پر زکوٰۃ آرہی ہے اسی مال کا چالیسواں حصّہ زکوٰۃ میں دیا جاسکتا ہے اور قیمت کی صورت میں بھی زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے۔

(۴۱) زکوٰۃ کی رقم سے اشیاء خوردنی، اجناس، کپڑے اور دوسرے گھریلو سامان خرید کر بھی دیئے جاسکتے ہیں۔

(۴۲) زکوٰۃ کی رقم سے مستحق زکوٰۃ کو جس کے پاس مکان یا ذریعہ آمدنی کے لئے دکان نہیں تو رہائش کا مکان یا کاروبار کے لئے دکان خرید کر بھی دی جاسکتی ہے۔

(۴۳) زکوٰۃ کی رقم غیر شادی شدہ مستحق لڑکے یا لڑکی کی شادی کے لئے دی جاسکتی ہے۔

زکوٰۃ کہاں کہاں لگائی جاسکتی ہے؟

(۴۴) مسلمان فقیر، مسکین جن کے پاس گذر اوقات کے لئے ضروریات زندگی روٹی، مکان، کپڑے کا انتظام نہیں یا انتظام ہے لیکن ضرورت کی حد تک نہیں ہے۔

- زکوٰۃ وصول کرنے کے عملہ کی تنخواہ میں۔
- قرض دار آدمی جس کے پاس قرض ادا کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔
- وہ نادار نو مسلم افراد جن کی دلجوئی کرنا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔
- وہ مسافر جس کے پاس ضرورت پوری کرنے کی رقم نہیں، نہ ہی فوری ضرورت کے لئے اپنے وطن سے رقم منگوانے کی کوئی صورت ہے۔
- غلام آزاد کرنے میں۔
- اور وہ مجاہد جو اپنے فقر اور ناداری کی بنا پر اسلامی جہاد سے رک گیا ہو، یا وہ حاجی جس کے اخراجات

ختم ہو جانے یا ضائع ہو جانے کی بنا پر حج کر کے واپس نہ آسکتا ہو یا حج کے راستہ ہی میں رک گیا ہو۔

✿ کسی غیر مسلم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

(۴۵) زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصارف ہیں اس کے علاوہ کسی اور جگہ زکوٰۃ کی رقم لگانا درست نہیں۔

(۴۶) لہٰذا جن مدارس عربیہ یا جن اداروں اور انجمنوں کے پاس مذکورہ بالا مصارف میں زکوٰۃ، فطرہ و دیگر صدقہ واجبہ خرچ کرنے کا انتظام اور اہتمام ہے ان مدارس عربیہ یا اداروں اور انجمنوں میں زکوٰۃ کا جمع کرنا جائز ہوگا۔

(۴۷) اور جن مدارس، اداروں یا انجمنوں کے پاس مذکورہ بالا منصوص مصارف میں زکوٰۃ ادا کرنے اور خرچ کرنے کا انتظام اور اہتمام نہیں ہے، ان مدارس، اداروں اور انجمنوں میں زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور اسی طرح دوسرے صدقۂ واجبہ کا ادا کرنا جائز نہیں اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(۴۸) زکوٰۃ مستحق اور نادار اشخاص اور افراد کو مالک بنا کر دینے سے ادا ہوتی ہے۔

(۴۹) اس لئے مدارس، اسکول، کالج، شفاخانہ، ہسپتال، مساجد، پل، سڑک کی تعمیر اور ان رفاہی کاموں میں جہاں پر شخصی تملیک نہیں ہوتی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(۵۰) زکوٰۃ کی رقم سے مساجد کے آئمہ، ملازمین، مدارس کے اساتذہ و ملازمین، ہسپتالوں کے ڈاکٹر اور دوسرے عملہ کی تنخواہ دینا بھی جائز نہیں ہے۔

(۵۱) مستحق مریضوں کی دواؤں، ڈاکٹری فیس وغیرہ کے لئے انہیں زکوٰۃ کی رقم بھی دی جاسکتی ہے اور دوائیاں بھی۔

(۵۲) زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ کی رقم یا اشیاء اپنے اصول یعنی ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی اور اس سے اوپر والوں کو نہیں دے سکتا، اسی طرح اپنے فروع یعنی اولاد اور اولاد کی اولاد اور اس کے نیچے والوں کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا کیونکہ ان لوگوں کی کفالت ناداری کی حالت میں زکوٰۃ دینے والے پر واجب ہے اور جس کی کفالت واجب ہوتی ہے اس کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔

(۵۳) اپنے اصول اور فروع کے علاوہ دوسرے سب رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے مثلاً چچا اور اس کی اولاد اور اس سے نیچے والوں کو، بھائی اور بھائی کی اولاد اور اس سے نیچے والوں کو، خالہ اور اس کی اولاد اور اس سے نیچے والوں کو، پھوپھی اور اس کی اولاد اور اس سے نیچے والوں کو، غرض دوسرے سب رشتہ داروں کو جب وہ مستحق زکوٰۃ ہوں، زکوٰۃ دی جاسکتی ہے بلکہ رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے

میں ایک گونہ ثواب زیادہ ہے کیونکہ صلہ رحمی پائی جاتی ہے۔

(۵۴) دین اور دین کے علوم پڑھنے اور پڑھانے والے مستحق لوگوں کو زکوٰۃ و دیگر صدقات دینے کا سب سے زیادہ ثواب ہے کیونکہ ایک تو مستحق اور ناداری کی بناء پر، دوسرے دین کی خدمت، اور تبلیغ واشاعت کی بنا پر، تیسرے یہ کہ تعلیم دینے اور لینے والے مستحق لوگوں پر خرچ کرنے سے صدقہ جاریہ کا ثواب ملنا شروع ہو جاتا ہے۔

(۵۵) زکوٰۃ کی رقم ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ میں، ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقل کرنا بلا کراہت جائز ہے جب کہ دوسرے صوبہ یا دوسرے ملک کے مستحق افراد زیادہ ضرورت مند اور زیادہ محتاج ہوں، اس لئے بعض لوگ جو علی الاطلاق دوسرے صوبہ میں یا دوسرے ملک میں زکوٰۃ کی منتقلی کو مکروہ سمجھتے ہیں ان کا خیال بالکل غلط ہے۔

(۵۶) دوسری عبادات میں جیسا کہ اپنی خوشی اور اختیار اور نیت عبادت واخلاص کا ہونا لازمی ہے زکوٰۃ میں بھی اپنے اختیار اور خوشی سے نیت عبادت کے ساتھ زکوٰۃ دینا واجب ہے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، نہ ہی ثواب ملے گا۔

صدقۃ الفطر

(۵۷) صدقۃ الفطر ہر عاقل، بالغ، صاحب نصاب، مرد اور عورت پر واجب ہے اور نابالغ لڑکے اور لڑکی کی جانب سے نکالنا بھی سرپرستوں کے ذمہ ضروری ہے۔

(۵۸) صدقۃ الفطر عید الفطر کے دن واجب ہوتا ہے، صدقۃ الفطر رمضان المبارک میں بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔

(۵۹) عید الفطر کے روز نمازِ عید سے قبل صدقۃ فطر کا ادا کر دینا بہت زیادہ فضیلت کی بات ہے، بعد نماز عید بھی دیا جاسکتا ہے لیکن عید کے دن سے بھی تاخیر کرنا خلاف سنت اور مکروہ ہے پھر بھی ادا کر دینا چاہیئے۔

(۶۰) صدقۂ فطر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے یعنی جہاں جہاں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے انہیں جگہوں میں صدقۃ الفطر کا دینا بھی جائز ہے، اور جہاں جہاں زکوٰۃ کا دینا جائز نہیں ہے انہیں جگہوں میں صدقۃ الفطر کا دینا بھی جائز نہیں ہے البتہ غیر مسلم مستحق لوگوں کو صدقۃ الفطر کا دینا جائز ہے جبکہ ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

صدقۃ الفطر میں کھجور، جو، گندم، یا آٹا، یا ان چیزوں کی قیمت دی جا سکتی ہے۔

(۱) کھجور ایک صاع یعنی تقریباً ساڑھے تین کلو یا اوسط درجہ کے ساڑھے تین کلو کھجور کی قیمت دینا ہے جس کی مجموعی قیمت اس سال ۴۲ سے ۴۵ روپے ہیں۔

(۲) جو ایک صاع یعنی تقریباً ساڑھے تین کلو یا اوسط درجہ کے ساڑھے تین کلو جو کی قیمت دینا جس کی مجموعی قیمت اس سال ۱/۲ ۶ روپے سے ۷ روپے تک ہے۔

(۳) گندم نصف صاع یونی پونے دو کلو یا اوسط درجہ کے پونے دو کلو گندم کی قیمت دینا۔ جس کی مجموعی ۱/۲ ۴ روپے سے ۵ روپے تک ہے۔

(۴) اگر آٹا دینا ہو تو دو کیلو دینا چاہیئے یا دو کلو کی قیمت دے دے۔

یہ چند ضروری مسائل لکھ دیئے گئے ہیں باقی دوسرے مسائل اور اشکالات کے بارے میں کسی محقق عالم یا کسی مفتی صاحب سے معلوم کیا جائے۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین وصلی اللّٰہ علی خیر خلقہ محمد و اٰلہٖ و اصحابہ اجمعین.

خوشخبری ہمارے ہاں دیگر تصانیف

ا: تعلیم الایمان شرح فقہ الاکبر

اس کتاب کے بارے میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی کی رائے گرامی:

مولانا نجم الغنی صاحب رامپوری بڑے کامل عالم فاضل تھے، طب میں شاندار کتابیں تصنیف فرمائیں اور اکثر فنون میں کام کی کتابیں تالیف فرمائی۔ مادّیت کے اس دور میں اکابر کی تالیفات اکسیر ہیں، مولانا رحمہ اللہ کی یہ کتاب تعلیم الایمان جو حضرت ملاّ علی قاریؒ کی کتاب شرح فقہ الاکبر کا اردو ترجمہ ہی نہیں بلکہ شرح ہے، کتاب بڑی مبارک ہے انشاء اللہ العزیز۔ نوجوان نسل کو اس کتاب سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عنایت فرمائے۔

۲: تقریر الحاوی شرح اردو تفسیر بیضاوی۔

۳: جامع الفصولین (عربی دو جلد میں)

۴: دین کامل ''الاسلام'' کی مختصر تصویر، از محمد میاں صاحبؒ۔ اس کے علاوہ درسی و غیر درسی مستند کتب بارعایت دستیاب ہیں۔

ملنے کا پتہ

اسلامی کتب خانہ

بنوری ٹاؤن کراچی ۵

تملیک زکوٰۃ کے بارے میں

حضرت رشید احمد گنگوہیؒ

حضرت خلیل احمد سہارنپوریؒ

کی رائے

تملیکِ زکوٰۃ میں مولانا گنگوہیؒ اور مولانا سہارنپوریؒ کا موقف چند شبہات کا جواب

حضرت مفتی صاحب! مدّ ظلہ العالی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گذارش ہے کہ ہم اہل مدرسہ عرصہ سے ایک مسئلہ میں متذبذب رہے اور مطالعۂ کتب اور استفتاء کثیر کے باوجود بے اطمینان رہے ہیں۔ حقیقت میں تذبذب اور تشکک کی اصل وجہ یہ ہوئی کہ حضرت مفتی شفیع صاحب مرحوم مفتی اعظم پاکستان نے فتاوی دارالعلوم، امداد المفتین ص ۸۷۵ (مطبوعۂ دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی) میں لکھا ہے کہ مدرسہ کا محصل اور مہتمم جو صدقہ وزکوٰۃ وصول کرتے ہیں اس کو صدقہ وزکوٰۃ کے غیر مصرف میں خرچ کرنے کے لئے حیلۂ تملیک ضروری ہے۔ مندرجہ ذیل مدارس کے موجودہ مفتیان کرام کی رائے گرامی بھی بعینہٖ یہی ہے جو حضرت مفتی شفیع صاحب مرحوم نے تصریح کی ہے۔

(۱) دارالعلوم دیوبند

(۲) دارالعلوم کراچی

(۳) جامعہ اشرفیہ لاہور۔

(۴) جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

(۵) جامعہ مدنیہ لاہور

(۶) دارالعلوم معین الاسلام ہاٹھزاری بنگلہ دیش۔ مذکورۃ الصدر حضرات کے اتفاق رائے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مہتمم اور محصل مدرسہ کے قبضہ کے بعد ثانیاً حیلۂ تمیک کئے بغیر زکوٰۃ وصدقہ کی رقم کو غیر مصرف مثلاً تنخواہ وخوراک مدرسین میں خرچ کرنا جائز نہ ہوگا۔

اب دیکھئے! کہ حضرت مفتی صاحب مرحوم کی تالیف امداد المفتین کے آخر میں بنام ''اماطۃ التشکیک فی اناطۃ الزکوٰۃ بالتملیک'' ان کا ایک رسالہ لاحق کردیا ہے جس میں انہوں نے امداد المفتین کے حیلۂ تملیک والے قول سے رجوع کا اقرار واظہار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مہتمم مدرسہ اور محصل کا قبضہ وہ قبضۂ فقراء ہے اور فرمایا کہ مال زکوٰۃ اور اس کا حساب الگ الگ لکھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ حضرت مفتی صاحب مرحوم حیلۂ تملیک کے قول سے رجوع کرتے ہوئے عدم الحاجۃ الی الحیلہ کے قائل ہوگئے۔ حیرت تو یہ ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسے حضرات بھی اس میں شریک رائے ہیں (تفصیلی بحث وہاں ملاحظہ فرمائیں) اب ہمارا مطلوب یہ ہے کہ آپ کے پاس اس تعارض کا کیا حل ہے؟ اور ہمیں فی الحال کس پر عمل کرنا چاہیئے؟ ذرا تفصیل سے لکھئے عین نوازش ہوگی۔
مہتمم صاحب کی اجازت سے مدرسین وملازمین مدرسہ کو صدقہ وزکوٰۃ سے امداد کرنا شرعاً کیسا ہے؟
بینوا بیاناً شافیاً توجروا اجراً جزیلاً.

المستفتی
بندہ محمد رفیق غفرلہٗ
خویدم جامعہ اسلامیہ دار السنۃ نھیلہ کاکسبازار

الجواب از دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ

بنوری ٹاؤن کراچی

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کی تحقیق اولاً یہ تھی کہ مہتممین مدارس عاملین صدقہ کے حکم میں نہیں بلکہ معطیان زکوٰۃ کے وکیل ہوتے ہیں، جس بناء پر چند دشواریاں پیش آتی ہیں ان میں اہم دقت یہ پیش آتی ہے کہ جب مہتممین مدرسہ معطیان کے وکیل ہیں تو جب تک اموال زکوٰۃ ان کے قبضہ میں ہوں مصرف میں صرف نہ کئے گئے ہوں تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بلکہ وہ اموال معطیان ہی کی ملکیت میں باقی ہیں۔ چنانچہ اگر ان اموال کو مصرف میں صرف کرنے سے پہلے ان میں سے کسی معطی کا انتقال ہوگیا تو ان کے مال کو ان کے ورثہ کے پاس واپس کرنا ضروری ہے، اس لئے ہر ایک معطی زکوٰۃ کو مال کا حساب بھی الگ الگ لکھنے کی ضرورت ہے کہ کتنا باقی بچا جو بوقت ضرورت واپس کیا جا سکے، ایسے ہی اگر کم ہوگیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوئی وغیرہ وغیرہ، پھر بعد میں حضرت گنگوہی، حضرت تھانوی اور حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہم کی تحقیق کی بناء پر حضرت مفتی صاحب اپنی اول تحقیق سے رجوع فرما کر اس کے قائل ہوئے کہ ”آجکل کے مہتممین مدرسہ اور ان کے مقرر کردہ چندہ وصول کرنے والے، عاملین صدقہ کے حکم میں داخل ہو کر فقراء کے وکیل ہیں“۔ یہ الفاظ بعینہ رسالہ مذکورہ سے منقول ہیں۔ اب وہ دقّت ختم ہوگئی عاملین صدقہ چونکہ فقراء کے وکیل ہوتے ہیں جس کی بناء پر اموال زکوٰۃ ان کے وصول کرنے ہی سے معطین کی ملکیت سے نکل جاتے ہیں اور زکوٰۃ بھی فوراً ہی ادا ہو جاتی ہے اگرچہ ان اموال کو اب تک مصارف میں صرف نہ کیا گیا، ہوا ایسے ہی مہتممین مدرسہ کے وصول کرنے سے بھی اب فوراً زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اگرچہ وصولی کے بعد اب تک اسکو صرف نہ کیا گیا ہو۔ یعنی عاملین صدقہ کا جو حکم ہے وہی حکم یہاں بھی ضرورت کی وجہ سے ثابت کیا گیا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ مہتممین مدرسہ کے لئے یہ حق ہے کہ ان اموال زکوٰۃ کو بغیر تملیک کے مصارف زکوٰۃ کے علاوہ دوسری جگہ صرف کریں؟ تو حضرت مفتی صاحب کے رسالہ مذکورہ کے اندر نہ کہیں اس کی تصریح ہے اور نہ ہی ان کے اقوال و دلائل کا تقاضا ہے بلکہ ان کے دلائل و اقوال عدم الجواز کے متقاضی ہیں، اس لئے کہ جس مسئلہ پر قیاس کر کے اس حکم کو انہوں نے ثابت فرمایا خود اس اصل اور مقیس علیہ کے اندر بھی یہ کہاں جائز ہے کہ عاملین صدقہ یا خود خلیفہ کے لئے یہ حق ہو کہ اموال زکوٰۃ کو وصول کرنے کے

بعد بغیر تملیک فقراء کے دوسری جگہ صرف کریں جو زکوٰۃ کا مصرف نہیں، بلکہ مقیس علیہ کے اندر بھی جائز نہیں ہے کہ غیر مصرف میں زکوٰۃ کو خرچ کرے جب مقیس علیہ کے اندر بلا تملیک فقراء غیر مصرف میں صرف کرنا جائز نہیں پھر مقیس کے اندر تو بطریق اولیٰ جائز نہ ہوگا۔ اور خود حضرت مفتی صاحبؒ کے قول ہی سے ثابت ہے کہ عاملین صدقہ کے حکم میں ہونے سے بھی مہتممین کے لئے وہ حق حاصل نہیں ہوتا رسالہ مذکورہ ہی میں ملاحظہ فرمادیں، وہ عبارت یہ ہے" بالغرض اگر اس کو امیر المؤمنین جیسے اختیارات ہوتے بھی تو امیر المؤمنین کے لئے یہ کب جائز تھا کہ اموالِ زکوٰۃ کو بلا تملیک فقراء رفاہ عام وغیرہ کاموں میں صرف کرسکے، ان لئے جو مشکلات پیش کی گئی ہیں وہ مہتمم کو امیر المؤمنین یا عامل صدقہ فرض کرلینے کے بعد بھی رفع نہیں ہوتیں۔"

خلاصہ: "حیلۂ تملیک کے قول سے رجوع کرنے سے عدم الحاجۃ الی الحیلہ کے قائل ہوگئے" حضرت مفتی صاحبؒ کے متعلق یہ قول رسالہ مذکورہ کو غور سے ملاحظہ فرمانے کے بعد ثابت نہیں ہوتا۔ اور حضرت مفتی صاحبؒ کے قول "ہر ایک شخص کا مال زکوٰۃ اور اس کا حساب الگ لکھنے کی ضرورت نہیں رہی۔" اس کا مطلب بھی اوپر کے بیان سے واضح ہوگیا کہ کُل اموال زکوٰۃ کے لئے اب صرف ایک ہی حساب کافی ہے نہ یہ کہ اموال زکوٰۃ کو غیر اموال زکوٰۃ سے تمیز کی ضرورت نہ رہی۔ ذرا غور سے یہ مطلب واضح ہوجائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۲۔ اگر مستحق زکوٰۃ ہیں تب تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

کتبہٗ محمود الحسن غفرلہٗ

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ

جواب استفتاء پر شبہات از سائل

بخدمت جناب مولانا مفتی صاحب (دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)۔ادام اللہ بقاءہٗ۔

بعد سلام مسنونہ، ایں کہ دینی مدارس کے زکوٰۃ فنڈ کے بارے میں حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ وغیرہم کی تحقیق پر احقر کو جو اشکال تھا دارالافتاء کے جواب سے پوری طرح اطمینان نہیں ہوا، لہٰذا آپ سے مکرر درخواست ہے کہ خلاصہ بحث کو وضاحت کے ساتھ تحریر کر کے مجھے اور مجھ جیسوں کی علمی رہنمائی فرمائیں گے۔کیونکہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی تحریر میں طلباء کی رہائش کے لئے بھی زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کی اجازت دی ہے تملیک کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

بصورت مسؤلہ دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی جانب سے محترم مولانا محمود الحسن صاحب نے جو جواب لکھا ہے، جامع اور تحقیقی ہے۔حضرت الاستاد مولانا مفتی ولی حسن مدظلہ العالی نے اس کی توثیق بھی فرمائی ہے۔اس جواب سے شبہات تو دور ہو جانے چاہئیں تھے تاہم اتمام حجت کے لئے حضرت مولانا گنگوہیؒ و مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری کی تحقیق کا خلاصہ لکھ دیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ محترم سائل کے شبہات دور ہو جائیں گے۔

دراصل یہاں پر دو مسئلے ہیں ہر مسئلہ کا حکم الگ ہے۔پہلا مسئلہ یہ ہے کہ دینی مدارس کے مہتممین و منتظمین مستحق طلباء کی جانب سے اموال زکوٰۃ وصول کرنے اور ان پر خرچ کرنے کے وکیل ہیں؟ یا ارباب اموال کی جانب سے ان کے اموال زکوٰۃ کو مستحق طلباء و فقراء تک پہنچانے کے واسطے ارباب اموال کے وکلاء ہیں؟ اس بارے میں حضرت مولانا گنگوہیؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی تحقیق یہ ہے کہ دینی مدارس کے مہتممین و منتظمین نادار طلباء کی جانب سے ان کے لئے اموال زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے کے لئے وکلاء ہیں، یہ حضرات دینی مدارس کے مہتممین و منتظمین کو اسلامی حکومت کے عاملین صدقات پر قیاس کرتے ہیں۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ ارباب اموالِ زکوٰۃ و صدقہ کو دینی مدارس کے مہتممین و منتظمین کے حوالہ کرنا

ایسا ہے جیسا کہ اسلامی حکومت کے عاملین صدقات کے حوالہ کرنا، جس طرح اسلامی حکومت کے عاملین صدقات کو زکوٰۃ وصدقہ ادا کردینے سے ارباب اموال کی زکوٰۃ وصدقہ کے ادا ہوجانے کا حکم دیا جاتا ہے اس طرح دینی مدارس کے مہتممین و منتظمین کو زکوٰۃ وصدقات کے اموال ادا کردینے سے ارباب اموال کی زکوٰۃ ادا ہوجانے کا حکم دیا جائے گا، قبل اس کے کہ اموال زکوٰۃ مستحقین میں صرف کیا جائے۔ قرآن کریم کی آیت **خذ من اموالهم صدقة تطهرهم**. **الآية** کا ظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے کہ حکومت اسلامی کے سربراہ اور اس کے نائبین کے اخذ زکوٰۃ (زکوٰۃ وصول کرلینے) سے ارباب اموال کے بقیہ اموال کی تطہیر کے ساتھ ساتھ ان کے نفوس کی تطہیر وتزکیہ بھی ہوجاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ بقیہ اموال کی تطہیر اور نفوس کا تزکیہ اس وقت ہوسکتا ہے کہ اسلامی حکومت کے نمائندوں کو زکوٰۃ وصدقات کے اموال حوالہ کردینے سے ان کی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہو، قبل اس کے کہ اسے مصارف زکوٰۃ میں تقسیم کیا جائے۔

''فتح القدیر'' میں شیخ ابن ہمامؒ نے مصرف زکوٰۃ کے ذیل میں لکھا ہے:

فهٰذه جهات الزكوٰة فلمالك ان يدفع الىٰ كل واحد منهم ولهٗ ان يقتصر علىٰ صنفٍ واحدٍ. ......الخ. (فتح القدير ص ٢٠٥ ج٢ مطبوعه داراحياء التراث العربى بيروت)

بعض مصارف زکوٰۃ میں سے سب کو یا کسی ایک مصرف کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، اس بات کو ابوبکر جصاص احکام القرآن میں درج ذیل عبارت سے بیان فرماتے ہیں:

عن علي و ابن عباس، قال: اذا اعطى الرّجل الصدقة صنفًا واحدًا من الاصناف الثمانية اجزأه وروى مثل ذلك عن عمر بن الخطاب و حذيفة وعن سعيد بن جبير و ابراهيم و عمر بن عبدالعزيز و ابى العالية ،ولايروى عن الصحابة خلافه فصار اجماعًا من السلف لايسع احدًا خلافه؛ لظهوره واستفاضته فيهم من غير خلاف ظهر من احد من نظرائهم عليهم.

(احكام القرآن ص ١٣٩ ج ٣٠)

ترجمہ: حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ان دونوں نے فرمایا کہ اگر ایک آدمی اپنے مال زکوٰۃ وصدقات و مصارف ثمانیہ میں سے کسی ایک مصرف میں دے دیتا ہے تو اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی ہوجائے گی۔ اسی طرح کی روایت حضرت عمرؓ، حذیفہؓ، سعید بن جبیرؒ، ابراہیم (نخعیؒ) عمر بن عبدالعزیز، ابوالعالیہؒ سے بھی مروی ہے اور صحابۂ کرام سے چونکہ اس کے خلاف کوئی روایت منقول نہیں ہے۔ لہٰذا سلف کی جانب سے ایک طرح کا اجماع ہوگیا، کسی کو اس

کے خلاف کرنے کی گنجائش نہیں، کیونکہ مذکورہ بات پر اجماع ہونا ظاہر ہو گیا اور سلف میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی۔ اور ان کے معاصرین اہل علم میں سے کسی کا خلاف اس پر ظاہر نہیں ہوا۔

احکام القرآن کی مذکورہ عبارت سے درج ذیل امور معلوم ہوئے کہ:

(۱) مصارف ثمانیہ میں سے بعض کو یا کسی ایک مصرف کو زکوٰۃ وصدقات دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

(۲) زکوٰۃ ادا ہو جانے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(۳) کسی ایک مصرف کو زکوٰۃ دینے سے زکوۃ ادا ہو جانے پر صحابۂ کرام اور سلف کا اجماع ہے۔

(۴) اور آئندہ اس اجماع کے خلاف کرنے کا اختیار کسی مجتہد کو بھی نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ فقراء مساکین کو زکوٰۃ کا مال دے دینے سے جس طرح زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اسی طرح عاملین زکوٰۃ و صدقات کو دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ ہر دو صورت میں اموال زکوٰۃ ارباب اموال کی ملک سے نکل جاتے ہیں۔ البتہ دونوں میں فرق اتنا ہے کہ فقراء و مساکین کو دینے کی صورت میں شخصی تملیک بھی ہو جاتی ہے جبکہ عاملین صدقہ کو دینے کی صورت میں تملیک الی الفقراء بواسطۂ عاملین صدقہ ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی شخصی تملیک کا مسئلہ کہ مستحقین زکوٰۃ کو صدقات کا مال پہنچانا چاہیئے تو اس کی ذمہ داری اسلامی حکومت کے سربراہ اور اس کے نائبین پر رہتی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح ارباب اموال کے اپنے مال کو دینی مدارس کے مہتممین و منتظمین کے سپرد کر دینے سے ارباب اموال کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، کیونکہ یہ حضرات مدارس کے مستحق طلباء کی طرف سے وکلاء ہیں ان حضرات کو مال زکوٰۃ مدارس کے لئے دینا ایسا ہے جیسا کہ عاملین زکوٰۃ کو دینا لیکن مستحق طلباء کو از روئے تملیک زکوٰۃ کی رقم یا اس سے خریدے ہوئے سامان کا دے دینا لازم ہے اباحۃً دینا کافی نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث:

توخذ من اغنیائھم وترد الیٰ فقرائھم الحدیث (بخاری شریف ص ۲۰۳ ج ۱)

مذکورہ بالا باتوں کے لئے حجت ہے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ اور مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی تحریروں کا خلاصہ یہی ہے کہ دینی مدارس کے مہتممین و منتظمین کو اموال زکوٰۃ دینے سے ارباب اموال کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے قبل اس کے کہ اسے طلباء میں تقسیم کیا جائے۔ اس کے آگے یہ بات کہ مہتممین و منتظمین کے قبضہ میں آنے کے بعد مزید تملیک شخصی ضروری ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ان کی عبارات ساکت ہیں۔

۲۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ دینی مدارس کے مہتممین و منتظمین کے قبضہ میں اموال زکوٰۃ آجانے کے بعد یہ حضرات اسے مستحق طلباء کے وظائف، کھانا، دوا وغیرہ میں دینے کے علاوہ دوسری ضروریات مثلاً اساتذۂ کرام اور ملازمین کی تنخواہوں، تعمیرات، کتب خانہ کی کتابیں خریدنے میں بدون حیلۂ تملیک کے خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس مسئلہ کو بھی اگر اصول شرع اور فقہی جزئیات کے لحاظ سے دیکھا جائے تو جواب بالکل ظاہر ہے۔

اولاً یہ کہ جب قیاس کے ذریعہ محلِ منصوص کا کوئی حکم محلِ غیر منصوص پر منتقل کیا جاتا ہے تو محل منصوص اور اصل کا حکم محل غیر منصوص میں بعینہ بلا کم و کاست منتقل کیا جاتا ہے۔ اور یہ قیاس کے شرائط میں سے ہے، اس قاعدہ کی رو سے ہمارے زیر بحث مسئلہ میں محل منصوص اور مقیس علیہ تو اسلامی حکومت کے بیت المال میں جمع ہونے والے وہ اموال زکوٰۃ و صدقات ہیں جو کہ حکومت کے نمائندوں (عاملین زکوٰۃ و صدقات) کے ذریعہ جمع ہوتے ہیں۔ اور محل غیر منصوص اور فرع مدارس کے زکوٰۃ فنڈ ہیں جن میں دینی مدارس کے مہتممین و منتظمین کے ذریعہ اموال زکوۃ وصدقات جمع ہوتے ہیں۔ اور مقیس علیہ اور اصل میں یہ مسئلہ ثابت ہے کہ اسلامی حکومت کے بیت المال میں اموال زکوٰۃ و صدقات جمع ہوجانے کے بعد بھی وہ اموال زکوٰۃ ہی رہتے ہیں، اسلامی حکومت اور اس کے نمائندے اموال زکوٰۃ کے امین ہوتے ہیں ان کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ امانت داری سے اموالِ زکوٰۃ و صدقات کو مصارف زکوٰۃ ہی میں صرف کریں، اسلامی حکومت اور اس کے نمائندوں کو اس بات کی اجازت نہیں ہوتی کہ بیت المال کے زکوٰۃ فنڈ میں اپنی صوابدید کے مطابق جس طرح چاہیں جہاں چاہیں تصرف کریں، اور اس بات کا قطعاً اختیار نہیں ہوتا کہ مصارف زکوٰۃ منصوصہ کے علاوہ کسی اور مصرف میں اموال زکوٰۃ کو صرف کریں۔ قرآن کریم کی آیت: انما الصدقات للفقراء و المساکین (الآیۃ) اور حدث شریف: توخذ من اغنیائھم وترد الیٰ فقرائھم. اسی کے واسطے دلیل ہیں، اس کے علاوہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اسے مال زکوٰۃ میں سے حصہ دیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مصارف زکوٰۃ کا بیان اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لیا ہے کسی نبی کے بیان پر راضی نہیں ہوئے، نہ ہی اس کا بیان کسی غیر نبی کے سپرد فرمایا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر زکوٰۃ و صدقات کے لئے جن مصارف کا ذکر فرمایا ہے اگر تم ان میں سے کسی مصرف کے ضمن میں آتے ہو تو میں تمہیں حصہ دے سکتا ہوں اور اگر ایسا نہیں ہے تو میں تمہیں حصہ نہیں دے سکتا۔ (ملخصًا احکام القرآن ص ۱۴۱ ج ۲)

جس سے معلوم ہوا کہ بیت المال میں اموال زکوٰۃ و صدقات کے جمع ہوجانے کے بعد بھی اس کی

حیثیت زکوٰۃ جیسی رہتی ہے اس کو مصرف زکوٰۃ کے علاوہ دوسری جگہ پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس واسطے اسلامی حکومت کے سربراہ یا اس کے نائبین کو اس بات کا حق نہیں ہے کہ وہ مال زکوٰۃ وصدقات کو مصارف زکوٰۃ کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں خرچ کریں، اموالِ زکوٰۃ وصدقات کو صرف مصارف زکوٰۃ میں صرف کیا جاسکے گا۔ اسی بنیاد پر تمام فقہائے کرام متفقہ طور پر لکھتے ہیں:

مایوضع فی بیت المال اربعة انواع، الاول: زکوٰة السوائم و العشور وما اخذه العاشر من تجار المسلمین الذین یمرون علیه ومحله ماذکرنا من المصارف ای الفقراء والمساکین الخ .

(ھندیه ص ۱۹۰ ج ۱. کذافی ردالمحتار ص ۶۳ ج ۲. بدائع الصنائع ص ۸۶ ج۲)

جس سے واضح ہوا کہ جس طرح بیت المال کے اموال زکوٰۃ کو غیر مصرف زکوٰۃ میں خرچ کرنا جائز نہیں اسی طرح دینی مدارس کے زکوٰۃ فنڈ کو بھی غیر مصارف زکوٰۃ میں خرچ کرنے کی اجازت نہ ہوگی، البتہ حیلۂ تملیک کے بعد مدرسہ کی دوسری ضروریات پر خرچ کرنے کی اجازت ہوجائے گی۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی تحریروں میں ایسا کوئی جملہ نہیں ہے جس سے اس کا جواز معلوم ہو کہ مہتممین و منتظمین بدون حیلۂ تملیک کے اموالِ زکوٰۃ کو مدرسہ کی دوسری ضروریات میں لگاسکتے ہیں۔

البتہ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں اس بات کی وضاحت کرنے کے بعد بھی کہ اموال زکوٰۃ کو مستحق طلباء میں خرچ کیا جائیگا، یہ اشکال باقی رہتا ہے کہ اموال زکوٰۃ کو حیلۂ تملیک کے بغیر دوسرے مصارف میں خرچ کیا جاسکے گا یا نہیں؟ اس کی وضاحت نہیں تو اس کا جواب یہ دیا جائیگا کہ مسئلہ متنازعہ فیہ یعنی دینی مدارس کے زکوٰۃ فنڈ کو جب بیت المال کے زکوٰۃ فنڈ پر قیاس کیا گیا تو جو حکم بیت المال کے زکوٰۃ فنڈ کا ہوگا وہی حکم دینی معدارس کے زکوٰۃ فنڈ کے لئے ہوا۔ بیت المال کے زکوٰۃ فنڈ کو مصارف زکوۃ کے علاوہ دوسرے مصارف میں خرچ کرنا بدون حیلۂ تملیک کے بالاتفاق جائز نہیں ہے۔ اسی طرح دینی مدارس کے زکوٰۃ فنڈ کو بھی بدون حیلۂ تملیک کے عام مصارف میں خرچ کرنا جائز نہ ہوگا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کو حیلۂ تملیک کے بعد دوسری ضرورت میں صرف کرنے پر محمول کیا جائے گا۔ حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت جو کہ بابت اراکین انجمن کے زکوٰۃ فنڈ کے متعلق ہے فتاویٰ رشیدیہ میں ملی، اس سے ہماری تحقیق کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں: اس صورت میں اراکین انجمن پر واجب ہے کہ مصارف زکوٰۃ میں صرف

کریں اگر نہوں نے مصارف زکوٰۃ میں صرف نہ کیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، ہاں غیر مصرف میں بعد تملیک مصارف جیسا کہ مدارس میں معمول ہے صرف ہوسکتا ہے ......الخ

(فتاویٰ خلیلیہ ص ۱۵۴ مکتبہ الشیخ کراچی)

خط کشیدہ الفاظ سے آپ نے دینی مدارس کے حیلۂ تملیک کو معمول بتایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مال زکوٰۃ کو غیر مصارف میں خرچ کرنے کے واسطے حیلۂ تملیک کے ضروری ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

هٰذا ماظهر لی واللّٰه اعلم بحقيقة الحال

کتبہٗ: محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہٗ

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ

بنوری ٹاؤن۔ ۱/۵/۱۴۰۵ھ

الجواب صحیح

(۱) (مفتی) ولی حسن ٹونکی (صاحب مدظلہ) (رئیس دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن)

(۲) (مفتی) احمد الرحمٰن غفرلہٗ (مدیر جامعہ)

(۳) (مفتی) محمد ولی درویش غفرلہٗ

(۴) (مفتی) محمد شاہد

(۵) (مفتی) محمد ابوبکر سعید الرحمٰن غفرلہٗ

(۶) (مفتی) محمد رضاء الحق غفرلہٗ

ہمارے جنگی قیدی

اور

نماز قصر

ہمارے جنگی قیدی اور نماز قصر

کچھ عرصہ قبل ایک صاحب جنہوں نے اپنا نام ''مولانا محمد فیروز ملک'' تحریر فرمایا ہے، جنگی قیدیوں کے کیمپ (انڈیا) سے یہ استفتاء بھیجا تھا کہ پاکستانی جنگی قیدی جو بھارت میں محبوس ہیں، پوری نماز پڑھیں یا قصر کریں؟ چونکہ ہمارے نزدیک یہ مسئلہ بالکل صاف اور واضح تھا اس لئے یہاں سے اس کا مختصر جواب بھیج دیا گیا کہ ہمارے جنگی قیدی جو بھارت میں مقیم نہیں بلکہ محبوس ہیں، اس لئے وہ جب تک آزاد ہو کر اپنے وطن واپس نہیں آجاتے تب تک وہ مسافر رہیں گے اور قصر کریں گے۔ اور حوالے کے لئے فقہ وفتاویٰ کی مشہور کتاب درمختار کی عبارت بھی لکھ دی گئی، ''مولانا محمد فیروز ملک'' صاحب نے اس فتویٰ سے اختلاف کرتے ہوئے کافی رنج وغصہ کا اظہار فرمایا، برادرم مولوی عبدالسلام صاحب نے ان کے اشکالات کو سامنے رکھ کر اس مسئلہ پر ایک مفصل تحریر مرتب کی، مناسب معلوم ہوا کہ یہ علمی بحث قارئین بینات کی خدمت میں پیش کی جائے۔ پہلے ''مولانا محمد فیروز ملک'' کا خط بلفظہٖ ملاحظہ فرمائیے۔

(مدیر بینات)

پاکستان کے جنگی قیدی کی نماز کے بارے میں

ایک اہم استفتاء

جناب مفتی صاحب دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵

اسلام علیکم۔

جناب مولانا صاحب! گذارش ہے کہ آپ نے درمختار کے حوالہ سے فتویٰ بھیجا ہے کہ ہندوستان میں پاکستانی جنگی قیدی نماز قصر ادا کریں گے۔ ہمیں اس بات کا افسوس ہے کہ آپ نے درمختار سے ہی دلیل کی ابتدا کی حالانکہ ہماری شریعت کے چار اصول ہیں جن کو اصول اربعہ بولا جاتا ہے۔ اور ان میں اصل اول یعنی پہلی دلیل قرآن پاک ہے اور آپ نے قرآن پاک سے اس مسئلہ کا حل تلاش نہیں کیا ہے۔ قرآن پاک سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۳۸ اور سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۰۰، اور آیت نمبر ۱۰۲ کو ذرا ملاحظہ فرماویں کہ سفر اور دشمن کا خوف، یہ دونوں شرطیں جب موجود ہوں تب نماز قصر ہوسکتی ہے ورنہ نہیں اور حدیث نبویؐ سے ثابت ہے کہ شرعی سفر میں آدمی نماز قصر کرسکتا ہے خواہ دشمن کا خوف نہ بھی ہو۔ لیکن آپ ہمیں یہ مطلع فرمادیں کہ قید خانہ میں جہاں نماز کی ہر قسم کی سہولت باقاعدہ اذان، پانی کا صحیح بندوبست، اسلامی درس وتدریس کی کھلی اجازت اور سہولت ہو یہاں پر نماز قصر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے یا حضور پُرنور نے اجازت دی؟ اگر ہے تو ان حدیثوں کو باسند قلمبند فرمادیں تاکہ ہمیں تسلی ہوجاوے۔ یا تو آپ کے نزدیک قید خانہ، سفر، دارالحرب میں کوئی فرق نہیں ہے۔ آپ ہمیں قیدیوں کی نماز کے بارے میں اہل سنت والجماعت کے بڑے بڑے اماموں کی رائے پیش کریں۔ آپ کو سوائے احمد ابن حنبلؒ کے کوئی نہیں ملے گا جو قید میں نماز قصر کی اجازت دے۔ ہمیں اس بات پر بڑا افسوس ہے کہ آپ لوگوں نے قرآن پاک کو صرف تلاوت کرنے کے لئے رکھا ہوا ہے اور فتویٰ کے لئے انسانی تالیفات کو استعمال کرتے ہیں۔ آپ قرآن پاک کی سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۱۲ ملاحظہ فرماویں۔ مختلف فیہ چیزوں کے فیصلے کے لئے پیغمبروں کو کتاب دیجاتی ہے نہ کہ صرف تلاوت کرنے کے لئے، ایضاً سورۃ الکہف آیت نمبر ۵۳ کو دیکھیں۔ گستاخی معاف فرمادیں! میرا مطلب کہنے کا سب سے پہلے قرآن شریف سے فیصلہ لینے کی کوشش کرنی چاہیئے اگر نہ ہوسکے تو پھر سنت سے پھر اجماع پھر قیاس سے، لیکن پہلے ہی دوسری طرف دوڑنا قرآن کی توہین ہے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ جواب سے جلد آگاہ کریں۔

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

حامدًا و مصلّیاً وّمسلّمًا.

امابعد! اینکہ گزشتہ دنوں میں آپ کے دوخطوط ملے ہیں جس میں مولانا مفتی محمد شاہد صاحب کے فتویٰ پر آپ نے تنقیدی نظر ڈالی ہے، اور جس میں آپ کا اندازِ بیان کافی درشت تھا تاہم دوبارہ جواب حاضر ہے۔ جناب محترم آپ نے بنیادی طور پر تین چار غلطیاں کی ہیں ان غلطیوں کا ازالہ فرمالیجئے۔ وہ غلطیاں حسب ذیل ہیں۔

(الف) آپ نے صلوٰۃ قصر کے حکم شرعی کا مدار صرف آیات قرآنی پر رکھنے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے آپ کو فہم آیت اور اس کے معانی ومقاصد سمجھنے میں مغالطہ ہوگیا ہے، حالانکہ احکام شرعیہ کی تمام تر تفصیلات اور احکام کے متعلق آیات کے معانی ومطالب اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتے جب تک قرآن اور آیات قرآنی کا مطالعہ حامل قرآن نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان فرمودہ تشریحات کی روشنی میں نہ کیا جائے۔ اس لئے آپ کو اگر صلوٰۃ قصر کی آیت سے نماز قصر کے سارے احکام معلوم کرنے ہیں تو بیان رسولؐ احادیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں معلوم کرنا ہوگا۔

(ب) صلوٰۃ قصر کے اسباب وعلل سمجھنے میں بھی آپ سے کوتاہی ہوئی ہے کیونکہ آپ صلوٰۃ قصر کے جواز کے لئے خوف وہراس کا موجود ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ احادیث رسول، آثار صحابہ اور اجماع امت کا اتفاق اس کے خلاف ہے۔

(ج) آپ نے مدت اقامت یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کو خواہ بہ نیت اقامت ہو یا بلا نیت اقامت دونوں کو برابر سمجھا ہے، حالانکہ واقعہ اس کے خلاف اور برعکس ہے۔

(د) آپ نے یہ نکتہ بھی ملحوظ نہیں رکھا کہ کونسی جگہ نیت اقامت کی صلاحیت رکھتی ہے اور کونسی جگہ ہے جو اس صلاحیت سے محروم ہے؟ اور یہ کہ کس شخص کی نیت اقامت معتبر ہے اور کس کی نہیں؟ اس نکتہ کو فراموش کردینے کی وجہ سے آپ نے ہمارے جنگی قیدیوں کو بھارت میں ''مقیم'' بنادیا، جب کہ وہ وہاں اپنے ارادہ واختیار سے مقیم نہیں بلکہ جبری طور پر محبوس اور ''نظر بند'' ہیں۔ ان غلط فہمیوں کے علاوہ آپ نے صلوٰۃ قصر کے سلسلہ میں جتنی آیتیں پیش کی ہیں ان میں سوائے آیت وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ الآیۃ. کے ساری آیتیں غیر متعلق ہیں، اس لئے یہاں ان غیر متعلق آیتوں سے بحث نہیں کی جائے گی البتہ آیت قصر پر احادیث وآثار کی روشنی میں غور فرمایئے تاکہ آپ کی پہلی اور

دوسری غلط فہمی رفع ہو ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنَّ الْکَافِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ٥ وَاِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوۃَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَکَ وَلْیَاْخُذُوْا اَسْلِحَتَهُمْ قف فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْیَکُوْنُوْا مِنْ وَّرَائِکُمْ وَلْتَاْتِ طَائِفَةٌ اُخْرٰی لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَکَ. الآیة. (النساء آیت نمبر ۱۰۱، ۱۰۲)

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم کو اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز میں کچھ کم کرو اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم کو کافر لوگ پریشان کریں گے، بلاشبہ کافر لوگ تمہارے صریح دشمن ہیں اور جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں تو ان کا ایک گروہ تو آپ کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور وہ لوگ اپنے ہتھیار لے لیں پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی آ جائیں اور آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیں......الخ۔

یہ وہ آیتیں ہیں جو صلوٰۃ خوف اور صلوٰۃ قصر سے متعلق ہیں لیکن ان کی پوری تفصیلات کا ذکر قرآن میں موجود نہیں ہے اس لئے ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا شان نزول بیان کر دیا جائے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ بنی نجار کے بعض لوگوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ! ہم دور دراز شہروں کا سفر کرتے ہیں اور وہاں مختلف قسم کے حالات پیش آتے ہیں تو ہم ایسے حالات میں کس طرح نماز ادا کریں آیا پوری نماز پڑھیں یا رکعتوں میں کچھ کمی کر سکتے ہیں تو اس پر آیت مذکورہ اتری، فرمایا گیا کہ تم اگر دور دراز مقامات کا سفر کرو تو تم نماز میں قصر کر سکتے ہو، جن حالات میں قصر کے متعلق سوال کیا گیا چونکہ اس وقت صحابہ کا سفر عموماً خوف وخطرہ سے خالی نہیں ہوتا تھا اور اکثر و بیشتر ان کا سفر جہاد اور کافروں سے لڑنے کے لئے ہوتا تھا اس لئے آیت میں حالات کے اعتبار سے خوف کا ذکر بھی کر دیا گیا اور نہ یہ کوئی ضروری شرط نہیں کہ قصر کے لئے خوف وخطر ہی موجود ہو چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں۔

قولہٗ ان خفتم ان یفتنکُمُ الایه فالخوف شرط بظاهر النص وبه قالت الخوارج علیٰ انه لیس بشرط بل الکلام خارج مخرج الغالب فان غالب اسفار النبی صلی الله علیه وسلم کان مظنة للخوف فلاحکم لهٰذا الشرط الیٰ قولهٖ وقد

تظاهرت السنن على قصر الصلوٰة في حالة الامن كماذكرنا حديث يعلىٰ بن امية عن عمر و روى الشافعيؒ عن ابن عباس قال سافر رسول الله صلى الله عليه وسلم بين مكة والمدينة آمنًا لايخاف الاالله يصلي ركعتين، وعن حارثة بن وهب الخزاعي صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن اكثر ماكنا قط وامنة بمنىٰ ركعتين. متفق عليه. (تفسير مظهري ص ۲۱۷ ۲)

اللہ تعالیٰ کے قول ان خفتم کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر کے لئے خوف شرط ہے اور یہی خارجیوں کے رائے ہے لیکن امت محمدیہ کا اجماع اس پر ہے کہ قصر کے لئے حالت سفر میں خوف کا ہونا ضروری نہیں اور قرآن مجید میں خوف کا ذکر غالب اور اکثر کے اعتبار سے ہے، کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اکثر سفر خوف کے احتمال سے خالی نہیں ہوتا تھا (چونکہ یہ قید احترازی ہرگز نہیں بلکہ قید اتفاقی ہے) اس لئے اس قید کی وجہ سے حالت امن میں سفر کے وقت قصر پڑھنے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

حالت امن میں صلوٰۃ قصر کے بارے میں بہت سی حدیثیں آچکی ہیں جیسا کہ ہم نے عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث یعلیٰ کی روایت سے نقل کردی ہے، امام شافعیؒ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ ومدینہ کا سفر ایسے امن کی حالت میں کیا کہ خدا کے سوا کسی کا ڈر نہیں تھا، اندریں حالت بھی آپؐ دوگانہ قصر ادا فرماتے تھے۔ اور بخاری و مسلم میں حضرت حارثہ بن وہب الخزاعی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (حجۃ الوداع کے موقع پر) منیٰ میں ہمیں دوگانہ قصر پڑھایا، حالانکہ نہ ایسی کثرت تعداد کبھی ہمیں نصیب ہوئی نہ ایسا امن کبھی میسر آیا تھا۔ (تفیسر مظهری ص ۲/۷ ۲۱)

تفسیر مظہری کی اس عبارت اور یعلیٰؓ وابن عباسؓ اور حارثہ بن وہبؓ کی روایات سے صاف ظاہر ہوا کہ آیت کریمہ میں ان خفتم کی قید اتفاقیہ اور غالب احوال کی بناء پر ہے قید احترازی یا شرط کے لئے نہیں اس لئے حالت سفر میں خوف وہراس موجود ہو یا نہ ہو قصر کرنا لازم اور ضروری ہے۔

واضح رہے کہ آیت مذکورہ کی یہ توجیہ وتشریح اس وقت ہے جب کہ ان خفتم کو ماقبل سے متعلق مانا جائے لیکن اگر ان خفتم کو اذا ضربتم سے غیر متعلق مانا جائے تو اس وقت یہ بحث ہی ختم ہوجاتی ہے۔ درحقیقت آیت کی یہی تفسیر صحیح اور راجح ہے۔ کیونکہ شان نزول کی روایات میں یہ صراحت موجود ہے کہ نماز قصر کے بارے میں واذا ضربتم سے لے کر ان تقصروا من الصلوٰة تک آیت

نازل ہوئی تھی اور ایک سال بعد نماز خوف کے بارے میں ان خفتم سے آخیر آیت تک کا حصہ نازل ہوا، گو نماز خوف کا تذکرہ نماز قصر کے ذیل میں نہیں بلکہ نماز خوف کے سلسلہ میں ہے۔ چنانچہ تفسیر "الدر المنثور" ص ج ۱ میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ بنی نجار میں سے بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ہم دور دراز کا سفر کرتے ہیں وہاں ہم کس طرح نماز پڑھیں؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصر و من الصلوٰۃ ......الخ تک نازل فرمائی پھر وحی بند ہوگئی۔ جب ایک سال بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوہ کے سلسلہ میں نکلے اور میدان جہاد میں نماز ظہر ادا کی تو مشرکوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کرنے کا بہترین موقع تھا تم نے حملہ کیوں نہیں کیا؟ ان میں سے ایک نے کہا کہ مسلمانوں کی اس کے بعد اس جیسی اور ایک نماز ہے اس میں حملہ کیا جا سکتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا ان الکفرین کانوا لکم عدوا مبینا ○ واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ ......الخ نازل فرمائی۔ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو جماعتیں بنا کر صلوٰۃ خوف ادا فرمائی۔

اس سلسلہ میں صاحب تفسیر مظہری لکھتے ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ ان خفتم کا تعلق ماقبل کی نماز قصر سے نہیں بلکہ مابعد کی نماز خوف سے ہے یہ توجیہ لفظی اعتبار سے اگرچہ بعید معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت اور معنی کے لحاظ سے نہایت موزون اور مناسب ہے اس لئے کہ صلوٰۃ خوف کے لئے باجماع امت خوف کا ہونا ضروری شرط ہے (بخلاف نماز قصر کے) حالانکہ آیت میں اس کے خوف کا ذکر نہیں، نیز امام بغوی نے اس کی تفسیر میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے جو حدیث نقل کی ہے اس سے بھی تشریح مذکور کی تائید ہوتی ہے چنانچہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ آیت فلا جناح علیکم ان تقصر و امن الصلوٰۃ تک قصر کے بارے میں نازل ہوئی، جب ایک سال گذر گیا تو صحابہ نے آپ سے صلوٰۃ خوف کے متعلق سوال کیا اور اس پر آیت ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا ان الکفرین کانوالکم عدوًّا مّبینًا. واذا کنت فیھم...... الخ۔ نازل ہوئی۔ بغوی نے کہا ہے کہ اس کے نظائر قرآن میں بے شمار موجود ہیں کسی خبر کے پورا ہو جانے کے ساتھ دوسری خبر کو بھی منسلک کر دیا جاتا ہے، ظاہری اعتبار سے دونوں جملے متصل معلوم ہوتے ہیں حالانکہ حقیقت اور معنی کے لحاظ سے دونوں ایک دوسرے سے الگ اور جدا ہوتے ہیں ابن جریر نے حضرت علیؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ بنی نجار کے بعض لوگوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ

والسلام سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگ مختلف جگہوں کا سفر کرتے ہیں تو حالت سفر میں کس طرح نماز پڑھیں؟ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آیت **واذا ضربتم فی الارض** سے **ان تقصر وامن الصلوٰۃ** تک نازل فرمائی پھر وحی بند ہوگئی جب دوسرا سال آیا اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوہ کے لئے نکلے اور میدان جہاد میں ظہر کی نماز ادا کی، اس کو دیکھ کر مشرکوں میں سے بعض نے کہا کہ تمہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھیوں نے حملہ کرنے کا موقع دیا تھا تم نے ان پر حملہ کیوں نہیں کیا ان میں سے ایک نے کہا کہ ان کے لئے اس طرح کی اور ایک نماز ہے جس کا وقت کچھ دیر کے بعد ہے۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ خوف کی آیت **ان خفتم** سے **عذابًا مهينا** تک نازل فرمائی۔'' (تفسیر مظہر ص ۲/ ۲۱۸)

مذکورہ بالا تفسیر اور روایات سے بات بالکل صاف ہوگئی کہ **ان خفتم** کی شرط نماز قصر سے متعلق نہیں بلکہ صلوٰۃ خوف سے متعلق ہے، جس سے واضح ہوا کہ نماز قصر کے لئے خوف کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے، خوف کی شرط لگانے کی کوئی وجہ نہیں ہے، خوف ہو یا نہ ہو بہر صورت سفر میں قصر واجب اور لازم ہے، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین سمیت تمام صحابہ کرام کا عمل یہی ہے اور اسی پر امت کا اجماع ہے کما فی البدائع ص ۹۲ ج ۱، ان تفاسیر کے علاوہ دو چار حدیثیں بھی ملاحظہ فرمائیے۔

عن عائشة زوج النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قالت فرض اللّٰہ الصلوٰۃ حین فرضها رکعتین ثم اتمهافی الحضر فاقرت صلوٰۃ السفر علی الفریضة الاولٰی.
(بخاری و مسلم ص ۲۴۱ ج ۱)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نماز کو فرض قرار دیا تو ابتداءً دو رکعت کر کے فرض کیا تھا اور حالت حضر میں بعد میں چار رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا ہے اور حالت سفر میں دو رکعت کا حکم باقی رکھا گیا جیسا کہ پہلے سے دو دو رکعت تھی۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے معلوم ہوا کہ حالت سفر کے لئے دراصل دو رکعتیں ہی مشروع ہوئیں، اس لئے حالتِ سفر میں اگر چار رکعتیں پڑھی جائیں گی تو گویا شریعت کے ایک رکن اور فرض میں اضافہ لازم آئے گا اس لئے ہمارے فقہا نے لکھا ہے کہ سفر میں قصر واجب ہے اتمام کرنا گناہ اور معصیت ہے۔

(۲) **عن عبداللّٰہ قال صلّیت مع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلّم بمنٰی رکعتین وابی بکر و عمر و مع عثمان صدرا من امارته ثمّ اتمّها الخ.**

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھی ہیں اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ ان کے زمانۂ خلافت میں اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کے زمانہ خلافت کی ابتداء میں پھر بعد میں انہوں نے پوری نماز پڑھی۔ (بخاری ص ۱۴۷ ج ۱)

روایت مذکورہ سے واضح ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا معمول یہی تھا کہ وہ حالتِ سفر میں دو ہی رکعت پڑھا کرتے تھے اور حضرت عثمانؓ ابتدائی زمانہ میں دو رکعت پڑھا کرتے تھے اور بعد میں اقامت کی نیت سے پوری چار رکعتیں پڑھی ہیں۔

(۳) عن ابن عمر قال انی صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی السفر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ، اللہ ثم صحبت ابابکر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ، و صحبت عمر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ، ثم صحبت عثمان فلم یزد علیٰ رکعتین حتی قبضہ اللہ، وقد قال اللہ تعالی: لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ.

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ مجھے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کیساتھ سفر میں رہنے کا اتفاق ہوا آپ نے سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ کبھی بھی نہیں پڑھیں یہاں تک کہ آپ وفات پا گئے، پھر ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ رہنے کا موقع ملا انہوں نے بھی دو رکعتوں سے زائد کبھی نہیں پڑھیں، یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی، پھر عمرؓ کے ساتھ رہنا ہوا انہوں نے بھی دو رکعتوں سے زائد ادا نہیں کیں، یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی، پھر حضرت عثمانؓ کا رفیق سفر رہا انہوں نے بھی دو رکعتوں پر اضافہ نہیں کیا یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی بعد ازاں (ابن عمرؓ نے یہ آیت تلاوت کی کہ) اللہ نے فرمایا: "**لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ**" رسول اللہ، میں تمہارے لئے اسوہ حسنہ موجود ہے۔ (ص ۱۴۲ ج ۱)

دیکھئے! حضرت عبداللہ بن عمرؓ صلوٰۃ قصر کی اہمیت اور اس کی شان وجوب کو کیسے بیان فرما رہے ہیں، پہلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بتایا پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا، پھر حضرت عمر فاروقؓ کا، پھر حضرت عثمان غنیؓ کا، اس کے بعد انہوں نے قرآنی آیت سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کے تعامل کو امت کے لئے عملی نمونہ ہونے پر استدلال کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا تخصیص خوف وعدم خوف پوری زندگی میں دوران سفر قصر ثابت ہے تو اس کے بعد کون ہے کہ اس کا انکار

کرے اور خلیفۂ اول وثانی وثالث کا عمل بھی وہی تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ روایت نمبر۲ میں حضرت عثمانؓ کیمنی میں اتمام کا جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ ان کا دائمی عمل نہیں تھا بلکہ صرف ایک موقعہ پر انہوں نے اتمام کیا تھا اور اس کی ایک خاص وجہ بیان فرمائی تھی، اکابر صحابہ نے ان کی تاویل کو قبول نہیں فرمایا بلکہ اس پر شدید نکیر فرمائی غالبًا ان اکابر کے معقول اعتراض کو انہوں نے قبول فرما کر اپنی رائے سے رجوع کرلیا، اور پھر تا حیات قصر ہی فرماتے رہے، جیسا کہ ابن عمرؓ اس کی تصریح فرما رہے ہیں۔ واللہ اعلم۔

لہٰذا ہمارے لئے دستور العمل وہی قابل اعتبار ہوگا جو حضور صاحب شریعت اور خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام سے ثابت ہے یعنی حالت سفر میں خواہ خوف ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں نماز قصر واجب ہے اور اس کا تارک گنہگار ہے۔

(۴) عن حارثة بن وهب قال صلى بنا النبى صلى الله عليه وسلم امن ما كان بمنىٰ ركعتين.

حضرت حارثہ بن وہب سے روایت ہے کہ منیٰ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائی تھیں حالانکہ اس وقت ایسا امن وامان آپ کو حاصل تھا کہ ایسا ساری عمر کبھی نصیب نہیں ہوا۔ (بخاری ص ۲۷۳ ج ۱، مسلم ص ۱۴۳، ج ۱)

(۵) عن يعلىٰ بن اميه قال قلت لعمر بن الخطاب: قال الله تعالىٰ: "ليس عليكم جناح ان تقصروا من الصلوٰة ان خفتم ان يفتنكم الذين كفروا" فقد امن الناس: فقال عجبت ممّا عجبت منه، فسألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذٰلک، فقال: صدقة تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقتهٗ.

(مسلم ص ۲۴۱ ج ۱)

حضرت یعلیٰ بن امیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کوئی گناہ نہیں کہ نماز میں سے کچھ قصر کرو اگر دشمن کا خوف ہو، سو آج کل تو حالات پُر امن ہیں (قصر کیوں پڑھی جاتی ہے؟) فرمایا تم کو جس سے تعجب ہے میں بھی اس سے متعجب ہوا تھا، چنانچہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جا کر سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ صلوٰۃ قصر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انعامی صدقہ ہے اس لئے تم اس کو ضرور قبول کرو۔

(۶) عن ابن عباس قال صلّينا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بين مكة

والمدينة ونحن آمنون لانخاف شيئًا ركعتين.

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ہم نے مکہ اور مدینہ کے سفر کے دوران نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھی ہیں حالانکہ ہم بالکل امن وامان سے تھے کسی قسم کا خوف نہیں تھا، اس حدیث کی ابن ابی شیبہ اور ترمذی نے تخریج کی ہے اور امام ترمذی نے اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

(اخرجه ابن ابی شيبة و الترمذی و صححه)

ان تمام روایات اور احادیث سے یہ بات منصہ مشہور پر آچکی ہے کہ حالت سفر میں قصر کے لئے خوف وفتنہ کا ہونا کوئی ضروری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے خوف وعدم خوف دونوں صورتوں میں قصر کرنے کو واجب اور ضروری کہا ہے اور اس کو ترک کرنے کو گناہ کہا ہے۔ کمافی المبسوط ص ۲۳۵ ج۱، والبدائع ص ۲۹ ج۱، اس لئے آپ کا یہ کہنا کہ قرآن مجید میں صلوٰۃ قصر خوف کے ساتھ مشروط ہے غلط ہے اور یہ اہل سنت والجماعت کے خلاف خارجیوں کا عقیدہ ہے۔ کما قال المظہری۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ آپ کا یہ تصور کہ صلوٰۃ قصر کی اجازت اس وقت ہے جب کہ مسافر کو پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کا موقع نہ ہو اور اگر پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کا موقع ہو خواہ اقامت کی نیت ہو یا نہ ہو قصر نہیں پڑھ سکتا، یہ بھی غلط اور محض خیال باطل ہے کیونکہ اس میں مدار پندرہ روز یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کا موقع پر نہیں ہے بلکہ پندرہ روز یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت پر ہے، اگر نیت اقامت کی ہے تو وہ مسافر نہیں رہیگا اس لئے پوری نماز پڑھے گا، اور اگر اقامت کی نیت نہیں تو قصر کرے گا خواہ برسوں رہنے کا اندیشہ ہو، اسی طرح اگر مسافر کو کسی وجہ سے یہ معلوم نہ ہو کہ سفر سے واپس کب ہوگی تو ایسی صورت میں بھی قصر واجب ہے خواہ اس حالت تذبذب میں مدت گذر جائے۔ مندرجہ ذیل احادیث اس کی دلیل ہیں:

(۱) امام طحاوی نے عبداللہ بن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے وہ دونوں فرماتے ہیں کہ اگر تم لوگوں کو کسی شہر میں مسافر ہو کر جانا پڑے اور تمہاری نیت وہاں پندرہ دن ٹھہرنے کی ہو تو وہاں پوری نماز پڑھا کرو اور اگر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں (یا کسی وجہ سے معلوم نہیں کہ کب تک واپسی ہوگی) تو ایسی حالت میں وہاں قصر کیا کرو۔

(۲) ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ابن عمر کا معمول یہ تھا کہ اگر کسی سفر میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت ہوتی تو پوری نماز ادا کرتے تھے۔

(۳) امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں ابو حنیفہ کی سند سے ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ ابن عمرؓ نے کہا کہ تم اگر

مسافر ہو اور تمہارے دل میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت ہو تو پوری نماز پڑھو اور اگر (تمہاری نیت پندرہ دن ٹھہرنے کی نہیں یا) کسی وجہ سے صحیح مدّت ٹھہرنے کی معلوم نہیں تو ایسے حالات میں قصر ادا کیا کرو۔ (مظهری ص ۲۸۶ ج ۲)

روایات مذکورہ اور صحابہؓ کے آثار سے واضح ہوا کہ حالت سفر میں قصر و اتمام کا مدار نیت اقامت پر ہے اگر پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت نہیں یا مسافر کو اس بات کا قطعی علم نہیں کہ سفر سے کب واپسی ہوگی مدّت اقامت تک ٹھہرنا ہوگا یا اس سے قبل واپس ہونا پڑے گا تو ایسی صورت میں قصر واجب ہے اتمام جائز نہیں۔

واضح رہے کہ کسی مسئلہ پر حدیث رسول یا آثار صحابہ اگر موجود ہوں تو اس مسئلہ پر محض قیاس آرائی کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ احادیث وروایات کی بنیاد وحی پر ہوتی ہے جس میں قیاس آرائی یا رائے زنی کا کوئی امکان نہیں، چنانچہ صاحب کبیری آثار مذکورہ کو نقل کرنے کے بعد امام محمدؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

قال محمد فی کتاب الأثار: فی مثل هذا کالخبر اذ لا مدخل للرأی فی التقدیرات الشرعية. (ص ۱۵۰، کذافی البدائع ص۹۷ ج ۱، مبسوط ص ۲۳۷ ج ۱)

امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں کہا ہے کہ اس جیسے مسائل میں آثار صحابہ کی حیثیت حدیث رسول کی سی ہے اس لئے کہ تقدیرات شرعیہ میں رائے اور قیاس کا کوئی دخل نہیں۔

اس اصول کے تحت فقہاء کرام اور علمائے اسلام نے لکھا ہے کہ بدون نیت اقامت کے اگر کسی جگہ سالہا سال رہنے کا اتفاق ہو پھر بھی قصر واجب ہے اتمام درست نہیں، چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانی لکھتے ہیں:۔

ترجمہ: رہانیت اقامت کا مسئلہ؟ سو ہمارے نزدیک مسافر کے مقیم ہونے کیلئے نیت اقامت ضروری ہے۔ پس اگر کوئی شخص شہر میں داخل ہوتا ہے اور وہاں قافلے کے انتظار میں یا کسی ضرورت کے لئے ایک مہینہ یا اس سے بھی زیادہ مدّت تک ٹھہرنا پڑے اور اسکے دل میں یہ خیال ہو کہ آج نکلونگا یا کل اور ابھی تک اقامت کی نیت نہیں کی تو یہ شخص مقیم نہیں ہوگا، آگے چل کر لکھتے ہیں کہ اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ وہ نیشاپور کی کسی بستی میں دو مہینے تک ٹھہرے اور اس دوران نماز قصر ادا کرتے رہے، اور عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آپ آذربائیجان میں ایک مہینہ تک مقیم رہے اس میں دوگانہ قصر

پڑھتے رہے اور علقمہ سے منقول ہے کہ وہ خوارزم میں دو سال تک اقامت پذیر رہے اس مدت میں وہ قصر ہی ادا کرتے رہے، عمران بن حصین سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر موجود تھا اور آپؐ نے مکہ میں اٹھارہ دن تک قیام فرمایا اور آپؐ وہاں دوگانہ پڑھا کرتے تھے اور اہل مکہ سے فرمایا تم چار رکعت ادا کرو ہم مسافر ہیں (صاحب البدائع فرماتے ہیں نص اور اجماع کے مقابلہ میں قیاس صحیح نہیں بلکہ باطل ہے اور ناقابل اعتبار ہے)۔'' (بدائع ص ۹۷، المبسوط ص ۲۳۷ ج ۱)

علامہ کاسانی کی مذکورہ بالا عبارت اور انہوں نے جو روایات نقل کی ہیں ان سے معلوم ہوا کہ نیت اقامت کے بغیر سفر میں صرف پندرہ روز نہیں بلکہ سالہا سال رہنے سے بھی مسافر مقیم نہیں ہوتا بلکہ مسافر ہی رہتا ہے، اس کے ذمہ اتمام واجب نہیں بلکہ ایسے موقع پر اتمام کرنا گناہ ہے کیونکہ قصر کا حکم قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور اسی پر صحابۂ کرام بلکہ تمام امت محمدیہ کا اجماع ہے، اس لئے اس کے مقابلہ میں کسی دلیل عقلی یا قیاس کو پیش کرنا قطعاً صحیح نہیں ہوگا بلکہ باطل اور استدلال فاسد ہوگا۔

نصوص شرعیہ اور روایات مذکورہ سے جب یہ دونوں باتیں ثابت ہوگئیں کہ حالت سفر میں قصر کے لئے خوف وغیرہ کا ہونا بالکل ضروری نہیں اور حالت امن و امان میں بھی نماز قصر لازم اور ضروری ہے دیگر یہ کہ قطعی طور پر نیت اقامت کے بغیر کسی سفر میں مدّت اقامت سے زیادہ ٹھہرنے پر بھی قصر واجب ہے اتمام درست نہیں تو معترض کے وہ متذکرہ دونوں تصور غلط ثابت ہو گئے جن کی بنیاد پر وہ جنگی قیدیوں پر اتمام کے واجب ہونے پر مصر ہیں۔

(۴) رہا کافروں کے ہاتھ جنگی قیدیوں کی نیت اقامت کا مسئلہ؟ اس سلسلہ میں مذکورہ بالا دونوں ضابطوں کو نظر میں رکھتے ہوئے فقہاء کرام نے دو اصول قائم کئے ہیں۔

(الف) اول یہ کہ دار الحرب (کافر ممالک) مسلمان افواج کے لئے جائے اقامت نہیں، اس لئے جنگی فوج اور مجاہدین کے لئے دار الحرب میں اقامت کی نیت ہی صحیح نہیں، کیونکہ کافروں کا ملک مسلمان افواج کے لئے جائے قرار نہیں بلکہ جائے فرار ہے، دار الاسلام میں وہ جس آزادی سے رہ سکتے ہیں انہیں دار الحرب میں ٹھہرنے کی وہ آزادی حاصل نہیں، خصوصاً وہ جنگی قیدی جو جنگ کے سلسلہ میں قید و اسیر ہو کر دشمن کے چنگل میں پھنس گئے ہوں ان کو کوئی اختیارات حاصل نہیں بلکہ وہ تو بے دست و پا اور بے بس ہیں، بے سرو سامانی کی زندگی گزار رہے ہیں (ہماری اطلاعات کے مطابق ہمارے جنگی قیدی بڑی صعوبت اور مصیبتوں میں اوقات بسر کر رہے ہیں اگرچہ جناب معترض

صاحب نے اس کے خلاف رپوٹ پیش کی ہے) حاصل یہ کہ دارالحرب، مسلم افواج کی اقامت کا محل ہی نہیں اس لئے اگر وہ وہاں آزاد اور خود مختار بھی ہوں اور بالفرض پندرہ دن قیام کی نیت بھی کرلیں تو بھی ان کی نیت معتبر نہیں اور وہ بدستور مسافر ہی رہیں گے۔

(ب) دوسرا اصول یہ ہے کہ جو افراد دوسرے کے تابع ہوں ان کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ ان کے لئے نیت متبوع معتبر ہے یعنی یہ افراد جن کے ماتحت رہے ہیں اور جن کی مرضی واختیار کے تحت ان کی نقل وحرکت ہوتی ہے انہیں کی نیت کا اعتبار ہے، وہ اگر سفر کی نیت کرتے ہیں تو تابعین ماتحت افراد بھی تبعا مسافر ہیں اور اگر وہ اقامت کی نیت کرتے ہیں تو تابعین بھی مقیم ہیں، فقہاء کی تصریحات ملاحظہ ہوں شمس الائمہ علامہ سرخسی لکھتے ہیں:۔

وتوطين اهل العسكر انفسهم علىٰ الاقامة وهم فى دارالحرب محاصرون لاهل المدينة ساقط و هم مسافرون لحديث ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنه ان رجلا ساله فقال: انا نطيل الثوىٰ فى دارالحرب، فقال: صلّ كعتين حتىٰ ترجع الىٰ اهلك. ولان نيته الاقامة لاتصح الافى موضع الاقامة و دارالحرب ليس بموضع للاقامة للمحاربين من المسلمين؛ لانه غير متمكن من الفرار بنفسه بل هوبين ان يهزم العدوفيفر وبين ان يهزم فيفر،ولان فناء البلدة تبع لجوفها والبلدة فى يد اهل الحرب فالموضع الذى فيه العسكر كان فى ايديهم

(المبسوط ص ٢٤ ج١)

اہل عسکر یعنی اسلامی فوج جب تک دارالحرب میں کافروں کے کسی شہر کا محاصرہ کئے ہوئے ہو ان کی نیت اقامت اور ٹھہرنے کا ارادہ غیر معتبر اور باطل ہے بلکہ وہ مسافر ہی رہیں گے، کیونکہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آپ سے اس سلسلہ میں سوال کیا تھا کہ ہم دارالحرب میں بڑی مدّت تک ٹھہرتے ہیں تو وہاں کس طرح نماز پڑھیں؟ ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ تم اپنے گھروں میں واپس آنے تک قصر یعنی دو رکعت پڑھا کرو اور اس وجہ سے کہ نیت اقامت جائے اقامت ہی میں صحیح ہوتی ہے اور دارالحرب جنگی افواج کے لئے جائے اقامت نہیں کیونکہ وہ اپنے اختیار سے وہاں سے فرار ہونے اور نکلنے پر قادر نہیں وہ تو اس

تذبذب کے عالم میں ہیں کہ دشمن کو شکست ہو تو وہاں سے فرار ہو جائے یا ان کی شکست ہو تو یہ بھاگ جائیں، اور اس وجہ سے کہ کسی شہر کے اطراف و جوانب اس کے مرکزی حصہ کے تابع ہوا کرتے ہیں، دارالحرب کافروں کے ہاتھ میں ہے لہٰذا جس جگہ فوج ہے وہ بھی کافروں کے ہاتھ میں ہے (پس مسلمانوں کا کنٹرول جس علاقے پر نہیں وہاں مقیم ہونے نہ ہونے کا سوال ہی خارج از بحث ہے)

اور بدائع میں بھی قریب قریب یہی عبارت ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

ولان نية الاقامة مع نية الفرار و انما تصح فی محل صالح للقرار، ودار الحرب ليست موضع قرار المسلمين المحاربين الى قوله **فلم تصادف النية محلها فلغت**. (ص ۹۸ ج ۱)

اور دارالحرب میں نیت اقامت صحیح نہ ہونا اس لئے ہے کہ نیت اقامت سے مقصد اپنے ارادے اور اختیار کے ساتھ قیام کرنا ہوتا ہے، اور اس کی نیت ایسی جگہ ہی صحیح ہو سکتی ہے جو نفس الامر میں قیام کرنے کے لئے لائق اور قابل بھی بنے اور چونکہ دارالحرب مسلمان افواج کے قرار و قیام کی جگہ نہیں اس لئے وہاں اقامت کی نیت بے محل ہونے کی وجہ سے لغو ہے۔

ان دونوں عبارتوں سے جو وجوہات بصراحت معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ مسلمان افواج کے لئے دارالحرب اقامت اور قرار کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا، لہٰذا وہ لاکھ نیت کریں نیت اقامت ہی ساقط الاعتبار ہے۔ اور یہ تو اس صورت میں ہے جب کہ مسلمان افواج اپنے ارادے سے دارالحرب میں داخل ہوئی ہوں اور ان کو ایک اعتبار سے فرار و قرار دونوں کا اختیار حاصل ہو، لیکن چونکہ ان کو اپنے فرار اور قرار کا صحیح وقت معلوم نہیں اور نہ وہ دارالحرب میں ہوتے ہوئے یقینی طور پر قرار و اقامت کی قدرت رکھتے ہیں اس لئے ان کی نیت اقامت غیر صحیح اور فاسد ہے لہٰذا وہ ایسے حالات میں قصر ہی ادا کریں گے۔ لیکن جنگی سپاہی جو اپنے ارادے کے بغیر دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر جنگی قیدی کی حیثیت سے دارالحرب میں داخل ہوں اور اب وہ کیمپوں میں محصور و لاچار، مسلوب الاختیار اور تابع محض ہیں ایسے حالات میں ان کی نیت اقامت کیسے صحیح ہوگی ان میں تو نیت اقامت کی اہلیت نہیں، کیونکہ ان کے قرار و فرار، قیام و عدم قیام اور اپنے اپنے گھروں میں واپسی کا علم ان کو قطعی حاصل نہیں۔ جب کہ صورت مسئولہ (فی الاستفتاء) میں

دشمن صاف طور پر بتاتے نہیں کہ جنگی قیدیوں کو مدّت اقامت سے زائد عرصہ تک ٹھہرنا ہوگا یا انہیں اس سے قبل رہا کر دیا جائے گا، بلکہ اس کے برعکس وہ تو یہ کہتے ہیں کہ متعلقہ مسائل حل ہوتے ہی فوراً تمام جنگی قیدی رہا کر دیئے جائیں گے۔ ایک دن بھی تاخیر نہیں کی جائے گی اور متنازعہ مسائل ایک دن میں حل ہو سکتے ہیں اور اس میں ایک ماہ بلکہ سال بھی لگ سکتا ہے تو ایسے غیر یقینی حالات میں ان کی نیت اقامت کیسے صحیح ہوگی؟ (نیت اقامت کا مفہوم تو یہ ہے کہ آدمی اپنے ارادہ و اختیار کے ساتھ پندرہ دن یا اس سے زیادہ مدّت تک ٹھہرنے کا قطعی فیصلہ کرے۔ اب غور فرمائیے کہ ہمارے جو جنگی قیدی بھارت کے پنجۂ ظلم میں محبوس ہیں کیا ان میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ بطور خود اس امر کا فیصلہ کرلیں کہ انہیں فلاں جگہ اتنے گھنٹے ٹھہرنا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے، انہیں بذاتِ خود نہ رہنے کا اختیار ہے نہ جانے کا، نہ قرار کا نہ فرار کا بلکہ ان کا قیام اور عدم قیام اغیار کے اشارہ چشم و ابرو کا منتظر ہے، انہیں کچھ خبر نہیں کہ کب انہیں رہا کیا جاتا ہے یا کب ایک کیمپ سے دوسرے کیمپ منتقل کئے جانے کا فرمان صادر ہوتا ہے۔ اندریں حالات معمولی عقل و ہوش کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ جب قیام و عدم قیام میں ان کی رائے کو کوئی دخل ہی نہیں، نہ کسی جگہ کا ٹھہرنا نہ ٹھہرنا ان کی مرضی اور ارادے پر منحصر ہے تو ایسی بے بسی کی حالت میں ان کی نیت اقامت کیسے صحیح ہوگی؟ اور وہ بھارت کی قید میں ''مقیم'' کیسے بن جائیں گے؟ کیا کوئی اسلامی یا غیر اسلامی حکومت اپنے جیالوں کو پندرہ دن نہیں بلکہ پندرہ منٹ بھی دشمن کی قید میں رہنے کی اجازت دے سکتی ہے؟ (بے بسی اور مجبوری کی اور بات ہے) اگر نہیں اور قطعاً نہیں، تو اسلامی شریعت کب گوارا کر سکتی ہے کہ مجاہدین اسلام کافروں کی قید میں پندرہ دن رہنے کی نیت کر کے مقیم بن جائیں؟ الغرض ہمارے جنگی بہادر، نہ دشمن کی جانب سے اس امر کے مجاز ہیں کہ وہ وہاں ٹھہرنے یا نہ ٹھہرنے کا بطور خود فیصلہ کرسکیں، نہ قومی غیرت انہیں اس کی اجازت دیتی ہے نہ اسلامی شریعت ہی اسے روا سمجھتی ہے۔ پھر آخر کس منطق سے وہ وہاں ''مقیم ہوگئے''؟ اور ان کی کالعدم نیت کیسے معتبر ہوگئی؟ اسلامی شریعت نے اس مسئلہ میں جن دقیق قانونی، معاشرتی، اخلاقی اور نفسیاتی پہلوؤں کو ملحوظ رکھا ہے افسوس ہے کہ مستفتی صاحب بھارت کی مہیا کردہ اذان اور پانی کی سہولتوں میں ایسے غرق ہوئے کہ اسلامی شریعت کی یہ ساری باریکیاں ان کی نظر سے اوجھل ہوگئیں۔) (مدیر بینات)

دارالحرب کی بات تو اور ہے دارالاسلام میں بھی عام سپاہیوں کی نیت اقامت کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ ان کی نیت اقامت اور سفر کا مدار ان فوجی افسروں کی نیت پر ہے جن کی ہدایات و احکامات سے وہ ایک جگہ

سے دوسری جگہ سفر کرتے ہیں، اگر فوجی افسر کہتا ہے کہ ہم مقیم ہیں تو تمام سپاہی مع متعلقہ افراد مقیم ہوں گے اور اگر فوجی افسر کہتا ہے کہ ہم مسافر ہیں تو جملہ متعلقہ اشخاص تبعاً مسافر ہیں۔ پہلی صورت میں اتمام واجب ہے قصر درست نہیں، دوسری صورت میں قصر واجب ہے اتمام درست نہیں، یہ دارالاسلام میں رہنے والے مجاہدین وافواج کا حکم ہے اور وہ افواج جو آج کل جنگی قیدی بن کر دارالحرب میں محبوس ہیں یا جنگ لڑتے ہوئے دارالحرب میں گھس گئی ہوں وہ ایک طرح دشمن کے ہاتھ میں پھنسے ہوئے ہیں اور دارالحرب میں محصور ہیں جہاں عام فوجوں کو کیا بڑے بڑے افسروں اور جرنلوں اور کرنلوں کو بھی یہ معلوم نہیں کہ کب تک قید و بند کی زندگی گزارنی ہوگی اور کب رہا ہو کر اپنے گھروں کی طرف واپسی ہوگی، تو ایسی صورت حال میں ان جنگی قیدیوں کی نیت اقامت کی کیا حقیقت ہے؟ اسی وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے:

وحكم الاسير فی دار الحرب حكم العبد لاتعتبر نيتهٗ. (البحرالرائق ص ۱۴۲ ج ۱)

دارالحرب میں جنگی قیدیوں کا حکم مثل غلام کے ہیں اس لئے ان کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

صاحب تنویرالابصار نے ان لوگوں کی فہرست بیان کی ہے جن کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ ان کے متبوع جن کے وہ ماتحت ہیں انہیں کی نیت کا اعتبار ہوگا، چنانچہ لکھتے ہیں:۔

والمعتبر نيّة المتبوع لا التّابع كامرأة وعبد وجندی واجير مع زوج ومولی وامير ومستاجر. (حاشية ردالمختار ج ۲ ص ۱۳۳)

اور صلوٰۃ قصر کے سلسلہ میں متبوع کی نیت کا اعتبار ہے نہ کہ تابع کی مثلاً عورت، غلام، فوجی، ملازم ہیں، عورت شوہر کے ساتھ ہو، غلام مولیٰ کے ساتھ، فوجی اپنے امیر کے ساتھ اور ملازم اپنے مستاجر کے ساتھ ہو تو متبوع کی نیت کا اعتبار ہے تابع کا نہیں۔

جس سے واضح ہوا کہ جنگی قیدی اور ان کی طرح وہ تمام افراد جن کو استقلال رائے حاصل نہیں ان کی نیت اقامت اور نیت سفر شرعاً غیر معتبر اور کالعدم ہے کیونکہ نیت سفر یا نیت اقامت صحیح ہونے کے لئے استقلال رائے شرط ہے، چنانچہ درمختار میں ہے:۔

والحاصل ان شروط الاتمام ستة: النية والمدة واستقلال الرأی وترک السير واتحاد الموضع و صلاحيتهٗ قهستانی. (ص ۱۲۸ حاشیہ ردالمختار ج ۱)

حاصل کلام یہ ہے کہ اتمام چھ شرطوں کے ساتھ جائز ہے، اقامت کی نیت ہو، مدّت اقامت ہو، استقلال رائے حاصل ہو، ترک سفر، اقامت ایک ہی جگہ ہو، جس جگہ اقامت کی نیت کی جائے

وہ جگہ اقامت کی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔

دارالمختار کی اس عبارت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اتمام کے لئے دوران سفر استقلال رائے کی ضرورت ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ جائے اقامت ایسی ہو جو اقامت اور قرار کے لائق اور قابل بھی ہو، نیز جائے اقامت صرف ایک ہی جگہ ہو۔ اب اگر ہمارے جنگی قیدیوں کے ساتھ ان مسائل کی تطبیق دی جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اوّلاً ہندوستان کافر ملک ہے مسلمان افواج کے لئے وہ جگہ اقامت وقرار کی جگہ نہیں، نہ اس کے لئے وہ جگہ قابل ہے اس لئے وہاں ان کی نیت اقامت کا کوئی اعتبار نہیں، دوم یہ کہ ان جنگی قیدیوں کو استقلال رائے حاصل نہیں جو کہ اتمام صلوٰۃ کے لئے شرط ہے بلکہ وہ انڈیا کے نگران جیل کے تابع ہیں۔

تیسرے یہ کہ ان کو ہندوستان میں ایک ہی کیمپ میں نہیں رکھا جاتا بلکہ مختلف وقتوں میں مختلف کیمپوں میں منتقل کئے جاتے ہیں لہٰذا اتحاد موضع کی شرط بھی فوت ہوگئی، اس لئے ہم نے حدیث وآثار اور فقہائے امت کی آراء کی روشنی میں کہا تھا کہ پاک فوج کے جو مجاہد ہندوستان میں بحیثیت جنگی قیدی محبوس ہیں وہ مقیم نہیں بلکہ مسافر ہیں وہ احکام سفر کے مکلف ہیں۔ اور ہم نے یہ محض قیاس اور رائے سے نہیں بلکہ احادیث رسولؐ اور فقہ اسلامی کی روشنی میں فیصلہ کیا ہے خصوصاً حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ کی حدیث اس سلسلہ میں ایک اہم اصول کی حیثیت رکھتی ہے، فرماتے ہیں:۔

ان كنت لاتدرى متى تظعن فاقصر.

اگر تم کو سفر سے واپسی کا حال معلوم نہیں تو قصر ہی پڑھو۔

اس پر صاحب بدائع نے خوب لکھا ہے:۔

وهٰذا باب لايوصل اليه الاجتهاد لانّه من جملة المقادير.

(بدائع ص ۵ ج ۱)

یہ شرعی حکم ایسا ہے کہ اس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ یہ منجملہ مقادیر میں سے ہیں (اور مقادیر شرعیہ تک قیاس اور رائے کی رسائی نہیں)۔

لہٰذا نیوٹاؤن سے جنگی قیدیوں کے سلسلہ میں جو فتویٰ صادر کیا گیا ہے وہ باہمی مشورہ اور تحقیق سے لکھا گیا ہے، اور چونکہ اختصار یا کسی اور وجہ سے اس سے آپ کو غلط فہمی ہوگئی ہے اس لئے جواب مذکور کو طول دے کر دوبارہ ترتیب دینا پڑا۔ امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ نماز قصر کے سلسلے میں تمام اعتراضات دور ہوجائیں گے اور آپ کے سامنے صحیح صورت حال واضح ہوجائے گی۔ لیکن قلب سلیم اور فہم صحیح باید۔

هداكم الله و ايانا الىٰ سواء السبيل، وحفظكم و ايانا من المفاسد والا باطيل.

كتبهٗ
محمد عبدالسلام عفا اللّٰه عنه
دارالافتاء "جامعة العلوم الاسلامية"
علاّمه بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵

الجواب صحيح
(مفتی) ولی حسن ٹونکی (صاحب مدظلّه)
(رئیس دارالافتاء جامعة العلوم الاسلامیه بنوری ٹاؤن)
۱/۱۱ ۱۳۹۹ھ

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عن زید بن ارقم رضؓ قال قال اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: یا رسول اللّٰہ ماھٰذہ الاضاحی؟ قال: سنة ابیکم ابراھیمؑ علیه السّلام: قالوا: فمالنا فیھا یا رسول اللّٰہ، قال: بکلِّ شعرةٍ حسنةٌ، قالوا: فالصوف یا رسول اللّٰہ، قال: بکلِّ شعرةٍ من الصّوف حسنةٌ

(رواہ احمد و ابن ماجه)

قربانی کی اہمیت

اور

اسکے مسائل

بگرامی خدمت جناب مولانا مفتی محمد عبدالسلام صاحب، دارالافتاء بنوری ٹاؤن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

روزنامہ جنگ کے واسطے قربانی کی اہمیت اور مسائل پر مشتمل ایک مختصر مضمون تحریر فرمادیں تاکہ اس کی اشاعت سے لوگ زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں اور ان کی قربانیاں بھی صحیح ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو اجر جزیل عطا فرمائے۔

قربانی کی اہمیت اور اس کے مسائل

حدیث میں ہے: قربانی کے دونوں میں قربانی سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، قربانی کے ایام میں سب نیکیوں سے بڑھ کر نیکی قربانی کرنا ہے۔ قربانی کے جانور کو ذبح کرتے وقت سب سے پہلے خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے اس سے پہلے ہی قربانی اللہ کے یہاں قبول ہو جاتی ہے۔

حدیث میں ہے: قربانی کے جانور کے جسم پر جتنے بال ہوتے ہیں ہر ہر بال کے بدلہ میں ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ اس طرح ایک قربانی سے لاکھوں کروڑوں نیکیاں مل جاتی ہیں۔ جس پر قربانی واجب ہے وہ بھی نیت زیادہ سے زیادہ ثواب اور تقرب کی کرے، واجب تو ادا ہو ہی جائے گا لیکن اس نیت کی وجہ سے ثواب زیادہ سے زیادہ مل جائے گا۔

قربانی خود اپنی طرف سے اور اپنے زندہ اور مردہ بزرگوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی کی جاسکتی ہے۔

قربانی کی ابتداء دو قسمیں ہیں واجب، مستحب، واجب کی چند صورتیں ہیں:

(الف) اگر کسی نے قربانی کی نذر کی ہو تو نذر کی وجہ سے قربانی واجب ہو جاتی ہے۔ خواہ نذر کرنے والا فقیر ہو یا غنی۔

(ب) اگر کسی فقیر نے قربانی کی نیت سے جانور خرید لیا تو اس سے بھی قربانی ضروری اور واجب ہوتی ہے۔

(ج) اگر کسی نے قربانی کے لئے وصیت کی ہے اور مال بھی چھوڑا ہے جس سے قربانی ہو سکے تو اس وصیت کی رو سے ولی یا وصی پر قربانی کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

(د) جو مسلمان مرد اور عورت، عاقل و بالغ مقیم ہوں اور صاحب نصاب ہوں ان پر قربانی واجب ہے۔

اور واجب کے تمام اقسام میں سے نذر والی قربانی کا گوشت مستحقین میں صدقہ کرنا ضروری ہے۔

صاحب نذر خود اور اس کے اصول وفروع اور غنی نہیں کھا سکتے۔ یہی حکم وصیت کا بھی ہے، باقی تمام قربانی اور صاحب نصاب کی واجب والی قربانی کا گوشت خود اور تمام رشتہ دار غنی وفقیر سب کھا سکتے ہیں۔

نابالغ بچے اور مجنون کے پاس اگر مال ہو تو ان پر قربانی صحیح قول کے مطابق ضروری اور واجب نہیں ولی کے لئے ان کے مال سے قربانی کرنا درست نہیں، البتہ اپنے مال سے ولی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

بالغ اولاد کی طرف سے قربانی کرنا باپ کے ذمہ ضروری نہیں، اگر اولاد خود مال دار ہے تو وہ خود قربانی کرے یا باپ کو اجازت دیوے، بالغ اولاد کی اجازت سے باپ ان کی طرف سے قربانی کر سکتا ہے یہی حکم بیوی کے لئے بھی ہے کہ شوہر کے ذمہ اس کی قربانی ضروری نہیں، البتہ شوہر بیوی کی اجازت سے اس کی قربانی کر سکتا ہے۔

مال دار صاحب نصاب مسافر پر قربانی واجب نہیں خواہ سفر حج ہو یا کوئی اور سفر، البتہ مستحب یہ ہے کہ سہولت اور مال موجود ہونے کی صورت میں قربانی کی جاوے۔

قربانی کے ایام ثلثہ، دس، گیارہ، بارہ تاریخ میں سے اگر آخری روز مقیم ہو گیا، بلکہ آخری گھنٹہ میں بھی مقیم ہو گیا تو قربانی کرنا واجب ہو گیا۔

نصاب قربانی

وجوب قربانی کا نصاب وہی ہے جو صدقۂ فطر کے لئے ہے۔

جس کے پاس رہائش کا مکان، کھانے پینے کا سامان، استعمال کے کپڑے، دیگر ضروری الاستعمال اشیاء سواری وغیرہ کے علاوہ ۲/۱ ۷ تولہ سونا یا ۲/۱ ۵۲ تولہ چاندی یا اس کے برابر نقد رقم اور دوسرا سامان، مکان، گاڑی وغیر موجود ہوں تو اس پر قربانی واجب ہے۔

واضح رہے کہ نصاب قربانی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس پر سال گزر جائے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ مال تجارت ہو یا مال زکوٰۃ، بلکہ حوائج ضروری سے زائد جو بھی مال ہو گا اس کا اعتبار ہو گا۔

لہٰذا جس کے پاس رہائشی مکان کے علاوہ زائد مکان موجود ہے، خواہ تجارت کے لئے ہو یا نہ ہو، ضروری مکان کے لئے پلاٹ کے علاوہ پلاٹ ہیں، ضروری سواری کے علاوہ دوسری گاڑیاں ہیں تو یہ شخص قربانی کے حق میں صاحب نصاب ہے اس پر قربانی واجب ہے۔

تجارتی سامان خواہ کوئی بھی چیز ہو اگر ۲/۱ ۵۲ تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہے تو اس کے

مالک پر قربانی واجب ہوگی۔عورت کا حق مہر اگر معجّل ہے اور وہ بقدر نصاب ہے، اس کی وجہ سے قربانی واجب ہوگی۔

اور اگر مہر موجل ہے تو اس کی وجہ سے عورت پر قربانی واجب نہ ہوگی۔ صاحب مکتبہ کے پاس کتابیں اگر ذاتی مطالعہ کے لئے ہیں، ایک نوع کی کتاب کے متعدد نسخے نہیں ہیں تو نصاب میں اس کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ دوسرے مال کا اعتبار ہوگا۔

اگر کتب خانہ ایسے آدمی کے پاس ہے جو خود تعلیم یافتہ نہیں بلکہ دوسروں کے مطالعہ کے لئے رکھی ہیں تو صاحب کتب پر قربانی واجب ہوگی۔

کاشتکار اور کسان جن کے پاس ہل چلانے اور دوسری ضرورت کے علاوہ، جانور اتنے موجود ہیں کہ ۲/۱ ۵۲ تولہ چاندی کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ ہیں تو اس کی وجہ سے قربانی واجب ہے۔ اور اگر ایسا نہیں، اور دوسرا کوئی مال نہیں، تو قربانی واجب نہیں۔

قربانی کے ایام میں قربانی کا جانور ذبح کرنا ضروری ہے۔ اس کے بدلہ میں رقم صدقہ کر دینا، حج کرنا کرانا، کسی غریب کی امداد کر دینا کافی نہیں، ان چیزوں کو کرنے کے باوجود صاحب نصاب قربانی نہ کرنے کا گنہگار ہوگا۔

قربانی میں نہایت درست ہے کہ ایک دوسرے شخص کے لئے نائب اور وکیل بنے اور قربانی کرے، خواہ دونوں ایک ملک میں ہوں یا دو ملکوں میں۔

صاحب قربانی اگر قربانی کے لئے رقم کسی ملک میں بھیج دیوے اور کسی کو قربانی کے لئے کہہ دے تو اس طرح رقم بھیج کر قربانی کرنا بھی درست ہے۔

اگر ایک جانور قربانی کی نیت سے خریدا گیا اور اس کے بدلہ میں دوسرا جانور دینا چاہیں تو دوسرا جانور اس سے کم قیمت کا نہ دیں۔ اگر اس سے کم قیمت پر خریدا تو پہلے اور دوسرے جانور کی قیمت میں جتنا فرق ہے اس کو صدقہ کر دیں۔

قربانی کے لئے صاحب نصاب کا خریدا ہوا جانور اگر گم ہو گیا اور دوسرا خریدا بعد میں پہلا بھی مل گیا تو دونوں میں سے کسی ایک کی قربانی کرنا واجب ہے، دونوں کی کر دینا مستحب ہے۔ لیکن فقیر نے اگر ایسا کیا تو اس پر دونوں کی قربانی کرنا واجب ہے۔

قربانی کی نیت سے جانور خریدا، عین ذبح کے وقت صاحب قربانی کو نیت کا خیال نہ رہا تو قربانی ہو جائے گی۔

بکری، دنبہ، بھیڑ میں صرف ایک شخص کی قربانی ہوسکتی ہے۔ بڑے جانور گائے، اونٹ، بھینس میں ساتھ افراد شریک ہوسکتے ہیں۔

چند افراد مل کر مشترکہ رقم سے کسی میت کے لئے ایک حصہ قربانی نہیں کرسکتے، البتہ اس کے لئے ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ سب لوگ اپنے حصّے کی رقم کسی ایک کو ہبہ کردیں اور وہ ایک حصّہ قربانی کا جس کے نام پر کرنا چاہتے تھے، کردے۔ اس طرح قربانی بھی ہوجائے گی اور میت کو ثواب بھی مل جائیگا۔

اگر قربانی کے جانور میں شریک افراد میں سے کسی نے ثواب کی نیت نہ کی، نہ ہی واجب ادا کرنے کی نیت کی ہے بلکہ گوشت کھانے یا شادی کی دعوت کرنے کی نیت کی تو اس سے کسی کی بھی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

قربانی کے جانور میں شریک میں سے کسی نے نفل قربانی، اور کسی نے واجب کی نیت کی، یا کسی نے قربانی اور دوسرے نے عقیقہ کی نیت کی تو قربانی ہوجائیگی۔ کیونکہ سب کی نیت میں تقرّب الی اللہ، ثواب حاصل کرنا موجود ہے۔

شریک نے اگر دوسرے کو وکیل اور نائب مقرر کردیا ہے تو جانور خریدنے اور ذبح کرنے میں نائب کی نیت کافی ہے کہ وہ اصل کی جانب سے قربانی دیوے۔

اگر شرکاء میں سے کسی ایک نے جانور ذبح کرنے کی اجازت نہیں دی نہ ہی وکیل مقرر کیا ہے تو دوسرے نے اگر خود جانور کو ذبح کردیا ہے اور کچھ شرکاء کو خبر بھی نہیں تو اس سے کسی کی بھی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

قربانی کا جانور اور اس کی تفصیلات

خصی جانور کی قربانی درست، بلکہ بہتر ہے۔

- قربانی کے جانوروں کے لئے بہتر یہ ہے کہ موٹے تازے ہوں، خوبصورت ہوں اور کوئی ایسا عیب نہ ہو جس سے جانور دیکھنے میں بہت برے معلوم ہوں۔
- قربانی کے جانور دو قسم کے ہیں، چھوٹے، مثلاً بکرا، بکری، بھیڑ، دنبہ، اور بڑے مثلاً گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی۔ انہیں جانوروں کی قربانی درست ہے اس کے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی درست نہیں۔
- جانور خریدنے کے وقت کسی کو شریک کرنے کی نیت کی ہے یا نہیں کی تو دونوں صورتوں میں خریدار

اگر غنی ہے تو دوسرے کو شریک کر سکتا ہے۔ البتہ اگر خریدار فقیر ہے تو کسی کو شریک کرنے کی نیت سے دوسرے کو شریک کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔

- بکرا، بکری کی قربانی ایک سال سے کم عمر میں صحیح نہیں، خواہ ایک گھنٹہ بھی کم کیوں نہ ہو۔ گائے، بھینس کی دو سال سے کم عمر میں قربانی درست نہیں، اور اونٹ، اونٹنی کی پانچ سال سے کم عمر میں قربانی درست نہیں، دانت نکلنا ضروری نہیں بلکہ مدّت پوری ہونی شرط ہے۔
- دنبہ اور بھیڑ اگر دیکھنے میں اتنے موٹے ہوں کہ سال بھر عمر کے معلوم ہوں تو ان کی قربانی درست ہے۔
- جو جانور کانا یا اندھا ہو یا آنکھ کی تہائی روشنی ختم ہوگئی ہے تو اس کی قربانی درست نہیں۔
- پیدائشی اعتبار سے جس جانور کا سینگ نہیں اس کی قربانی درست ہے۔ اسی طرح سینگ اگر ٹوٹ چکا ہے لیکن بنیادی جڑ باقی ہے، ابھری ہوئی ہڈی نظر آتی ہے، تو اس کی قربانی درست ہے ورنہ نہیں۔
- جس جانور کا پیدائشی طور پر کان نہیں یا دم نہیں، یا کان اور دم کا ایک تہائی سے زیادہ حصّہ نہیں ہے، تو اس کی قربانی درست نہیں، اور اگر کان اور دم دو تہائی باقی ہے، تو اس کی قربانی درست آخر تک نہیں، اور اگر کان اور دم دو تہائی باقی ہیں تو اس کی قربانی درست ہوگی۔
- جس جانور کے عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے دانت سارے گر گئے لیکن گھاس اور چارہ کھانے میں کوئی وقّت نہیں ہوتی تو اس کی قربانی ہو جائے گی۔ (کمافی الہندیہ) لیکن اچھی طرح اگر وہ گھاس وغیرہ نہیں کھا سکتا تو اس کی قربانی درست نہ ہوگی۔
- جس جانور کی ناک نہیں، کٹ چکی ہو، اس کی قربانی درست نہیں۔
- جو جانور ترچھی آنکھوں سے دیکھتا ہے اس کی قربانی درست ہے۔
- جس کے بال کٹے ہوئے ہوں اس کی قربانی درست ہے، البتہ قربانی کے لئے خریدنے کے بعد بال وغیرہ کاٹنا مکروہ ہے۔
- جس جانور کا تھن نہیں، یا ہے لیکن خشک ہو چکا ہے تو اس کی قربانی درست نہیں۔
- جو جانور لنگڑا ہو، تین پاؤں پر چلتا ہو اس کی قربانی درست نہیں البتہ اگر چوتھے پاؤں پر ٹیک لگا کر چل سکتا ہے تو قربانی جائز ہے۔
- اتنا دُبلا بالکل مُریل جانور جس کی ہڈیوں میں بالکل گودا نہ رہا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں، البتہ اگر اتنا دُبلا نہیں صرف کمزور ہے باقاعدہ چل پھر سکتا ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔

- جس جانور کو کھجلی یا کوئی جلدی بیماری ہے اور اس کا اثر گوشت تک نہ پہنچا ہو تو اس کی قربانی درست ہے اور اگر بیماری اور زخم کا اثر گوشت تک پہنچا ہو تو اس کی قربانی صحیح نہیں ہے۔
- قربانی کے لئے جانور خریدنے کے بعد اگر ایسا کوئی عیب پیدا ہو گیا، جس کی وجہ سے قربانی درست نہ ہو تو اس کی قربانی نہ کی جائے، بلکہ اس کی جگہ دوسرا جانور خرید کر قربانی کرے، البتہ صاحب قربانی اگر فقیر ہے تو اس کے لئے وہی کافی ہے۔
- ذبح کی تیاری میں اگر کوئی عیب پیدا ہو گیا، ٹانگ ٹوٹی یا آنکھ خراب ہوگئی تو کوئی حرج نہیں، اس کی قربانی صحیح ہے۔
- ذبح کرنے کے وقت صاحب قربانی کا موجود رہنا مستحب ہے اور خود ذبح کریں تو بہتر ہے ورنہ قصائی کے ذریعہ ذبح کریں۔ بسم اللہ۔ اللہ اکبر کہنے کی تلقین کریں۔ تاکہ غلطی نہ کرے۔
- ذبح کرنے کے وقت اگر یاد ہو تو یہ دعا پڑھے ورنہ کوئی دعا ضروری نہیں، دل سے نیت کافی ہے۔

دعا اگر پڑھنا چاہیں تو یہ ہے:۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْکَ وَلَکَ.

پھر بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر ذبح کردے، اور ذبح کرنے کے بعد اگر یاد ہو تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ وَّ خَلِیْلِکَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام.

دعا اگر یاد نہ ہو تو ضروری نہیں کہ یاد کرے، پھر ذبح کرے۔

قربانی کے ایام اور اوقات

شہروں میں جہاں نماز عید ہوتی ہو وہاں پر نماز عید سے قبل قربانی کے جانور کا ذبح کرنا درست نہیں البتہ گاؤں جہاں پر عید کی نماز نہیں ہوتی فجر کے بعد ذبح کر سکتے ہیں۔

ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی صبح سے بارھویں تاریخ کے غروب آفتاب تک ایام نحر، قربانی کے دن ہیں، اس سے پہلے اور بعد قربانی صحیح نہیں۔

قربانی کے ایام میں قربانی کرنے کی جگہ پر رقم صدقہ کر دینا، حج کرنا یا کسی کی امداد کر دینا یا پورا جانور

صدقہ کرنا کچھ بھی درست نہیں اس سے قربانی ادا نہ ہوگی۔

کسی غفلت سے اگر قربانی کے ایام میں قربانی نہیں کر سکے تو بعد میں ایک قربانی کی رقم صدقہ کر دینا واجب ہے۔

اگر قربانی کے ایام میں جانور خریدنے کے باوجود کسی عذر شدید کی بناء پر قربانی نہیں کر سکے تو اس جانور کو صدقہ کر دے اب اس کو ذبح کر کے کھانا درست نہیں۔

قربانی کے دنوں میں جانور کو ذبح کرنے سے قبل اگر صاحب قربانی کا انتقال ہوگیا تو قربانی ساقط ہوگئی، بشرطیکہ آدمی غنی ہو فقیر نہ ہو، البتہ ورثاء اگر میت کی جانب سے قربانی کر دیں تو بہتر ہے۔

قربانی کے ایام میں رات کو ذبح کرنا بھی درست ہے، البتہ مکروہ ہے بہتر نہیں۔

قربانی کا گوشت

قربانی اگر نذر اور وصیت کی ہو تو اس کا گوشت فقراء و مساکین میں صدقہ کر دینا ضروری ہے۔

صاحب قربانی یا اس کے اصول و فروع اور غنی اس کا گوشت نہیں کھا سکتے، اس کے علاوہ ہر قسم کی قربانی کا گوشت خود صاحب قربانی اور تمام رشتہ دار کھا سکتے ہیں اور فقیر و غنی سب کھا سکتے ہیں۔

ایک تہائی گوشت کا فقراء و مساکین میں تقسیم کر دینا اور ایک تہائی عزیز و اقارب کو دینا اور ایک تہائی اپنے بال بچوں کے لئے رکھنا مستحب ہے۔

قربانی کا جانور خریدنے کے بعد اس کا دودھ نکالنا، بال کاٹنا یا اس سے کوئی فائدہ حاصل کرنا مکروہ ہے۔ جتنا فائدہ حاصل کیا ہو، اتنی مقدار رقم صدقہ کر دینا ضروری ہے، نکالا ہوا دودھ اور کاٹے ہوئے بال اگر موجود ہوں تو اسے صدقہ کر دینا چاہیئے۔

کھانے کی چیز کے علاوہ کسی دوسری چیز کے بدلے میں قربانی کا گوشت دینا یا فروخت کرنا یا قصائی اور ملازم کی اجرت میں دینا جائز نہیں، اگر کسی نے ایسا کیا ہے تو اس کی مقدار پیسے صدقہ کر دے۔

قربانی کی کھال خود صاحب قربانی اپنے استعمال میں لا سکتا ہے، یا کسی دوست کو استعمال کے لئے ہبہ کر سکتا ہے۔ خود فروخت کر کے پیسے نہیں کھا سکتا، نہ ہی فروخت کر کے پیسے لے کر کسی غنی کو دے سکتا ہے۔

کسی ملازم کی تنخواہ کے عوض میں خواہ نجی ملازم ہو یا اوقات کا ملازم ہو، امام و مؤذن یا خادم ہو ان میں سے کسی کو قربانی کی کھال نہیں دے سکتے مگر یہ کہ مستحق زکوٰۃ ہو۔

قربانی کی کھال یا اس کی رقم کسی ایسی جماعت یا انجمن وغیرہ کو دینا درست نہیں جو کہ اس کی رقم مستحقین میں صرف نہیں کرے گی بلکہ جماعت اور ادارے کے پروگرام مثلاً کتابوں اور رسائل کی طباعت، یا ہسپتال شفاخانے کی تعمیر، کارکنوں اور ورکروں کی تنخواہ میں صرف کرے گی۔ کیونکہ کھالوں کی رقم مستحقین کی ملک میں دینا ضروری ہے۔ البتہ ایسے ادارے اور انجمن کو دینا درست ہے کہ وہ واقعی مستحقین زکوٰۃ وصدقات پر رقم خرچ کرے گی۔

کھالوں اور ان کی رقم کے بارے میں لوگ عام طور پر بے احتیاطی کرتے ہیں اور بھاری رقم خرچ کرکے جو قربانی کرتے ہیں اسے خراب کردیتے ہیں، اس لئے بڑے احتیاط کی ضرورت ہے۔

ایام تشریق ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی صبح سے تیرہ تاریخ کی عصر کی نماز تک ہر فرض نماز کے بعد بالغ مرد اور عورت پر تکبیر تشریق معمولی اونچی آواز سے ادا کرنا واجب ہے۔

تکبیر تشریق یہ ہے:۔

اَللّٰہُ اَکْبَر. اَللّٰہُ اَکْبَر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ و اللّٰہُ اکبر اللّٰہُ اَکْبَر وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ.

کتبہٗ

محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہٗ

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ

بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵

۱۲/۱ ۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح

(۱) (مفتی) ولی حسن ٹونکی (صاحب مدّ ظلہٗ) رئیس دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن۔

(۲) (مفتی) احمد الرحمٰن غفرلہٗ (مدیر جامعہ)

(۳) (مفتی) محمد ولی درویش غفرلہٗ

(۴) (مفتی) محمد شاہد غفرلہٗ

(۵) (مفتی) محمد ابوبکر سعید الرحمٰن غفرلہٗ

(۶) (مفتی) محمد رضاء الحق غفرلہٗ۔

نذر کی حقیقت

اور

اس کے مسائل

نذر کی حقیقت اور اس کے ضروری مسائل

نذر کے متعلق یہ مضمون صدیقی ٹرسٹ کے ذریعہ ماہِ شعبان ۱۴۰۷ھ کو ایک رسالہ کی شکل میں شائع ہو چکا ہے افادۂ عام کی غرض سے اس کو جواہر الفتاویٰ کا جز بنایا جاتا ہے۔ (مؤلف)

الاستفتاء

بخدمت جناب حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ کراچی۔

حضرت محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ براہ کرم حسب ذیل مسائل کا جواب مرحمت فرمائیں، جزاک اللہ تعالیٰ۔

(۱) کیا منّت ماننا جائز ہے؟ جائز ہے تو کس صورت سے مانی جائے؟

(۲) عوام الناس مزارات پر، تعزیوں پر، آستانوں پر منت کے ڈورے، دھاگے اور درخواستیں باندھتے ہیں یہ کس حد تک جائز ہے؟

(۳) منّت ماننے کے بعد کسی وجہ سے عمل نہ کیا جاسکے تو اس کا کفارہ یا بدل کیا ہے۔ والسلام۔

احقر زمان

محمد منصور الزمان

یکم شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ

یکم اپریل ۱۹۸۷ء

الجواب باسمہٖ تعالیٰ، نذر کی شرعی حیثیت

نذر و نیاز کے سلسلہ میں صرف اسلام ہی میں نہیں دوسرے ادیان میں بھی نذر ماننے کا ثبوت ملتا ہے، چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت مریم کی والدہ حنّہ کی نذر کو مقام مدح میں ذکر فرمایا اور اس کو قبولیت سے نوازا ہے، حق سبحانہٗ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اذقالت امرأت عمران رب انی نذرت لک مافی بطنی محررا فتقبل منی انک انت السمیع العلیم (آل عمران نمبر ۳۵)

جب عمران کی بیوی (حنہ بنت فاقوذ) نے کہا کہ اے میرے رب! میں نے آپ کے لئے نذر کیا وہ بچہ جو میرے شکم میں ہے، اور تیرے لئے اسے آزاد کیا ہے، تو میری نذر کو قبول فرمالے، تو میری فریادوں کو سنتا اور نیت کو جانتا ہے۔

تشریح: یعنی میرے حمل سے جو بچہ پیدا ہونے والا ہے اسے دنیا کے کام سے آزاد خالص تیری رضا کے لئے تیری عبادت اور تیرے گھر کی خدمت کے لئے نذر کی نیت کی ہے، آپ میری نذر کو قبول فرمالیں۔

چونکہ عموماً بیت اللہ کی خدمت کرنے والے مرد ہی ہوا کرتے ہیں تو گویا انہوں نے در پردہ یہ بھی دعا کی ہے کہ اس حمل سے اولاد نرینہ عطا فرما۔

اللہ تعالیٰ نے مریم کی ماں کی باتوں کو سن لیا لیکن نرینہ اولاد کی جگہ ایک لڑکی (مریم) عطا فرمائی، پھر اسے قبول فرمالیا۔

اور یہ واقعہ حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ رسالت کا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رضا کیلئے نذر و منّت ماننا پچھلی امتوں میں بھی معروف و مشہور تھا۔ قرآن حکیم نے ان کے واقعات کو نقل فرمانے کے بعد اس کا انکار نہیں کیا نہ کسی حدیث سے اللہ کے لئے نذر ماننے کی ممانعت آئی بلکہ نذر کے اثبات اور نذر و منت کو پورا کرنے کے متعلق نصوص وارد ہوئیں حتی کہ اسلام سے قبل بھی نذر و منت ماننا معروف تھا، چنانچہ نصوص اور روایات میں آتا ہے کہ آپؐ نے زمانہ جاہلیت کی جائز نذروں کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے جس کی تفصیلات سامنے آئینگی غرض اسلام نے اللہ کے لئے نذر و منت کو مشروع قرار دیا ہے۔

قرآن کریم میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی مریم کو بذریعہ حضرت جبرائیل نذر کے لئے فرمادیا تھا: چنانچہ آیت کا ٹکڑا ملاحظہ فرمالیا جائے:

فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِيْ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا. (سورة مريم ۲۶)

پھر اگر تو دیکھے کوئی آدمی تو اس کو اشارہ سے بتا دیجئے کہ میں نے رحمٰن کے لئے روزہ کی نذر مانی ہے، اس لئے کسی سے بات نہیں کرونگی۔

تشریح: حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑا مقام عطا فرمایا تھا خود تو نیک اور صالح تھیں ہی، ان سے جو ہونے والا تھا وہ بھی برگزیدہ رسول عیسیٰ بن مریم تھے۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عام دستور کے خلاف بغیر کسی باپ کے پیدا فرمایا ہے اس لئے حضرت مریم کا اپنے نومولود حضرت عیسی علیہ السلام کو لے کر ان کے مقام پیدائش سے شہر میں واپس آنا آسان بات نہ تھی، ہر جگہ لوگوں کے پوچھنے، تنگ کرنے اور اعتراض کرنے کا نہ صرف امکان تھا بلکہ ضروری تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے صالح اور نیک بندی مریم ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ بن مریم کی صفائی کے ساتھ ساتھ اپنی قدرت مطلقہ کو ظاہر فرمانے کے لئے حضرت مریم کو یہ تدبیر بتلادی کہ شہر میں جب جاؤ گی اور لوگ پوچھیں گے کہ یہ بچہ کیسے اور کہاں سے؟ تو ان کے سوالوں کا جواب تم مت دیا کرو بلکہ تم اشارہ سے یہ بتادیا کرو کہ میں نے اللہ کے لئے اس سے روزہ کی نذر اور منت مانی ہے جس میں بولنے کی بندش ہے اسی وجہ سے میں آج دن بھر کسی آدمی سے نہیں بولوں گی، صرف خدا کے ذکر اور تسبیح وتحمید میں رہوں گی، بس اتنی بات بتا کر تم بے فکر ہو جانا۔

پھر اللہ تعالیٰ خود ہی اس مولود مسعود کو خرق عادت کے طور پر دستور کے خلاف بولتا ہوا کر دے گا وہ بچہ ہی بتادے گا کہ کیسے اور کہاں سے پیدا ہوا اور کیوں پیدا ہوا۔

جب خلافِ عادت ایک نومولود بچہ گفتگو کرے گا تو اس سے تمہاری اور خود اس بچہ کی عصمت اور نزاہت ظاہر ہو جائے گی اور تمہارے اوپر سے تمام تہمتوں اور شبہات کے دروازے بند ہو جائیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اللہ تعالیٰ نے اس نومولود بچہ کی زبانی تمام باتیں بتادیں جس کی تفصیلات قرآن حکیم کی سورۂ بقرہ سے لے کر سورہ صف تک تقریبا ۱۳ سورتوں میں آئی ہیں، یہاں پر تو اتنا بتادینا مقصود ہے کہ نذر کے واسطے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ حضرت جبرائیل حضرت مریم کو خود ہی فرمادیا تھا، تو آپ نے اللہ کے حکم سے نذر مانی اور اس کو پورا کیا، جس سے معلوم ہوا کہ نذر ماننے کا دستور سابق ادیان میں بھی ملتا ہے۔

مذہب اسلام نے اللہ کے واسطے نذر اور منت ماننے کو نہ صرف مشروع رکھا ہے بلکہ اس کے وجوہ میں ترمیم وتبدیل کر کے اسے مزید مؤکد فرمایا ہے جس کی تفصیلات انشاء اللہ اگلے صفحات میں معلوم

ہو جائیں۔گی اس واسطے اگر کوئی بنظر اخلاص وتقویٰ کسی نیکی کی نذر مانتا ہے اور اسے پورا بھی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس طرح قبول فرماتا ہے جس طرح اللہ کے واسطے صدقہ کرتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے، چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وما أنفقتم من نفقة أو نذرتم من نذرٍ، فان الله يعلمهٗ وماللظّٰلمين من انصارٍ.

(سورة بقرة نمبر ۲۷)

اور جو خرچ کرو گے کوئی خیرات یا کوئی منت اور نذر مانو گے سو حق تعالیٰ کو اس کا یقیناً علم ہے، اور قیامت کے دن ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

تشریح: یعنی جو کچھ تم خرچ کرو گے، خواہ اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے یا کسی اور جگہ پر، بطور فرض زکوٰۃ وصدقۂ واجبہ خرچ کرو گے یا بطور صدقۂ نافلہ، خیرات، شرعی مصرف میں خرچ کرو گے یا غیر شرعی مصرف میں بطور نذر اور منت کے خرچ کرو گے یا بغیر نذر کسی کارِ خیر میں، پھر شرعی منت مانو گے یا غیر شرعی، ۔۔۔۔اور نذر کو پورا کرو گے یا نہیں کرو گے تمہاری ساری باتوں کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، لہٰذا اگر اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے خواہ بطور فرض زکوٰۃ وصدقہ واجبہ یا بطور صدقۂ نافلہ وخیرات، اللہ تعالیٰ اس کا اجرو ثواب عطا فرمائے گا، اور اگر اللہ کے واسطے اسی کے نام پر نذر اور منت مانو گے اور اسے پورا بھی کرو گے تو اس کا اجر وثواب بھی اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا، تمہارا انفاق اور خرچ کرنا ضائع نہ ہوگا۔لیکن جو لوگ فرض زکوٰۃ ادا نہیں کرتے نہ اللہ کے راستے میں کوئی انفاق کرتے ہیں تو غیر شرعی مصرف میں خرچ کرتے ہیں گناہ کی جگہ پر خرچ کرتے ہیں، اور نذر مانتے ہیں تو اللہ کے سوا مخلوق کے نام پر ماننے کی بجائے گناہ کے کاموں کی نذر مانتے ہیں ایسے لوگ بڑے ظالم ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں عذاب اور سزا دیں گے اور اس کے عذاب سے بچانے کے لئے ان کا اس وقت کوئی مددگار نہ ہوگا۔(خلاصہ تفسیر روح المعانی ۲/۴۳، کشاف ۱/۳۱۶) قرآن حکیم کے اندر نذر اور منت ماننے کے بعد اس کو پورا کرنے کا حکم اور تاکید کی گئی ہے، چنانچہ حق جل مجدہٗ کا ارشاد ہے:

وليو فوا نذورهم. (سوره حج نمبر ۲۹)

اور پورا کریں یہ لوگ اپنی اپنی نذر کو۔

تشریح: آیت کا یہ ٹکڑا حج کے احکام کے بیان کے ضمن میں آیا ہے، یوم نحر کو قربانی کے بعد حجاج کرام احرام کھول دیں اور اپنے بدن کا میل کچیل، بال اور ناخن وغیرہ صاف اور دور کریں، اور اپنی نذر اور منتوں کو پورا کریں پھر طواف کریں قدیم اللہ کے گھر کا۔

آیت کے اندر ''نذور'' جمع ہے لفظ ''نذر'' کی جس کے معنی ہیں منت، اور منت کی حقیقت یہ ہے کہ جو عمل بندہ پر لازم نہیں ہے اس کو بندہ اپنے اوپر مخصوص الفاظ کے ساتھ واجب کر لے، مثلاً یہ کہے ''اللہ کے لئے مجھ پر ایک روزہ لازم ہے، یا دو رکعت لازم ہے، یا ایک قرآن ختم کرنا لازم ہے'' تو بندہ کے اس طرح کہنے سے نذر منعقد ہو جاتی ہے اور اس پر ایک روزہ لازم ہو جائے گا، دو رکعت نماز لازم ہو جائیگی، اور ایک قرآن ختم کرنا اس پر لازم ہو جائے گا۔

اور واضح رہے کہ نذر کی دو قسمیں ہیں (۱) نذر مطلق جیسا کہ اوپر مثالوں میں مذکور ہیں۔ (۲) نذر معلق یعنی اس طرح نذر ماننا کہ اگر فلاں کام ہو جائے تو میں دس روزہ رکھوں گا یا دس رکعت نماز ادا کردونگا، یا یوں کہے بیس آدمی کو کھانا کھلاوں گا، تو جس شرط کے ساتھ نذر کو معلق کیا ہے وہ شرط پوری ہو جائے تو اس بندہ پر نذر کے مطابق دس روزے یا دس رکعت نمازیں یا بیس آدمی کو کھانا کھلانا ضروری ہو جائیگا اگر نذر کو پورا نہیں کرتا تو یہ شخص ایفاء نذر نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہونگے۔

قرآن کے علاوہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی نذر کی بڑی اہمیت بیان کی گئی ہے، چنانچہ چند احادیث بطور نمونہ ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) عن عمران بن حصين عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال خير كم قرنی ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم قال عمران لأدری ذكر ثلثين او ثلاثا بعد قرنه ثم يجئ قوم ينذرون ولا يفون ويخونون ولا يؤتمنون ويشهدون ولا يستشهدون ويظهر فيهم السمن. (بخاری. ۲/۹۹۰)

عمران بن حصین رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا تم میں سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں پھر وہ جوان کے بعد آئیں گے پھر وہ جوان کے بعد آئیں گے، عمران نے کہا کہ مجھے یاد نہیں کہ آپ نے قرن کے بعد دو قرن کا ذکر فرمایا یا تین قرن کا۔ اور فرمایا اس کے بعد ایسی قوم آئے گی جو نذر مانے گی اور اسے پورا نہیں کرے گی، اور لوگ امانت میں خیانت کریں گے، اور گواہی دیں گے جب کہ ان سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی اور ان میں موٹاپا ظاہر ہو جائے گا۔

تشریح: حدیث مذکور میں جن باتوں کی وضاحت کی گئی وہ یہ ہیں:

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ قیامت آنے والا زمانہ اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضور کی بعثت تک کے زمانے سے بہتر زمانہ ہے، پھر اس کے بعد صحابہ کا زمانہ، پھر اس کے بعد

تابعین کا زمانہ، پھر اسکے بعد تبع تابعین کا زمانہ۔

۲۔ پھر ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ نذر اور منتیں مانا کریں گے لیکن انہیں پورا نہیں کریں گے یعنی اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان میں برقرار نہیں رہیں گے۔

۳۔ اور امانت میں خیانت کریں گے یعنی دینی امور میں، معاملات میں حقوق میں، عہد و پیمان میں، ایک دوسرے کی امانتوں میں خیانت کرنے لگیں گے، لوگوں کو ایسے اشخاص کم ملیں گے کہ ان پر اعتماد کیا جائے۔

۴۔ اور جہاں گواہی کی ضرورت نہیں وہاں پر لوگ گواہی دینے کے لئے بھاگ دوڑ کریں گے، خواہ کسی نے معاملہ کا مشاہدہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو، جب کسی کے خلاف کرنا ہو تو ضرور گواہی دینے کی کوشش کرے گا خواہ جھوٹی گواہی دینا پڑے، اور کسی کی حمایت کرنا ہو تو ضرور شہادت کے لئے تگ و دو کریں گے خواہ کتنی ہی خیانت اور جھوٹ کا ارتکاب کرنا پڑے، پھر ان میں موٹاپا یعنی دنیوی ترفع و تکبر ظاہر ہوگا، بے دینی بڑھے گی۔ غرض حدیث مذکور میں نذر اور منت پورا نہ کرنے کی مذمت بیان کی ہے۔

(۲) عن عائشة رضى الله عنها عن النبى صلى الله عليه وسلم من نذر أن يطيع الله فليطعهٗ ومن نذران يعصيه فلا يعصه. (بخاری ۲/۹۹۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جو شخص نذر مانے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو اسے چاہیئے کہ اس کی اطاعت کرے۔ اور جو شخص نذر مانے کہ اس کی نافرمانی کرے گا، تو اس کی نافرمانی نہ کرے۔

تشریح: حدیث مذکور کے پہلا ٹکڑا سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ کی عبادت اور نیکیوں میں سے کسی کی نذر مانے تو اسے چاہیئے کہ اس عبادت اور نیکی کو پورا کرے، مثلاً اگر خاص عدد نمازیں ادا کرنے کی نذر مانی ہے تو وہی نمازیں پوری کردیں، اور اگر روزہ کی نذر مانی ہے تو روزوں کو ادا کردے یا کسی صدقہ وخیرات کرنے کی منت مانی ہے تو اسے پورا کردے، دوسرے فرائض اور ضروری کاموں کی طرح یہ بھی ایک ضروری کام ہے، اگر کوئی شخص نذر ماننے کے بعد اس کو پورا نہیں کرتا تو قیامت کے دن جس طرح دوسرے فرائض اور واجبات کے متعلق سوال ہوگا اور اس پر عذاب دیا جائے گا اسی طرح نذر کو پورا نہ کرنے پر بھی سوال ہوگا اور اس پر بھی عذاب ہوگا۔

حدیث کے دوسرے ٹکڑے سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے کسی معصیت اور گناہ کے کام کرنے کی

نذر مانی ہے تو اس کو پورا کرنا نہ صرف ضروری نہیں بلکہ اس کو پورا کرنا اور نذر کے مطابق عمل کرنا گناہ ہے، مثلاً اگر کوئی نذر مانتا ہے کہ اس کا فلاں کام ہو گیا تو فلاں کو قتل کر دے گا، یا اس کو ایذاء دے گا، یا سینما دیکھے گا، یا سینما گھر بنائے گا، یا درگاہ بنائے گا، یا درگاہ کا طواف کرے گا، یا فلاں بزرگ کے نام پر جانور ذبح کرے گا، یا اس کے نام کی اتنی رقم نذرانہ پیش کرے گا تو یہ سب گناہ کی باتیں ہیں اس لئے اس طرح نذر اور منّت ماننا جائز نہیں ہے اور نہ اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔

(۳) عن عمران بن حصين قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا وفاء لنذر في معصية و لا فيما لا يملك العبد و في رواية لا نذر في معصية الله.

(رواه مسلم بحواله مشكوة شريف ص ۲۶۷)

عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نذر معصیت کا ایفاء نہیں ہے، اور جس کا بندہ مالک نہیں اس نذر کا ایفاء بھی نہیں ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ کی نافرمانی میں کوئی نذر معتبر نہیں ہے۔ (مسلم شريف بحواله مشكوة شريف)

تشریح: حدیث مذکور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتوں کی ہدایت دی ہے:

۱۔ کسی معصیت اور گناہ کے کام کرنے کی نذر اور منّت معتبر نہیں ہے نہ اس کا پورا کرنا جائز ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ بندہ جس چیز کا مالک اور مختار ہے اسی کی نذر ماننے تو معتبر ہے لیکن جس چیز کا وہ خود مالک نہیں ہے اس کی نذر اور منت ماننا بھی جائز نہیں ہے مثلاً ایک شخص یہ کہے کہ فلاں کام ہو گیا تو فلاں کی زمین صدقہ کر دوں گا فلاں کا بکرا ذبح کر دونگا، یا یہ ہے دینا جھر کے حال صدقہ کر دونگا، یا لاکھ روپیہ خیرات کر دوں گا، جب کہ وہ لاکھ روپے کا مالک ہی نہیں تو ان تمام صورتوں میں جس چیز کا بندہ مالک نہیں یا جس مقدار کا وہ مالک نہیں اس کی نذر معتبر نہیں اور نہ اس کو پورا کرنا لازم ہے۔

(۴) عن عقبة بن عامر رضى الله عنهُ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كفارة النذر كفارة اليمين. (رواه مسلم)

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نذر کا کفارہ قسم کے کفارہ کی طرح ہے۔

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اوپر مذکور ہوا کہ کسی گناہ کے کام کرنے کی اگر نذر کی تو اس کا اعتبار نہیں یعنی اس کو پورا کرنا جائز نہیں کیونکہ گناہ کی نذر جس طرح گناہ ہے اس کو پورا کرنا بھی گناہ ہے لیکن چونکہ نذر کرنے والے نے اللہ کا نام استعمال کر کے نذر کی ہے تو اس نذر کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے

کفارہ آئے گا جیسا کہ کوئی اگر قسم کھالیتا ہے کہ فلاں گناہ کا کام کرے گا، یا فلاں نیک کام نہیں کرے گا تو ایسی صورت میں قسم کھانے والے کے لئے یہ تو جائز نہیں کہ گناہ کا کام کرے، یا کسی نیک کام کو نذر اور یمین کی وجہ سے چھوڑ دے البتہ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ قسم توڑنے کی وجہ سے قسم کا کفارہ ادا کردے، اور کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرنا اگر غلام ہو، یا اگر استطاعت ہو تو دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ان کو کپڑوں کا جوڑا دینا اور اگر ان میں سے کسی چیز کی استطاعت نہیں رکھتا تو تین روزہ رکھنے ہوں گے یہی حکم نذر کا بھی ہے جس نذر کو پورا نہیں کرسکتا اس کا کفارہ ادا کرے گا۔

(۵) عن ابن عباسؓ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال من نذر نذرًا لم یسمّه فکفارتهٗ کفارة یمین، ومن نذر نذراً فی معصیة فکفارتهٗ کفارة یمین، ومن نذر نذرًا لا یطیقه فکفارتهٗ کفارة یمین، ومن نذر نذرًا أطاقهٗ فلیف بهٖ،

(رواہ ابوداؤد و ابن ماجه بحوالهٔ مشکوٰة ص ۲۹۸)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نذر مانی لیکن کسی چیز کا نام نہیں لیا تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے، اور جس نے نذر مانی کسی گناہ اور معصیت کی بات کی تو اس پر بھی قسم کا کفارہ ہے اور جس نے ایسی نذر مانی جس کو وہ پورا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا اس کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہے اور جس نے اپنی استطاعت کے مطابق نذر مانی اس کو پورا کرنا لازم ہے۔

تشریح: یعنی جس نے یہ کہا کہ میں اللہ کے لئے نذر مانتا ہوں اور کسی عبادت یا نیکی کا نام نہیں لیا تو اس پر کفارہ آئے گا، اور وہ قسم توڑنے کا جو کفارہ ہے وہی کفارہ ہوگا، اسی طرح جس نے کسی گناہ کرنے کی نذر مانی مثلاً کہ فلاں کام ہوگیا تو فلاں درگاہ کو بکرا دے گا، یا فلاں بزرگ کے نام پر جانور ذبح کرے گا، یا گانے والی عورتوں سے ناچ گانے کروائے گا، یا اس نے کہا عزیزوں سے بات نہیں کرے گا، یا اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرے گا، یا نماز نہیں پڑھے گا، چونکہ یہ تمام باتیں گناہ کی باتیں ہیں اس لئے ان کا پورا کرنا جائز نہیں ہے، اور جب پورا نہیں کرے گا تو نذر ٹوٹ جائے گی، جس طرح قسم ٹوٹنے کا کفارہ آتا ہے اس طرح جس نذر کو پورا نہیں کرسکتا اس پر بھی کفارہ آتا ہے، لہٰذا قسم کے کفارہ جیسا کفارہ دے گا، اور جس نے کسی ایسے کام کی نذر مانی جس کو وہ پورا نہیں کرسکتا مثلاً نذر مانی لاکھوں روپے صدقہ کرے گا اور وہ اس کی استطاعت نہیں رکھتا، یا اس نے کہا پیدل حج کرے گا اور وہ ضعیف ہے یا راستہ پر امن نہیں پیدل حج کرنے سے عاجز ہے، یا اس نے نذر مانی کہ تا زندگی روزے رکھے گا جب کہ اس طرح کرنا اس کی

استطاعت میں نہیں ہے تو ان صورتوں میں نذر سے نکلنے کے لئے قسم کا کفارہ ادا کرے گا تب نذر سے بری الذمہ ہو جائے گا۔

(٦) عن ابن عمر أن عمرؓ قال یا رسول اللّٰہ انی نذرت فی الجاھلیة ان أعتکف لیلة فی المسجد الحرام قال أوف نذرک (بخاری ۲/۹۹۱)

حضرت ابن عمرؓ اپنے والد حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے ایام جاہلیت میں یہ نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کرونگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی نذر کو پورا کرلو۔

تشریح: حدیث بالا سے واضح ہوا کہ انعقاد نذر کے لئے اسلام کی شرط بھی نہیں ہے اگر کوئی شخص حالت کفر میں کسی نیکی کی نذر اور منت مانتا ہے تو حالت اسلام میں داخل ہونے کے بعد بھی اس کو پورا کرنا ضروری اور لازم رہتا ہے تغیر حال کی وجہ سے نذر کی ذمہ داری ساقط اور ختم نہیں ہوتی۔

(٧) عن سعد بن عبادة الانصاریؓ أنه استفتی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فی نذر کان علی امه فتوفیت قبل ان تقضیه فافتاه أن یقضیه عنها فکانت سنة بعد. (بخاری ۲/۹۹۱)

حضرت سعد بن عبادۃ الانصاریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی والدہ کی ایک نذر کے بارے میں دریافت کیا کہ انہوں نے ایک نذر مانی تھی لیکن نذر پوری کرنے سے قبل ان کی وفات ہوگئی، اب کیا کیا جائے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا کہ مرحومہ کی جانب سے نذر کو پورا کیا جائے اور یہی سنت قرار پائی۔

تشریح: حدیث مذکورہ میں فرمایا گیا کہ اگر کسی شخص نے زندگی میں کسی نیکی کے بارے میں نذر مانی ہے تو زندگی میں اس کو پورا کر دینا چاہیئے اگر زندگی میں پورا نہیں کر سکا تو انتقال کے وقت ورثاء کو وصیت کر دینی چاہیئے کہ میں نے یہ نذر مانی تھی اس کو پورا کر دینا، اگر زندگی میں نذر کی استطاعت ہوتے ہوئے پورا نہ کیا نہ وصیت کی تو آخرت میں نذر کے بارے میں مسؤلیت ہوگی، اسی واسطے ورثاء نے اگر از روئے احسان اپنے مرحوم والدین یا رشتہ دار کی نذر کو پورا کر دیا تو حدیث کی رو سے غالب امید یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمالے گا، اور میت سے ذمہ داری ساقط ہو جائے گی۔

(٨) عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهُ قال أتی رجل النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال لهٗ ان أختی نذرت أن تحج، وانها ماتت فقال النبی صلی اللّٰہ

علیہ وسلم لو کان علیھا دین أکنت قاضیہ قال نعم، قال فاقض اللّٰہ فھو أحق بالقضاء (بخاری ۹۹۱/۱۶)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میری بہن نے حج کرنے کی نذر مانی تھی اور ادائیگی سے قبل وہ مرگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا اس کی طرف سے قرض ادا کرتا؟ کہا ہاں، آپ نے فرمایا اللہ کا حق ادا کرو اس لئے کہ بندہ کے حق کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا حق ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے۔

(۹) عن ابن عباسؓ ان سعد بن عبادۃ استفتی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی نذر کان علیٰ امّہٖ فتوفیت قبل ان تقضیہ فافتاہ ان یقضیہ عنھا، متفق علیہ.

(بحوالۃ مشکوۃ ص ۲۹۷)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ ان کی والدہ نے زندگی میں کسی نیکی کے بارے میں نذر مانی تھی لیکن وفات سے قبل اسے ادا نہ کرسکیں اب اس کا کیا حکم ہے؟ تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرحومہ کی جانب سے نذر کو پورا کیا جائے۔

تشریح: مذکورہ بالا دونوں احادیث ابن عباسؓ سے روایت ہیں ایک میں بہن کی نذر کا ذکر ہے، دوسری حدیث میں ماں کی نذر کا۔ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ مرنے کے بعد بھی نذر کا ایفاء کیا جائے، اگر وصیت کی ہے تو وجوباً ورنہ استحباباً۔

مذکورہ بالا آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوا کہ اسلام میں نذر ماننا جائز اور صحیح ہے، پھر نذر اگر عبادت اور نیکی سے متعلق ہے تو اس کو پورا کرنا بھی ضروری اور لازم ہے، البتہ قرآن و حدیث کے الفاظ اور اس کے مفہوم سے فقہاء کرام نے صحت نذر کے لئے چند اصول مرتب فرمائے ہیں، جب کوئی نذر اور منّت ان اصول کے مطابق ہوگی تو وہ لازم اور منعقد ہوگی، اس کا پورا کرنا ضروری ہوگا، ورنہ اس کا پورا کرنا ضروری نہ ہوگا۔

نذر اور منّت کے شرعی اصول

(الف) نذر اور منت زبان سے کی جاوے مثلاً یہ کہے کہ میں نے فلاں چیز کی نذر مانی، یا فلاں عمل کی منت مانی، یا اتنے روزے کی منت مانی تو نذر صحیح ہے۔

(ب) اگر دل میں خیال یا ارادہ کرلیا، زبان سے کچھ نہیں کہا تو نذر منعقد نہیں ہوئی، اس کو پورا کرنا لازم نہیں ہے، پورا نہ کرنے سے گناہ نہ ہوگا البتہ ارادہ کے مطابق عمل کرے گا تو ثواب ملے گا۔

(ج) نذر اور منت عبادت کی صحیح ہوتی ہے، اور عبادت بھی ایسی ہو جو کہ مقصود بالذات ہو مثلاً نماز، صدقہ، خیرات، روزہ وغیرہ لیکن جو عبادت وسیلہ اور ذریعہ عبادت ہیں اس کی نذر صحیح نہیں مثلاً کسی نے کہا کہ اگر فلاں کام ہوگیا تو دس دفعہ غسل کرونگا یا دس دفعہ وضو کرونگا، یا دس دفعہ مسجد تک چلا کروں گا، یا فلاں مزار پر حاضری دوں گا، یا فلاں بزرگ کی زیارت کرونگا تو ان تمام صورتوں میں نذر منعقد نہ ہوگی۔

(د) جس عبادت اور نیکی کی نذر مانی جائے اس کی جنس اور مثل میں سے کوئی واجب اور ضروری نیکی شریعت میں موجود ہو مثلاً نماز کی نذر اس لئے درست ہے کہ ایسا ہی عمل پانچ وقت کی فرض نمازیں موجود ہیں، روزہ کی منت اس لئے صحیح ہے کہ اس کی طرح کے رمضان المبارک کے روزے فرض موجود ہیں صدقہ کی نذر اس لئے صحیح ہے کہ مال کا صدقہ کرنے کی ایک صورت زکوٰۃ کی موجود ہے، قربانی کی نذر صحیح ہے کیونکہ قربانی کی ایک صورت وجوب کی شریعت میں موجود ہے۔

(ہ) نذر معصیت نہ ہو یعنی نذر لازم ہونے کے لئے ضروری ہے کہ نذر کسی معصیت اور گناہ کے عمل کی نہ ہو کیونکہ کسی معصیت اور نافرمانی سے متعلق نذر اور منت ماننے سے اس کا پورا کرنا نہ صرف لازم نہیں بلکہ جائز ہی نہیں ہے۔

(و) شئی منذور اپنی ملک اور اپنے اختیار میں ہو، نذر منعقد ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے یعنی جس شئی کے متعلق نذر اور منت مانی گئی نذر ماننے والا اس کا مالک ہو یا جس کام سے متعلق نذر مانی وہ کام اس کے اختیار میں ہو مثلاً ایک آدمی نذر مانتا ہے کہ فلاں کام ہوگیا تو وہ اپنی فلاں بکری صدقہ کرے گا، اپنی فلاں چیز زمین صدقہ کردے گا، لیکن اس کے برعکس مثلاً عمرو نذر مانتا ہے اگر فلاں کام ہوگیا تو زید کی بکری صدقہ کرے گا، یا زید کی زمین صدقہ کردے گا، تو یہ نذر صحیح نہیں ہے۔

(ز) ''امر محال کی نذر نہ ہو'' یعنی جس کام سے متعلق نذر مانی گئی وہ امر محال نہ ہو مثلاً کسی نے کہا کہ اگر وہ بیماری سے شفایاب ہوگیا وہ گذشتہ ماہ روزہ رکھے گا، یا کسی شام کو نذر مانتا ہے کہ آج روزہ رکھوں گا تو یہ نذر صحیح نہیں کیونکہ گذشتہ سال اور آج کے دن شام کا روزہ رکھنا ممکن نہیں ہے۔

جب نذر اور منت ماننے کے بارے میں بنیادی اصول معلوم ہوگئے تو ان اصول پر متفرع چند مسائل لکھ دئے جاتے ہیں تا کہ نذر اور منت کے بارے میں بنیادی اصول وہدایات کے ساتھ ساتھ کچھ

ضروری مسائل کی معلومات بھی فراہم ہو جائیں البتہ باریک اور پیچیدہ مسائل تو بہرحال بروقت محقق علماء اور مفتیان کرام سے معلوم کرنا ضروری ہے۔

نذر دو قسم کی ہیں۔

☆ نذر معلق، ☆ نذر غیر معلق۔

- ''نذر معلق'' کسی امر پر نذر اور منت کو مشروط کر دینا، مثلاً یہ کہے اگر فلاں کام ہو گیا تو اللہ کے واسطے چار رکعت نماز پڑھے گا، یا تین روزے رکھے گا، تو ان مسائل میں شرط پوری ہونے کی صورت میں یعنی ''وہ کام ہو جاوے'' یا بیماری سے صحتیاب ہو جاوے تو حسب شرط نذر کو پورا کرنا ضروری ہے یعنی جتنی نمازوں کی منت مانی یا جتنے روزوں کی منت مانی یا جتنا مال صدقہ کرنے کی نذر مانی اسی قدر ان کا پورا کرنا ضروری ہے، پورا نہ کرنے سے آدمی گنہگار ہو گا، لیکن اگر شرط پوری نہیں ہو گی تو نذر کا پورا کرنا لازم نہیں ہے، اور نذر پوری نہ کرنے سے آدمی گنہگار نہ ہو گا۔ (شامی)
- نذر مطلق یعنی ''نذر غیر معلق'' یہ ہے کہ ایک آدمی یوں کہہ دے کہ میں اللہ کے واسطے ہر ماہ کی ابتدا میں دو روزہ رکھوں گا، یا اللہ کیلئے ہر روز چار رکعت نماز نفل ادا کروں گا، یا ماہانہ اتنا صدقہ کروں گا تو اس کا پورا کرنا ہر حال میں ضروری ہے۔
- نذر معلق ہو یا غیر معلق اگر زندگی میں آدمی کو استطاعت ہوتے ہوئے اسے پورا نہ کر سکا تو وصیت کر جانا چاہیئے تاکہ ورثاء اس کو پورا کر دیں اگر وصیت کر کے نہیں جاتا تو آدمی گنہگار ہو گا، نفل روزے رکھنے کی نذر کی تھی لیکن زندگی میں اسے پورا نہ کر سکا تو اس کا فدیہ دینے کی وصیت کر کے جانا ضروری ہے۔

واضح رہے کہ کسی عبادت بدنیہ کی اگر نذر مانی تھی اور آدمی خود اس کو پورا نہ کر سکا یہاں تک کہ انتقال کر گیا تو اس کی جانب سے کوئی شخص عبادت بدنیہ کے ذریعہ اس کو پورا نہیں کر سکتا، کیونکہ اس کی جانب سے روزہ رکھ دینے سے نذر پوری نہ ہو گی، اس لئے کہ عبادت بدنیہ میں نیابت درست نہیں ہوتی، لہٰذا کوئی آدمی میت کے روزے کے بدلے میں روزے نہیں رکھ سکتا، فدیہ دے سکتا ہے لہٰذا فدیہ کی وصیت کرے۔

- اگر صدقہ کرنے کی نذر مانی تھی تو اتنی رقم صدقہ کرنے کی وصیت کرے اس میں نیابت صحیح ہے۔
- اور اگر کچھ زمین اور جائیداد صدقہ کرنیکی نذر مانی تھی تو ورثاء کو وصیت کر کے جائے کہ اتنی زمین اسکی ملکیت میں سے صدقہ کر دے جب کہ وہ مقدار زمین ثلث مال کے اندر ہو۔

- اگر میت نے اپنے زندگی میں اپنی نذر کو پورا نہیں کیا نہ ہی ورثاء کو کسی قسم کی وصیت کر کے گیا تو ورثاء کے ذمہ مرحوم کی نذر اور منت کو پورا کرنا لازم نہیں ہے۔ (شامی)
- بالغ ورثاء نے اپنی مرضی اور خوشی سے میت کی خیر خواہی کر کے اگر میت کی نذر کردہ نماز یا روزہ کا فدیہ دے دیا، یا مال صدقہ کرنے کی نذر کو صدقہ کر کے پورا کر دیا، یا جائیداد صدقہ کر کے جائیداد کی نذر پوری کر دی تو غالب گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمالے گا اور میت کو مواخذہ سے خلاصی عطا فرمائے گا۔ (شامی)
- جیسا کہ اوپر کہا گیا کہ عبادت مقصودہ کی نذر اور منت صحیح اور درست ہے، عبادت غیر مقصودہ کی نذر درست نہیں ہے مثلاً کسی نے نذر مانی کہ اگر فلاں کام ہو گیا تو دس دفعہ وضو کرے گا دس دفعہ غسل کرے گا، یا مسجد تک جائے گا یہ سب نذریں غیر معتبر ہیں ان کو پورا کرنا لازم نہیں۔ (شامی)
- نذر اور منت اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہے لہٰذا کسی مخلوق کے نام اگر نذر مانی ہے تو اس کو پورا کرنا لازم نہیں بلکہ ایسی نذر ماننا جائز بھی نہیں ہے سخت گناہ ہے۔
- مثلاً اگر کسی نے کہا کہ حضرت حسنؓ و حسینؓ کی نذر ہے، فلاں پیر کی رضامندی کے لئے اتنا صدقہ کروں گا، فلاں بزرگ کے نام اتنے روزے رکھوں گا، فلاں ولی کے نام اتنی نمازیں ادا کروں گا، تو ایسی نذروں کا پورا کرنا لازم نہیں ہے بلکہ گناہ ہے اس سے رجوع اور توبہ کر لینا ضروری ہے۔
- اگر کھانے پینے کی چیز کسی مخلوق کے لئے نذر مانی تو ایسی نذر سے رجوع کر لینا چاہیئے اگر رجوع نہ کیا اور نذر پر عمل کیا تو کھانے پینے کی ایسی اشیاء کا استعمال جائز نہیں بلکہ حرام ہے اور وہ مردار کے حکم میں ہے جیسا کہ قرآن کریم میں صراحت آئی ہے۔
- نذر اپنی ملکیت میں ہوتی ہے اور جن چیزوں میں اپنا اختیار چلتا ہے ان میں ہوتی ہے اور جن میں اختیار نہیں ہوتا ان میں نذر درست نہیں ہے۔ مثلاً اگر کسی نے کہا کہ میرا یہ کام ہو گیا تو فلاں کے مال میں سے اتنا صدقہ کر دوں گا، یا فلاں کی بکری صدقہ دوں گا، فلاں کی جائیداد صدقہ کر دونگا، اس طرح نذر ماننا درست نہیں ہے کیونکہ دوسرے کی ملک میں نذر ماننا درست نہیں ہے نہ ہی اس کا پورا کرنا لازم ہے۔
- اور اگر اس طرح کہا کہ فلاں کام ہو گیا تو فلاں کے ذریعہ بیس رکعت نماز پڑھواؤں گا، یا فلاں کے ذریعہ دس روزے رکھواؤں گا، یا فلاں کے مال میں سے سو روپے صدقہ کراؤں گا، تو ان میں سے ایک نذر بھی صحیح نہیں نہ لازم ہے نہ ہی پورا نہ کرنے سے کوئی گناہ ہے۔ (شامی)

- اسی طرح ایک آدمی کی ملکیت میں سو روپے موجود ہے اس نے نذر مانی کہ اللہ کے لئے ایک ہزار روپے صدقہ کردوں گا، تو ایک سو ۱۰۰ روپے کی نذر تو صحیح ہے باقی نو سو روپے کی نذر باطل ہے، اس وجہ سے کہ وہ ہزار روپے کا مالک ہی نہیں، یہ کہے کہ جب بھی ایک ہزار کا مالک ہو جاؤں گا اس کا صدقہ کردوں گا، اور فی الحال سو روپے موجود ہیں تو سو روپے لازم ہوں گے باقی جب مالک ہوگا دینے ہوں گے، اگر کبھی مالک نہ رہا۔ تو وہ ساقط ہو جائے گی۔ (شامی)
- نذر اور منت اگر غنی پر صدقہ کرنے کیلئے مانی ہے تو اس کو پورا کرنا بھی لازم نہیں ہے مثلاً کسی نے کہا اگر فلاں کام ہو گیا تو دس اغنیاء کو کھانا کھلاؤں گا، تو یہ نذر لازم نہیں ہے، کیونکہ غنی کو کھانا کھلانا کسی مرحلہ میں فرض یا واجب نہیں ہے۔
- لیکن اگر کہا دس فقیروں کو کھانا کھلاؤں گا تو یہ نذر صحیح ہے کیونکہ فقیروں کو کھانا کھلانے کا وجوب متعدد مواقع میں آتا ہے۔ (شامی)
- جس نذر سے مقصد شئی منذور کو عملاً کرنے کا ارادہ ہو اس کو پورا کرنا ضروری ہے خواہ نذر معلق ہو یا نذر غیر معلق، مثلاً کسی نے کہا میں اللہ کے لئے دس روزے رکھوں گا، یا اگر میں بیماری سے ٹھیک ہو گیا تو میں روزے رکھوں گا تو اس کا پورا کرنا لازم ہے۔
- لیکن اگر کسی کام کرنے کے ارادہ سے نذر نہیں مانی گئی بلکہ نہ کرنے کے ارادہ سے...... مانی گئی مثلاً کسی نے کہا اگر فلاں واپس آ گیا تو میں فلاں گناہ کروں گا، فلاں سے بات کی تو زنا کروں گا، تو ایسی صورتوں میں شرط...... پوری ہونے کی صورت میں گناہ کا کام کرنا نہ صرف ضروری نہیں بلکہ گناہ کا کام کرنا جائز ہی نہیں ہے، البتہ ایسی صورت میں قسم کی طرح کفارہ ادا کرنا لازم ہے۔

(در المختار)

- اگر کسی نے اس طرح نذر کی کہ وہ کبھی گناہ کا کام نہیں کرے گا لیکن اگر گناہ کا کام کیا تو وہ یہودی ہو جائے گا، کافر ہو جائے گا، اتفاق سے وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہ سکا اور گناہ کا کام کر لیا تو اس سے وہ کافر اور یہودی نہ ہوگا لیکن اس پر قسم جیسا کفارہ آئے گا۔
- اگر کسی نے کہا بیماری سے شفا ہو گئی تو بکرا ذبح کرے گا تو بکرا ذبح کرنا لازم نہیں کیونکہ نفس ذبح کرنا کوئی عبادت نہیں ہے، لیکن اگر یہ کہا کہ بکرا ذبح کر کے صدقہ کروں گا یا فقراء کو کھلاؤں گا تو اس کو پورا کرنا لازم ہوگا۔ (شامی)
- اگر خاص فقراء پر صدقہ کرنے کی نذر اور منت مانی جائے تو خاص فقراء پر صدقہ کرنا لازم نہیں بلکہ

......دوسرے فقراء پر صدقہ کر دینے سے نذر پوری ہو جائے گی۔ (شامی)

- کسی خاص شہر یا علاقہ کے فقراء پر صدقہ کرنے کی منت ماننے کا حکم بھی یہی ہے کہ انہی پر صدقہ کرنا لازم نہیں بلکہ کسی بھی شہر یا علاقہ کے فقراء پر صدقہ کر دینے سے نذر پوری ہو جائے گی۔ (شامی)
- کسی نے اگر سو آدمی کا کھانا صدقہ کرنے کی منت مانی تو کھانہ صدقہ کرنا ضروری نہیں اگر چاہے تو کھانے کی قیمت نقد رقم بھی صدقہ کی جا سکتی ہے۔ (شامی ص ۴۴۱ ج ۱۰)
- اگر ایک مہینہ متعین روزہ رکھنے کی منت مانی ہے مثلاً ماہ شعبان میں روزہ رکھے گا تو لگاتار ایک ماہ روزے رکھنا چاہیئے، اگر درمیان میں ایک دو روزے نہ رکھ سکے تو صرف ان روزوں کی قضاء ضروری ہے ترتیب لازم نہیں۔
- اور اگر مطلق ایک مہینہ کے روزے کی منت مانی ہے تو لگاتار روزے لازم نہیں اگر چاہے لگاتار رکھے یا متفرق طور پر۔ (شامی)
- اگر کسی خاص جگہ یا خاص شہر میں نماز پڑھنے یا روزہ رکھنے یا اعتکاف کرنے یا قربانی کرنے کی نذر مانی ہے تو اسی خاص جگہ پر نماز پڑھنا ضروری نہیں کسی بھی جگہ نماز پڑھنے سے نذر پوری ہو جائے گی، یہی حکم روزہ، اعتکاف، قربانی اور صدقہ کا بھی ہے۔ (شامی)
- اگر کوئی شخص نذر مانتا ہے کہ ایک روز کے بعد دس رکعت نفل پڑھیگا یا دو روز کے بعد دو روزے رکھے گا، یا ایک ہفتہ کے بعد ۱۰۰ روپے صدقہ کرے گا، تو متعین وقت آنے سے قبل بھی نذر پوری کر سکتا ہے اور متعین وقت کے بعد بھی۔ (شامی)
- لیکن اگر نذر کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے تو شرط کے وجود سے پہلے روزے رکھنے سے نذر پوری نہ ہوگی، مثلاً کہا اگر فلاں کام ہو جائے تو پانچ روزے رکھے گا، پھر وہ کام ہو جانے سے قبل پانچ روزے رکھ لئے روزوں کے بعد وہ کام ہوا تو نذر پوری نہیں ہوئی دوبارہ پانچ روزے رکھنے ہوں گے۔ (شامی)
- اگر کوئی تازندگی روزے رکھنے کی نذر مانے اور اس کو اس کی استطاعت نہیں رہے تو روزہ کے بدلہ ہر روز کا فدیہ ادا کرنا ضروری ہے اور اگر فدیہ پر قادر نہیں ہے تو قسم کا ایک کفارہ ادا کرے گا، اور اس کی بھی استطاعت نہیں تو توبہ واستغفار کرے گا۔ (شامی)
- اسی طرح اگر کوئی ایک ہزار نفل پڑھنے کی نذر مانے اور وہ اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو ہر دو نفل

کے بدلہ ایک فدیہ دے گا، اور اگر اس کی استطاعت نہیں تو ایک کفارہ دے گا، اور اگر اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا تو توبہ واستغفار کرے گا۔

- اگر کوئی یہ نذر مانے کہ فلاں کام ہوا تو اپنے نفس کی قربانی دے گا، یا اپنی اولاد میں سے یا بہوؤں میں سے کسی کی قربانی دے گا تو ان کی جگہ ایک بکری ذبح کر دینا ضروری ہے جیسا کہ حضرت خلیل ابراہیم اللہ کے ذبیحہ میں ہوا ہے۔ بعض علماء نے اس طرح خواب دیکھنے کی تعبیر میں بھی بکرا ذبح کرنے کو لکھا ہے لیکن یہ خواب میں از روئے استحباب ہے نہ کہ واجب۔
- اگر کوئی نذر مان لے کہ اللہ نے اگر بیماری سے شفا دی تو حج کریگا تو اس پر حج کرنا لازم ہو جائے گا۔ (شامی)
- اور اگر اس طرح نذر مانے کہ پیدل حج کرے گا تو پیدل حج لازم ہوگا البتہ اگر پیدل نہ جانا چاہے، جہاز یا سواری میں جانا چاہے تو ایک دم دیگا اس طرح نذر کا کفارہ ہو جائے گا۔ (شامی)
- اگر کوئی شخص اس طرح منت مانے کہ فلاں کام ہوگیا تو کعبۃ اللہ کی زیارت کرے گا تو حج یا عمرہ دونوں میں سے ایک لازم ہوگا، لہٰذا حج یا عمرہ میں سے جو بھی کرے گا اس سے نذر پوری ہو جائے گی۔ (شامی)
- اسی طرح اگر کوئی شخص منت مانے کہ فلاں مقصد حاصل ہوگا تو خانۂ کعبہ کا طواف کرے گا یا حرم شریف کی زیارت کرے گا، یا مسجد حرام کی زیارت کرے گا ان سب صورتوں میں عرف ورواج کے اعتبار سے حج یا عمرہ کا ارادہ کیا جاتا ہے، اس لئے حج وعمرہ میں سے ایک کا کرنا لازم ہو جائے گا۔ یہ چند جزئیات جو ذہن میں حاضر تھیں لکھ دی ہیں۔

اب یہاں پر ترتیب وار ان سوالات کے جوابات دئے جاتے ہیں جن کا ذکر استفتاء اور سوالنامہ میں کیا گیا ہے۔

۱۔ منت ماننا از روئے قرآن وحدیث جائز ہے مگر اس کے لئے کچھ اصول اور ہدایت ہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، ان اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے نذر اور منت ماننا جائز ہے اور اس کے مطابق اسے پورا کرنا بھی ضروری ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ خواہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوں یا اولیاء اللہ، مخلوق میں سے کسی کے واسطے نذر اور منت ماننا جائز نہیں ہے نہ ایسی نذروں کا پورا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اس طرح مخلوق کی نذر ماننا نذر معصیت ہے، اور حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، لہٰذا عوام الناس کا مزارات اور

درگاہوں کے نام پر نذر و نیاز دینا پھر ان اصحاب قبور اور اصحاب مزارات سے حوائج اور مقاصد کی درخواست کرنا معصیت اور سخت گناہ ہے ایسی نذروں سے رجوع کر کے اور توبہ کر لینا ضروری ہے۔

۳۔ منّت کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات کے واسطے نذر مانی جائے اور کسی عبادتِ مقصودہ نماز، روزہ، حج وغیرہ کی منت مانی جائے پھر اس کو پورا بھی کیا جائے اس پر اجر وثواب ملے گا، اگر پورا نہ کیا تو گناہ ہوگا۔

۴۔ منّت ماننے کے بعد اگر اس کو کسی وجہ سے پورا نہ کر سکے تو اس کے لئے مختلف صورتوں میں مختلف احکام ہیں جس کی کچھ تفصیل تفریعات میں گذر چکی ہے، اور عام حالات میں سب سے معروف اور مشہور مسئلہ یہ ہے کہ اگر نذر پوری کرنے کی استطاعت نہیں ہے تو اس کے بدلہ میں کفارہ قسم دے دیا جائے یعنی دس مسکینوں کو صبح وشام کھانا کھلائیں یا دس آدمیوں کو دس جوڑے کپڑے دے، اور کوئی ان چیزوں پر قادر نہیں ہے تو تین روزے رکھ لے اور اگر اس پر بھی کوئی شخص قدرت نہیں رکھتا تو توبہ واستغفار کرے۔ فقط واللہ اعلم

کتبہٗ

محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہٗ

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۔نمبر ۵

۲۴/ ۸/ ۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح

(۱) (مفتی) ولی حسن ٹونکی (صاحب مدظلّہ) (رئیس دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن)

(۲) (مفتی) احمد الرحمٰن غفرلہٗ (مدیر جامعہ)

(۳) (مفتی) محمد ولی درویش غفرلہٗ

(۴) (مفتی) محمد شاہد

(۵) (مفتی) محمد ابوبکر سعید الرحمٰن غفرلہٗ

(۶) (مفتی) محمد رضاء الحق غفرلہٗ

طویل دن رات والے ممالک میں نمازوں کا حکم

طویل دن اور رات والے ممالک میں نمازوں کا حکم

محترم المقام جناب مولانا مفتی ولی حسن خان صاحب ٹونکی دامت برکاتہم !

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ،

امابعد! سلام مسنون اینکہ میرا ایک ساتھی (جو کہ باہر ملک رہتا ہے) نے اخبار جنگ کا ایک تراشہ دکھایا جو کہ حاضر خدمت ہے جس میں حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب کا فتویٰ چھپا ہے کہ جن ممالک میں سورج طلوع اور غروب دیر سے ہوتا ہے اور بعض نمازوں کے اوقات ظاہر نہیں ہوتے انہیں غیر ظاہر اوقات کی نماز واجب نہیں ہے، جب کہ اب تک ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہر بالغ مسلمان پر پانچ وقتہ نمازیں فرض ہیں خواہ کسی ملک کا باشندہ ہو، اس بارے میں ہمیں بڑی تشویش ہے۔ اگر آپ حضرات کا بھی یہی فتویٰ ہے تو وضاحت فرمائیں اور دلائل سے جواب عنایت فرمائیں تا کہ ہماری تشویش دور ہو، اور اگر آپ کی رائے اس کے خلاف ہو تو پھر مولانا مفتی محمد رفیع صاحب سے رابطہ کر کے معلوم کریں کہ یہ فتویٰ کیسے چھپ گیا ہے؟

راقم الحروف
بندہ قاری حسین احمد
فیڈرل بی ایریا کراچی۔

محترمی مولانا قاری حسین احمد صاحب زید مجدہٗ!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ،

بعد سلام مسنون۔ اینکہ مسئلہ مذکور کے بارے میں جس طرح آپ نے پوچھا ہے بعض دوسرے لوگوں نے استفتاء بھیجے ہیں، اس سلسلہ میں ہم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب سے خط و کتابت کررہے ہیں صحیح صورت حال بعد میں واضح ہوجائے گی۔ باقی جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو اخبار جنگ میں چھپا ہوا جواب ہمارے علم کے مطابق صحیح نہیں ہے۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ ایسے ممالک میں قریبی اور معتدل ملک کے اوقات کے اعتبار سے نمازوں کا ادا کرنا واجب ہے۔ تحقیقی جواب انشاء اللہ کسی موقع پر بیّنات یا اخبارِ جنگ صفحہ اقراء میں دیا جائے گا تاکہ صحیح صورت حال لوگوں کو معلوم ہوجاوے۔

فقط والسلام

بندہ محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہ

۶/۱۵ ۱۴۰۳ھ

MADRASA ARABIA ZIAUL QURAN HANNA URAK QUETTA

طویل دن اور رات والے ممالک میں نماز کی ادائیگی اور اس کا حکم

استفتاء

وہ مسلمان جو شہر آسلو جو ملک ناروے کا بڑا شہر ہے، جہاں موسم گرما میں صرف ایک گھنٹہ یا سوا گھنٹہ کے لئے سورج غائب رہتا ہے، ورنہ ہمیشہ چمکتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس سردیوں میں سورج نظر ہی نہیں آتا مگر طلوع وغروب میں صرف ۴ یا ۵ گھنٹوں کا فرق ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ گرمیوں میں جب کہ دن رات کے بیشتر حصے میں سورج چمکتا رہتا ہے تو نماز کے اوقات کا تعین کس طرح کیا جائے؟ نیز ماہِ رمضان کا تعین اور روزے کے اوقات، سحری، افطاری، مغرب کی نماز، عشاء کی نماز اور تراویح وغیرہ کا وقت کس طرح متعین کیا جائے؟ بعینہ سردیوں کے موسم میں مذکورہ اوقات کا تعین کس طرح ہو؟

(عبدالعزیز خان)

الجواب از مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی

دار العلوم کراچی

شریعت مطہرہ نے نماز کے لئے وقت کو سبب قرار دیا ہے ہر نماز کا وقت اس کیلئے سبب ہے، لہٰذا جہاں پانچوں اوقات متحقق ہوں گے وہاں پانچوں نمازیں فرض ہونگی اور جہاں ان اوقات میں کوئی وقت مفقود ہوگا وہاں اس وقت کی نماز بھی فرض نہ ہوگی۔ اس اصول کی رو سے جہاں عشاء کا وقت ہی نہیں آتا اس سے پہلے ہی صبح ہو جاتی ہے وہاں عشاء کی نماز نہ ہوگی، لیکن سوال میں جس شہر کا ذکر ہے اس کے متعلق یہ تفصیل ہے کہ جتنے دن تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے کہ مغرب کا وقت ختم ہوتے ہی صبح کا وقت شروع ہو جاتا ہے بیچ میں عشاء کا وقت نہیں آتا اتنے دنوں کی عشاء کی نماز فرض نہیں۔ لیکن جب گرمی کے موسم کے ختم پر بتدریج ان دونوں کے وقفوں میں فاصلہ شروع ہوگا اور جس دن اتنا فاصلہ متحقق ہو جائے گا جس میں عشاء کی چار رکعت فرض ادا کی جا سکے اس دن سے عشاء کی نماز فرض ہوگی، پھر جب وتر کا وقت ہوگا تو وتر بھی واجب ہوگی۔ اسی طرح موسم گرما کی ابتدا میں جب دونوں وقتوں کا درمیانی فاصلہ گھٹتا

شروع ہو جائے گا تو گھٹتے گھٹتے اگر یہاں تک پہنچ گیا کہ جس میں چار رکعت ادا نہیں کی جاسکتیں، اس تاریخ سے پھر عشاء کی نماز ساقط ہوگی۔ علیٰ ہذا القیاس اگر تراویح کا وقت ملتا ہے تو پڑھیں ورنہ نہیں۔

جس شہر کا سوال ہے اس میں اور ایسے تمام علاقوں میں جہاں دن اور رات کا مجموعہ ۲۴ گھنٹے ہوتا ہے اور رات اتنی دیر رہتی ہے کہ نماز مغرب سے فارغ ہو کر صبح صادق سے پہلے کھانا کھایا جاسکے وہاں روزہ رمضان کا حکم یہ ہے کہ جو لوگ اتنا طویل روزہ رکھنے کی قوت رکھتے ہیں وہ روزہ رکھیں جس کا ثواب بھی دوسرے علاقوں کے مقابلے میں زیادہ ہوگا۔

اور جو لوگ بیماری، بوڑھاپے یا کمزوری کے باعث اتنا طویل روزہ رکھنے کی قدرت نہیں رکھتے، بیمار پڑجانے یا بیماری بڑھ جانے کا قوی امکان ہے وہ لوگ روزوں کی قضا ایسے موسم میں کرلیا کریں جب کہ دن کا طول ان کے لئے قابل برداشت ہو جائے۔ پھر اگر کسی کا ایسے موسم سے پہلے ہی انتقال ہو جائے کہ جس میں روزہ رکھنا اس کے لئے ممکن ہوتا تو ان روزوں کی فرضیت ساقط ہو جائے گی اور قضا نہ کرنے کا کوئی گناہ نہ ہوگا۔ اور فدیہ بھی واجب نہ ہوگا اگر ایسا موسم شروع ہو جانے اور صحت وقوت کے باوجود روزوں کی قضا نہ کی تو گنہگار ہوں گے۔ انتقال کے وقت تک قضا نہ کی تو مرنے سے پہلے اپنے وارثوں کو یہ وصیت کرنا واجب ہے کہ ان روزوں کا فدیہ ادا کردیں۔

اور جو لوگ ایسے بوڑھاپے یا بیماری میں مبتلا ہیں کہ امید نہیں کہ وہ کسی موسم میں بھی روزوں کی قضا کرنے کے قابل ہوسکیں گے ان پر نہ ادا واجب ہے نہ قضا، بلکہ وہ فدیہ ادا کریں یعنی ہر روزے کے بدلے میں پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت کسی مسلمان فقیر مسکین کو دے دیں کافر کو دینے سے فدیہ ادا نہ ہوگا۔ اور جب سردیوں میں دن چھوٹا ہو جائے (خواہ ایک ہی گھنٹہ رہ جائے) تو روزہ بھی بس اتنی دیر کا ہوگا۔ پس صرف صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ رکھیں۔ روزہ کا یہ سب حکم اسوقت ہے جب کہ غروب شمس کے بعد صبح صادق تک اتنا وقت ملتا ہو کہ نماز مغرب سے فارغ ہو کر کھانا کھایا جاسکے۔ اگر رات اتنی کم ہوتی ہے کہ صبح سے پہلے اتنا وقت نہیں ملتا تو اس کا حکم دوسرا ہے جو دوبارہ سوال کرنے پر بتایا جاسکتا ہے۔

بگرامی خدمت جناب محترم مولانا مفتی محمد رفیع صاحب مدظلہم
مہتمم دارالعلوم کورنگی کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

امابعد! سلام مسنون اینکہ گذشتہ ۲۵/ مارچ جمعہ کو روزنامہ جنگ کے اسلامی صفحہ میں جناب والا کا مضمون بعنوان ''طویل دن اور رات والے ممالک میں نماز کی ادائیگی'' نظر سے گذرا، مضمون کی ابتداء میں ۱۹ سطروں پر بندہ کو اعتراض ہے، کہ ابن ہمامؒ نے اور ابن نجیمؒ نے بقالی اور صاحب کنز کے فتویٰ سے اتفاق نہیں کیا، بلکہ ان کا فتویٰ یہ ہے کہ جن ممالک میں بعض اوقات صلوٰۃ مفقود ہیں ان میں پانچ نمازیں فرض ہیں ان ممالک میں رہنے والے لوگ مفقود اوقات کی نمازوں کو قضا کریں گے۔

ہمارے نزدیک دلائل کی روشنی میں ابن ہمامؒ اور ابن نجیمؒ کا مذہب اور ان کا فتویٰ راجح ہے، اگر جناب والا کو ان سے اتفاق نہیں ہے تو تحریری جواب عنایت فرمائیں تاکہ ہم بھی اپنے نقطۂ نظر کو دلائل سے لکھ دیں اور اگر جناب والا کو ابن ہمام اور ابن نجیم کے فتویٰ سے اتفاق ہے تو بھی بتادیں اور اگلے جمعہ کو اسلامی صفحہ میں مسئلہ کی وضاحت فرمادیں، تاکہ لاکھوں لوگ جو اخبار جنگ پڑھتے ہیں ان کو جو غلط فہمی ہوئی ہے وہ دور ہوجائے۔

واضح رہے کہ بندہ نے اس سلسلہ میں حضرت مفتی ولی حسن صاحب مدظلہم سے گفتگو کی ہے، ان کی رائے بھی وہی ہے جو ابن ہمامؒ وغیرہ کی ہے، اور اب تک اس بارے میں نیوٹاؤن کا فتویٰ اسی پر رہا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

کتبہٗ بندہ محمد عبدالسلام عفااللہ عنہٗ
۶/۱۲ ۱۴۰۳ھ

جواب خط از مولا مفتی محمد رفیع صاحب

دار العلوم کراچی

مکرم ومحترم جناب مولانا عبدالسلام صاحب زیدت مکارمہٗ !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ،

گرامی نامہ موصول ہوکر باعث مسرّت ہوا کہ احقر کو آنجاب نے متنبہ فرمایا۔ خطرہ تھا کہ اپنے ہجوم مشاغل کے باعث جواب میں تاخیر ہو جائیگی، اس لئے مولانا اصغر علی صاحب دامت برکاتہم کے سپرد کیا تھا کہ وہ مسئلہ کا از سر نو جائزہ لے کر احقر کو بھی اپنی تحقیق سے مطلع فرمادیں اور آپ کو بھی۔

انہوں نے ایک جواب تحریر فرمایا ہے اگر مزید غور وفکر اور مشورہ کی ضرورت ہو تو حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب مدظلہم سے مشورہ کر کے مجلس تحقیق مسائل حاضرہ میں اس مسئلہ پر غور کر لیا جائے تاریخ اور وقت فون پر طے فرمالیا جائے۔

السلام

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہٗ

۶/۱۸ ۱۴۰۳ھ

جواب از مولانا اصغر علی ربیق دارالافتاء

دارالعلوم کراچی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

محترم مولانا عبدالسلام صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی زید مجدہٗ نے مذکورہ فتویٰ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ کو تحریر فرمایا تھا جس پر مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے تصدیق دستخط ثبت فرمائے تھے، اس کے بعد یہ فتویٰ شوال ۱۳۹۳ھ کو البلاغ میں بھی شائع کیا گیا۔ اب حال ہی میں روزنامہ جنگ نے بھی اسے جمعہ ایڈیشن میں شائع کردیا ہے۔

ابن نجیم کی عبارت میں یہ کہیں نہیں کہ انہیں صاحب کنز کے فتویٰ سے اتفاق نہیں یا انہیں ابن ہمام کی رائے سے اتفاق ہے بلکہ انہوں نے بقالی اور ابن ہمام کے اقوال کی دلیل سمیت نقل کر کے کسی ایک کو ترجیح دیئے بغیر چھوڑ دیئے ہیں۔

ابن ہمام کا اتفاق نہ کرنا بقالی اور صاحب کنز کے فتویٰ کو رد نہیں کرتا کیونکہ بہت سارے علماء نے ابن ہمام کے قول کو رد کیا ہے ملاحظہ ہو۔ (منحة الخالق)

اس مسئلہ پر سوال و جواب اور جواب الجواب کا سلسلہ بہت دراز ہے علامہ شامی نے ایک طویل بحث کے بعد عدم وجوب اور وجوب دونوں کی تصحیح فرمائی ہے، چونکہ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ وجوب کے قائل ہیں اس پر علامہ شامی نے فرمایا ہے کہ وجوب کے قول کی امام شافعی کے قول سے تائید ہوتی ہے:

والحاصل انهما قولان مصحّحان ويتأيّد القول بالوجوب بأنّهٗ قال به امام مجتهد وهو الامام الشافعي (ردالمحتار ص ۲۴۴ ج ۱. مطبوعه يوپی)

یہ یاد رہے کہ امام شافعیؒ کا قائل وجوب ہونا فیصلہ کن وجہ ترجیح نہیں بلکہ ترجیح کا اصول یہ ہے کہ جب شروح میں تصحیح مختلف ہوجائے تو فتوی متون پر دیا جاتا ہے اس لئے کہ متون میں اصل مذہب کو بیان کیا گیا ہے اور متن کنز کا فتویٰ یہ ہے کہ ''ومن لم يجد وقتها لم يجبا'' ہمارے نزدیک یہی راجح ہے کیونکہ:

۱۔ یہ قول متن میں ہے اور متن میں اصل مذہب کو بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ یہ قول مصحح بھی ہے۔

۳۔ مفتی اعظم پاکستان نے بھی اس قول پر صادر کئے گئے فتویٰ کی تصدیق فرمائی ہے۔

۴۔ یہ قول اصول فقہ کے بھی مطابق ہے۔

لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص وجوب والے قول پر عمل کرے ہم اسے غلط نہیں کہتے کیونکہ وہ بھی مصحح قول ہے۔

ہماری نظر میں عدم وجوب کے مصحح قول کی تغلیط کے دلائل نہیں ہیں، ہاں! اگر وجوب کے قول کے بجائے یہ کہا جائے کہ ان لوگوں کو یہ نمازیں اس احتیاط کے پیش نظر پڑھتے رہنا چاہیئے کہ عدم وجوب کے زمانہ میں یہ نمازیں پڑھتے رہنے سے وجوب کے زمانہ تک ان کی پانچوں نمازیں پڑھنے کی عادت باقی رہے اور کم نمازیں پڑھنے سے وجوب کے زمانہ میں سستی نہ کریں، یا یہ کہا جائے کہ بغیر وجوب پڑھ لینا بھی فائدہ کی بات ہے تو یہ الگ موضوع ہے جس کی ہم نفی نہیں کرتے۔ جیسا کہ بچہ پر نماز کے عدم وجوب کے باوجود اسے ڈانٹ ڈپٹ کر یا مار کر نماز پڑھوائی جاتی ہے تاکہ عدم وجوب کے زمانہ میں اس کو پانچ وقت نماز پڑھنے کی عادت ہو جائے اور وہ وجوب صلوٰۃ کے زمانہ میں سستی نہ کرے، اگر یہاں بھی اسی قسم کی مصلحت کے تحت ان نمازوں کے قضاء پڑھتے رہنے کا حکم دے دیں تو یہ ایک جدا بات ہے جس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان پر نماز واجب تھی جس کی ان پر قضاء لازم ہے۔

بایں ہمہ اگر آپ چاہیں تو کوئی اخباری بیان جاری کرنے کے بجائے اس مسئلہ پر مضمون تحریر فرما کر ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' میں پیش فرمائیں تاکہ آپ کی رائے سے استفادہ کیا جائے اور اجتماعی غور و فکر کے بعد کوئی ایک متفقہ رائے اختیار کر لی جائے۔

واللہ الموفّق والمعین

واللہ اعلم بالصواب وعندہٗ امّ الکتاب

حررہٗ

اصغر علی

دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

۹/۶/۱۴۰۳ھ

جواب از مولانا مفتی محمد عبد السلام چاٹگامی

دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

طویل دن اور رات والے ممالک میں نماز کی ادائیگی ضروری اور فرض ہے نص و روایات فقہیہ اور اکابر علمائے دیوبند کے فتاوی اور اقوال کی روشنی میں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بخدمت جناب محترم المقام حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی مدظلہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ،

بعد سلام مسنون! مسئلہ زیر بحث ''طویل دن اور رات والے ممالک جہاں پر عشاء اور فجر کا وقت نہیں ملتا ان پر نماز روزہ واجب نہیں'' کے سلسلہ میں روزنامہ جنگ ۱۱ اپریل ۱۹۸۳ء میں جناب والا کا فتویٰ شائع ہوا تھا۔ میں نے بذریعۂ خط جناب والا کو مطلع کیا تھا کہ مسئلہ مشائخ حنفیہ کے درمیان اختلافی ہے، بقالی، صاحب کنز وغیرہ نے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ ایسے ممالک میں جہاں بعض نمازوں کے اوقات نہیں ملتے ان مفقود اوقات کی نمازیں واجب نہیں ہیں۔ اور شیخ برہان کبیر، ابن الشحنہ، ابن ہمام، طحطاوی وغیرہ نے وجوبِ صلوٰۃ کا فتویٰ دیا ہے۔

میں نے جناب والا سے درخواست کی تھی کہ عدم وجوب کا قول دلائل اور ترجیحات کی رو سے ہمارے نزدیک مرجوح ہے اور وجوب کا قول راجح اور صحیح ہے، اور یہ بھی عرض کیا تھا کہ جناب والا کے نزدیک اگر راجح قول وہی ہے جو اخبار میں شائع ہوا اور دوسرا قول مرجوح ہے تو بتادیں تاکہ ہم اپنا نقطۂ نظر پیش کریں اگر غلطی سے عدم وجوب کا جواب دیا گیا ہے تو اخبار کے ذریعہ اس کی وضاحت فرمادیں تاکہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں۔

اس پر جناب والا کی جانب سے محترم مولانا اصغر علی صاحب کا جواب موصول ہوا، ان کے جواب کا حاصل یہ ہے:

(۱) ایسے ممالک میں اوقات مفقود کی نمازیں واجب نہیں (یہی جناب والا کے نزدیک راجح ہے) کیونکہ سبب موجود نہیں ہے اور بقالی، حلوانی نے اسی پر فتویٰ دیا ہے، کنز میں اسے متن میں ذکر کیا گیا ہے، حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ علیہ نے بھی عدم وجوب کے فتویٰ کی توثیق کی ہے اور علامہ شامی نے وجوب وعدم وجوب دونوں قول کو مصحح کہا ہے، اس لئے

عدم وجوب کے فتویٰ کو غلط نہیں کہا جاسکتا۔

(۲) نمازوں کا حکم دیا جائے تو جذبۂ خیر و مصلحت کے تحت دیا جاسکتا ہے تاکہ ان نمازوں کی عادت باقی رہے اس سے جناب والا کو انکار نہیں۔

(۳) اگر ضرورت سمجھی جائے تو مسئلہ کو مجلس مسائل حاضرہ میں پیش کردوں تاکہ اس پر متفقہ رائے دی جاسکے۔

(۴) اخباری بیان جاری نہ کیا جائے۔

اب ہماری گزارشات بھی ملاحظہ فرمائیں۔

محترم مولانا اصغر علی کے تحریر کردہ جواب پر ہمیں اطمینان نہیں، نہ ہی ان کی طرف سے پیش کردہ دلائل کو ہم وزنی اور عدم وجوب صلوٰۃ کے لئے کافی سمجھتے ہیں، اس سلسلہ میں ہمارے نزدیک محقق ابن ہمام کی تحقیق راجح ہے اور ابن الشحنہ، برہان کبیر، اور طحطاوی کی ترجیح اور ان کا فتویٰ قابل اتباع ہے۔ اس کی وجوہ اور دلائل یہ ہیں:

۱۔ حالت اعتدال میں مہینہ کے تیس ۳۰ یا انتیس ۲۹ دن ہوتے ہیں، بارہ مہینوں کا ایک سال ہوتا ہے اور ہر دن و رات میں کل چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں یہ تمام باتیں نصوص اور تجربے و مشاہدے سے ثابت ہیں، اور ہر دن اور رات (چوبیس گھنٹوں) میں پانچ وقت کی نمازیں نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہیں۔

حدیث ''ان اللہ افترض علیھم خمس صلوات فی کل یوم ولیلۃ'' اور حدیث لیلۃ الاسراء میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ''ھِیَ خَمْسٌ وخمسون لَایبدَّل القول لدیَّ'' کے تواتر اور انداز بیان کو سامنے رکھئے تو معلوم ہوگا کہ مکلّف میں شرائط تکلیف (عقل، بلوغ، اسلام وغیرہ) کے ہوتے ہوئے صرف سبب مجازی کے فقدان کی وجہ سے کلًّا یا بعضًا عدم وجوب صلوٰۃ کا فتوی دینا بڑی جسارت ہوگی۔

۲۔ رہا یہ کہ فقہاء نے نمازوں کے لئے اوقات کو سبب قرار دیا ہے لہٰذا سبب (وقت) کے فقدان سے مسبب (نماز کی ادائیگی) ساقط ہوجانا چاہیئے تو اس کے متعلق عرض ہے کہ خود اس مسئلہ میں فقہاء اور اصولیین کے درمیان اختلاف ہے کہ نمازوں کے لئے اوقات اسباب ہیں یا علامات، صاحب بحر نے لکھا ہے کہ ''فقہاء کرام اوقات کو اسباب قرار دیتے ہیں اور اصولیین علامات قرار دیتے

ہیں۔" (بحر الرائق ص ۲۲۴ ج ۱، حاشیہ چلبی بر تبیین الحقائق ص ۸۱ ج ۱)

اگر اوقات کو علامات اور معرف قرار دیا جائے تو فقدان علامات اور عدم معرف کی بناء پر نمازوں کا وجوب ساقط ہونا کوئی ضروری اور لازم نہیں ہے کیونکہ ایک چیز کے لئے متعدد معرف اور متعدد علامات ہو سکتی ہیں اور کسی ایک علامت کے فوت ہونے سے اس چیز کا فوت ہو جانا لازم نہیں آتا۔ (**فتح القدیر ص ۱۵۶ ج ۱، حاشیہ چلبی بر تبیین الحقائق ص ۸۱ ج ۱**) تو جو نمازیں نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ کی رو سے فرض ہیں صرف علامات اور معرف کے نہ ہونے سے کیسے ساقط ہو جائیں گی؟

اور اگر اوقات کو اسباب قرار دیا جائے تو پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ اسباب "اسباب حقیقیہ" ہیں یا "اسباب جعلیہ"۔ لیکن قول محقق یہی ہے کہ یہ اسباب "اسباب جعلیہ" ہیں، کیونکہ اسباب حقیقیہ وہ ہوتے ہیں کہ اگر وہ اسباب حقیقیہ نہ پائے جائیں تو مسبب بھی نہیں پایا جاتا اور ایسے اسباب "علت" کے معنی میں ہوتے ہیں جس طرح "تخلف العلۃ عن الحکم" جائز نہیں اسی طرح "تخلف السبب عن المسبب" درست نہیں ہے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مکلف سے صلوٰۃ نائم، صلوٰۃ ناسی، صلوٰۃ فائت ساقط نہیں ہوتیں جب کہ اوقات حقیقیہ قضا کے وقت باقی نہیں رہتے، اسی بنیاد پر فقہاء اور اصولیین کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے کہ ادا نمازوں اور قضاء نمازوں کے اسباب ایک ہیں یا ادا نمازوں کے لئے اسباب الگ اور قضاء نمازوں کے لئے اسباب الگ ہیں۔ اس میں بھی قول محقق یہ ہے کہ سبب اداء اور سبب قضاء ایک ہے اور وہ خطابُ اللہ ہے جو مکلّف کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اوقات اسباب جعلیہ اور غیر حقیقیہ ہیں، تفصیل کے لئے حسامی، تلویح وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

محقق ابن ہمامؒ نے بھی یہی تحقیق پیش کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

جو شخص بنظر تامل دیکھے گا بغیر شک وشبہ کے اس کے علم میں یہ بات آئے گی اور اسے معلوم ہوگا کہ وضو کے محل فرض معدوم ہونے اور نماز کے سبب جعلی (وقت) کے نہ ہونے میں بڑا فرق ہے، کیونکہ نفس الامر میں وجوب سبب خفی کے ذریعہ سے ثابت ہے، اور وقت کو اس وجوب کے لئے سبب ظاہری اور اس سبب خفی کی علامت قرار دیا گیا ہے، اور اس سبب جعلی وسبب ظاہری کے نہ ہونے سے نفس الامر میں جو سبب حقیقی ہے اس کا معدوم ہونا لازم نہیں آتا جب کہ اس کے وجود پر دوسری دلیل بھی پائی جائے، کہ یہاں سبب حقیقی کے وجود پر دوسرے دلائل موجود ہیں اور وہ احادیث معراج ہیں جو مشہور و مستفیض ہیں کہ اولاً پچاس نمازیں فرض ہوئیں پھر تخفیف کر کے پانچ نمازوں پر اکتفاء کی، اور تمام آفاق کے لئے ان

پانچ نمازوں کو فرض کیا اور یہ حکم سب کے لئے برقرار رہا جس میں کسی ملک واقلیم کی کوئی تخصیص نہیں، باوجودیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت روئے زمین پر بسنے والے تمام لوگوں کے لئے ہے خواہ وہ کسی بھی خطۂ ارض اور کسی بھی اقلیم سے تعلق رکھتے ہوں۔ اور پانچ نمازوں کا حکم سب کے لئے ہے اس حکم میں یہ تفصیل نہیں کہ فلاں ملکوں کے لئے پانچ نمازیں اور اہل بلغار اور اس جیسے دوسرے ممالک کے لوگوں کے لئے چار نمازیں ہیں۔

اور جو شخص مشرف باسلام ہوتا ہے تو اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔

خروج دجال کی احادیث میں وضاحت کے ساتھ مذکور ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ''یارسول اللہ! دجال کتنی مدت تک زمین میں ٹھہرے گا؟'' آپ نے فرمایا'' چالیس ۴۰ دن تک جن میں ایک دن ایک سال کے برابر، ایک دن ایک ماہ کے برابر، ایک دن ایک ہفتہ کے برابر اور باقی ایام تمہارے ایام کی طرح ہوں گے'' عرض کیا گیا کہ جو دن ایک سال کے برابر ہوگا کیا ہمارے لئے اس دن ایک یوم کی (پانچ) نمازیں کافی ہوں گی؟ آپ نے فرمایا نہیں! اس دن تم اندازہ کر کے نمازیں ادا کرو۔ (مسلم) تو ظاہر ہے کہ تین سو سے زیادہ نماز عصر واجب کیں۔ (فتح القدیر ص ۱۵۶، ج ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اوقات معلومہ متعینہ وجوب کا اصلی سبب نہیں ہیں کہ ان کے نہ ہونے سے نماز کا وجوب ہی نہ ہو بلکہ وجوب کا اصلی سبب معنیٰ خفی نفس الامری ہے اور اوقات کو تو صرف علامات بنایا گیا ہے۔

اور حدیث خروج دجال سے معلوم ہوا کہ نفس الامر میں پانچ نمازیں ہر شخص پر ہر حال میں واجب ہیں اس میں کوئی تقسیم نہیں کہ اوقات معلومہ کے ہونے کی صورت میں پانچ نمازیں فرض ہیں اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں وجوب ساقط ہوجاتا ہے۔ (فتح القدیر ص ۱۵۶ ج ۱)

۳۔ اوقات معلومہ کے نہ ہونے کی صورت میں نماز ساقط ہے اس پر کوئی واضح نص اور حدیث موجود نہیں ہے اور نہ ہی آئمہ مجتہدین خصوصاً آئمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ سے کوئی روایت موجود ہے بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول وجوب صلوٰۃ کے بارے میں موجود ہے جس کا اقرار علامہ شامی نے کیا ہے اور آپ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ خود ہی بتایئے کہ سقوط صلوٰۃ کا فتویٰ کس بناء پر دیا جائے؟

۴۔ بقالی، حلوانی وغیرہ آئمہ مجتہدین میں سے نہیں ہیں بلکہ مشائخ میں سے ہیں اور ان کے فتویٰ کی بنیاد

قیاس پر ہے جو کہ نصوص مطلقہ کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ خلاف تحقیق بھی ہے، ابن ہمام، ابن الشحنہ نے اس قیاس کو رد کرتے ہوئے وجوب صلوٰۃ کا فتویٰ دیا ہے۔ اور صاحب تنویر اور صاحب منح نے تو وجوب صلوٰۃ کے فتویٰ کو مذہب کہا ہے۔ ملاحظہ ہو شامی ص ۳۶۵ ج ا الطحاوی ص ۱۰۵ ج ا، تو مذہب اور نصوص مطالقہ کو چھوڑ کر خلاف فتویٰ پر کس طرح عمل کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ وجوب صلوٰۃ کا فتویٰ قیاس وعقل اور نصوص مطالقہ کے مطابق ہے، خروج دجال کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، امام شافعیؒ، امام نوویؒ، امام ابن ہمامؒ وغیرہ نے ایسے موقع پر خروج دجال کی حدیث سے استدلال کیا ہے؟

۶۔ ابن ہمامؒ کی تحقیق قابل اتباع ہے، کیونکہ وہ محقق، اہل نظر اور اصحاب ترجیح میں سے ہیں، صاحب بحر ابن نجیم لکھتے ہیں، ''ان المحقق ابن الھمام من اھل الترجیح حیث قال عنه، انهٗ اھل النظرفی الدلیل، وحینئذ قلنا اتباعهٗ فیما یحققه ویرجحه فی الروایات والا قوال مالم یخرج عن المذھب۔'' (شرح عقود رسم المفتی ص ۷۷)

اس لئے یہ کہنا کہ ابن ہمام کا اتفاق نہ کرنا بقالی کے فتویٰ کو رد نہیں کرتا، قابل تامل اور محل نظر ہے۔ نیز یہ کہنا بھی قابل غور ہے کہ صاحب بحر نے ابن ہمام کی تحقیق نقل کرنے کے بعد یہ نہیں بتایا کہ ان کی یہ تحقیق صحیح ہے اور بقالی کا فتویٰ غلط ہے، کیونکہ جب صاحب بحر نے خود اعلان کر دیا کہ ابن ہمام اہل ترجیح اور اہل الرائے میں سے ہیں اور جب تک وہ خلاف مذہب نہ ہو اور مذہب سے خروج نہ کریں ان کی تحقیق وترجیح قابل اتباع ہے'' اس اعلان واعتراف کے بعد مزید کچھ کہنے اور لکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے ہاں اگر یہ تحقیق صاحب بحر کی مرضی کے خلاف ہوئی تو ضرور رد کرتے۔

۷۔ (الف) بقالی اور حلوانی کے فتویٰ کو متون اربعہ معتبرہ میں سے صرف صاحب کنز نے ذکر کیا ہے باقی تین متون میں اس کا نام تک نہیں لہٰذا یہ کہنا کہ یہ مسئلہ متون کا ہے اور متون وشروح کے تعارض کی صورت میں متون کو ترجیح ہوتی ہے صحیح نہیں۔

(ب) نیز متون وشروح میں تعارض اور ترجیح کا جو مسئلہ ہے وہ اس وقت ہے جب متون کی بنیاد کتب ظاہر الروایۃ ہوں لیکن مسئلہ مذکور کا کتب ظاہر الروایۃ میں تو کیا ذکر ہوتا کتب نادر الروایۃ میں اس کا کوئی ذکر نہیں بلکہ یہ مسئلہ نوازل اور حوادث میں سے ہے، نوازل وحوادث میں وجہ ترجیح ملاحظہ ہو، اذالم یجد لھا روایة عن اصحابنا وان اتفق فیھا المتأخرون علیٰ شئ یعمل به، وان

اختلفوا یجتھد بما ھو عندہٗ وان کان المفتی مقلدًا غیر مجتھد.‘‘

(شرح عقود رسم المفتی ص ۷۹)

علامہ شامی نے اس مفتی مقلد کو بھی اجتہاد کرنے کی اجازت دی ہے، تو جب ایک مقلد اجتہاد کر کے اس پر فتویٰ دے سکتا ہے اور اس کا فتویٰ قابل اتباع ہوگا تو کیا ابن ہمام جیسے محقق کا اجتہاد اور فتویٰ قابل اتباع نہیں ہے۔

۸۔ رہا یہ کہ دو قول صحیح اگر منقول ہوں تو کسی ایک کو غلط نہیں کہا جا سکتا اور مفتی کسی ایک قول پر فتویٰ دے سکتا ہے۔

اس کے متعلق عرض ہے کہ ایسے موقع پر مفتی اگر اہل نظر اور اہل رائے سے ہو تو دلیل کو دیکھتے ہوئے اس کے اعتبار سے فتویٰ دینا مفتی کے لئے ضروری ہے، اندھے کی طرح کسی ایک قول پر فتویٰ دینا درست نہیں۔‘‘ (عقود رسم المفتی ص ۷۹)

مسئلہ مذکورہ میں ابن ہمام کے علاوہ بھی بہت سارے اہل نظر مفتیوں نے وجوب صلوٰۃ کا فتویٰ بنظر دلیل دیا ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ان شاء اللہ۔

۹۔ علامہ شامیؒ نے اگرچہ دونوں قول کے بارے میں قولانِ مصحّحان کہا ہے، لیکن اپنی اس عبارت ’’ویتأ یدالقول بالوجوب بِانہٗ قال بہٖ امام مجتھد و ھو الامام الشافعی ‘‘ (ردالمحتار ص ۳۶۵، ج ۱) سے وجوب صلوٰۃ کے قول کی تائید کی ہے اور اس تائید کا واضح ثبوت یہ ہے کہ بحث کے آخر میں ’’امداد الفتاح‘‘ کے حوالہ سے تفصیلات ذکر کی ہیں کہ نماز کی طرح روزہ، زکوٰۃ، حج، عدّت، بیع وتجارت، اجارہ وغیرہ امور کے لئے بھی تقدیر اوقات ضروری ہے جیسا کہ کتب شافعیہ میں اس کی تفصیل مذکور ہے، اس کے بعد علامہ شامی لکھتے ہیں: ونحن نقول بمثلہ اذ اصل التقدیر مقول بہٖ اجماعًا فی الصلوٰۃ. (ص ۳۶۵، ج ۱)

البتہ تقدیر اوقات کے سلسلہ میں دو روایتیں ہیں: ایک یہ جو شوافع سے منقول ہے کہ جن ممالک میں طویل دن ورات ہوتے ہیں وہاں کے باشندے کسی قریب ترین معتدل ملک کے دن ورات کے حساب سے نماز، روزہ ادا کریں گے یعنی قریب ترین معتدل ملک میں جب وقت کی ابتدا ہوگی تو اس ملک میں بھی وہ وقت کی ابتدا ہوگی اور معتدل ملک میں جب وقت کی انتہا ہوگی تو اس ملک میں بھی وہی وقت کی انتہا سمجھی جائے گی، غرض ان ممالک میں ہر دو نمازوں کے درمیان کا فاصلہ قریب ملک میں دو نمازوں کے فاصلہ کے حساب سے ہوگا۔

دوسری روایت تقدیر اوقات کے سلسلہ میں یہ ہے کہ قریب ملک کے اعتبار سے حساب کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ ہر چوبیس ۲۴ گھنٹوں میں پانچ نمازیں ادا کی جائیں گی۔ معتدل ممالک میں مثلاً فجر اور ظہر کے درمیان جو وقفہ ہوتا ہے اسی قدر وقفہ ان ممالک میں بھی فجر اور ظہر کے درمیان ہوگا اسی طرح دوسری نمازوں میں بھی۔

بہرحال کسی خاص ملک کا اعتبار کرنا ضروری نہیں کہ وہاں فجر کا وقت شروع ہو تو اس غیر معتدل ملک میں اسی وقت فجر کی ابتداء ہو بلکہ جب سے سورج طلوع ہوا ہے اس وقت سے ہر چوبیس ۲۴ گھنٹے میں پانچ نمازیں ہوں گی اور ان پانچ نمازوں کے اوقات اسی طرح متعین کئے جائیں گے کہ معتدل ممالک میں ہر دو نمازوں کے درمیان وقت کا فاصلہ دیکھا جائے گا، اور اسی وقت کے اعتبار سے اس غیر معتدل مملک میں دو نمازوں کے درمیان وقفہ ہوگا۔

تقدیر اوقات کی یہ صورت ''خروج دجال'' کی حدیث سے زیادہ قریب ہے۔ غرض کہ مبتلیٰ بہ ان دونوں میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کر سکتا ہے۔ (کذافی ردالمحتار)

۱۰۔ شارح مراقی الفلاح طحطاوی نے بھی ابن ہمام کی رائے اور تحقیق سے اتفاق کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: ''قولہٗ وکذٰلک الاٰجال فی البسیع والا جارۃ الخ وینظر ابتداء الیوم فیقدر کل فصل من الفصول الاربعۃ یحسب مایکون لکل یوم من الزیادۃ والنقص کمافی کتب الشافعیۃ وقواعد المذھب لاتأباہ'' ص ۱۰۵، علامہ طحطاوی کے قول کا جملہ ''وقواعد المذھب لاتاباہ'' قول محقق کی تائید ہے۔

اکابر علماء دیوبند کی تحقیق وفتویٰ

۱۱۔ محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ حدیث ''خروج دجال'' پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اقول: ان الصلوٰۃ الخمس ولکن حال الصلوٰۃ وحال رمضان کیف یکون حکمہ؟ لم یتوجہ الیٰ ھٰذا الا الشوافع توجھوا الیٰ الصلوٰۃ ان اھل بلغار یمرون علٰی حساب من قریب منھم ویجدون وقت العشاء. (عرف الشذی ص ۴۶۳)

ترجمہ: یعنی میرے نزدیک ایسے ممالک میں نمازیں پانچ ہی واجب ہیں، باقی رہا یہ مسئلہ کہ یہ نمازیں اور روزہ کس طرح ادا کئے جائیں گے؟ تو اس کی طرف شوافع کے علاوہ دوسرے لوگوں نے خاص توجہ نہیں کی،

شوافع نے کہا ہے کہ ان سے قریب تر ملک جن کو عشاء کا وقت ملتا ہے ان کے حساب سے نمازیں ادا کریں گے اور روزے رکھیں گے۔

۱۲ دار العلوم دیوبند کے مفتی اعظم مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ۔

سوال: اوقات نماز کی پابندی ممالک قطب شمالی وقطب جنوبی میں کس طرح ہوسکتی ہے؟ ان ممالک میں تین تین مہینوں تک آفتاب طلوع نہیں ہوتا، علیٰ ہذا جب طلوع ہوتا ہے تو تین تین مہینوں تک غروب نہیں ہوتا۔ ایسے مقامات میں نمازیں کس طرح ادا ہوں؟

الجواب: ایسے موقع کا حکم بھی فقہاء نے لکھ دیا ہے کہ وہاں اندازہ کر کے نمازیں ادا کریں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ دجال کے ظہور کے وقت ایک دن سال بھر کا ہوگا۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بجواب صحابہ نمازوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اندازہ کر کے نمازیں ادا کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر چوبیس ۲۴ گھنٹوں میں پانچ نمازیں پڑھیں، اسی قدر فصل سے جیسے عام بلاد میں نمازوں کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے، بس یہی حکم عند المحققین ان مواقع کا ہے جہاں چھ چھ مہینے یا کم وبیش دن ورات رہتی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند طبع قدیم ص ۱۳۶۷، ص ۶۳ ج ۱)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا فتویٰ بالکل صاف اور واضح ہے جس کے بعد کسی کے لئے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ محققین کا قول یہی ہے۔

۱۳۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ کا فتویٰ۔

آپ نے بھی طویل دن اور رات والے ملک کے باشندوں کے لئے وجوبِ صلوٰۃ کا فتویٰ دیا ہے، اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں عربی عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"جن مقامات میں چھ ماہ دن اور چھ ماہ رات ہوتی ہے وہاں وقت کا اندازہ کر کے ہر چوبیس ۲۴ گھنٹے میں پانچ نمازیں الگ الگ فصل کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے مختار قول یہی ہے"۔ واللہ اعلم

(امداد الاحکام ص ۳۱۴، ج ۱)

۱۴۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دار الافتاء سے ہمیشہ اسی پر فتویٰ دیا جاتا رہا ہے کہ ایسے ممالک میں اندازہ کر کے نماز وروزہ ادا کئے جائیں، یہی قول محقق ہے۔ مغربی ممالک کے ایک فتویٰ پر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے تصدیق وتصویب بھی کرائی گئی تھی۔

بہر حال فقہاء محققین کی رائے اور اکابر علماء کے فتویٰ کی رو سے ہم نے عرض کی تھی کہ جناب والا کا فتویٰ صحیح نہیں، اگر جناب والا کو پھر بھی اصرار ہے تو آپ کی مرضی، یہ آپ کی رائے ہے۔

لیکن پوری قوم کے سامنے تحقیق اور صحیح مسائل کا آنا ضروری ہے، اگر ہماری تحقیق سے جناب والا کو اتفاق ہے تو اس کی تصویب فرمادیں، اور ان مسائل کی روزنامہ جنگ میں وضاحت کریں۔

اور اگر آپ کو اختلاف ہے تو پھر بھی ظاہر فرمادیں تا کہ بوقت اشاعت یہ بتایا جاسکے کہ جنگ میں فتویٰ شائع ہوا ہے وہ متفقہ نہیں، یہ صرف حکیم الامت حضرت تھانوی اور حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہما اللہ کی رائے ہے، جمہور کی رائے وہی ہے جو ہم نے لکھی ہے۔ فقط واللہ اعلم

کتبہٗ: محمد عبدالسلام عفااللہ عنہٗ

یکم شعبان ۱۴۰۳ھ

الجواب صحیح

(۱) (مفتی) ولی حسن ٹونکی (صاحب مدظلہ) (رئیس دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن)

(۲) (مفتی) احمد الرحمٰن غفرلہٗ (مدیر جامعہ)

(۳) (مفتی) محمد ولی درویش غفرلہٗ

(۴) (مفتی) محمد شاہد

(۵) (مفتی) محمد ابوبکر سعید الرحمٰن غفرلہٗ

(۶) (مفتی) محمد رضاء الحق غفرلہٗ

نوٹ: واضح رہے کہ سوال مذکور کے سلسلہ میں بندہ نے حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب مدظلہم سے رابطہ کیا، ہمارے کہنے پر حضرت مولانا نے ایک جواب ارسال فرمایا جس پر دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ کی جانب سے تحقیقی جواب دیا جس کے بعد دارالعلوم کے دارالافتاء یا حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب سے مزید کوئی جواب رد یا اثبات میں موصول نہیں ہوا۔ جب اس پر ایک سال کا عرصہ گذر گیا تو ہم نے اپنے جواب کا خلاصہ اخبارِ جنگ میں شائع کردیا تا کہ مسئلے کی صحیح صورت حال لوگوں کے علم میں آجائے۔ اب اس کو افادۂ عامہ کی غرض سے جواہر الفتاوی کا جز بنادیا گیا ہے۔

۳ رجب ۱۴۰۹ھ

(راقم)

غیر عربی میں نماز
اور
قرأت

مؤلف

مفتی محمد عبد السلّام چاٹگامی

ناشر

اسلامی کتب خانہ
علامۃ بنوری ٹاؤن کراچی

غیر عربی میں نماز اور قرأت کے سلسلے میں

ایک غلط فہمی کا ازالہ

جناب ریٹائرڈ میجر محمد عاشق صاحب (مقیم این ۱۶۳ ابی سمن آباد لاہور) نے ۳/ مارچ کو ماہنامہ بیّنات کراچی کے مدیر کے نام ایک مکتوب لکھا جس میں انھوں نے ہفت روزہ ''بادبان'' ۳/ مارچ ۱۹۸۰ء کے شمارہ نمبر ۴۶، جلد نمبر ۲ کے حوالہ سے ایم مسعود صاحب کے انٹرویو نامی ایک مضمون کے بارے میں شرعی وضاحت چاہی۔ جس میں انہوں نے (ایم مسعود صاحب نے) امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کے ایک فتویٰ کا ذکر کیا ہے کہ ''جن لوگوں کی زبان عربی نہیں اور وہ اس میں موجود مفہوم کو سمجھنے سے قاصر ہیں، ان کے لئے عربی میں نماز پڑھنا ضروری نہیں۔ ہم نے اس فتویٰ پر عمل کرنا شروع کر دیا۔''

ذیل میں مذکورہ مضمون کی شرعی حیثیت واضح کرنے کے لئے یہ چند سطور تحریر کی جا رہی ہیں۔ نماز میں غیر عربی قرآت پڑھنے کے جواز وعدم جواز کے بارے میں تفصیل کچھ یوں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت (جس سے انہوں نے بعد میں رجوع فرمالیا تھا) یہ ہے کہ کوئی شخص خود عربی سمجھتا ہو یا نہ اگر آیات قرآنی کا مفہوم غیر عربی میں ادا کر لے تو نماز ہو جائے گی۔ کتب فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے اس قول کے دلائل موجود ہیں۔

امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور جمہور فقہاء احناف میں سے امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ کی رائے اور امام ابوحنیفہؒ کا راجح اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ جو لوگ عربی میں قرأت پڑھنے کی قدرت رکھتے ہوں خواہ وہ عربی کا مفہوم سمجھتے ہوں یا نہ ان پر عربی میں قرأت کرنا فرض ہے۔ غیر عربی قرأت کرنے سے نماز نہیں ہوگی۔ اسی پر پوری امت کا اتفاق اور تمام آئمہ کا اجماع اور فتویٰ ہے۔

البتہ جو لوگ کوشش کے باوجود کسی سورت اور آیت کو عربی میں پڑھنے سے معذور اور عاجز ہیں خواہ اس میں موجود مفہوم سمجھتے ہوں یا نہیں ان کے لئے غیر عربی میں سے جس زبان پر قدرت ہو سورت اور آیات کا مفہوم ادا کر کے نماز ادا کرنا جائز ہے۔ اس پر جمہور فقہاء کا فتویٰ ہے۔ (کمافی البحر الرائق ص ۳۲۴ ج ۲/۱) والتبیین ص ۱۱۱ ج ۱، فتاویٰ عالمگیری ص ۶۹ ج ۱، فتاویٰ شامی ص ۴۸۵ ج ۱)

مذکورہ بالا روایات بالکل واضح ہیں کہ جب تک عربی میں قرأت کرنے کی قدرت ہو عربی میں قرأت کرنا ضروری اور فرض ہے خواہ عربی کا مفہوم سمجھ میں آئے یا نہیں، اگر عربی میں سورت یا آیات پڑھنے کی قدرت ہو اور عربی میں قرأت کرنے سے معذور نہیں ہے پھر بھی غیر عربی میں مفہوم اور معنی ادا

کر کے نماز پڑھی گئی تو ایسی نماز نا قابلِ اعتبار ہوگی اس پر جمہور فقہاء اور آئمہ اربعہ کا اجماع اور فتویٰ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے غیر عربی قرأت کے جواز کے قول سے رجوع کیا ہے فتویٰ جمہور کے قول پر دیا ہے:

کمافی البحر الرائق: وتجوز القراءة بالفارسية وبأى لسان كان ويروى رجوعه الىٰ قولهما وعليه الاعتماد هٰكذافى الهداية ،وفى الاسرار: هو اختيارى وفى التحقيق هو المختار وعليه الفتوىٰ كذافى شرح النقاية والاصح هٰكذا فى مجمع البحرين. (ص ۳۳۴ ج ۲ كذا فى الفتاوىٰ العالمگيرية ص ۶۹، ج ۱)

لہٰذا مندرجہ بالا روایات سے جب یہ ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے غیر عربی میں قرأت کے جواز کی روایت سے رجوع کیا ہے اور جمہور فقہاء کے موافق فتویٰ دیا ہے۔

تو جناب ایم مسعود صاحب کو مرجوع عنہ روایت کو نقل کر کے اس پر فتویٰ دینے کا حق کیسے حاصل ہوا ہے؟ جناب موصوف نے اس روایت غیر مفتی بہ کو نقل کر کے نہ صرف دینی علوم اور شریعت کے ضروری مسائل سے بے خبری کا ثبوت دیا ہے بلکہ اس بے خبری کو علم کا رنگ دے کر پیش کر کے گمراہی کی تبلیغ کرنے کی ناپاک سعی کی ہے۔ موصوف نے نقل روایت میں کئی غلطیاں کی ہیں۔

۱۔ امام ابوحنیفہؒ نے جس روایت سے رجوع کیا ہے وہ بالکل صاف اور واضح ہے۔ وہ یہ کہ ہر شخص غیر عربی میں سورت اور آیات کا مفہوم ادا کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اس میں موصوف نے دو قیدوں کا اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔

(الف) کہ جن کی زبان عربی نہیں۔ (ب) اور وہ عربی کے مفہوم سمجھنے سے قاصر ہو۔"

مذکورہ بالا دونوں قیدیں موصوف نے اپنی طرف سے بڑھائی ہیں جو کہ نقل روایت میں بدترین خیانت ہے۔

۲۔ امام ابوحنیفہؒ نے قول مذکور سے رجوع کیا ہے اور غیر عربی میں قرأت کرنے سے نماز نہ ہونے پر آپ سے فتویٰ منقول ہے تو غیر مفتی بہ اور مرجوع عنہ روایت کو فتویٰ کی حیثیت سے نقل کرنا صریح بددیانتی ہے، تبلیغ دین نہیں بلکہ بے دینی کی تبلیغ ہے۔

۳۔ جمہور فقہاء اور خصوصاً آئمہ اربعہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، امام ابوحنیفہؒ نے فتویٰ دیا ہے کہ جو لوگ عربی میں سورت یا آیات تلاوت کر سکتے ہیں، اور عربی میں قرأت کرنے سے معذور نہیں ہیں خواہ عربی سمجھتے ہوں یا نہیں، وہ اگر غیر عربی میں قرأت کر کے نماز

ادا کریں گے تو ان کی نمازیں نہیں ہوں گی۔ تو سوال یہ ہے کہ ایم مسعود صاحب نے آخر کس کے مذہب اور فتویٰ پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے؟

۔ اگر دینی مسائل کا علم نہ ہو اور نہ ہی کتاب وسنت اور فقہ اسلامی سے براہ راست مسائل معلوم کرنے اور سمجھنے کی قدرت ہو تو ایسے موقع پر فرض ہے کہ علماء اور فقہاء سے مسائل معلوم کرے یہی حکم ہے دوسروں کو مسئلہ بتلانے کا، چنانچہ اس کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں ''**فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون**'' ایم مسعود صاحب نے اس فرض کو بھی ترک کر دیا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ اگر موصوف نے نادانستہ طور پر غلطیاں کی ہیں تو انہیں اس جواب کے بعد اپنی غلطیوں سے رجوع کر لینا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم

کتبہٗ
محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہ
دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵۔

الجواب صحیح
(مفتی) ولی حسن ٹونکی (صاحب مدظلہ)
رئیس دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن
۴/۱/ ۱۴۰۷ھ

کیا حکومت پاکستان کا موجودہ نظام بنکاری بلاسود ہے؟

حکومت پاکستان کا موجودہ نظام بینکاری سود پر مشتمل ہے یا بلا سود؟

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یکم جون ۱۹۸۵ء کو حکومت پاکستان کی جانب سے صدر ضیاء الحق صاحب نے اعلان کیا ہے کہ یکم جولائی ۱۹۸۵ء سے پاکستان کے نظام بینکاری کو غیر سودی (سود سے پاک) کر دیا جائیگا پھر جولائی ۱۹۸۵ء میں بذریعہ ریڈیو، ٹی وی، اخبارات یہی اعلان ہوا کہ آج سے تمام بینکوں سے سود کو ختم کر کے غیر سودی نظام بینکاری نافذ کر دیا گیا ہے۔

جناب مفتی صاحب دام اقبالہٗ سے سوال یہ کرنا ہے کہ واقعی پاکستان کا نظام بینکاری غیر سودی ہو گیا ہے، اب ہم مسلمانانِ پاکستان بینک میں رقم جمع کر کے منافع لے سکیں گے یا نہیں؟ جناب عالی سے گذارش یہ ہے کہ صاف اور واضح جواب تحریر فرما کر ہماری دینی رہنمائی فرمائیں گے۔

ایڈوکیٹ محمد انیس الرحمٰن

پروفیسر محمد جاوید اقبال

ملتان شہر

۱۲ر جولائی ۱۹۸۵ء

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

جہاں تک ہمارے مطالعے اور قرآن وسنت وفقہ اسلامی کی معلومات کا تعلق ہے اس کی رُو سے ہم پورے وثوق واعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے ملک کے ماہرین اقتصادیات کے پینل نے بلاسود بینکاری نظام کے متعلق جو رپورٹ مرتب کی ہے اور طبع ہوکر اس رپورٹ کے مختلف حصے منظر عام پر آئے ہیں۔ ان میں نہ ہی ربا اور سود کی حقیقت کو پوری طرح سمجھا گیا ہے اور نہ ہی سود کی اس علت کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے جس کی وجہ سے سود حرام اور مُوجب معصیت قرار دیا گیا ہے۔

نظام بینکاری کی جو نئی شکل وجود میں آئی ہے اس کے متعلق ارباب اقتدار کی جانب سے بار بار یہ اعلان کیا جاتا رہا ہے کہ موجودہ نظام بینک کاری کو یکم جولائی ۱۹۸۵ء سے غیر سودی کر کے سود سے پاک کر دیا گیا ہے جبکہ مطالعہ کے بعد متبادل نظام اور سابقہ بینکاری سودی نظام میں کوئی حقیقی جوہری اور بنیادی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ حکومت کا ترتیب دیا ہوا بینکاری نیا نظام۔ بینکاری اپنے اجزاء ترکیبی، اصول وقواعد اور اپنے عملی اثرات میں سابقہ نظام بینکاری سے ملتا جلتا اور یکساں ہے۔ کسی چیز کے اجزائے ترکیبی کو تبدیل کئے بغیر محض نام بدلنے سے اس چیز کی حقیقت نہیں بدلتی، ہم نے شروع میں بعض علمائے کرام کو اس جانب متوجہ کیا اور ہمارے علاوہ دوسرے دور بین اور علوم اسلامیہ کے جید ماہر علماً نے بھی اس غیر شرعی نظام کو اسلامی نظام بینکاری کا نام دینے پر سخت اعتراضات کئے ہیں لیکن بعض خوش فہم اور سادہ لوح علمائے کرام اور عامۃ الناس کا خیال تھا کہ موجودہ حکومت اس سلسلہ میں مخلص ہے اور طاقتور بھی، اور اس کا مقصد یہ ہے کہ سود کی لعنت کو ہر صورت میں دور کر دیا جائے اور اس راستے میں جو بھی رکاوٹیں آئیں گی موجودہ حکومت اس کا بھرپور مقابلہ کرے گی۔ لیکن یہ خیال وظن نہ صرف فاسد تھا بلکہ حقائق وقرائن سے بھی دور تھا اور اس خوش فریبی کی حقیقت

اس وقت عیاں ہوگئی جب موجودہ سربراہ مملکت جناب جنرل ضیاء الحق صاحب نے جون ۱۹۸۵ء میں نہ صرف یہ اعلان کیا کہ ان سے اسلامی نظام کا نفاذ نہ ہوسکا بلکہ اسلامی نظام کی تنقید کو غیر ممکن قرار دیتے ہوئے ایک عذرِ لنگ کا سہارا لے کر فرمایا کہ اسلامی ممالک میں نظام اسلام کی عملی اور مثالی شکل موجود نہیں۔ اس طرح گذشتہ کئی برسوں سے اسلام کے نفاذ کی خواہش رکھنے والوں کو نہ صرف مایوس کیا بلکہ اس نظام عدل کے لئے ہونے والی طویل جدوجہد کو قصداً اسبوتاژ کرنے کی کوشش بھی کی، سطور ذیل میں موجودہ حکومت اور اس کے مختار کل سربراہ جناب ضیاء الحق کی حسن کارکردگی اور سیاہ کاریوں کی نشان دہی کرنا مقصود نہیں بلکہ ان کی کوشش سے آنے والے نظام بینکاری کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا جائزہ پیش نظر ہے۔

قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ہماری تحقیق پورے اعتماد کے ساتھ یہ ہے کہ موجودہ نظام بینکاری اگرچہ بعض زوائد وفوائد کے لحاظ سے پرانے سودی نظام بینکاری سے الگ اور مختلف نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں موجودہ نظام بینکاری بھی سودی اور غیر اسلامی ہے۔ حضرت مولانا طاسین صاحب مدظلہٗ ناظم مجلس عملی ٹاور کراچی نے موجودہ بینکاری نظام میں جن خرابیوں کی نشاندہی کی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ نئے نظام بینکاری کے لئے یہ طے پایا ہے کہ اس کی لین دین کی قانونی حیثیت واجب الاداء قرض کی ہوگی۔

۲۔ نئے نظام میں یہ بھی درج ہے کہ بینک اپنے کھاتے داروں کو نفع کے نام سے جو زائد رقم دے گا اور اپنے قرض داروں سے جو زائد رقم لے گا اس کا تعین وقت اور مال کی تعداد اور کمی وبیشی کے لحاظ سے ہوگا، مثلاً سو ۱۰۰ روپے والے خانہ دار کے لئے اگر سال میں دس روپے زائد ہوں گے تو چھ ماہ میں پانچ روپے اور دو سالوں میں بیس ۲۰ روپے ہوں گے۔

۳۔ روپے جمع کرنے والوں کو جو منافع دیا جائے گا اس زائد کا تعین فریقین نہیں کریں گے بلکہ اس کے تعین کرنے کا اختیار ہر چھ ماہ کے بعد اسٹیٹ بینک کو ہوگا۔

۴۔ بینک کھاتہ دار کو اور قرض دار بینک کو ہر حال میں وہ رقم ضرور ادا کرے گا جس کا تعین اسٹیٹ بینک کرے گا۔

۵۔ بینک اپنے مقروض کاروباری فریق کے متعلق کوئی ایسی ذمہ داری قبول نہیں کرے گا جس سے اس

کے اصل مال اور مطلوبہ منافع میں کمی ونقصان کا اندیشہ ہوسکتا ہے۔

یہ تمام اصول ایسے ہیں جو شرعاً نہ تو شراکت کے ضمن میں آتے ہیں اور نہ ہی مضاربت کے تحت کیونکہ مضاربت اور شراکت میں فریق ثانی (عامل) کی حیثیت امین کی ہوتی ہے، اور ''مضاربت'' میں جو مال لگایا جاتا ہے وہ امانت ہوتا ہے قرض نہیں ہوتا، نیز مضاربت اور شراکت میں منافع کا تعین فریقین معاملہ کی ابتداء ہی میں کرتے ہیں جب کہ نئے بینکاری نظام میں بینک اس کا تعین کرتا ہے۔ مضاربت اور شراکت میں طے نہیں ہوسکتا کہ ایک فریق اپنے شریک کی اصل رقم اور منافع ہر صورت میں ادا کرے گا جب کہ نئے نظام میں اس کا عہد ہوتا ہے کہ فریق ثانی ہر صورت میں اصل رقم مع اضافی رقم ادا کرے گا، کاروبار میں نقصان ہو یا نفع۔

۶۔ جدید نظام بینکاری میں مقررہ شرح کا تعین ایک فریق یعنی بینک کرتا ہے جب کہ مضاربت و شراکت میں مقررہ شرح کا تعین دونوں فریقوں کی رضامندی سے ابتدائے عقد میں ہوتا ہے، یہ تو خامیاں ہیں جو کہ بینک کے موجودہ نظام مضاربت وشراکت میں پائی جاتی ہیں۔

۷۔ اس کے علاوہ بینک نے اپنے قرض داروں سے سروس چارج کے نام سے بھی منافع لینے کا اعلان کیا ہوا ہے جب کہ تخمینی طور پر قرض پر سروس چارج وصول کرنے کا کوئی جواز شریعت میں نہیں جبکہ بینک صرف قرض دینے ہی کا کام نہیں کرتے ہیں لہٰذا سارا سروس چارج قرض لینے والوں سے وصول کرنا غیر شرعی فعل ہے۔

۸۔ اور اگر کوئی قرض دار بینک کو وقت مقررہ پر قرض ادا نہیں کرتا تو آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۴ء دفعہ نمبر ۸ ب میں کہا گیا ہے کہ قرض نہ ادا کرنے والے حضرات پر بینک ٹریبونلز جرمانہ عائد کرتے ہوئے یہ حکم دے سکتا ہے کہ متعلقہ بینک کے نقصان اس کے منافع میں کمی کر کے پورا کرے۔

۹۔ نئے نظام میں بلوں کو عام اشیاء کی طرح قابل خرید وفروخت قرار دیا ہے حالانکہ بل کی رقم ایک دین اور قرض کی ہے اور کوئی قرض قرض دار کے علاوہ کسی اور شخص کو فروخت نہیں کیا جاسکتا ہے۔

غرض یہ کہ بیع بشرط واپسی، اجارہ، کرایہ کے بعد بیع ترقیاتی، اجرت، شارکہ وغیرہ میں بھی اسی قسم کی خرابیاں موجود ہیں، ان ہی وجوہ کی بنا پر ہم نے کہا کہ موجودہ حکومت کا نیا نظام بینکاری جسے غیر سودی اور اسلامی نظام بینکاری کا نام دیا جارہا ہے از روئے قرآن وسنت اور فقہ اسلامی۔ غیر اسلامی اور سودی نظام

ہے اس لئے اس کو اسلامی نظام بینکاری کہنا صحیح نہ ہوگا، نیز اس کو سود سے پاک اور شرعی نظام بینکاری قرار دینا شرعی اعتبار سے قابل مواخذہ، سنگین اقدام اور ناقابل تلافی جرم ہے۔ مجلس مسائل حاضرہ کراچی کے اراکین نے نئے نظام کی جملہ خرابیوں کے اصلاحی طریقے مرتب کر کے درستی نظام بینکاری کے لئے مقرر کردہ پینل کو بھیج دیئے تھے لیکن افسوس صد افسوس ان اصلاحی تجاویز کی جانب مطلقاً توجہ نہیں دی گئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائیں اور عذاب الٰہی سے محفوظ فرمائیں، صحیح کام کرنے اور صحیح اور حق بات کہنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔

کتبہٗ

محمد عبد السلام عفا اللہ عنہٗ

دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ

بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵

الجواب صحیح

(۱) (مفتی) محمد رضاء الحق غفرلہٗ

(۲) (مفتی) ابوبکر سعید الرحمٰن

(۳) (مفتی) محمد ولی درویش

ٹیسٹ ٹیوب بے بی
کی
شرعی حیثیت

مؤلف

مفتی محمد عبد السلام چاٹگامی

ناشر

اسلامی کتب خانہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت

محترم ومکرمی حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

وبعد!

جناب والا کی خدمت میں گذارش ہے کہ درج ذیل مسائل میں شریعت مطہرہ کا حکم مدلّل ومفصل عنایت فرمائیں۔ ان مسائل کی وضاحت روزنامہ جنگ لاہور ۲۵ مئی کی ایک خبر کے سلسلے میں مطلوب ہے، جس کا عنوان...... تھا کہ اب پاکستان میں بھی ٹیسٹ ٹیوب بے بی پیدا کی جائے گی۔ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی پیدائش کا طریقہ اور اس کی صورتیں مختصراً درج ذیل ہیں۔

عورت اور مرد دونوں سے جرثومے حاصل کئے جاتے ہیں جنہیں اصطلاع میں EGGS اور SPERMS کہتے ہیں۔ ان کو ایک ٹیوب میں 12 ہفتے رکھا جاتا ہے جس میں کہ وہ تمام لوازمات INGREDIENTS پائے جاتے ہیں جو کہ رحم مادر WOMB میں ہوتے ہیں، پھر ان جرثوموں کو غیر فطری طریقے (بذریعۂ انجکشن) سے رحم مادر میں داخل کیا جاتا ہے اور یوں نو ماہ بعد بچے کی پیدائش عمل میں آتی ہے۔

یہ عمل حسب ذیل صورتوں میں انجام پاتا ہے:

۱۔ وہ عورت جو بچے کی پیدائش کے عمل سے خود کو محفوظ رکھنا چاہتی ہے تو ایسی عورت اور اس کے شوہر کے جرثومے کسی دوسری خواہش مند عورت کے رحم میں داخل کئے جاتے ہیں۔ اس کے عوض میں وہ خواہشمند عورت خطیر رقم بطور معاوضہ لیتی ہے اور نو ماہ بعد وہ بچہ ان کے حوالے کر دیتی ہے جن کے جرثومے ہوتے ہیں۔

۲۔ جو عورت بانجھ ہوتی ہے اس سے جرثومے اور پھر اس کے شوہر کے جرثومے حاصل کئے جاتے ہیں اور پھر دوبارہ ۲۱ ہفتے بعد اس بانجھ عورت کے رحم میں داخل کر دیئے جاتے ہیں۔

۳۔ عورت سے یہ جرثومے ایک معمولی آپریشن کے ذریعے حاصل کئے جاتے ہیں جب کہ مرد سے یہ جرثومے بھی غیر فطری طریقے یعنی جلق کے ذریعہ حاصل کئے جاتے ہیں یا پھر عزل کے ذریعہ۔

اس ضمن میں حسب ذیل سوالات ابھرتے ہیں:

۱۔ اس طریقہ کار کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

۲۔ کیا یہ جدید تحقیق فطری عمل کے مطابق ہے یا فطرت سے بغاوت ہے؟

۳۔ اس طریقے سے پیدا ہونے والی نسل کو قانونی و شرعی حیثیت کیا ہوگی اور نسب کس کا ہوگا؟

۴۔ کیا بانجھ میاں بیوی اس کے ذریعے اولاد حاصل کر سکتے ہیں؟ جب کہ جرثومے ان دونوں کے اپنے ہی ہوتے ہیں۔

۵۔ جس عورت کے رحم میں یہ جرثومے داخل کئے جاتے ہیں کیا اس کیلئے جائز ہے کہ اپنا رحم معاوضۃً کسی دوسرے کی اولاد کے لئے دیدے؟ نیز پیدائش کے بعد اس کا نومولود سے کس قسم کا رشتہ ہوگا؟ جبکہ اس نومولود کی پرورش اس عورت کے خون سے ہوتی ہے۔

۶۔ اس ایجاد کے معاشرتی و اخلاقی نظام پر کیا اثرات پڑ سکتے ہیں؟ آنجناب سے گذارش ہے کہ مندرجہ بالا اہم مسائل کے بارے میں شریعت اسلامیہ کا موقف مکمل تفصیل سے مدلّل طور پر واضح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

والسلام۔ نور احمد، ۶۷ علامہ اقبال روڈ لاہور۔ نمبر ۱۵۔

الجواب

محترمی جناب نور احمد صاحب! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

امابعد! آپ کے استفتاء پر مذکورہ سوالات بابت ”ٹیسٹ ٹیوب بے بی“ کا پیدائش کے طریقے اور اسکے حکم شرعی معلوم کرنے کے بارے میں دیکھے اور پڑھے، یہ کوئی نئے سوالات نہیں بلکہ آئے دن اس بارے میں اور بھی سوالات آتے رہتے ہیں جنکے جوابات دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کی جانب سے بصورت فتویٰ اختصار کیساتھ دیئے گئے۔ لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی پیدائش کا طریقہ عام ہوتا گیا اور اسپر بحث و تمحیص میں عام لوگ بلکہ اخبارات بھی حصہ لیتے رہے، معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ حکومت کی شریعت کونسل نے بھی اس پر بحث شروع کر دی ہے، جس سے عامۃ الناس کے ذہن میں ایک قسم کی تشویش پائی جاتی ہے کہ آخر اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور منافع اور نقصانات کیا ہیں؟

آپ کا استفتاء موصول ہونیکے بعد ہم نے ارادہ کیا کہ اس مسئلے پر قدرے تفصیل سے بحث ہو جائے تاکہ عامۃ الناس کو قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں مسئلہ کا صحیح جواب مل جائے، اور جو اس کا ارتکاب کرے تو کم از کم اس کے عواقب اور اس کے تمام منافع اور نقصانات کو سامنے رکھ کر کرے اور جو لوگ اس سے بچنا چاہیں تو شرعی حیثیت کو سمجھ کر بچیں۔

آپ کے سوالات کا بالترتیب جواب دینے سے قبل کچھ شرعی اصول دلائل کے ساتھ لکھ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ جوابات سمجھنے میں آسانی ہو، اور کوئی دقت نہ رہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسان کو خلیفہ بنایا، اور قیامت تک انسانی نسل اور اس کی ذرّیت کے ذریعہ دنیا کو آباد کرنے کا فیصلہ کیا۔

۲۔ انسانی نسل کو جاری کرنے کے لئے دوسرے حیوانات کی طرح انسان کو بھی جوڑا جوڑا پیدا فرمایا، جب سے سلسلۂ نسل جاری ہوا، جس طرح مرد پیدا ہوتا رہا عورت بھی پیدا ہوتی رہی۔

۳۔ اور اس نے مرد اور عورت دونوں کی فطرت ہی میں مادۂ تولید اور شہوت کو رکھ دیا ہے تاکہ دونوں کے جنسی تعلق اور فطری ملاپ کے نتیجہ میں نسل انسانی کا سلسلہ جاری ہو سکے۔

غرضیکہ خدائے تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں قوت شہوت اور مادہ تولید کو ودیعت رکھا اس کے قانون فطرت نے انسان کی فطری شہوت اور طبعی و جنسی میلان کو نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ اس کے تقاضے کو پورا کرنے کے لئے بہترین اور پاکیزہ اصول بھی رکھے ہیں۔

۴۔ انسان چونکہ تمام مخلوقات میں ازکیٰ واشرف ہے، اور اس کا مقام تمام مخلوق سے اعلیٰ وارفع ہے۔ اس کی شرافت و مقام رفیع کو باقی رکھتے ہوئے اس کی فطری شہوت کی تسکین اور اس کے سلسلۂ نسل کے نظام کو عام حیوانات کے مقابلہ پر کچھ جداگانہ رکھا ہے، انسان کے لئے کچھ ضروری قوانین اور خصوصی پابندیاں رکھی ہیں جبکہ دوسرے حیوانات کے واسطے بسلسلہ توالد و تناسل یہ حدود اور پابندیاں نہیں ہیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطری شہوت کی تسکین اور اس کے سلسلۂ نسل کی بقاء کے لئے دو اصول رکھے ہیں۔

ا۔ ایک تو اصول عام اور اصلی ہے جو کہ تاقیامت تمام انسانوں کے لئے یکساں طور پر شروع اور جاری کیا گیا۔

۲۔ دوسرا اصول خاص اور عارضی ہے جو کہ خاص حالات ہیں خاص طور پر لوگوں کے حق میں شروع اور جاری کیا گیا ہے۔

اصول عام وہ قانون نکاح ہے، جب کہ اصول خاص قانون ملکیت (کسی لونڈی کا مالک ہونا) ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی شرافت کی بقاء اور اس کی نسل کی حفاظت اس طرح کی ہے کہ مذکورہ بالا

دونوں طریقوں کے سوا تسکین شہوت اور حصول اولاد کے تمام طریقوں کو ممنوع قرار دیا ہے۔
مثلاً اس کے چند نظائر ملاحظہ ہوں:

(الف) زنا: اللہ تعالیٰ نے اپنی منکوحہ یا مملوکہ کے سوا دوسری عورت سے وطی کرنے کو حرام قرار دیا، اور اس کو زنا کہا گیا ہے۔ اس کے لئے دنیوی سزا شادی شدہ جوڑے کے لئے رجم (سنگساری کرنا) رکھی ہے، اور غیر شادی شدہ جوڑے کے لئے جلد (کوڑے) رکھے ہیں۔ اخروی سزا جہنم میں جانا بتلایا ہے، اور اتنی بڑی سزائیں اس لئے ہیں کہ انہوں نے اصول شریعت اور اس کی حدود سے تجاوز کیا، اس کی پابندیوں کو توڑ ڈالا، اور زنا کا ارتکاب کر کے نہ صرف شریعت سے بغاوت کی بلکہ انسانی شرافت کا خاتمہ کیا، اور فطری عفت کو داغ دار بنا دیا ہے۔

واضح رہے کہ اپنی منکوحہ عورت یا مملوکہ لونڈی کے سوا دوسری عورت کو خواہ قضاء شہوت کے لئے استعمال کیا جائے یا حصول اولاد کے لئے، رضا و رغبت سے ہو یا جبر و کراہ سے، عاریت اور ہبہ کے طور پر ہو یا کرائے کے طور پر سب صورتیں گناہ کے لحاظ سے زنا میں شامل ہیں۔

(ب) لواطت: یعنی غیر فطری فعل خواہ مرد سے کیا جائے، یا عورت سے بیوی سے کیا جائے، یا اجنبی عورت سے، ہر حال میں ممنوع اور حرام ہے، اس کے لئے بھی قانونی طور پر سنگسار کرنا یا آگ میں جلانا، یا پہاڑ کے اوپر سے گرانے کا یا کوڑے لگوانے کی مختلف سزائیں مشروع ہیں، سلطانِ اسلام ان میں سے کوئی بھی سزا دے سکتا ہے، آخر میں جہنم کے عذاب کی وعید الگ ہے۔

(ج) جانوروں سے شہوت پوری کی جاوے، یا اپنے ہاتھ سے شہوت پوری کی جاوے یا کسی دوسری اشیاء کے ذریعہ سے، یہ سب طریقے اصولِ شریعت کے خلاف ہیں اور ایسے لوگ حدودِ شرع سے تجاوز کرنے والے اور مستوجب سزا ہوں گے۔

۷۔ غرض قضاء شہوت یا حصول اولاد کے واسطے، شریعت کے متعین کردہ دونوں اصول سے ہٹ کر کسی بھی طریقہ کا استعمال غیر شرعی اور غیر اصولی ہے، جس کی اجازت قانون فطرت (شریعت اسلامیہ) ہرگز نہیں دیتا۔

۸۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے واسطے قضاء شہوت کی ضرورت، اور حصول اولاد کے تقاضے کی تکمیل کے لئے جن دو اصول مذکورہ پر عمل کرنے کی ہدایت دی ہے ان کی پابندی کرانے اور غیر اصولی طریقوں سے بندوں کی حفاظت کرنے کی خاطر کچھ تدابیر بھی رکھی ہیں۔

(الف) کہ جب انسان نکاح کی استطاعت رکھتا ہے تو نکاح کرے اگر سرپرست موجود ہے تو۔

ماتحت بالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح بلا تاخیر کر دے۔

(ب) اگر کوئی نکاح کی استطاعت نہیں رکھتا اور شہوت کا غلبہ ہے تو استطاعت پیدا ہونے تک روزے رکھے، اس سے شہوت کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے۔

(ج) کوئی مرد اپنی منکوحہ یا اپنی مملوکہ لونڈی کے سوا، دوسری عورت کی طرف نگاہ نہ ڈالے یا کوئی عورت اپنے شوہر یا مولیٰ کے سوا دوسرے مرد پر نظر نہ ڈالے نہ ہی اس کے بدن کے کسی مستور حصے کو دیکھنے کی کوشش کرے بلکہ ہر ایک اپنی نگاہ کو نیچے کر کے چلا کرے۔

(د) اگر کسی غیر محرم پر اتفاقیہ نظر پڑ جائے تو نظر کو پھیر لے، دوسرے مرتبہ نظر نہ ڈالے، نہ ہی نظر جما کر رکھے۔

(ہ) غیر محرم مرد اور عورت ایک دوسرے سے پردہ کریں، بے پردگی اور بے حیائی سے اپنے آپ کو بچائے کیونکہ عورتیں بے پردگی سے خود بھی گنہگار ہوتی ہیں اور مردوں کو بھی گنہگار بناتی ہیں۔

(ز) کوئی مرد اجنبی عورت سے تنہائی میں ملاقات نہ کرے، ضروری بات ہو تو پردہ کے ساتھ کرے، ضروری بات سے فارغ ہو کر چلا جائے۔ غیر ضروی ملاقات کا سلسلہ جاری نہ رکھے۔

(ح) عورت اجنبی مرد سے ایسی بات نہ کرے کہ مرد کا دل اس عورت کی طرف مائل ہو، نہ مرد اجنبی عورت سے اس طرح کی بات کرے جس سے عورت کا دل مرد کی طرف مائل ہو۔

(ط) عورتیں بے پردہ بازاروں میں نہ جائیں، نہ ہی اچھے لباس، اور زیورات سے مزین ہو کر گھر سے باہر نکلیں، جب عورتیں اس طرح باہر نکلیں گی تو شیطان ان کے ساتھ ہوں گے۔

(ی) عورتیں بجنے والے زیوارت پہن کر باہر نہ جائیں، نہ ہی مہکنے والا عطر اور خوشبو لگا کر گھر سے نکلیں کیونکہ ان تمام صورتوں میں شیطان ان کے ساتھ ہو جاتا ہے اور ان عورتوں کو دوسرے مردوں کے ساتھ باہمی گناہ میں مبتلا کرنے کی سعی کرتا ہے۔

۸۔ جو لوگ ان حدود شرعیہ اور اصول شریعت کا انکار کرتے ہوئے ان کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ درحقیقت انسانیت کی حدود سے نکل کر حیوانوں کے زمرے میں داخل ہو جاتے ہیں، پھر ان میں سے انسان کی فطری شرافت اور جبلّی کرامت ختم ہو جاتی ہے، ایسے لوگ صورت انسانی میں رہتے ہوئے معنوی طور پر جانور بن جاتے ہیں، بلکہ ان سے بدتر ہوتے ہیں، شریعت کی اصطلاح میں ایسے لوگ ظالم اور کافر ہیں جن کے لئے ابدالآباد جہنمی ہونے کا فیصلہ ہے۔

۹۔ لیکن جو لوگ شریعت کی حدود اور اصول کو عقیدۃً مانتے تو ہیں لیکن عملاً ان حدود شرعیہ سے تجاوز کر

جاتے ہیں، زنا کاری، فحاشی اور دوسری برائیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، یہ لوگ کافر تو نہیں ہوتے لیکن فاسق وفاجر اور ظالم ہوتے ہیں۔ جن کے لئے بشرط توبہ، معافی ممکن ہے ورنہ عذاب جہنم کی سخت وعید ہے۔

(۱۰) اسی واسطے انسان کے لئے جہاں تک ممکن ہو سکے شرعی حدود میں رہتے ہوئے اپنی طبعی شہوت کو پورا کرنا چاہیئے، اور شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے حصول اولاد کی فکر کرنی چاہیئے کیونکہ شرعی حدود سے نکلنے کے بعد ہونے والی اولاد انسانی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے لیکن حقیقت انسان کا اس میں پایا جانا بہت ہی مشکل امر بلکہ ناممکن ہے۔

اب ان اصولِ شرع اور حدود شرعیہ کے ثبوت اور دلائل ملاحظہ فرمائیں:

یا یّھا النّاس اتّقوا ربّکم الذی خلقکم من نفس واحدۃٍ وخلق منھا زوجھا وبث منھا رجالاً کثیرًا وّنساء (الیٰ قولہ)...... رقیبا. (سورۃ النساء آیت ۱)

اے لوگو! اپنے (رب) پروردگار سے ڈرو! جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد وعورت پیدا کر کے روئے زمین پر پھیلا دئے۔ اور خدا سے ڈرو جس کے نام کو تم اپنی حاجت برآری کا ذریعہ بناتے ہو اور قطع رحمی سے بھی، کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔

وھو الذی خلقکم من نفس وّاحدۃ وجعل منھا زوجھا لیسکن الیھا. (الیٰ قولہ)........... فتعلی اللہ عمایشرکون. (اعراف آیت نمبر ۱۸۹)

وہی خدا ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ وہ اس کے ذریعہ سکون حاصل کرے، سو جب وہ اپنی بیوی سے صحبت کرتا ہے تو اسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے اور وہ اس کے ساتھ چلتی پھرتی ہے، پھر جب بوجھ محسوس کرتی ہے یعنی (بچہ پیٹ میں بڑا ہو جاتا ہے) تو دونوں میاں بیوی اپنے (رب) پروردگار سے التجا کرتے ہیں کہ اگر تو ہمیں صحیح سالم بچہ عنایت کرے گا تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے، جب وہ ان کو صحیح سالم بچہ دیتا ہے تو اس بچہ میں جوان کو دیتا ہے اپنے رب کا شریک مقرر کرتے ہیں، حالانکہ ان کے اس شرک سے اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند وبالا ہے۔

تشریح: سورۂ اعراف کی پہلی آیت میں پوری انسانیت سے خطاب کیا گیا کہ وہ اپنے رب سے ڈرے

یعنی اس کے احکام کی خلاف ورزی اور مخالفت سے ڈرے، جس نے اس سے کرم در کرم کا معاملہ کیا ہے، پہلے تو ایک انسان بنایا پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا جو کہ اس کا ہم جنس ہے، پھر ان دونوں میں سے بے شمار مرد وزن پیدا کر کے دنیا کو آباد کیا اور انسانی توالد و تناسل کا سلسلہ جاری فرمایا جو کہ بالکل فطرت کے موافق ہے۔ شروع میں صیغۂ اِتقوا سے تنبیہ کی گئی کہ خلاف فطرت اور خلافِ اصول کوئی حرکت کرنے سے گریز کریں، ورنہ رب العالمین اور خالق کائنات کے عذاب سے بچنا مشکل ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نساء کی ابتدائی آیات کو خطبۂ نکاح میں شامل کر دیا جس سے اشارہ ملتا ہے کہ انسان کے لئے قانون الٰہی کے تحت نکاح کرنا اور نکاح کی پابندیوں کا لحاظ کرنا اور حقوق نکاح کا پورا کرنا ضروری ہے، حدودِ نکاح سے ہٹ کر خلافِ قانون کوئی ایسا اقدام جائز نہیں، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

دوسری آیت میں جو باتیں بتائی گئیں، ان میں اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے اس کا جوڑا بنایا تا کہ قانونِ الٰہی کے مطابق جوڑے کے پاس جا کر راحت اور سکون حاصل کرے۔

اور آیت میں حمل کا ذکر فرما کر بتایا کہ مطابق فطرت جب انسان بیوی سے ملتا ہے حمل ٹھہر جاتا ہے اس سے بچہ بچی پیدا ہوتے ہیں اور اس سے انسانی نسل کا سلسلہ جاری ہوتا ہے، پھر جب حمل کے وقت انسان اولاد کی خواہش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دیتا ہے، پھر انسان عموماً اس کی نافرمانی کرنے لگتا ہے کہ کفر اور شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے اللہ کی ذات پاک اور بری ہے۔

سورۂ زمر کے اندر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

خلقكم من نفس واحدة ثم جعل منها زوجها وانزل لكم من الانعام ثمانية ازواج يخلقكم فى بطون امهاتكم خلقًا من بعد خلقٍ فى ظلمات ثلٰث ج ذلكم الله ربكم له الملك لا اِله الا هو فانى تصرفون. (زمر ٦)

اس اللہ نے تم کو ایک جاندار (یعنی آدم) سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا اور اسی نے تمہارے لئے چوپائیوں میں سے آٹھ جوڑے بنائے، وہی تم کو ماؤں کے پیٹ میں پہلے ایک طرح پھر دوسری طرح تین اندھیروں میں بناتا ہے، یہی تمہارا خدا اور تمہارا رب ہے، اس کی بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو۔

سورۂ روم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ومن اٰياته ان خلقكم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون ٥ ومن اٰياته ان خلقكم

من انفسکم ازواجًا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودّۃ ورحمۃ ط ان فی ذٰلک لآیات لقوم یتفکرون. (الروم: ۲۱)

اسی کے نشانات میں سے ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اب تم انسان ہو جا بجا پھیل رہے ہو، اور اسی کے نشانات میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تا کہ اس کے پاس جا کر سکونت اور راحت حاصل کرو اور تم دونوں کے درمیاں محبت و مودّت اور ہمدردی پیدا کر دی، اور ان میں ان لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں بیشمار نشانیاں موجود ہیں۔

تشریح: آیات مذکورہ میں فرمایا گیا کہ سب سے پہلے انسان کو مٹی سے پیدا کیا پھر اس میں سے اس کے لئے جوڑا بنایا تا کہ دونوں کی طبعی خواہش اور فطری شہوت کو پورا کرنے کا سامان بنے، اور مرد بیوی کے پاس جا کر نفس کو تسکین دے سکے اور دونوں کے درمیان عجیب وغریب قسم کی محبت اور ہمدردی پیدا کر دی ہے تا کہ ہر ایک دوسرے سے مانوس ہو، محبت اور انس کے تعلق میں ازواجی زندگی گذرے۔

واضح رہے مذکورہ بالا تمام آیات کے اندر عورت کو مرد کے لئے زوج کہا گیا ہے، اور شریعت میں قرآن وحدیث کی اصطلاح میں مرد اور عورت دونوں پر زوج اور زوجہ کا اطلاق تب ہوتا ہے کہ شرعی طریقہ سے نکاح ہو جائے، تو معلوم ہوا کہ کسی عورت سے تسکین نفس حاصل کرنے یا اولاد حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان عورت سے شرعی اصول کے مطابق نکاح کرے تا کہ عورت اس کے لئے قانونی منکوحہ اور زوجہ بنے، اور وہ قانونی منکوحہ سے ہی تسکین نفس حاصل کرے یا اولاد حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

انسان کی طبعی ضرورت اور توالد وتناسل کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے شریعت نے دو اصول مقرر کر دیئے ہیں، پہلا اصول نکاح کا ہے چنانچہ ارشاد ہے:۔

وان خفتم الاتقسطوا فی الیتٰمٰی فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنٰی وثلٰث وربٰع، فان خفتم الاتعدلوا فواحدۃاو ماملکت ایمانکم، ذٰلک ادنٰی الا تعولواo واٰتو النساء صدقٰتھن نحلۃ ط فان طبن لکم عن شئ منہ نفسا فکلوہ ھنیا مریئاo

(النساء: ۳)

اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو یا تین تین یا چار چار ان سے نکاح کر لو، اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو

کہ سب عورتوں سے یکساں سلوک نہ کرسکو گے، تو ایک عورت کافی ہے یا لونڈی جس کے تم مالک ہو اس سے تم بے انصافی سے بچ سکو گے، اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو، ہاں! وہ اگر اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تو تم اسے خوشی سے کھاؤ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آیات مذکورہ کے ذریعہ انسانی ضرورت کو پورا کرنے کے واسطے نکاح کی اجازت دی ہے، اور یہ ہدایت دی کہ تمہارے ماتحت یتیم بچیاں بعض نکاح کے لئے ہوتی ہیں لیکن ان سے نکاح کرنے کی صورت میں جب تم کو انصاف نہ کرنے اور ان پر ظلم کا اندیشہ ہو تو تم اپنی انسانی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ان یتیم بچیوں کے سوا دوسری عورتوں سے نکاح کرلو، ایک کافی نہیں ہے تو دو دو کرلو، پھر بھی ضرورت محسوس کرو تو تین تین، چار چار تک کرلو، جب کہ سب کے حقوق اور نان ونفقہ انصاف کے ساتھ ادا کرنے کی استطاعت ہو لیکن زیادہ عورتوں سے نکاح کرنے میں اگر بے انصافی کا اندیشہ ہے تو ایک ہی عورت سے نکاح کرلو یا اگر تمہارے پاس صرف اپنی لونڈی ہے تو اس پر اکتفاء کرو۔

غرض یہ کہ آیت میں انسانی ضرورت اور انسانی خواہش کو پورا کرنے کے لئے عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے یا اپنی مملوکہ لونڈی سے استمتاع کی اجازت دی ہے، یہ دونوں ایسے لازمی اور قطعی اصول ہیں کہ ان سے انحراف کر کے کوئی طریقہ ایسا نہیں ہے کہ انسان اپنے فطری جذبات کو تسکین دے سکے یا اولاد حاصل کرنے کی خواہش پوری کر سکے۔

لہٰذا جو لوگ انسانی ضرورت اور فطری خواہش کو پورا کرنے کے لئے ان اصول مذکورہ پر عمل کرتے ہوئے حدود شرعیہ کی پابندی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ایسے لوگوں کو مؤمن کامل قرار دیا، اور انہیں تمام انسانوں میں کامیاب ترین انسان قرار دیا، اور ان کے واسطے آخرت میں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حافظونo (مومنون: ۵).

کامل اور کامیاب مومن وہ لوگ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی (غیر شرعی استعمال سے) حفاظت کرتے ہیں۔

دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

والحافظين فروجهم والحافظات. (احزاب: ۳۵)

کامل مومن وہ مرد یا عورت ہیں جو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرتے ہیں۔

تیسری جگہ پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

والذین هم لفروجهم حفظون الا علی ازواجهم اوماملکت ایمانهم فانهم غیر ملومینo فمن ابتغیٰ وراء ذٰلک فاولئک هم العٰدونo (معارج: ۳۱)

اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں یا لونڈیوں سے کہ ان کے پاس جانے سے کوئی ملامت ان پر نہیں ہے، اور جو لوگ ان کے سوا اور راستے کے خواستگار ہوں وہ حد سے نکل جانے والے ہیں۔

تشریح: مذکورہ بالا آیات میں ایسے لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو کہ اپنی شرمگاہوں کو بیوی اور مملوکہ لونڈی کے سوا دوسرے مرد اور عورتوں سے حفاظت کرتے ہیں، نہ بے حجاب ہوتے ہیں، نہ ہی کسی کی شرمگاہ کو دیکھتے ہیں، نہ ہی کسی کو اپنی شرمگاہ دیکھنے کی اجازت دیتے ہیں یعنی مرد اپنی شرمگاہ کو بیوی اور لونڈی کے سوا دوسری عورت یا مرد یا کسی چیز پر استعمال نہیں کر سکتے، نہ ہی عورت اپنی شرمگاہ کو کسی دوسرے مرد کو استعمال کرنے کا موقع دے سکتی ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت نہیں کرتے، بیوی اور لونڈی کے سوا دوسرے کے سامنے بھی بے حجاب ہوجاتے ہیں یا نہیں دکھاتے ہیں، اور اپنی شرمگاہ کو دوسری جگہ پر استعمال کرتے ہیں تو ایسے مرد قابل مذمت اور گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں۔ اسی طرح جو عورت اپنی شرمگاہ کو شوہر کے سوا دوسرے مرد کو دکھاتی ہے یا اس کے سامنے بے حجاب ہوتی ہے یا کسی اجنبی مرد کو اس کے استعمال کا موقع دیتی ہے، ایسی عورت قابلِ مذمت اور مستحق مواخذہ ہے۔ چنانچہ آیت ذیل کے تحت علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول ”**فمن ابتغی وراء ذٰلک**“ میں لونڈی کے سوا استمتاع اور انسانی خواہش پوری کرنے کے جتنے طریقے ہیں سب شامل ہیں مثلاً نکاح متعہ، زنا، لواطت، جانوروں سے بدفعلی وغیرہ سب کے سب ممنوع اور حرام ہیں (ص ۷، ج ۱۸)

آیت مذکورہ کے ذیل میں ابن عباسؓ سے روایت ہے: ”**فکل فرج سوا هما حرام**“ <u>**(درمنثور ص ۵، ج ۵۰)**</u> یعنی منکوحہ عورت اور لونڈی کے سوا تمام عورتوں کی شرمگاہیں آدمی کے لئے حرام ہیں۔

ابن سیرینؒ اور حسن بن زیاد سے روایت ہے ”**لا یعار الفرج**“ <u>**(درمنثور ص ۵. ج ۶)**</u> یعنی کسی عورت کی شرمگاہ کو عاریت کے طور پر دینا اور لینا جائز نہیں، حرام ہے۔ مذکورہ بالا نصوص اور روایات سے معلوم ہوا کہ منکوحہ عورت اور لونڈی کے سوا کسی دوسری عورت سے استمتاع (فائدہ) حاصل کرنا خواہ رضا ورغبت سے ہو یا اجارہ پر کسی صورت سے جائز نہیں ہے۔

نیز حدیث میں ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کتے کی قیمت اور کاہن کی مٹھائی، اور زانیہ عورت کی اجرت حرام ہے“۔ (ابوداؤد ص ۴۹۲) جس سے معلوم ہوا کہ اجنبی عورت کو شہوت پوری کرنے یا اولاد حاصل کرنے کے واسطے کرائے پر لینا یا عاریت پر لینا ممنوع ہے۔

شریعت اسلامیہ نے مردوں اور عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اجنبی عورتوں اور مردوں سے اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں اور ان کے مقام زینت کو نہ دیکھیں۔

چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قل للمؤمنين يغضّوا من ابصارهم ويحفظوا فروجهم ط ذلك ازكٰى لهم ط ان اللّٰه خبير بمايصنعون o وقل للمؤمنات يغضضن من ابصارهنّ و يحفظن فروجهن ولايبدين زينتهن الا ماظهر منها الخ. (نور: ۳۱)

آپ مومن مردوں کو کہہ دیں کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں خدا ان سے خبردار ہے۔ اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں، اور اپنی آرائش اور زیور کے مقامات کو ظاہر نہ کریں مگر جو بہ مجبوری کھلا رہتا ہے یعنی کف ودست اور قدم اس میں کچھ اعتراض نہیں۔

تشریح: مذکور بالا آیات میں مرد اور عورت کو دو باتوں کا واضح حکم دیا گیا ہے: ایک یہ کہ مرد اور عورت اپنی نگاہ کی حفاظت کریں۔ کوئی مرد یا عورت دوسرے کسی اجنبی مرد یا عورت پر نگاہ اٹھا کر نہ دیکھیں بلکہ ہمیشہ نگاہ کو نیچی کر کے چلا کریں۔

دوسرا یہ حکم دیا گیا ہے کہ مرد اور عورت اپنی شرمگاہ کی حفاظت کیا کریں۔ بے حجاب دیکھنے اور دکھانے کی حفاظت کریں، یعنی مرد اپنی شرمگاہ کو بیوی اور لونڈی کے سوا کسی مرد یا عورت کے سامنے ظاہر نہ کرے۔ اسی طرح عورت اپنی شرمگاہ کو اپنے شوہر کے سوا کسی مرد یا عورت کے سامنے ظاہر ہونے نہ دے، نہ ہی اسے غلط استعمال کرے۔

جس سے معلوم ہوا کہ کسی اجنبی مرد کے لئے یہ جائز نہیں کہ کسی اجنبی عورت کی طرف نظر کرے، نہ کسی عورت کے لئے یہ اجازت ہے کہ وہ اجنبی مرد کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھے۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

العينان تزنيان زناهما النظر، واليد ان تزنيان زناهما البطش، الخ
(مشکوۃ شریف)

آنکھیں زنا کرتی ہیں۔ آنکھوں کا زنا دیکھنے سے ہوتا ہے، دونوں ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں، ان کا زنا ہاتھ سے مس کرنا ہے۔

تشریح: حدیث میں دوسرے کی طرف دیکھنے کو جو زنا کہا گیا ہے اس سے مراد اجنبی مرد کا اجنبی عورت کی طرف دیکھنا ہے، یا کسی عورت کا کسی اجنبی مرد کی طرف دیکھنا ہے، اسی طرح دونوں ہاتھوں سے مس کرنے کو جو ہاتھوں کا زنا کہا گیا ہے، اس سے مراد بھی کسی مرد کا کسی اجنبی عورت کے بدن کو مس کرنا، یا کسی عورت کا کسی اجنبی مرد سے مس کرنا مراد ہے، میاں بیوی اور محرمات اس سے مستثنیٰ ہیں۔

واضح رہے کہ اجنبی مرد کا عورت کی طرف دیکھنا یا مس کرنا خواہ بغرضِ شہوت ولذت ہو یا بدون شہوت و لذت ہو، دونوں امر ناجائز و حرام ہیں، البتہ نظر شہوت میں زیادہ گناہ ہے اور مس بالشہوت گناہ میں شدید ہے۔ دوسری حدیث میں ہے:۔

النظر سهم من سهام ابليس.

اجنبی عورت کی طرف نظر ڈالنا ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔

یعنی ایک تو صحیح تیر ہے جو کہ صحیح جگہ استعمال ہوتا ہے اور صحیح مقصد کے لئے استعمال ہوتا ہے، دوسرا شیطان کا تیر ہے جو کہ غلط جگہ استعمال ہوتا ہے اور غلط مقصد کے لئے استعمال ہوتا ہے، تو اجنبی عورت کی طرف مرد کا دیکھنا یا اجنبی مرد کی طرف عورت کا دیکھنا شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جس سے وہ انسان کو اپنی شیطانیت کے لئے شکار کرتا ہے، اس لئے اپنی نگاہوں کی حفاظت کی شدید ضرورت ہے، البتہ اتفاقیہ طور پر کسی عورت کی اجنبی مرد پر یا کسی مرد کی اجنبی عورت پر نگاہ پڑ جائے تو حکم یہ ہے کہ فوراً نگاہ کو وہاں سے ہٹالے، دوسری اور تیسری مرتبہ نہ دیکھے یا نظر کو جما کر نہ رکھے۔

چنانچہ حدیث میں ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعلي: يا علي! لا تتبع النظرة النظرة فان لك الاولىٰ وليست لك الأخرة.

(رواہ احمد والترمذی وابوداود ص ۲۶۹ مشکوۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے علی! نظر پر نظر مت ڈالا کرو، اس لئے کہ تیرے لئے پہلی نظر (جو اتفاقیہ) تھی معاف ہے دوسری اور تیسری نظر کی

اجازت نہیں ہے۔

حدیث مذکورہ کو بار بار پڑھنا چاہیئے، اور ہمارے ان بھائیوں اور بہنوں کو اپنے طرز زندگی پر نظر ثانی کرنی چاہیئے جو کہ مخلوط تعلیم گاہوں میں مارکیٹوں اور بازاروں میں سڑکوں اور دوسرے مقامات پر بلاضرورت ایک دوسرے کے حسن کا نظارہ کرتے ہیں اور کر رہے ہیں، اور انہیں اس کا احساس تک نہیں ہے کہ ایک وقت آنے والا ہے کہ اس پر مواخذہ ہوگا، بلکہ بعض ملعون و دیوّث مرد اور عورت بلاضرورت اپنی بیوی اور بیٹی کو ان کے حسن اور زیب و زینت دکھانے کے واسطے خود ہی بازاروں اور مارکیٹوں وغیرہ میں عریاں و نیم عریاں لباسوں میں لے جاتے ہیں، اجنبی لوگوں کی مجالس اور محافل میں شریک ہوتے ہیں۔

اللہ اور رسول کی لعنت ہے ایسے مردوں اور عورتوں پر جو دوسروں کی جانب نظر کرتے یا اپنے ستر کے حصے دوسروں کو دیکھنے کا موقع دیتے ہیں۔

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لا ینظر الرّجل الیٰ عورۃ الرجل ولا المرأۃ الیٰ عورۃ المرأۃ. (الحدیث مشکوٰۃ ص ۲۶۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد دوسرے مرد کے ستر کو ہرگز نہ دیکھے، نہ ہی عورت کسی دوسری عورت کے ستر کو دیکھے۔

بہز بن حکیم اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم احفظ عورتک الا من زوجتک او ما ملکت یمینک، قلت یا رسول اللّٰہ! افرأیت اذا کان الرجل خالیًا؟ قال: اللّٰہ احق ان یستحیی منہٗ. (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ ص ۲۶۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اپنی بیوی اور مملوکہ لونڈی کے سوا دوسرے مردوں اور عورتوں سے اپنے ستر کی حفاظت کرو، ستر کے حصوں کو چھپا کر رکھو، صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب آدمی تنہا ہو اس وقت بھی چھپا کر رکھنے کا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ اس سے جہاں تک ممکن ہو حیا کا معاملہ کیا جائے۔

کتب حدیث وفقہ میں ہے کہ مرد کے لئے ناف سے لے کر دونوں پاؤں کے گھٹنوں تک کا حصہ

ستر ہے، ڈھانپنا فرض ہے، اور عورت کے لئے سوائے چہرہ اور قدم کے پورا بدن ستر ہے، اجنبی مردوں سے چھپانا فرض ہے۔

البتہ محرم یعنی ماں، باپ، بھائی، بہن وغیرہ جن سے نکاح ناجائز ہے، ان کے سامنے سر اور بازو پنڈلی وغیرہ چھپانا فرض نہیں ہے، باقی حصّے کا ڈھانپنا ضروری ہے۔

غرض یہ کہ اجنبی مرد کے سامنے عورت کا عریاں یا نیم عریاں حالت میں جانا یا مرد کا اجنبی عورت کے سامنے ستر کھولنا قرآن وحدیث کی رو سے ممنوع اور حرام ہے بلکہ بدن کے مستور حصّے کا چھپانا فرض ہے، قرآنی آیات کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، احادیث اس میں بکثرت وارد ہیں۔ طوالت کے خوف سے ان کو چھوڑ دیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطری شہوت اور شرعی ضرورت کے تقاضوں اور اولاد حاصل کرنے کی طبعی وشرعی ضرورت کو پورا کرنے کے واسطے جو اصول مقرر کئے ہیں ان کی پابندی ضروری ہے کیونکہ ان اصولِ شرعیہ کی پابندی کرنے سے انسان کو عفت اور پاکیزہ زندگی نصیب ہوتی ہے، اور ان اصولوں کی خلاف ورزی کرنے سے عفت کی زندگی نصیب نہیں ہوتی، بلکہ جانوروں کی طرح بے حیائی کی زندگی گذارنی پڑتی ہے، نیز انہیں اصولوں کی حفاظت کی خاطر اور انسانی تکریم اور شرافت کو برقرار رکھنے کی غرض سے شریعت نے زنا کاری اور فحاشی کے ذریعہ انسانی خواہش کو پورا کرنے والوں کے لئے بہت بڑی سزا رکھی ہے۔ دیکھئے! شادی شدہ جوڑا اگر زنا کرے تو ان کے لئے (رجم) سنگساری کا حکم ہے اور غیر شادی شدہ جوڑا اگر زنا کرے تو ان کے لئے برسر عام ۱۰۰ سو ۱۰۰ سو کوڑے لگانے کا حکم ہے، پھر آخرت میں جہنم میں داخل کئے جانے کی وعید بھی ہے۔ حالانکہ جس جوڑے نے باہمی زنا کاری کی ہے کوئی غیر فطری کام نہیں کیا، فطرت کے مطابق انسانی خواہش کو پورا کیا ہے، اور اگر اولاد حاصل کرنے کی نیت بھی تھی تب بھی مقصد غلط نہ تھا۔

لیکن چونکہ فطری تقاضوں کو شرعی اصول (نکاح) یا ملکیت کے تحت پورا نہیں کیا بلکہ شرعی اصول اور شرعی حدود سے باہر نکل کر غیر مملوکہ عورت سے جانوروں کی طرح حصول مقصد کا ارادہ کیا ہے اس لئے دنیا اور آخرت دونوں جگہ میں سزا کے مستحق قرار پائے۔

قرآن حکیم میں انسانی ضرورت کو پورا کرنے کے اصولوں کی وضاحت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

نساء کم حرث لکم فأتوا حرثکم انّٰی شئتم ج وقدموا لانفسکم ط واتقوا اللّٰہ

واعلموا انکم ملاقوہ ط وبشر المؤمنین. (بقرہ: ۲۲۳)

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں، تم اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ، اور اپنے لئے نیک عمل آگے بھیجو، اور خدا سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو کہ ایک دن تمہیں اس کے روبرو حاضر ہونا ہے۔ اے! پیغمبر آپ ان باتوں پر یقین کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیں۔

تشریح: آیت مذکورہ بعض انصاری صحابیہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ان کا شوہر جماع کے کسی خاص طریقہ پر مصر تھا جس کا رواج انصاری عورتوں میں نہ تھا، اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرعی فتویٰ پوچھا گیا جس پر آیت مذکورہ اتری، آپ نے آیت کی روشنی میں فتویٰ کا جواب دیا، آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے کئی باتیں بیان فرمائی ہیں۔

(الف) یہ تمہاری منکوحہ عورتیں تمہاری کھیتی ہیں یعنی جس طرح تم اپنی کھیتوں میں مختلف جانب سے پہنچ جاتے ہو، اس طرح عورتوں میں کھیت کی جگہ عضو مخصوص میں مختلف طریقے سے جا سکتے ہو، عورت کو کھیتی سے تشبیہ دینے میں یہ فائدہ بھی حاصل ہوا کہ جس طرح کھیتی کو اس بات کا اختیار نہیں ہوتا کہ مالک پر مختلف طریقے سے آنے پر اعتراض کرے، اسی طرح عورت کو بھی اعتراض کرنے کا حق نہیں، اگر اعتراض کرتی ہے تو شرعاً معتبر نہیں ہے۔ چنانچہ انصاری عورت کا جو اعتراض تھا اس کا اعتبار نہیں کیا گیا بلکہ شوہر کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنی عورت کے عضو مخصوص میں جماع کے لئے جو بھی طریقہ اختیار کرے گا اس کا مجاز ہے، البتہ اتنی بات کا لحاظ ضروری ہے کہ شوہر جو طریقہ اختیار کرنا چاہتا ہے، اس میں عورت کو جسمانی ایذا نہ پہنچے کیونکہ جسمانی ایذا حرام ہے، عورت کی طبعی ناگواری کا اعتبار نہیں، نہ طبعی ناگواری کی ایذاء کا اعتبار ہے۔

اور آیت میں اتنا وسیع اور جامع مفہوم بتایا گیا ہے کہ اس سے بیشمار اشکالات رفع ہو جاتے ہیں، مثلاً انصاری عورت کا اعتراض جماع کے کسی خاص طریقہ پر تھا، ممکن تھا کہ کبھی دوسری عورت کسی اور طریقہ پر اعتراض کرتی، لیکن اللہ تعالیٰ نے تمام اعتراضات کے دروازے بند کر دیئے کہ عورت بمنزلہ کھیت ہے، اس کو کسی طریقہ پر اعتراض کا مطلق حق نہیں ہے، شوہر کو اختیار ہے کہ کوئی بھی طریقہ اختیار کر لے۔

(ب) البتہ مرد کے لئے "محل مخصوص" عورت کا اگلے راستہ پر آنا ضروری ہے کسی اور محل کا استعمال جائز نہیں ہے۔

نیز آیت میں اس بات کو بھی واضح کر دیا گیا کہ انسانی توالد اور تناسل کے واسطے کھیت اور زراعت کی جگہ اپنی منکوحہ عورت ہے، غیر منکوحہ اور غیر مملوکہ عورت محلِ کھیت نہیں ہے، اور یہ مقام حرث محل مخصوص

ہے۔

(ج) لہٰذا محلِ مخصوص کے سوا عورت کے دوسرے محل (یعنی پیچھے کے راستہ) کا استعمال ناجائز، حرام ہے کیونکہ وہ مقام زراعت اور محل حرث یعنی کھیتی کی جگہ نہیں ہے بلکہ مقام فرث گندگی کی جگہ ہے، اس میں انسانی بیج بونے سے بیج ضائع ہوگا۔ اسی واسطے اپنی منکوحہ سے لواطت جائز نہیں ہے حرام ہے۔

حدیث میں ہے جو شخص اپنی منکوحہ عورت سے لواطت کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسکی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائیں گے۔ (مشکوۃ شریف)

(د) جب منکوحہ عورت کا بمنزلہ کھیت ہونا بتایا گیا تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ منکوحہ عورت سے وطی کر کے انزال منی ایسا ہے جیسا کہ زمین میں ہل چلانے کے بعد بیج بویا جاتا ہے اور زمین میں ہل چلانے اور بیج بونے کا اہم مقصد پیداوار حاصل کرنا ہے اور یہی ہونا چاہیئے، بعینہٖ یہاں پر منکوحہ سے جماع کرنے کا اہم مقصد شرعی حدود میں رہتے ہوئے انسانی پیداوار حاصل کرنا ہے، اور مرد کا مقصد اول سے یہی ہونا چاہیئے لیکن اگر کوئی مالک زمین پیداوار حاصل کرنے کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ اس کا مقصد صرف زمین ہی میں ہل چلا چلا کر وقت ضائع کرنا ہے، یا ہل چلانے کے بعد بیج توڑ ڈالتا ہے لیکن اس سے پیداوار حاصل کرنا مقصد نہیں ہوتا بلکہ بیج کو ضائع کرنے کی فکر میں رہتا ہے، تو یہ آدمی حد درجہ بے وقوف اور احمق ہے بعینہٖ اسی طرح جو آدمی منکوحہ عورت سے وطی کر کے انزال، باہر کرتا ہے یا انزال کے بعد حمل کو ضائع کر دیتا ہے، اس خوف سے کہ اولاد ہوگی تو اس کی پرورش کیسے ہوگی؟ کفالت کون کرے گا؟ غرض اس کا مقصد انسانی پیداوار نہیں ہے، یہ آدمی بھی پرلے درجہ کا احمق اور بے وقوف ہے۔

(ہ) نیز آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اپنی منکوحہ عورت مرد کے لئے بمنزلۂ کھیت کے زمین ہے لیکن غیر منکوحہ یا دوسروں کی منکوحہ عورت بمنزلہ غیر مملوکہ یا دوسرے کی مملوکہ زمین کے ہے۔ لہٰذا جس طرح غیر مملوکہ زمین میں یا دوسرے کی مملوکہ زمین میں کھیتی کرنا، ہل چلانا، بیج ڈالنا، انسان کے لئے جائز نہیں ہے بلکہ بڑی بے غیرتی و بے حیائی کی بات ہے، بعینہٖ اسی طرح غیر منکوحہ عورت یا دوسرے کی منکوحہ عورت سے جماع کرنا اس میں مادّہ منویہ کا داخل کرنا، اور اس سے انسانی پیداوار کا حاصل کرنا جائز ہی نہیں بلکہ انتہائی درجہ کی بے غیرتی و بے حیائی کی بات ہے اور جس طرح دوسرے کی زمین یا غیر مملوکہ سرکاری زمین میں بلا اجازت مالک یا حکومت کھیتی بونا اور

''پیداوار حاصل کرنا قانونی جرم ہے'' اور سزا کا موجب ہے، اسی طرح غیر منکوحہ عورت یا دوسرے کی عورت سے جماع کرنا یا اس میں پانی ڈالنا اور اس سے انسانی پیداوار، اولاد حاصل کرنا بھی بموجب قانونِ شرع جرم اور موجب سزا ہوگا۔

حدیث میں ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لایحل لا مرئی یؤمن باللّٰہ والیوم الاٰخرأن یسقی ماءہ زرع غیرہ. (رواہ ابوداؤد و الترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو بھی اللہ کی ذات پر اور قیامت قائم ہونے پر یقین رکھتا ہے اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ اپنا پانی دوسرے کے کھیت میں ڈالے۔

تشریح: حدیث مذکور قرآنی آیت کی شرح کرتی ہے کہ ہر آدمی کی منکوحہ عورت اس کی کھیتی کی طرح ہے۔ وہ اپنی کھیتی میں انسانی پیداوار کے واسطے زراعت کرسکتا ہے، پانی ڈال سکتا ہے لیکن دوسرے کی عورت یا غیر منکوحہ عورت میں کھیتی کرنا، پانی ڈالنا، بیج بونا حلال نہیں ہے بلکہ گناہ عظیم ہے۔

نیز حدیث میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کی شرط لگا کر اس بات کی طرف تنبیہ کی گئی ہے کہ ایماندار کے لئے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی عورت کے سوا کسی دوسری عورت سے صحبت نہ کرے، نہ اولاد حاصل کرنے کی کوشش کرے لیکن جو شخص اس کی خلاف ورزی کرتا ہے گویا وہ ایمانی تقاضے کو پورا نہیں کرتا خداوند تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔ اسی واسطے قرآن وحدیث نے دوسرے کی مطلقہ عورت جو عدت میں یا حمل سے ہے اس سے نکاح کرنے کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے تاکہ دوسرے کے پانی کے ساتھ خلط نہ ہوجائے، اور بے شوہر عورت سے بلا نکاح وطی کرنے کو زنا قرار دیا ہے۔

(د) نیز آیتِ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے عورت کو کھیتی کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور یہ بھی واضح فرمادیا کہ انسان کا اپنی کھیتی کی زمین کے سوا کسی جگہ پر ہل چلانا اور بیج بونا اہل زراعت کے اصول سے اور قانون سے بے خبری نہیں بلکہ قانون سے بغاوت ہے۔ اس طرح انسان کا اپنے مادہ منویہ کو کسی اجنبی عورت میں یا مرد میں یا جانور میں ڈالنا یا مشت زنی کے ذریعہ یا کسی اور طریقہ سے انسانی تقاضے کو پورا کرنا، اور پانی اور بیج کو ضائع کرنا احکام الٰہی سے کھلا مذاق اور صریح بغاوت ہے، چنانچہ سورۂ معارج کی آیت میں تفصیل گذر چکی ہے۔

خلاصہ یہ کہ شریعت اسلامیہ نے انسان کی طبعی اور فطری ضرورت کو پورا کرنے کے واسطے نکاح کا پاکیزہ اصول رکھا ہے، اسی طرح حصول اولاد کی فطری خواہش کی تکمیل کے لئے ازدواجی قانون کا نظام

رکھ دیا ہے۔ انہیں اصولوں کو بروئے کار لانے کے واسطے غیر منکوحہ اور غیر مملوکہ عورتوں سے زنا اور جنسی ملاپ خواہ ظاہرُ ایا خفیۃً رجاورغبت سے ہو یا جبر و اکراہ سے، اجرت کے ساتھ ہو یا بغیر اجرت حرام قرار دیا ہے اور اس کے واسطے سخت سے سخت ترین سو سو کوڑے یا رجم کی سزا رکھی ہیں اور آخرت میں عذاب جہنم کی وعید بھی ہے۔ اسی طرح لواطت اور اغلام بازی کو حرام اور ممنوع قرار دیا ہے، دنیا میں اس کے لئے زنا کی طرح کوڑے، قتل، سنگساری، پہاڑ کے اوپر سے گرا کر ہلاک کر دینے کی سزائیں رکھی ہیں۔ جہنم کے عذاب کی وعید الگ ہے۔

نیز یہ کہ ہر قسم کی بے حیائی اور عریانی اور بے پردگی کو ممنوع اور حرام قرار دیا ہے، مقصد ان سارے احکام سے یہ ہے کہ انسان کی طبعی اور فطری ضرورت پاکیزہ معاشرہ میسر ہو، اور اس کی ازلی شرافت ار پیدائشی کرامت بحال رہے۔ اور اصول شریعت کے مطابق توالد و تناسل کا سلسلہ بھی یوں ہی چلتا رہے، لیکن انسان اگر مذکورہ اصولِ شریعت اور حدود الٰہیہ کی پابندی نہیں کرتا اور جانوروں کی طرح آزادانہ طور پر ہر عورت سے جب چاہے جس طرح چاہے جنسی ملاپ قائم کرتا ہے اور طبعی اور فطری خواہش کو پورا کرنا چاہتا ہے، یا حصول اولاد کے مقررہ اصول سے ہٹ کر اپنی مرضی سے کوئی طریقہ اختیار کرتا ہے تو یہ اپنے خالق کائنات کے قانون سے کھلی بغاوت کرتا ہے، اور محسن انسانیت آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کی صریح خلاف ورزی کرتا ہے۔ یہ شخص صراطِ مستقیم سے نکل کر گمراہی اور شیطان کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ جنت کے راستہ کو چھوڑ کر جہنم کا راستہ اختیار کرتا ہے جو کہ انسان کے واسطے ہلاکت اور تباہی کے سوا اور کچھ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب مسلمانوں کو دین و شریعت کا فہم عطا کرے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

یہ شریعت کے چند بنیادی اصول ہیں جن کے مطالعہ کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ استفتاء میں مذکور سوالات کے جوابات سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔

جواب: نمبرا: ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی پیدائش غیر فطری طریقہ ہے جس میں مرد کے مادّۂ منویہ اور اس کے جرثومے حاصل کر کے دوسری غیر منکوحہ عورت کے رحم میں غیر فطری طریقے سے ڈالے جاتے ہیں، اور یہ جرثومے مدّت حمل تک اس اجنبی عورت کے رحم میں پرورش پاتے ہیں اور مدّت حمل پوری ہو جانے کے بعد جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو عورت کو مدّت حمل کی باربرداری اور تکلیف اٹھانے کی معقول اجرت دے کر مرد بچہ لے لیتا ہے۔ اس طرح کی خواہش پوری کی جاتی ہے یہ ازروئے شرع ناجائز و حرام ہے کیونکہ قرآن و حدیث میں حصول اولاد کے لئے دو ہی اصول مقرر

کردیئے ہیں کہ انسان اپنی منکوحہ بیوی سے فطری طریقہ سے جماع کرے اور ارادہ اولاد کی پیدائش کا کرے۔

فالئٰن باشروھن و ابتغوا ما کتب اللّٰہ لکم. (البقرہ آیت نمبر ۱۸۷)

اور تم اپنی منکوحہ بیویوں سے جماع کرو اور ارادہ اولاد کا کرو جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے لکھ رکھا ہے۔

فطری طریقے سے تحصیل اولاد، اس سے کئی فائدے ہیں ایک مرد اور بیوی دونوں کی فطری شہوت پوری ہوجائے گی۔ دونوں کی شرمگاہیں کسی غلط راستے میں مستعمل ہونے سے محفوظ ہو جائیں گی اور دونوں کی نگاہیں بھی اجنبی مرد اور عورت سے پاک رہیں گی، اس لئے کہ فطرت کا تقاضا ہے کہ مرد اور عورت فطرت کے طریقے سے خواہش پوری کریں، جب مرد غیر فطری طریقہ سے مادّہ منویہ نکالے گا تو عورت کی فطری خواہش باقی رہے گی تو وہ ضرور کسی غیر مرد سے اور غیر شرعی طریقے سے خواہش پوری کرنے کی کوشش کرے گی۔ یہ بہت بڑا دینی اور شرعی نقصان ہے اور اخلاقی ضرر ہے، دیگر یہ کہ مذکورہ بالا طریقۂ پیدائش میں یہ خرابیاں بھی ہیں۔

(۱) اولاد کے خواہش مند مرد نے جس اجنبی عورت کے رحم میں اپنا مادہ منویہ کو ڈالا ہے وہ عورت اس کی منکوحہ یا مملوکہ نہیں ہے جب کہ قرآن وحدیث کی رو سے منکوحہ یا مملوکہ عورت کے سوا کسی بھی عورت کے رحم میں انسان اپنا مادّہ منویہ داخل نہیں کرسکتا خواہ فطری طریقہ پر ہو یا غیر فطری طریقہ پر، یہ ایسا ہے کہ انسان اپنی بیوی (کھیت کی زمین) چھوڑ کر دوسری عورت (غیر مملوکہ زمین) میں کھیتی کرنے کی خواہش سے ہل چلاتا ہو، یا بغیر ہل چلائے بیج ڈالتا ہو۔ جس طرح غیر مملوکہ زمین میں کھیت وزراعت کے واسطے بیج ڈالنا جائز نہیں ہے بلکہ بے حیائی اور بے غیرتی کی بات ہے۔ اس طرح غیر منکوحہ یا دوسرے کی منکوحہ عورت کے رحم میں مادّہ منویہ (جو کہ نسل انسانی کا بیج ہے) کا ڈالنا جائز نہیں ہے بلکہ انتہائی درجہ بے غیرتی اور ذلت کی بات ہے۔

پھر یہ کہ نسل انسانی کی پیدائش کے واسطے شریعت نے عورت کے رحم کو کرائے یا اجرت پر دینے یا لینے کا کوئی طریقہ نہیں رکھا، نہ ہی کسی عورت کو عاریت پر لینے یا دینے کی اجازت دی ہے بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ اولاد کی خواہش پوری کرنے کے واسطے شرعی اصول کے مطابق کسی بے شوہر عورت سے نکاح کرلو، بلکہ حدیث میں ہے کہ زیادہ اولاد جننے والی عورت سے نکاح کرو، پھر اس سے فطری طریقہ سے مباشرت کرو اور فطری طریقہ سے فطری راستے سے نسل انسانی کا مادّہ منویہ منکوحہ عورت کے رحم میں پہنچاؤ، اور

مباشرت کرتے وقت دل میں اولاد کا ارادہ بھی کرو، اس ہدایت پر عمل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اگر چاہا تو اولاد کی خواہش پوری فرمادے گا اور اولاد صالح پیدا ہوگی۔

غرض یہ کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے مذکورہ طریقہ سے اجنبی عورت کے رحم میں کسی اجنبی مرد کا مادۂ منویہ اور جرثومے داخل کرنا، اولاد حاصل کرنے کی سعی کرنا قرآن وحدیث کی رو سے جائز نہیں۔ اس سے قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص کی خلاف ورزی اور شریعت کے بے شمار اصولوں سے انحراف اور خدا اور رسول کے قانون سے بغاوت لازم آتی ہے، اس کے علاوہ بے شمار معاشرتی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً

(الف) جس اجنبی عورت کے رحم میں مرد کا مادۂ منویہ بذریعہ انجکشن یا پچکاری داخل کیا جائے گا خود مرد داخل کرے گا یا ڈاکٹر، تو ان کے سامنے بے حیائی کا مظاہرہ ہوگا، حفاظت شرمگاہ اور حفاظت نکاح کی پابندی ختم ہو جائے گی، غیرت اور حمیت باقی نہیں رہے گی۔

(ب) پھر پاکیزہ عورت اور اس کی شرمگاہ بکاؤ اور کرائے کا مال بن جائیگی جب اس کو ضرورت ہوگی اپنے عضو مخصوص کو ذریعہ معاش بنائے گی۔ یہ سلسلہ انسانی معاشرے میں بہت فساد کا ذریعہ ہوگا۔

(ج) پھر جب اولاد پیدا ہوگی اس کی نسل اور نسب قرآن وحدیث کے لحاظ سے اس مرد سے ثابت نہ ہوگی جس کا مادۂ منویہ عورت کے رحم میں ڈالا گیا ہے، کیونکہ شریعت کے اصول میں ثبوت نسب کے لئے عورت کا منکوحہ یا مملوکہ ہونا ضروری ہے اور یہ اجنبی عورت اولاد کے خواہشمند مرد کی منکوحہ یا مملوکہ نہیں ہے بلکہ یہ اجنبی عورت اگر مرد کی منکوحہ ہے، تو بچہ کا نسب اس عورت کے شوہر سے ثابت ہو جائے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الولد للفراش وللعاهر الحجر. (مشکوۃ شریف ص ۲۸۸)

یعنی اولاد کی نسبت عورت کے شوہر کی طرف ہوگی اور زنا کرنے والوں کے لئے سنگسار کرنے کی سزا ہوگی۔

جس کا مطلب یہ ہوا جس کا فراش (بیوی) ہے بچہ اس کا ہوگا اور جس اجنبی مرد نے اجنبی عورت کے رحم میں اپنے مادۂ منویہ کو داخل کیا ہے اگر فطری طریقے سے وطی کر کے داخل کیا ہے تو یہ عین زنا ہے، اور غیر فطری طریقہ سے داخل کیا ہے تو یہ اگرچہ عین زنا تو نہیں ہے لیکن حکم زنا میں ہے۔ اس لئے کہ کسی مرد کو اپنی منکوحہ یا مملوکہ عورت کے سوا دوسری عورت کے رحم میں مادۂ منویہ داخل کرنے کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں حدیث کے حوالہ سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے فرمایا کسی مرد کے لئے حلال نہیں ہے کہ اپنی منکوحہ یا مملوکہ عورت کے سوا کسی عورت کے رحم میں پانی ڈالے (یعنی مادۂ منویہ داخل

کرے) اس واسطے کہ اس سے جو بچہ ہوگا وہ منی کے جرثومے داخل کرنے والے کا نہ ہوگا بلکہ جس کی عورت ہے اسی مرد سے نسب ثابت ہوگا۔

لیکن وہ دوسری عورت اگر بے شوہر عورت ہے پھر بھی اجنبی مرد جس کے جرثومے سے بچہ پیدا ہوا ہے اس سے نسب ثابت نہ ہوگا بلکہ عورت ہی سے بچہ کا نسب ثابت ہوگا یعنی بچہ کی نسبت عورت کی طرف کی جائے گی اور اجنبی مرد کی منی کا داخل کرنا چونکہ زنا کے حکم میں ہے، اس لئے زنا سے نسب کا ثبوت نہیں ہوگا، اس کی قانونی حیثیت ولد الزنا کی ہوگی۔

نیز چونکہ شرعاً کسی عورت کے رحم یا شرمگاہ کو عاریت یا اجارہ پر لینے کا کوئی جواز یا اس کا تصور اسلام میں نہیں ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے حوالے سے گذر چکا ہے، اس لئے کسی بھی صورت میں اولاد کے خواہش مند مرد کے جرثومے سے ہونے والے بچہ کا نسب اس مرد سے ثابت نہ ہوگا جب کہ مرد کے جرثومے اجنبی عورت کے رحم میں داخل کئے گئے ہوں۔

کتب فقہ میں تصریح ہے:

وينسب ولد الزناء واللعان بجهة الأم ممّا قد منا انهٗ لا اب لهٗ

(ردالمحتار ص ۷۰۰. ج ۵)

کہ ولد الزنا اور ولد اللّعان کو ماں کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ اس وجہ سے کہ ہم نے اس سے قبل لکھا ہے کہ ان کا باپ نہیں ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ زانی زنا کر کے جو جرثومے مزنیہ کے رحم میں داخل کرتا ہے گویا غیر اصولی اور غیر قانونی طور پر داخل کرنے کی وجہ سے شریعت نے زانی کے جرثومے کو کوئی حیثیت نہیں دی، اسے بے قیمت اور کالعدم قرار دیا ہے۔ اسی واسطے نسب زانی سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ بچہ کی نسبت شرعاً ماں کی طرف ہوگی۔

اسی طرح لعان کے بعد کہ شوہر نے بیوی پر زنا کا دعویٰ کیا کوئی گواہ نہیں ہے اور دعویٰ پر اس نے شرعی طریقہ سے عدالت میں قسم کھا کر کہا کہ اس کی بیوی نے زنا کیا ہے، ہونے والا بچہ یا حمل اس کا نہیں ہے تو اس صورت میں لعان کے بعد ہونے والے بچہ کو ولد اللعان کہا جائے گا، اس کی نسبت ماں کی طرف ہوگی نہ کہ باپ کی طرف، اس کو وراثت ماں سے ملے گی۔ اجنبی مرد جس کے جرثومے تھے اس سے کوئی وراثت نہیں ملے گی، اس طرح صورت مسئولہ میں بچہ کی نسبت بے شوہر عورت کی طرف ہوگی، اس اجنبی مرد کی طرف نہ ہوگی جس کے جرثومے عورت کے رحم میں داخل کئے گئے ہیں۔ اس طرح یہ بچہ معاشرہ میں

معیوب اور مطعون بن کر رہے گا۔ اس کو دیکھتے ہی لوگوں کے ذہنوں میں غلط حرکتوں فحاشی پر مبنی جملہ افعال منتقل ہو جائیں گے جو کہ فساد معاشرہ کا ایک حصہ ہے۔

(۵) اور اس طریقۂ ولادت سے یہ بھی نقصان ہوگا کہ مرد نے ایک صحیح النسب بچہ کی جگہ ایک ولد الزنا کو جنم دیا ہے گویا اس نے اپنی منی کے ان جرثوموں کو ضائع کیا ہے جن سے ولد الزنا پیدا ہوا ہے جب کہ ان جرثوموں کو اگر وہ منکوحہ عورت کے رحم میں داخل کرتا تو صحیح النسب بچہ پیدا ہوتا، اس سے صالح معاشرہ پیدا ہوتا، دنیا میں بھی عزت و شرافت والا نسب نصیب ہوتا، آخرت میں سرخروی حاصل ہوتی جب کہ ولد الزنا کی خود دنیا میں رسوائی ہوتی ہے اور آخرت میں بھی جب کہ اُسے باپ کی ولدیت کی جگہ ماں کے نام سے پکارا جائے گا رسوائی ہوگی، زانی کی رسوائی تو ہے ہی۔

(ہ) اس جرثومے سے ہونے والے بچہ کی نسبت چونکہ ماں کی طرف ہوگی اس لئے جملہ اخراجات نان و نفقہ وغیرہ بھی ماں کے ذمہ واجب ہوں گے، نہ کہ اس مرد پر جس کے جرثومے تھے، یہ دوسری بات ہے کہ مرد اسے قبول کرے، اور اس کی ذمہ داری اٹھاوے، لیکن جب شرعاً اس پر لازم نہیں ہے تو یہ بہت ممکن ہے کہ جب مرد یہ دیکھے گا کہ بچہ اس کی خواہش کے مطابق نہیں یا ناقص ہے تو اسے لینے سے انکار کر دے جب کہ قانون شرع اسے مجبور نہیں کرتا، تو اس سے بلا وجہ عورت پر ایک بوجھ ڈالنے کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کیونکہ بچہ کا رشتہ ماں سے ہوگا اور اس کے سارے اخراجات کا بوجھ بھی اس پر ہوگا۔

(و) نیز ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ اولاد پیدا کرنے کا گناہ اجنبی مرد اور عورت دونوں پر ہوگا، دونوں شرع اور قانون فطرت سے بغاوت کے مرتکب ٹھہریں گے لیکن چونکہ اس میں حقیقی زنا کی صورت (مرد کا آلۂ تناسل غیر منکوحہ کی شرمگاہ میں داخل کرنے کی صورت) نہیں پائی جاتی، اس لئے زنا کی حد تو ان پر جاری نہ ہوگی، البتہ اسلامی حکومت ان پر تعزیری سزا عائد کر سکتی ہے۔ اور آخرت کی سزا الگ ہوگی۔

جواب نمبر ۲:

ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ اولاد پیدا کرنے کا دوسرا طریقہ جس میں مرد اور عورت دونوں میاں بیوی ہوں مگر فطری طریقہ سے ہٹ کر غیر فطری طریقہ سے مرد کے جرثومے اور عورت کے جرثومے کو نکالنے کے بعد خاص ترکیب سے بیوی کے رحم میں داخل کرتے ہیں۔ اس کا حکم پہلے سے مختلف ہوگا، پہلی بات تو

یہ ہے کہ شوہر کا مادّہ منویہ عورت کے رحم میں داخل کیا گیا جو کہ ناجائز نہیں ہے، اس طرح اس سے حمل ٹھہرا تو بچہ ثابت النسب ہوگا اور اس میں کوئی تعزیری حکم نہیں ہوگا، اس وجہ سے کہ زنا کے حکم میں نہیں ہے اور اس میں گناہ بھی نہیں ہوگا، جب کہ دونوں کے جرثومے نکالنے اور داخل کرنے میں کسی اجنبی مرد اور عورت کا عمل داخل نہ ہو بلکہ سارا کام بیوی اور شوہر خود ہی انجام دیں لیکن شوہر اور بیوی کے جرثومے کو غیر فطری طریقہ سے نکالنے اور عورت کے رحم میں داخل کرنے میں اگر تیسرے مرد یا عورت کا عمل دخل ہوتا ہے اور اجنبی مرد یا عورت کے سامنے شرمگاہ دیکھنے یا دکھانے اور مس کرنے یا کرانے کی ضرورت پڑتی ہے تو اس طرح بے حیائی اور بے پردگی کے ساتھ بچہ پیدا کرنے کی خواہش پوری کرنے کی اجازت شرعاً نہ ہوگی، کیونکہ بچہ پیدا کرنا کوئی فرض یا واجب امر نہیں ہے، نہ ہی بچہ پیدا نہ ہونے سے انسان کو جان یا کسی عضو کی ہلاکت کا خطرہ ہوتا ہے تو گویا کہ کوئی شرعی ضرورت واضطراری کیفیت نہیں پائی جاتی جس سے بدن کے مستور حصے خصوصاً شرمگاہ کو اجنبی مرد یا عورت ڈاکٹر کے سامنے کھولنے کی اجازت ہو۔

لہٰذا ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے دوسرے طریقہ کو اگر کسی اجنبی مرد یا اجنبی عورت ڈاکٹر کے ذریعہ انجام دیا جاتا ہے تو جائز نہیں ہے یعنی گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوگا، تاہم بچہ کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا، اس کو باپ سے واثت ملے گی، صحیح اولاد کے احکام اس پر جاری ہوں گے۔

یہاں اور چند مزید ممکنہ صورتیں پیدا ہوسکتی ہیں جن کی طرف سائل نے توجہ نہیں دی، لہٰذا فائدے کے طور پر ان صورتوں کا حکم بھی اجمالاً بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ اولاد حاصل کرنے کا تیسرا طریقہ یہ بھی ہوسکتا ہے۔

(الف) کہ کوئی شخص نکاح کئے بغیر اولاد حاصل کرنا چاہتا ہو تو وہ کسی عورت کو اولاد حاصل کرنے کے واسطے کرائے پر لے، اور اس سے فطری طریقہ سے زنا کرے یا غیر فطری طریقہ سے ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے نظام سے اپنے جرثومے کو اس کے رحم میں داخل کر کے اولاد حاصل کرنے کی کوشش کرے، اس کا حکم بھی زنا کا ہے اور اس سے ہونے والا بچہ بھی ولد الزنا ہے۔

(ب) چوتھا طریقہ یہ ہے کہ اولاد حاصل کرنے کی سعی کرنے والا مرد نہ ہو بلکہ وہ عورت ہو کہ وہ بلا نکاح کسی مرد کو کرائے پر اس سے فطری طریقہ سے زنا کر کے بچہ پیدا کرے یا کسی اجنبی مرد کے مادہ منویہ کو غیر فطری طریقے سے اپنے رحم میں داخل کر کے بچہ پیدا کرے، یہ بھی زنا کے حکم میں ہے، اس میں بچہ تو عورت کو مل جائے گا لیکن اس کو ولد الزنا کہا جائے گا۔ اس طرح بچہ حاصل کرنا شرعاً جائز نہ ہوگا۔

(ج) پانچواں طریقہ یہ ہے کہ اولاد حاصل کرنے کے خواہش مند میاں بیوی ہوں لیکن ان کے جرثومے ناقص یا اولاد پیدا کرنے والے نہ ہونے کی بناء پر کسی ایسے اجنبی مرد کے جرثومے کو ملا کر بیوی کے رحم میں داخل کردیں جس کے جرثومے میں اولاد پیدا ہونے کی صلاحیت ہو یا میاں بیوی دونوں کے جرثومے کسی اجنبی عورت کے رحم میں داخل کردیں۔ ان صورتوں میں خلط نسب کے شبہات پیدا ہوتے ہیں، تاہم جس عورت کے بطن اور حمل سے بچہ پیدا ہوگا۔ بچہ کی نسبت اس کی طرف ہوگی اور وہ اگر شوہر والی عورت ہے تو اس کے شوہر سے بچہ کا نسب ہوگا، خواہشمند عورت سے نہ ہوگا، اور اگر عورت بے شوہر ہے تو صرف اسی عورت سے نسب ثابت ہوگا جس کے بطن میں حمل ٹھہرا، اور جس عورت کو اولاد کی خواہش تھی اور اس کے جرثومے بھی ملائے گئے ہوں اس سے نسب کا ثبوت نہ ہوگا۔

بہر حال اس میں مزید صورتیں پیدا ہوسکتی ہیں لیکن ہم نے جو اصول بیان کردیئے ہیں، اور جس تفصیل سے اصول اور مسائل کو دلائل سے ذکر کیا ہے اس سے مزید پیدا ہونے والے مسائل کا حل بھی انشاء اللہ ملے گا، ایک ادنیٰ درجہ کی عقل رکھنے والے کی بصیرت وعلم کے لئے اتنا کافی ہے۔

مشورہ

واضح رہے کہ جس مرد کو اللہ تعالیٰ نے قوّت مردانیت کی صفت سے نوازا ہے، اگر اس کی بیوی کے اندر کسی کمی کی وجہ سے اولاد نہیں ہوتی تو وہ دوسری، تیسری، چوتھی شادی کر کے اولاد کی خواہش پوری کرسکتا ہے، اس طرح مرد اور عورت دونوں اولاد سے مالا مال ہوسکتے ہیں۔ کسی غیر شرعی فعل کا ارتکاب کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، اور اگر مرد کے اندر مردانیت نہیں ہے، یا کوئی خامی ہے، اور عورت کا حال درست ہے تو ایسے موقع پر مرد کو چاہیئے کہ ممکنہ علاج کر کے اپنی قوت مردانیت کو بحال کرنے کی کوشش کرے اور اگر علاج

بالکل مفید نہیں ہے، تو ایسے حالات میں عورت کے فطری جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے اسے طلاق دیدے، اوراس کے فطری جذبات کو قربان نہ کرے، ایسے موقع پر طلاق نہ دینا گناہ ہے۔ یہ چند کلمات لکھ دیئے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرمائے، اورلوگوں کے لئے نافع اور سبب موعظت بنادے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وآلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

فقط

کتبہٗ

محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہٗ

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی نمبر ۵

۱/۶/۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح

(۱) (مفتی) ولی حسن ٹونکی (صاحب مدظلہٗ)

رئیس دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن۔

(۲) (مفتی) احمد الرحمٰن غفرلہٗ (مدیر جامعہ)

(۳) (مفتی) محمد ولی درویش غفرلہٗ

(۴) (مفتی) محمد شاہد

(۵) (مفتی) محمد ابوبکر سعید الرحمٰن غفرلہٗ

اسلام کے قانون شہادت میں خواتین کا مقام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی قانون شہادت میں خواتین کا مقام

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ واضح رہے کہ ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء کو جب پاکستان نظریاتی کونسل اور حکومت کے قانون ساز ادارے...... قانون شہادت پر بحث کر رہے تھے اور نظریاتی کونسل میں موجود علماء و دانشوروں نے اسلام کے قانونِ شہادت کی رو سے عورتوں کی شہادت کو بعض شرائط اور قیود کے ساتھ مقید کرنے کی سفارش کی تو بعض مغرب زدہ عناصر اور مغربی تعلیم سے متاثر افراد نے اسلام کے قانون شہادت پر اعتراض شروع کر دیا، انہوں نے اپنی کم علمی کی بناء پر یا کفر والحاد کی بنیاد پر قانون شہادت کے بعض منصوص مسئلوں کو ظالمانہ قرار دیا اور اس کے خلاف لاہور، کراچی جیسے شہروں میں جلسے کئے گئے اور بعض خواتین نے جلوس نکالے اور مظاہرے کئے۔ اس موقع پر پاکستان بھر کے تمام علماء دین نے قرآن و حدیث سے مسئلے کی وضاحت کی اور قانون شہادت کے منصوص مسئلے کے انکار کرنے والوں کے خلاف کفر وارتداد کا فتویٰ شائع کیا ملاحظہ ہو (ماہنامہ بینات شمارہ نمبر) اس کے بعد حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے قانون شہادت کے موضوع پر جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے صدر مفتی مولانا ولی حسن خان صاحب مدظلہ کا مفصل اور مدلل ایک انٹرویو روزنامہ...... جسارت جمعہ ایڈیشن میں شائع ہوا اور یہ مضمون اتنا واضح اور مدلل تھا کہ ایک انصاف پسند دانشور اور سمجھدار مسلمان کیلئے کافی تھا لیکن بعض کم فہم اور دین مبین سے ہٹنے والے بعض زائغین نے اس کی تردید میں انٹرویو دئے اور مضامین لکھے۔

خاص طور پر پاکستان کے ایک بہت بڑے اور مشہور وکیل نے حضرت مفتی ولی حسن صاحب مدظلہ مفتی اعظم پاکستان کے رد میں انٹرویو دیا، روزنامہ جسارت کے پورے صفحہ میں اس کی اشاعت ہوئی جس میں فاضل موصوف نے قانون شہادت کے بعض منصوص مسئلوں کا انکار کیا اور بعضوں کے بارے میں غلط تاویلات کیں اور بے محل تمثیلات پیش کیں، جس کے بعد بعض دانشور اور احباب کے توجہ دلانے پر محترم مولانا مفتی عبدالسلام صاحب نے اسلام کے قانون شہادت میں خواتین کے مقام کے عنوان سے ایک طویل مدلل اور مسکت جواب تحریر فرمایا جو کہ ۱۴۰۳ھ روزنامہ جنگ اور روزنامہ جسارت ۱۴۰۳ھ میں قسط وار شائع ہو کر لوگوں کے واسطے ذریعۂ ہدایت بنا۔

اس کے بعد اکثر جدید تعلیم یافتہ طبقے نے محترم مفتی صاحب کو مبارکباد دی اور اس بات کا اقرار کیا

کہ حضرت مفتی صاحب موصوف نے اپنے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے، موضوع کی اہمیت اور ضرورت کو دیکھتے ہوئے یہ مضمون اور حضرت مولانا مفتی ولی حسن خان صاحب مدظلہ کے مضمون کو مالک مکتبۂ بنوریہ مولانا حسن الرحمٰن نے کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔

اس تاریخی اہمیت کے حامل مضمون کو بھی جواہر الفتاویٰ کا جز بنادیا ہے، تاکہ زیادہ سے زیادہ امت کو فائدہ پہونچے۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب موصوف کو اجر جزیل عطا فرمائے اور علم وعمل میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔ (مرتب)

اسلامی قانون شہادت میں خواتین کا مقام

الحمدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ علىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصًا مِّنْهُمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ المصطفٰى وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ مَا كَفٰى وشَفٰى.

ہر مسلمان کو اس بات پر شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایمان ویقین کی دولت سے نوازا، مسلمانوں کے خاندان اور نسل میں پیدا کیا اور احکام اسلام کو سمجھنے کی توفیق دی، سیّد الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا ایک فرد بنادیا اور خیر الامت کے لقب سے سرفراز فرمایا، اور ہماری رہنمائی کے لئے نظام زندگی کو سنوارنے کے لئے کامل ترین کتاب قرآن حکیم کو نازل فرمایا، منزل مقصود خالق اور مالک حقیقی سے ملنے کے لئے صراطِ مستقیم کو متعین فرمایا، ہمیں مغضوب علیہم یہودیوں میں سے نہیں کیا، بت پرستی اور مخلوق کی عبادت کرنے والوں میں سے نہیں پیدا کیا، ضالین اور گمراہ فرقوں میں سے نہیں بنایا، شرک وبدعت اور ہر قسم کی گمراہیوں سے دور کیا۔

اس وقت دنیا فتنوں کی لپیٹ میں چلی جارہی ہے، ایک طرف یہودیت وعیسائیت کا فتنہ ہے تو دوسری طرف دہریت اور انکار خدا اور انکار آخرت کا فساد ہے، کہیں اگر سوشلزم وکمیونزم کا سیلاب ہے تو کہیں سرمایہ داری کا الاپ ہے۔ غرض مادیت پرستی کی تیز وتند ہوا کا طوفان چلا ہوا ہے خصوصًا اسلام ممالک کے جو دینی وملی حالات ہیں محتاج بیان نہیں، اس کے اسباب اور وجوہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ جس دین اسلام کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کے سبب مسلمانوں کو عزت وشوکت وغلبہ ونصرت کا وعدہ تھا انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور جن شرعی احکام پر چلنے اور چلانے پر سکون واطمینان کا پیغام تھا انہوں نے اسے پس پشت ڈال دیا، جس سے بے چینیاں اور بے اطمینانیاں بڑھتی جارہی ہیں اور اس وقت ہمارے حالات یہ ہیں کہ جو چیزیں خدا تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عزت وغلبہ کے اسباب بتائے ہیں

مسلمان انہیں چیزوں کو اسباب ذلت وشکست سمجھنے لگے اور جن امور کو ذلت وخواری کی اساس بتایا ہے مسلمان ان کو عزت وشوکت کی بنیاد سمجھنے لگے۔ قرآن وسنت نے جسے باطل اور غلط قرار دیا مسلمان اسے صحیح خیال کرنے لگے، اور قرآن وسنت نے جن چیزوں کو فائدہ مند بتلایا اسے وہ ضرر رساں اور نقصان دہ قرار دینے لگے، جنہیں مہلک بتایا انہیں سود مند اور نجات دہندہ تصور کرنے لگے ہیں۔

اور بے حسی کا یہ عالم ہے کہ جس دین حق کی حقانیت اور احکام شرع کی مشروعیت وافادیت پر حجت بالغہ اور براہین تامہ موجود ہیں اسے قبول کرنے کو تیار نہیں اور جس بے دینی الحاد وکفر کی افادیت پر کوئی دلیل وثبوت نہیں اسے قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ جن حقائق پر قرآن وحدیث کی نصوص وارد ہیں اسے سمجھتے نہیں نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، اور جن بے ہودہ اور باطل مباحث پر کوئی نص وروایت نہیں اسے کریدنے کی سعی کرتے ہیں۔ جو ارباب علم وتحقیق ہیں وہ گوشہ نشینی یا دینی اداروں میں محدود انداز سے تبلیغ وتعلیم میں لگے ہوئے ہیں یا مخصوص طریقے پر دعوت وتبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔

عالمگیر مذہب اسلام کی اشاعت یا مدافعت عالم گیر وہمہ گیر انداز سے نہیں ہو رہی، یہی وجہ ہے کہ جو لوگ دین اسلام اور اس کے احکام سے کورے ہیں وہ احکام اسلام کی تحقیق وتجیث میں آگے آگے ہیں انہوں نے جس شرعی حکم کا چاہا انکار کر دیا اور جس کو چاہا سیاسی بنا دیا جس میں چاہا تحریف اور تبدیل کرنے کی سعی ناپاک شروع کر دی اور جس کی چاہی تضحیک وتحمیق کر دی، اس کے خطرناک اور تباہ کن نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ مسلمان ملک میں عدالت عالیہ کی جانب سے احکام الٰہی حدود زنا کو خلاف اسلام اور خلاف عدل کہہ کر انکار کیا گیا اور اس کی تضحیک وتحمیق کی گئی، قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی طرف سے حرمت شراب کا بل مسترد ہو چکا ہے ربوٰ اور سود کا جواز فراہم کیا گیا ہے۔ ایک زمانہ میں ادارہ تحقیق اسلامی کی طرف سے غیر اسلامی اور قرآن وسنت کے خلاف عائلی قانون، طلاق آرڈی نینس، یتیم پوتے کی میراث کے قوانین کو اسلام کا ٹھپہ لگا کر نافذ کیا گیا جو تا حال جاری وساری ہے۔

عورتوں کو مردوں کے برابر قرار دے کر مساوات کی آواز بلند کر کے سیاسی فوائد حاصل کئے گئے اور کئے جا رہے ہیں، تصویر کشی، عریانی، فحاشی، گانے بجانے وغیرہ کو قرآن وسنت سے ثابت کرنے کی بھی کوششیں جاری ہیں اور یہ سب کچھ خداداد ملک پاکستان میں ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ اور یہ سب کچھ اسلام، اور ایمان کے بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ بعض قانونی ادارے سنبھالنے والوں اور ذمہ دار افراد کی جانب سے ہو رہا ہے۔ ہر شخص ماہر اسلام بننے کی سعی میں ہے، ہر علم اور فن کے لئے سند اور اتھارٹی ہونے کی ضرورت تو سمجھتے ہیں لیکن قرآن وسنت کے منصوص اور واضح مسائل اور اجتہادی مسائل میں بحث وتحیض

مجتہدانہ رائے زنی کرنے کے لئے کسی سند یا اتھارٹی کی مطلق حاجت محسوس نہیں کی جاتی۔ اِنّا لِلّٰہِ وانّا الیه راجعون.

یہ ہمارے حالات و واقعات ہیں، اس کے علاوہ ہمارے اندر بیشمار بیماریاں ہیں جن کی اصلاح و علاج کی سخت ضرورت ہے ورنہ آپریشن کے بغیر چارہ کار نہ ہوگا اور وہ زمانہ آنے میں دیر نہیں لگے گی کہ قوم عاد وثمود، قوم موسیٰ قوم عیسیٰ کی طرح عذاب الٰہی قہر خداوندی کی مار تسبیح کے دانوں کی مانند پڑنا شروع ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

اس مضمون سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ قانون شہادت کا مسئلہ (کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہونے) کی شرعی حیثیت اور اس کا انکار اور اس پر اعتراض کے شرعی احکام بیان کر دوں تاکہ مسائل مذکورہ کے بارے میں صحیح العقائد مسلمانوں کو معلومات فراہم ہو جائیں، اور وہ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اسلام اور قرآن وسنت کے واضح احکام اور قطعی مسائل سے انکار نہ کرنے لگیں کیونکہ اس سے ان کے ایمان واعمال ضائع ہو سکتے ہیں اور اسلام کے دائرے سے نکل کر کفر وارتداد کی حدود میں پہنچ سکتے ہیں۔

اسلام کے نظام عدل میں قانون شہادت کی اہمیت

دین اسلام چونکہ انسانی زندگی کے لئے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اس لئے دستور اسلام قرآن و حدیث نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی کی ہے۔

نظام عالم برقرار رکھنے کے لئے شعبہ عدل وانصاف بہت ہی اہم ترین شعبہ ہے، اسی وجہ سے دنیا کے آغاز سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک آسمانی ہدایات کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عدل وانصاف قائم رکھا گیا۔ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت میں شعبہ قضاء وعدالت کو جس قدر اہمیت دی گئی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی ہے۔

اسلامی قانون میں قاضی وجج اور ان کی اہلیت اور ان کی صفات، اوقاتِ کار، طریق کار، مقدمات کی سماعت کرنے کے آداب، مدّعی کے بیان دعویٰ اور اس کو ثابت کرنے کے لئے قانون شہادت کی مشروعیت، گواہوں کی صفات اور گواہی کے لئے شرائط، پھر مدعی کے پاس اگر گواہ نہ ہوں اور مدّعی علیہ منکر ہو تو قانون حلف وغیرہ جس تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں عقل حیران رہ جاتی ہے۔ خصوصاً گواہوں کی اہلیت وشرائط تو اتنی واضح ہیں کہ ایک صحیح فہم رکھنے والا شخص بھی اس کے محاسن اور خوبیوں سے انکار نہیں کر سکتا۔ یہاں قانون شہادت کی تمام جزئیات بیان کرنا مقصود نہیں صرف قانون شہادت کے بارے

قرآن وحدیث نے مرد و عورت کا جو مقام متعین کیا ہے اس کو قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کے حوالوں سے بیان کرنا ہے تاہم اصول شہادت میں سے چند نمونے ذکر کئے جاتے ہیں۔

اسلام کے قانون شہادت میں گواہوں کے لئے جو شرائط اور ضابطے مقرر کئے ہیں پہلے ان میں سے کچھ ملاحظہ فرمالیں تاکہ معاملات میں گواہ بناتے وقت ان شرائط اور صفات کا لحاظ رکھا جائے اور اللہ کے نظام عدل اور قانون شہادت کی خوبی معلوم ہو جائے۔

مدّعی اور مدّعی علیہ کو ہدایات

جب بھی کوئی معاملہ ہو تو اسے لکھ لیا کریں۔ (آیت نمبر ۲۸۲ بقرہ)
خود لکھنا نہ جانتا ہو تو کسی اور سے لکھوالیں۔
جو لوگ لکھنا جانتے ہیں وہ انکار نہ کریں۔
لکھنے سے غلطی فہمی اور ایک دوسرے سے بدظنی ختم ہو جاتی ہے۔
نہ لکھنے سے بدگمانی پیدا ہوسکتی ہے۔

- دیون، قرض اسی طرح دوسرے حقوق مالیہ میں گواہ بنالینا چاہیئے، معاملہ کو صحیح اور درست رکھنے کے لئے گواہ بنانا بڑا معاون ثابت ہوتا ہے۔
- گواہ عاقل بالغ مسلمان کو بنائیں کیونکہ مجنون، معتوہ، نابالغ اور کافر کی شہادت معتبر نہیں ہے۔
- گواہ انہیں کو بنائیں جنہوں نے معاملہ اور واقعہ کو دیکھا اور جانا۔
- بغیر دیکھے یقینی علم کی گواہی دینے کے لئے گواہ مقرر کرنا درست نہیں۔
- کرایہ پر، رشوت پر، اجرت پر گواہ مقرر کرنا جبکہ گواہ نے واقعہ کو نہ دیکھا ہے نہ اسے اس کا علم ہے، حرام اور ممنوع ہے۔
- ناحق دعویٰ کرنا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔
- ناحق دعویٰ اور گواہوں کے ذریعہ فیصلہ کروانے کی سخت ممانعت ہے آیت وَلَا تُدْلُوْا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ الخ.
- ناحق دعویٰ اور غلط گواہوں کی بنیاد پر ظاہری طور پر قاضی اور جج نے مقدمہ کا فیصلہ کر دیا ہے، اس

فیصلہ کی وجہ سے مدعیٰ علیہ کا حق ضائع نہیں ہوا نہ ہی مدعی کے لئے دوسرے کا حق محض جج کے فیصلہ کی وجہ سے حلال ہو گیا ہے۔

- ناحق دعوے سے دوسرے کا حق عدالت کی ڈگری ملنے پر حلال نہیں ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جہنم کی آگ کا ٹکڑا بتلایا ہے۔
- مدعیٰ علیہ پر حق آ رہا ہے تو وہ حق کا انکار نہ کرے کیونکہ حق کا انکار کرنا کفر اور گناہ ہے۔
- مدعیٰ علیہ حق کو پورا کا پورا دستور کے موافق ادا کرے کمی بیشی نہ کرے۔
- مدعی کو تنگ کر کے حق ادا نہ کرے بلکہ معروف طریقہ اور نیکی کے ساتھ حق کو ادا کر دے۔
- مدعیٰ علیہ صاحب حق کے احسان کو مانیں اس کے ساتھ بد معاملہ نہ کریں۔
- مدعی اپنے حق کا احسان نہ جتلائیں نہ اسے بے جا ایذاء دیں۔
- ایذاء خواہ قولی ہو یا فعلی ممنوع ہے۔

گواہی اور شہادت دینے والوں کے لئے

شرعی ہدایات

قال اللّٰہ تعالیٰ: اذا تداینتم بدینٍ الخ (۲۸۲ بقرہ)

جب تم آپس میں کسی میعاد متعین کے لئے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو۔

آیت مذکورہ میں جن احکام کو بیان کیا گیا ہے ان کا اجمالی خاکہ یہ ہیں:

- جب بھی ادھار کا معاملہ کیا جائے اسے لکھ لیا جاوے اگر ہو سکے گواہ بھی بنا لیا جاوے کیونکہ گواہ رکھنا اور گواہ بنانا معاملہ کو نہ بھولنے کے لئے معاون ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی پسندیدہ امر ہے۔
- نقد معاملہ ہو تو اسے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔
- معاملہ کرنے والا اگر لکھنا نہیں جانتا تو دوسرا جو لکھنا جانتا ہے لکھ دے۔
- مضمون، جس پر حق آ رہا ہے اس کی جانب سے لکھا جائے تا کہ حق کا اقرار ہو جائے۔

- تمام معاملات میں دومردوں کو گواہ بنایا جاوے۔ اگر دومرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دوعورتوں کو گواہ بنایا جاوے۔
- گواہ ضرور گواہی دینے کے لئے جائیں خصوصاً جب کہ ان کے علاوہ اور کوئی گواہ نہ ہوں اور شہادت نہ دینے سے حق ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔
- گواہی دینے سے انکار نہ کیا جاوے۔
- گواہ کا گواہی دینے سے انکار کرنا، یا لکھنے والے کا لکھنے سے انکار کرنا گناہ ہے۔
- گواہ شہادت دینے میں زیادتی یا کمی نہ کرے، اسی طرح لکھنے والا بھی لکھنے میں کمی وبیشی نہ کرے صحیح صحیح گواہی دیں
- جھوٹے لوگوں کی گواہی معتبر نہیں۔
- اُجرت لے کر یا رشوت لے کر غلط گواہی دینے والوں کی گواہی معتبر نہیں، شہادت دینا شرعی ذمہ داری ہے۔
- معاملات میں دومرد، یا ایک مرد اور دوعورتوں کی گواہی کافی ہوتی ہے حدود میں نہیں چنانچہ آیت مذکورہ میں صرف دیون اور قرض وغیرہ کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ حدود میں چار گواہوں کا ہونا ضروری ہے اس کی دلیل آگے آرہی ہے۔
- اور چار گواہ بھی مردوں میں سے ہونا ضروری ہے، عورتوں کی گواہی حدود میں قابل اعتبار نہیں چنانچہ قرآن میں ہے (اس لئے جب تک چار کا عدد پورا نہ ہوں شہادت نہ دیں)۔

والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعة شهداء الخ (نور: ۴)

اور جو لوگ پرہیز گار عورتوں کو بدکاری کا عیب لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسّی درے مارو، اور کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو اور یہی بدکردار اور فاسق لوگ ہیں۔

- آیت مذکورہ سے معلوم ہوا پرہیز گار عورتوں پر بہتان لگانا سخت گناہ ہے۔ زنا کے ثبوت میں اگر چار چشم دید گواہ ہوں تو ٹھیک ہے ورنہ الزام لگانے والے کی سزا اسی کوڑے کے ہیں۔
- اگر توبہ کرتے ہیں پھر بھی ان کی شہادت قبول نہیں ہوگی۔
- اگر توبہ نہیں کرتے تو جہنم میں بھی ان کو عذاب دیا جائے گا کیونکہ یہ فاسق ہیں۔
- جن لوگوں پر حدّ قذف (تہمت باندھنے کی بناء پر) قائم کی گئی ان کی گواہی قبول نہ کی جائے کیونکہ وہ فاسق اور جھوٹے ہیں۔

لولا جاء وا علیه باربعة شهداء ......هم الكذبون. (نور : ۱۳)

یہ افتراء پرداز اپنی بات کی تصدیق کے لئے چار گواہ کیوں نہ لائے تو جب یہ گواہ نہیں لا سکے تو خدا کے نزدیک یہی جھوٹے ہیں۔

والـذيـن يـرمـون المحصنات (الىٰ قولهٖ) ولا تقبلوا الهم شهاده ابدًا واولٰئک هم الفٰسقون٥ (آیت نمبر ۴. نور)

اور جو لوگ (زنا کی) تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ (اپنے دعوے پر) نہ لا سکیں تو ایسے لوگوں کو اسّی درے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی قبول مت کرو (یہ تو دنیا میں) ان کی سزا ہوئی اور یہ لوگ (آخرت میں بھی مستحق سزا ہیں اس وجہ سے کہ) فاسق ہیں۔

✿ اور اگر زنا کی تہمت لگانے والا اجنبی نہیں ہے بلکہ شوہر بیوی پر زنا کا الزام لگاتا ہے اور اس کے پاس گواہ نہیں ہیں تو اس کے لئے شریعت میں ان دونوں (یعنی شوہر اور بیوی) کی شہادت کا مسئلہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک چار مرتبہ مخصوص الفاظ میں ساتھ حلفیہ شہادت دے گا کہ وہ سچا ہے، اور پانچویں دفعہ زوج یہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس پر اگر وہ جھوٹا ہے۔ اور پانچویں دفعہ عورت یہ کہے گی کہ اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اس پر اگر زوج سچا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

والذين يرمون ازواجهم ......من الصّاد قين. (آیت نمبر ۷، ۸، ۹ نور)

اور جو لوگ اپنی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور خود ان کے سوا انکے پاس اور گواہ نہ ہوں تو ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ پہلے تو شوہر چار بار خدا کی قسم کھائے کہ بے شک وہ سچا ہے (۶) اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت ہے (۷) اور عورت اپنی سزا کو یہ کہہ کر ٹال سکتی ہے کہ وہ پہلے چار بار خدا کی قسم کھائے کہ بے شک یہ جھوٹا ہے (۸) اور پانچویں دفعہ یوں کہے کہ اگر یہ سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب نازل ہو۔

✿ اگر کوئی از خود زنا کا اقرار کرے تو اس پر اس وقت تک حد قائم نہیں کی جائے گی جب تک چار مرتبہ اسی سے اقرار نہ لیا جاوے۔

عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لـما عز بن مالک: احق مابلغني عنكقال: وما بلغک عني؟ قال: بلغني عنک انک وقعت على جارية بني فلانٌ قال: نعم، فشهد اربع شهادات قال: فامربه

فرجم. (ابوداود ص ۲۵۹۔ ج ۲)

✿ حد شرب وغیرہ میں دو گواہ مرد گواہ ہونے چاہئیں۔

عقبہ بن ولید نے شراب پی، اس پر دو آدمیوں نے گواہ دی، اس پر حد شرب قائم کی گئی۔

(ابو داود ص ۲۶۷۔ ج ۲)

✿ جو لوگ جھوٹے ہیں اور لوگوں میں انکا کذب اور غلط بیانی مشہور ہے ان کو گواہ نہ بنایا جائے یشھدون الزور میں جھوٹے گواہ کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

قال رسول الله صلی اللّٰہ علیه وسلم: عدلت شهادة الزور بالاشراک باللّٰهِ ثلٰث مرّات، ثمّ قرأ: فا جتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور حنفاء اللّٰہ غیر مشر کین به. (رواه ابوداؤد ص ۱۵۱، ج ۲)

✿ جو لوگ رشوت لے کر شہادت دیتے ہیں ان کو بھی گواہ نہ بنایا جائے یہ لوگ فاسق ہیں اور فاسق جہنمی ہیں (حدیث میں ہے کہ راشی اور مرتشی دونوں جہنمی ہیں)۔

قال علیه الصّلوٰة والسلام: الرّاشی والمرتشی کلاهما فی النار.

✿ جو لوگ کبائر مثلاً کفر، چوری، ڈکیتی، جھوٹ، فریب، زنا، جوا کھیلنے، سود کھانے، خیانت کرنے وغیرہ کے مرتکب ہیں ان کو بھی گواہ نہ بنایا جائے۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیهٖ عن جدّهٖ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ردّشهادة الخائن والخائنة وذی الغمر (ای حقد وعداوة) علی اخیه. وفی روایة قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم :لا یجوز شهادة خائن ولا خائنة ولا زان ولا زانیة الخ. (ابو داؤد ص ۱۵۱، ج ۲)

✿ جن سے دنیاوی معاملات میں دشمنی ہو ان کے خلاف شہادت نہ دیں ایسی گواہی قابل قبول نہیں کیونکہ تحریف کا شبہ ہے۔

✿ ناحق شہادت دینے کی جرأت نہ کریں کیونکہ ایسی شہادت مسترد کی جاتی ہے۔

(سورہ انعام آیت نمبر ۱۵۱)

✿ مقدمہ ثبوت ولادت یا بچہ پیدا ہونے کے بعد حیات اور عدم حیات کا یا عدت شروع ہونے اور ختم ہونے کے متعلق ہے تو وہاں پر تنہا عورت کی شہادت معتبر ہے۔ (مصنف عبدالرزاق)

✿ عورتیں حدود اور قصاص میں گواہی نہ دیں کیونکہ ایسے موقع میں شہادت کا معاملہ مردوں کے ساتھ خاص ہے۔

(سورہ بقرہ نمبر ۲۸۳، سورہ نور نمبر ۱۳، ۱۲)

- شہادت دینے میں جانب داری سے کام نہ لیں خواہ شہادت والدین یا دوسرے رشتہ داروں کے خلاف کیوں نہ ہو۔ (آیت نمبر ۱۳۵ نساء)
- شہادت دینے میں امیر غریب، چھوٹے بڑے کا فرق نہ کریں جیسا واقعہ ہو ویسی شہادت دیں۔ (سورہ نساء آیت مذکور)
- کسی سے دشمنی کی بناء پر اس کے خلاف غلط شہادت نہ دیں اور دشمنی کی بنا پر غلط شہادت دینا شرک کرنے کے قریب قریب ہے۔ (آیت نمبر ۸)

اولاد، والدین اور زوجین ایک دوسرے کے حق میں شہادت نہ دیں کیونکہ جانب داری کا شبہ ضرور رہتا ہے۔

کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کے خلاف شہادت نہ دے۔ آیات شہادت میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

قاضی اور جج کو ہدایات

چنانچہ حکّام اور قاضیوں کو بنیادی طور پر ہدایت دی گئی ہے کہ جب بھی وہ فیصلہ اور قضا کریں تو عدل وانصاف کے ساتھ کریں۔

(۱) وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط. (سورہ مائدہ آیت نمبر ۴۲)
اور اگر فیصلہ کرنا ہو تو انصاف کا فیصلہ کرو۔

(۲) واذاحکمتم...... بالعدل (سورہ نسآء آیت نمبر ۵۸)
اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔

(۳) انت تحکم......یختلفون ٥ (زمر: نمبر ۴۶)
آپ ہی اپنے بندوں کے درمیان ان امور میں فیصلہ فرمائیں گے جن میں وہ باہم اختلاف رکھتے۔

(۴) انّ اللّٰہ یأمُرُ بالعدل و الاحسان. (سورہ نحل آیت نمبر ۹۰)
اللہ آپ کو انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔

(۵) فان فاء ت ....المقسطین٥ (سورہ حجرات آیت نمبر ۹)

پس جب وہ فیصلہ کے بارے میں رجوع کریں تو وہ دونوں فریقوں میں عدل وانصاف کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف سے کام لو۔

۱۔ آیات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ جو حاکم بنے گا اس کے ذمّہ فیصلہ کرنا ضروری ہے۔

۲۔ اگر مقدمہ آجائے تو فیصلہ نہ کرنا گناہ ہے۔

۳۔ فیصلہ کریں تو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کریں۔

۴۔ یکطرفہ فیصلہ کرنا بھی منع ہے۔

پھر قاضیوں اور حکمرانوں کو یہ بتایا گیا کہ جب بھی فیصلہ کریں تو شریعت اسلامیہ کے مطابق کریں اگر اس کے خلاف فیصلہ کریں گے تو وہ کافر اور ظالم ہوں گے۔

(۱) انا انزلنا........ بما اراک اللّٰہُ (نساء: ۱۰۵)

اے پیغمبر! ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ خدا کی ہدایت کے مطابق لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرو۔

(۲) ومن لم یحکم...... ھُمُ الْکٰفرونo (مائدہ نمبر ۴۴)

اور جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

(۳) ومن لم یحکم...... ھم الظّٰلمونo (مائدہ نمبر ۴۵)

اور جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو ایسے ہی لوگ بے انصاف وظالم ہیں۔

(۴) ولیحکم اھل الْانجیل بِمَا انزل اللّٰہُ فیه. (مائدہ نمبر ٤٨)

اور اہل انجیل کو چاہیئے کہ جو احکام خدا نے اس میں نازل فرمائے ہیں اس کے مطابق فیصلہ دیا کریں۔

(۵) ومن لّم یحکم......ھم الفاسقونo (مائدہ نمبر ٤٧)

اور جو خدا کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے گا تو ایسے لوگ نافرمان ہیں۔

(٦) فاحکم بینھم بما انزل اللّٰہ. (مائدہ نمبر ٤٨)

تو جو حکم خدا نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان کا فیصلہ کریں۔

کتاب وسنت کے فیصلہ کو چھوڑ کر قوم اور لوگوں کی یا اپنی خواہش کے مطابق فیصلہ کرنا ظلم اور کفر ہے۔

(۷) وان احکم (الی قولہ) اھواء ھم. (مائدہ نمبر ۴۹)
اور ہم پھر تاکید کرتے ہیں کہ جو حکم خدا نے نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق ان میں فیصلہ کرنا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا۔

(۸) فاحکم.......ولا تتبع الھویٰ. (۲۶: ص)
تو لوگوں میں انصاف کے فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا۔

آیاتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ قوم یا اکثریت کے چاہنے پر بھی قرآن وسنت کے خلاف فیصلہ دینا منع ہے۔

(۷) فیصلہ تو وہی ہوگا جو خدا اور رسول کے فرمان کے مطابق ہے خواہ قوم اور اکثریت بگڑ جائیں۔

(۸) فیصلہ کرتے وقت مدعی سے دلیل یعنی گواہ طلب کیا جائے۔

(سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۸۲)

(۹) مدعیٰ علیہ کے ذمہ گواہ نہیں، نہ ہی اس کے گواہ پیش کرنے کا اعتبار ہے۔

(۱۰) مدعی اگر گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعیٰ علیہ پر حلف اور قسم آئے گی۔

قال علیہ الصلوٰۃ والسّلام: البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر.

(بحوالہ مشکوٰۃ)

(۱۱) مدعیٰ علیہ اگر حلف سے انکار کرتا ہے تو مدعی کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔

(۱۲) معاملہ اگر حقوق مالیہ اور دیون وغیرہ کا ہے تو مدعی سے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی طلب کی جائے۔ (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۸۲)

(۱۳) اسی طرح نکاح وطلاق اور رجعت وغیرہ میں بھی دو گواہ طلب کریں۔

(۱۴) معاملہ اگر حدود وقصاص کا ہے تو وہاں صرف مردوں کی شہادت قبول کریں عورتوں کی شہادت قبول نہ کریں دلیل آگے آرہی ہے۔

(۱۵) حد زنا میں چار گواہ مردوں میں سے ہونا ضروری ہے لہٰذا اس سے کم گواہی کا اعتبار نہ کریں بلکہ عدد

مذکور سے کم ہونے کی صورت میں الزام لگانے والوں پر حد قذف قائم کی جاوے۔

سورۂ نور کی آیت نمبر ۴، ۵ کا حوالہ گذر چکا ہے مزید آیت نمبر ۱۳، اور سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۵ بھی بغور دیکھ لیجئے۔

لولا جآئوا علیه باربعة شهدآء الخ. (نور: نمبر ۱۳)

یہ افتراء پرداز اپنی بات کی تصدیق کے لئے چار گواہ کیوں نہ لائے تو جب یہ گواہ نہیں لاسکے تو خدا کے نزدیک یہی جھوٹے ہیں۔

والّٰتی یأتین الفاحشة من نسائکم الخ. (النسا: نمبر ۱۵)

مسلمانو! تمہاری عورتوں میں جو بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں ان پر اپنے لوگوں میں سے چار شخصوں کی شہادت لو۔

آیات مذکورہ میں اَرْبــعة کا لفظ عدد خاص چار پر دلالت کر رہا ہے لہٰذا عدد مخصوص کے لئے یہ آیات نص ہیں ان میں اگر کمی بیشی کی گئی تو عدد خاص پر عمل نہیں ہوگا جب کہ اصول شرع کا مسئلہ ہے ''خاص پر عمل کرنا واجب ہے'' پھر عدد کے لئے لفظ اربعة کو مؤنث لایا گیا، کلام عربی کے قواعد جاننے والوں کو بخوبی معلوم ہے کہ عدد مؤنث اس وقت لایا جاتا ہے جب کہ معدود مذکر ہو۔ آیات مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چار کے چار گواہ مردوں میں سے ہونا ضروری ہے، لہٰذا عورتوں کی شہادت حدود میں معتبر نہیں۔

روی الزهری مضت السنة من لدن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم و الخلیفتین من بعدهٖ ان لا شهادة للنسآء فی الحدود و القصاص.

(رواه ابن ابی شیبة فی مصنفه هدایه ص ۱۵۳، ج ۳.)

معاملہ اگر عورتوں کے خفیہ اور مخصوص مسائل سے متعلق ہو تو وہاں پر تنہا عورتوں کی شہادت بھی لی جاسکتی ہے۔

آیات مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت میں مرد کو عورت پر فضیلت حاصل ہے تب ہی تو حدود میں ان کی شہادت کسی طرح مقبول نہیں ہے۔

جس طرح عورت حدود وقصاص میں شہادت نہیں دے سکتی ان امور میں قاضی اور جج بھی نہیں بن سکتی۔ شہادت کے بارے میں تو سورۂ نور آیت نمبر ۴، ۱۳ اور سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۵ کا حوالہ گذر چکا ہے، اس کے علاوہ الرّجال قوّمون علی النسآء الخ آیت نمبر ۳۴ (سورۂ نساء) بھی اس پر واضح دلیل

ہے، تمام مفسرین نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ عورتیں حدود اور قصاص میں جس طرح شہادت نہیں دے سکتی قاضی اور امیر بھی نہیں بن سکتیں۔

قال علیه الصّلوٰة والسلام: لن یّفلح قوم ولّوا امرهم امرأة.

(بخاری شریف بحوالۂ مشکوٰۃ ص ۳۲۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پاسکتی جس نے عورت کو اپنے امور کے بارے میں متولی بنایا ہے۔

قاضی اور جج کے لئے ضروری ہے کہ جن معاملات کے بارے میں قرآن وحدیث کا صریح حکم نہیں ہے ان کے بارے میں صحابہ کرامؓ کے اجماع ان کے فیصلے اور فتاویٰ پر حکم کریں۔ منصوص یا وہ مسائل جن پر صحابہ کرامؓ اور امت کا اجماع ہو چکا ہے ان میں اجتہاد کرنا اور اجماع کے خلاف فیصلہ کرنا ممنوع ہے۔

عن عبداللّٰه بن مسعودؓ قال: لقد اتیٰ علینا زمانٌ وما نسئل ولسنا هناک، ثم بلغنا اللّٰه ماترون، فاذا سئل احدکم عن شئ فلینظر فی کتاب الله، فان لم یجدهٗ فی کتاب اللّٰه فلینظر فی سنّةِ رسول الله، فان لم یجدهٗ فی کتاب اللّٰه ولا فی سنّة رسول اللّٰه فلینظر فیما اجتمع علیه المسلمون، فان لم یکن فلیجتهد رأیه.

الحدیث (اخرجه الدارمی و البیهقی بحواله اصول بزدوی ص ۲۵۱)

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے انہوں نے اپنے حاضرین مجلس سے فرمایا ہمارے اوپر ایسا ایک زمانہ گذرا ہے کہ ہم سے کچھ نہیں پوچھا جاتا نہ ہم اس مقام پر تھے کہ ہم سے کچھ پوچھا جاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایسے زمانہ میں پہنچا دیا جو آپ لوگ دیکھ رہے ہیں، لہٰذا تو اگر تم میں کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جاوے تو سب سے پہلے کتاب اللہ میں تلاش کرو، اگر کتاب اللہ میں تمہیں نہ ملے پھر سنت رسولؐ (حدیث) میں تلاش کرو اور اگر حدیث میں بھی نہ ملے پھر صحابۂ کرام نے جس امر پر اتفاق واجماع کیا ہے اس کو تلاش کرو، اگر اس میں بھی نہ ملے تو صحابۂ کرام کی مختلف رائے میں جس رائے کو چاہو اپنے اجتہاد سے اختیار کرو۔

روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی دینی حکم معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے کتاب اللہ سے تلاش کیا جاوے اگر کتاب اللہ سے حکم شرعی معلوم ہو تو اس کا ماننا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے اس کا انکار کرنا کفر ہے اور بدون انکار کئے خلاف کرنا فسق اور معصیت ہے، پھر کوئی حکم شرعی اگر کتاب اللہ میں نہ ملے تو حدیث رسولؐ کے ذخیرے میں اس کا تلاش کرنا ضروری ہے اگر حدیث رسولؐ

میں اس کا حل مل جاوے تو اس پر یقین کرنا پھر اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، اور اس کا انکار کرنا بھی کفر اور بدون انکار کے اس کے خلاف عمل کرنا گناہ اور گمراہی ہے۔ پھر حدیث رسولؐ کے ذخیرے میں سے اگر کوئی واضح حکم معلوم نہ ہو تو فقہاء مسلمین کے متفقہ فیصلہ کو دیکھنا ضروری ہے، اگر فقہائے مسلمین کا متفقہ فیصلہ ہو تو اس کو تسلیم کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے، اس کے خلاف کرنا اجماع کے خلاف ہے اور یہ گمراہی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ

- قرآن وسنت کے خلاف فیصلہ پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔
- نہ ہی کسی فریق یا کسی کے ذمّہ ایسا حکم ماننا ضروری ہے۔
- خلاف شرع حکم اور فیصلہ پر عمل کرنا ممنوع ہے۔
- بلکہ خلاف شرع فیصلہ اور حکم کی مخالفت کرنا ضروری ہے۔

قال علیه الصلوٰة والسّلام: لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق انما الطاعة فی المعروف. (متفق علیه بحواله مشکوٰة ص ۳۱۹)

یہ چند سطور بطور نمونہ شرائط شہادت اور قواعد قضاء کے بارے میں ذکر کر دیئے ہیں، تاکہ قارئین کرام کو اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ اسلام کا نظام عدل وقضاء میں شہادت کے قوانین کتنے اہم اور کس قدر مضبوط ہیں۔

اب شہادت کے سلسلہ میں مرد اور عورت کا مقام متعین کرنے کے لئے مراتب شہادت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

اسلام میں قانونِ شہادت کے چار درجے ہیں

(الف) حدود، زنا، قذف اور تہمت زنا، چوری، شراب پینے سے متعلق عورتوں کی شہادت مطلقاً معتبر نہیں نہ مردوں کے ساتھ مل کر نہ ہی تنہا عورتوں کی شہادت۔

(ب) اسی طرح قصاص اور مقدمات قتل میں بھی عورتوں کی شہادت معتبر نہیں ہے کیونکہ یہ مقدمات بڑے احتیاط طلب ہیں عورتوں کی شہادت میں شبہ اور غلطی کا احتمال غالب ہے۔

(ج) حدود اور قصاص کے علاوہ باقی تمام معاملات، دیون اور حقوق میں دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہے اور دو شرطوں کے ساتھ عورتوں کی شہادت معتبر ہے ایک یہ کہ دو مرد گواہ موجود نہ ہوں، دوسری شرط یہ ہے کہ صرف مرد ایک گواہ موجود ہو تو دوسرے گواہ کے قائم مقام دو

عورتیں موجود ہوں پھر دو عورتیں شہادت دے سکتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ تنہا عورت کی شہادت جبکہ مرد ایک گواہ بھی نہ ہو قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

(د) بچہ کی پیدائش، لڑکی کے کنوارپن، عدّت کی ابتداء وانتہاء، بلوغت وسن ایاس کے فیصلوں میں صرف عورتوں کی شہادت بھی معتبر ہے یعنی جن امور کا تعلق عورتوں سے اور جن پر مردوں کی اطلاع ممکن نہ ہو یا دشوار ہو۔ ان امور میں ثقہ عورتوں کی شہادت معتبر ہے۔ (هدایه)

غرض شہادت کے چار درجوں میں سے دو درجوں میں عورتوں کی شہادت تو مطلقاً معتبر نہیں باقی دو درجوں میں معتبر ہے، ان میں تیسرے درجہ میں عورت کی شہادت مرد مقابلہ میں نصف ہے جس سے معلوم ہوا کہ عورت کی شہادت مرد کی شہادت کے برابر نہیں۔

حدود وقصاص میں عورتوں کی شہادت

حدود وقصاص میں عورتوں کی شہادت معتبر نہ ہونے پر تفصیلی دلائل ملاحظہ فرمائیں:

۱. والّٰتی یاتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیهنّ اربعة منکم.
(سورہ نسآء: ۱۵)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو عورتیں بے حیائی کا کام (زنا) کریں تمہاری منکوحہ بیوی میں سے تو تم لوگ ان عورتوں کے اس فعل پر چار آدمی اپنے (مسلمانوں) میں سے گواہ کرلو۔

۲. والّذین یرمون المحصنٰت ثمّ لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمٰنین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدًا واولٰئک هم الفٰسقونo (نور ۴)

اور جو لوگ تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں پر اور پھر چار مرد گواہ نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسی درے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول مت کرو، اور یہ لوگ فاسق ہیں۔

۳. لولا جاء وا علیه باربعة شهدآء فاذ لم یأتوا بالشهداء فاولٰئک عند الله هم الکٰذبونo (سورۂ نور: ۱۳)

یہ لوگ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے، سو جس حالت میں یہ لوگ گواہ نہیں لائے تو بس اللہ کے نزدیک یہ لوگ جھوٹے ہیں۔

آیات ثلٰثہ میں اربعة اور منکم الفاظ خاص میں سے ہیں اربعة لفظ عدد خاص چار کیلئے استعمال ہوتا ہے اور اس پر جب تائے تانیث کا اضافہ کردیا جاتا ہے تو عربی اور نحوی قواعد کے مطابق اس کے

معدود مذکر ہوتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ چار کے چار گواہ مردوں میں سے ہونا ضروری ہے، اور منکم سے مراد یہ ہے کہ وہ چار گواہ مسلمانوں میں سے ہوں کافروں میں سے نہ ہوں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عورتوں میں سے کوئی عدد حد زنا کی گواہ نہیں بن سکتیں اور چار مردوں سے کم گواہ معتبر نہیں ہیں، اس کے بارے میں مفسرین کے چند حوالے بھی ملاحظہ فرمالیں۔

ابوبکر جصاص رازی حنفیؒ اپنی بے نظیر تفسیر احکام القرآن میں لکھتے ہیں۔

۴. قال :لا تقبل شهادة النساء مع الرّجال لا فی الحدود ولا فی القصاص، وتقبل فیما سوٰی ذٰلک من سائر الحقوق.

(احکام القرآن ص ۵۰۱. ج ۱)

عورتوں کی شہادت مردوں کے ساتھ بھی حدود وقصاص میں قبول نہیں کی جائے گی البتہ اس کے علاوہ دوسرے حقوق میں قبول کی جائے گی۔

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:۔

۵. قال و انّما خصصنا الحدود و القصاص لماروی الزهری قال: مضت السنة من رسول الله صلی الله علیه وسلم والخلیفتین من بعدهٖ ان لا تجوز شهادة النساء فی الحدود والقصاص الخ. (احکام القرآن ص ۵۰۲. ج ۱)

یعنی حدود وقصاص کو مختص کرنے اور حدود وقصاص میں عورتوں کی شہادت قبول نہ ہونے کی وجہ وہی ہے جو امام الحدیث امام زہریؒ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے زمانہ سے اب تک سنت یہی جاری رہی ہے کہ عورتوں کی شہادت حدود وقصاص میں معتبر و مقبول نہیں ہے۔ (احکام القرآن ص ۵۰۲. ج ۱)

علامہ محمود آلوسیؒ تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں:

۶. قولهٗ:" فرجل وامرأتان وکفایة الرجل والمرأتین فی الشهادة فیما عدا الحدود والقصاص عندنا وکذا عند الشافعی، وقال مالک: لاتجوز شهادة اولئک فی الحدود ولا القصاص ولا الولاء ولا الاحصان.

(تفسیر روح المعانی ص ۵۸. ج ۳)

اللہ تعالیٰ کا قول فرجل وامرأتان کے اندر شہادت میں ایک مرد اور دو عورتوں کا کافی ہونا ہمارے نزدیک حدود وقصاص کے علاوہ دوسرے مقدمات میں ہے یہی قول امام شافعیؒ کا ہے، امام مالکؒ نے کہا عورتوں کی شہادت اور ایک مرد دو عورتوں کی شہادت حدود وقصاص میں کافی نہیں ہے۔

تفسیر روح المعانی میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

۷. (فاستشهدوا) ای فاطلبوا ان یشهد (علیهن) باتیا نهن الفاحشه (اربعة منکم) ای اربعة من رجال المؤمنین و احرارهم، قال الزهری: مضت السنة من رسول الله صلی الله علیه وسلم والخلیفتین بعدهٗ ان لاتقبل شهادة النّساء فی الحدود، واشترط الاربعة فی الزنا تغلیظا علی المدّعی وسترا علی العباد.

(تفسیر روح المعانی ص ۲۳۴ . ح ۴، سورۂ نساء آیت نمبر ۱۵)

قولہ (فاستشهدوا) یعنی شہادت دینے کے لئے بدکار عورتوں پر آزاد اور مؤمن مردوں میں سے چار گواہ بناؤ، امام زہریؒ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلیفۂ اوّل وثانی کے زمانہ سے سنت جاریہ اس پر چلی آ رہی ہے کہ عورتوں کی شہادت حدود میں قبول نہ کی جائے اور یہ کہ زنا میں چار گواہوں کی شرط مدّعی پر سختی کرنے اور لوگوں کی پردہ پوشی کرنے کے واسطے ہے۔

نیز تفسیر روح المعانی میں ہے:۔

۸. قوله (ثم لم یأتوا باربعة شهداء فاجلد وهم ثمانین جلدة) قرینة علی المراد بنا علی العلم بانهٗ لا شئ یتوقف ثبوته بالشهادة علی شهادة اربعة الا الزّنا. (تفسیر روح المعانی ص ۸۸. ج ۱۸)

آگے لکھتے ہیں:

قولهٗ (ثم لم یأتوا) الخ واشترط الاتیان باربعة شهداء تشدیدًا علی القاذف، ویشترط کونهم رجالًا لما صرحوا به من انّهٗ لامدخل لشهادة النّساء فی الحدود. و ظاهر اتیان التّاء فی العدد مشعر باشتراط کونهم کذٰلک.

(روح المعانی ص ۹۲. ج ۱۸)

یعنی آیت مذکورہ میں چار گواہوں کی شرط لگانا تشدیدًا ہے کہ تہمت باندھنے والے کو تہمت لگانے کی جرأت نہ ہو، اور مردوں میں سے ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ حدود میں عورتوں کی شہادت معتبر نہیں ہے، اور عدد اربعہ میں تائے تانیث کا لانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چار کے چار گواہ رجال یعنی مردوں میں سے ہونے چاہئیں۔

۱۰۔ تفسیر مظہری میں طویل بحث کرنے کے بعد کہا کہ حدود وقصاص میں عورتوں کی شہادت معتبر نہیں اور ثبوت زنا میں چار گواہوں سے کم کا بھی اعتبار نہیں۔

قال: "اربعة منكم" يعنى رجالاً اربعة من المؤمنين العدول ،فلا يجوز فى الحدود شهادة النساء اجماعًا. (مظهری ص ۴۴. ج۲، مظهری ص ۴۲۲. ج۱)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں:۔

۱۱۔ (بـاب قولهٗ تعالىٰ: فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان) قال ابن المنذر: العلماء على القول بظاهر هٰذه الأية فاجازوا شهادة النساء مع الرّجال، وخصّ الجمهو ذٰلک بالديون والموال و قالوا لا تجوز شهاد تهن فى الحدود والقصاص. و قال: واتفقوا على قبول شهاد تهن مفردات فيما لا يطلع عليه الرجال كالحيض والولادة والستهلال وعيوب النساء.

(فتح الباری: ص ۲۶۶، ج ۵)

آیت "فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان" کے تحت ابن منذر نے کہا: تمام علماء آیت مذکورہ کے ظاہر پر ہیں، انہوں نے عورتوں کو مردوں کے ساتھ شہادت دینے کی اجازت دی ہے، البتہ جمہور ان کی شہادت صرف دیون واموال کے ساتھ مختص کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ حدود اور قصاص میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں ہے۔ ابن المنذر نے یہ بھی کہا کہ جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ عورتوں کے ان معاملات میں جن پر مردوں کو مطلع ہونا دشوار ہے تنہا عورتوں کی شہادت معتبر ہے مثلاً حیض، ولادت، ولادت کے بعد بچہ کی حیات، عورتوں کے عیوب میں صرف عورتوں کی شہادت بھی معتبر ہے۔

شارح بخاری حافظ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں۔

۱۲۔ قولهٗ تعالىٰ: فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان الخ هٰذه الأية تدل على جواز شهادة النساء مع الرّجال، وقال ابن بطال: اجمع اكثر العلماء على ان شهادتهن لاتجوز فى الحدود و القصاص وهو قول ابن المسيب و النخعى والحسن والزهرى و ربيعة ومالک والليث والكوفيين والشافعى واحمد و ابى ثور، واتفقوا انه تجوز شهادتهن منفردات فى الحيض والو لادة والا ستهلال... وعيوب النساء وما لا يطلع عليه الرجال من عوراتهن للضرورة الخ. (عمدة القاری: ص ۳۲۲. ج ۱۳)

آیت مذکورہ اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ عورتوں کی شہادت مردوں کے ساتھ جائز ہے،

ابن بطال نے کہا اکثر علماء کا اس پر اجماع ہے کہ عورتوں کی شہادت حدود اور قصاص میں جائز نہیں ہے۔ یہی قول سعید بن المسیّب ابراہیم نخعیؒ، حسن بصری، امام زہری، ربیعۃ الرائے، امام مالک، لیث بن سعد، فقہاء کوفہ، امام شافعی، احمد، ابوثور کا ہے۔ اور سب کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ حیض، ولادت، بچہ کی حیات، عورتوں کے عیوب اور ان کے جن امور میں مردوں کا مطلع ہونا دشوار ہے صرف عورتوں کی شہادت بھی ضرورت کے تحت جائز ہے۔

محدث کبیر مولانا ظفر احمد[۱۳] عثمانیؒ اپنے بے نظیر تصنیف اعلاء السنن میں لکھتے ہیں:

۱۳۔ قولهٗ تعالیٰ : "فان لم يكونا رجلين فرجل و امرأتان" يدل على ان المرأتين مثل رجل واحدٍ فی الشهادة، فمايقبل فيه شهادة الرّجل ينبغي ان يقبل فيه شهادة المرأتين الا انهٗ خصّ منه الحدود و القصاص بالاجماع ؛ لان فيها شبهة البدلية، والحدود و القصاص يؤثر فيها الشبهة فلا تقبل شهادتهن فيها، بخلاف غير الحدود و القصاص فانّهٗ لا يؤثر فيه الشبهة، فتقبل فيه شهادتهن لكونهن كالرجال في اهلية الشهادة.

(اعلاء السنن :ص ۱۶۶ . ج ۱۵)

اللہ تعالیٰ کا قول "فان لم يكونا رجلين فرجل و امرأتان" بتلاتی ہے کہ دو عورتیں شہادت کے مسئلہ میں ایک مرد کے قائم مقام ہیں۔ نیز آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جن معاملات میں مردوں کی شہادت معتبر ہے ان میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی شہادت بھی جائز ہے البتہ حدود وقصاص کے مقدّمات بالاجماع اس سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ عورتوں کی شہادت میں شبہ بدلیّت (یعنی اصل شہادت تو مرد کی ہے عورت کی شہادت دو مرد نہ ہونے کی صورت میں ایک مرد کے ساتھ معاملات میں معتبر ہے)۔ حدود وقصاص میں شبہ مؤثر ثابت ہوتا ہے (شبہ کی بناء پر حد اور قصاص ساقط ہو جاتے ہیں) لہٰذا عورتوں کی شہادت حدود وقصاص میں جائز نہیں، حدود وقصاص کے علاوہ دوسرے معاملات ایسے نہیں ہیں ان میں شبہ اتنا اثر نہیں کرتا کیونکہ فی الجملہ کسی حد تک عورتوں میں شہادت دینے کی اہلیت ہے۔

مولانا موصوف آگے ص ۱۶۷ میں بھی اسی طرح کا مضمون نقل کرتے ہیں جس میں علماء کے اجماع کا حوالہ دیا ہے کہ عورتوں کی شہادت مردوں کے ساتھ معاملات، حقوق مالیہ، دیون میں جائز ہے، حدود و قصاص میں جائز نہیں چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

وقال ابن المنذر: اجمع العلماء على القول بظاهر هٰذه الآية اى قول الله تعالىٰ:" فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان" فاجازوا شهادة النساء مع الرّجال، وخصّ الجمهور ذلك بالديون و الا موال، وقالوا: لا تجوز شهادتهن في الحدود والقصاص. (اعلاء السنن: ص ١٦٧. ج ١٥)

کتب فقہ کے حوالہ جات

امام المحدیث شاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی ؒ تحریر فرماتے ہیں:

"والذين يرمون المحصنٰت ثم لم يأتوا باربعة شهداء" الآية وقد ذكر سبب مشروعية هٰذا من قبل، ولا يعتبر في القصاص والحدود الا شهادة رجلين، والاصل فيه قول الزهرى رحمة الله عليه: جرت السنة من عهد النبى صلى الله عليه وسلم ان لا تقبل شهادة النساء في الحدود، ويعتبر في الحقوق المالية شهادة رجل وامرأتين، والا صل فيه قولهٗ تعالىٰ: "فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان" وقد نبه الله تعالىٰ علىٰ سبب مشروعية الكثرة في جانب النساء، فقال (ان تضل احداهما فتذكّر احداهما الاخرىٰ) يعنى هن ناقصات العقل فلابدّ من جبرهٰذا النقصان بزيادة العدد. (حجة الله البالغة: ص ١٦٨. ج ٢)

اورآیت "والذين يرمون المحصنٰت ثم لم يأتوا باربعة شهداء" کا سبب مشروعیت (یعنی واقعہ افک کا ذکر) تو پہلے گذر چکا ہے کہ زنا کی تہمت پر چار گواہ مردوں میں سے ہونا ضروری ہے، باقی قصاص اور دوسری حدود میں دو مردوں کی شہادت کافی ہے اور عورتوں کی شہادت معتبر نہیں ہے اور اس کی بنیاد امام زہری کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفہ اوّل وثانی کے عہد سے سنت جاریہ اور شرعی حکم یہی چلا آرہا ہے کہ حدود میں عورتوں کی شہادت مقبول نہیں البتہ حقوق مالیہ میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت بھی مقبول ہے۔ اسی پر آیت نمبر ۲۸۲ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرجل وامرأتان کہہ کر تنبیہ کی۔ اور وہاں پر یہ بھی بیان فرمایا کہ عورتوں کی شہادت میں دو کا عدد کس وجہ سے ضروری ہے؟ (یعنی ان میں سے ایک اگر بھول جائے گی تو دوسری یاد دلادے گی) اس وجہ سے کہ عورت ناقص العقل ہے، اس کے

نقصان عقل کو دور کرنے کے لئے زیادت عدد کی شرط لگائی گئی۔

صاحب بحر علاّمہ زین الدین ابن نجیم حنفی تحریر فرماتے ہیں:

۱۶۔ قوله: وشرط للزناء اربعة رجال؛ لقولهٖ تعالیٰ: والّٰتی یاتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیهن اربعة منکم، ولقوله تعالیٰ: ثم لم یاتوا باربعة شهداء. ولفظ اربعة نص فی العدد والذکورة. کذا فی البنایة.

(قولهٗ ولبقیة الحدود والقصاص رجلان) ای شرط لها شهادة رجلین؛ لقولهٖ تعالیٰ: واستشهدوا (الایة) فلا تقبل شهادة النساء فیها لحدیث الزهریؒ: مضت السنة من لدن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم والخلیفتین من بعدهٖ ان لا شهادة للنساء فی الحدود والقصاص، شبهة ولانّ فیها شبهة البدلیة لقیامها مقام شهادة الرّجال فلا تقبل فیما نندرئ بالشبهات، کذافی الهدایة.

(البحر الرّائق: ص ۶۰، ج ۷)

زنا میں چار مردوں کی شرط لگائی گئی اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول والّتی یأتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیهنّ اربعة منکم، اور اللہ تعالیٰ کا قول ثم لم یأتوا باربعة شهداء (الایة) ہیں، مذکورہ آیات میں لفظ اربعة عدد اور ذکورت پر نص ہیں یعنی گواہ چار سے کم نہ ہوں اور چار کے چار مسلمان مردوں میں سے ہوں کذا فی البنایہ۔

زنا کے علاوہ دوسری حدود اور قصاص میں دو مردوں کا گواہ ہونا شرط ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول فاستشهدوا (الایة) عورتوں کی شہادت مقبول نہیں ہے۔ "لحدیث الزهریؒ الذی مرّ ذکرهٗ مرارًا۔"

اسی طرح کا مضمون بدائع الصنائع فی احکام الشرائع میں ہے، چنانچہ ملک العلماء علاّمہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

ومن شرائطها الذکورة فی الشهادة بالحدود والقصاص فلا تقبل فیها شهادة النساء لماروی الزهری رحمه اللّٰه تعالیٰ انه قال: مضت السنّة من لدن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم والخلیفتین من بعدهٖ رضوان اللّٰه علیهما ان لا تقبل شهادة النساء فی الحدود والقصاص، ولان الحدود والقصاص مبنا

هما على الدرء والا سقاط بالشبهات. وشهادة النساء لاتخلوعن شبهة؛ لانهن جبلن على السهو والغفلة ونقصان العقل والدين فيورث ذلك شبهة بخلاف سائر الاحكام؛ لانّها تجب مع الشبهة، ولان جواز شهادة النساء على البدل من شهادة الرّجال والا بدال فى باب الحدود غير مقبولة كالكفالة والو كالة.

واما الشهادة علىٰ الموال فالذكورة ليست فيها بشرط، والا نوثة يست بمانعة بالاجماع فتقبل فيها شهادة النساء مع الرجال؛ لقول الله تبارك و تعالىٰ فى باب المداينة :فاستشهدوا شهيدين من رجالكم.

(بدائع الصنائع: ص ۲۷۹. ج ٦)

اب دوسرے فقہاء کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

محدّث کبیر مشہور فلسفی قاضی محمدؒ بن رشد اندلسی مالکیؒ بدایۃ المجتہد میں رقم طراز ہیں:

فالذى عليه الجمهور انه لاتقبل شهادة النساء فى الحدود لا مع رجل ولا مفردات. (بداية المجتهد: ص ۳۴۸، ج ۲ مطبوعه لاهور)

یہ بات محقق ہے کہ حدود اور قصاص میں عورتوں کی شہادت معتبر اور مقبول نہیں ہے لہٰذا نہ مردوں کے ساتھ مل کر اور نہ ہی تنہا عورتوں کی شہادت کا اعتبار ہوگا، جمہور اس پر ہیں۔

(بداية المجتهد)

اسی طرح کی عبارت مالکی مذہب کی مشہور کتاب فتاویٰ المدونۃ الکبریٰ میں بھی ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:۔

ترجمہ: سوال کیا گیا کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت حدود اور قصاص میں مقبول اور معتبر ہے یا نہیں؟ جواب دیا عورتوں کی شہادت حدود اور قصاص میں معتبر نہیں بلکہ طلاق اور نکاح میں بھی نہیں، پھر کہا عورتوں کی شہادت جب ان کے ساتھ مرد کی شہادت بھی ہو، اموال اور وکالت علی المال میں معتبر ہے۔ امام مالکؒ سے یہی منقول ہے۔ پھر کہا تنہا عورتوں کی شہادت اگر ان کی تعداد بیس بھی ہو پھر بھی معتبر نہیں ہے۔

(المدونة الكبرىٰ :ص ۸۳ ج ۴)

مذہب شافعیہ کے بانی امام محمد بن ادریس الشافعی القرشی

کتاب الام میں رقمطراز ہیں۔

قال الشافعیؒ :فالکتاب و السنة یدلان علیٰ انهٗ لایجوز فی الزناء اقل من اربعة، والکتاب یدل علیٰ انّهٗ لایجوز شهادة غیر عدلٍ، وقال: والاجماع یدل علیٰ انه لا تجوز الا شهادة عدل حرٍ بالغ عاقل الخ. (کما فی کتاب الام للشافعیؒ: ص ۴۰، ج ۷)

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں بتلاتی ہیں کہ زنا کے مسئلہ میں چار گواہ سے کم کی گواہی جائز نہیں اور کتاب اللہ بتلاتی ہے کہ غیر عادل کی شہادت جائز نہیں پھر کہا امت کا اجماع بتلاتا ہے کہ عادل، آزاد، عاقل چار مردوں کے علاوہ شہادت جائز نہیں ہے۔

امام نووی شرح مہذب (المجموع) میں تحریر فرماتے ہیں:

وقد جرت السنة علی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم و الخلیفتین من بعدهٖ ان لا تقبل شهادة النساء فی الحدود.‘‘

(المجموع :ص ۲۵۵. ج ۲۰)

تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور آپ کے بعد خلیفہ اوّل وثانی کے زمانہ سے سنت جاریہ یہی رہی ہے کہ حدود میں عورتوں کی شہادت قبول نہیں کی جاتی۔

امام نووی دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

واتفق المسلمون علی ان لا یثبت حد الزناء باقل من اربعة عدول ذکورة، واتفقوا علیٰ انهٗ تثبت جمیع الحقوق ماعدا الزنا بشاهدین عادلین الخ.

(المجموع :ص ۲۵۹. ج ۲۰)

تمام مسلمانوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ حدّ زنا کا ثبوت چار عادل مرد گواہوں کے بغیر نہ ہوگا، اور سب نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ زنا کے علاوہ دوسرے حقوق دو عادل گواہ کی شہادت سے ثابت ہو جائیں گے۔

فقہ حنبلی کی مشہور اور معتمد علیہ کتاب ’’المغنی‘‘ میں ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں:۔

ترجمہ: مسلمانوں کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ زنا میں چار گواہوں کی شہادت کے بغیر گواہی مقبول نہیں جیسا کہ آیت ’’لو لا جاء وا‘‘ میں منصوص ہے اور اس پر بھی اجماع ہو چکا ہے کہ چاروں گواہ عادل اور ثقہ

ہونے چاہئیں اور چاروں گواہ مراد اور آزاد لوگوں میں سے ہونے ضروری ہیں۔ اور اس پر بھی اجماع ہو چکا ہے کہ ثبوت زنا میں عورت اور غلام کی شہادت مقبول نہیں، امام احمدؒ کے علاوہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اصحاب رائے (احناف) نے بھی یہی کہا ہے۔ (المغنی: ص ۱۴۹ . ج ۹)

میں نے یہاں پر چند کتب تفسیر شروح حدیث اور مذاہب اربعہ کی کتب فقہ سے اس بات پر حوالہ جات پیش کر دیئے ہیں کہ شہادت کے دو درجوں یعنی حدود وقصاص میں عورتوں کی شہادت تو قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کی رو سے بالا جماع جائز نہیں ہے۔ یہ تحریر میرے خیال میں انشاء اللہ احقاق حق کے واسطے انصاف پسندوں کے لئے کافی اور وافی ہے۔ علاوہ ازیں تمام کتب حدیث وفقہ کا اگر استقصاء کیا جائے تو تحریر طوالت اختیار کریگی جبکہ مقام اور زمانہ طوالت کا نہیں ہے اس لئے اسی پر اکتفاء کیا گیا۔

اب رہا شہادت کے تیسرے اور چوتھے درجے میں یہ مسئلہ کہ عورتوں کی شہادت قبول ہے اس کی تفصیل:۔

دیون اور حقوقِ مالیہ میں عورتوں کی شہادت

مردوں کے ساتھ ملکر مقبول ہے مردوں کے بغیر انکی شہادت کا کچھ اعتبار نہیں۔

تیسرا مسئلہ یہ کہ دیون اور حقوق مالیہ میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی شہادت معتبر ہے تنہا عورتوں کی شہادت معتبر نہیں یعنی اگر ایک گواہ مرد موجود ہے تو دوسرے گواہ کی جگہ دو عورتوں کی شہادت مقبول ہے لیکن اگر ایک عورت ہے تو پوری شہادت نہ ہونے کی وجہ سے شہادت مسترد کر دی جائے گی۔ کیونکہ ایک عورت کی شہادت مرد کے مقابلہ میں نصف شہادت ہے اس لئے جب تک دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی جگہ پر نہ ہوگی شہادت معتبر نہیں۔

ان مسائل پر قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کے دلائل ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اے ایمان والو! تم جب لین دین کا معاملہ کرنے لگو ادھار کا ایک میعاد متعین تک کے لئے تو اس کو لکھ لیا کرو اور یہ ضروری ہے کہ تمہارے درمیان جو کوئی لکھنے والا ہو انصاف کے ساتھ لکھدے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو لکھنا سکھایا ہے اس کو چاہیئے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے بلکہ لکھ دیا کرے اور وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق واجب ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو کہ اس کا رب ہے اس سے ڈرتا رہے اور اس میں ذرہ برابر کمی نہ کرے، پھر جس شخص کے ذمہ حق واجب تھا وہ اگر کم عقل ہو یا ضعیف ہو یا کسی وجہ سے

لکھوانے اور بیان کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو ایسی صورت میں اس کا ولی اور کارکن ٹھیک لکھوائے، اور تمہارے مردوں میں سے دو افراد کو گواہ بھی کر لیا کرے پھر اگر دو مرد گواہ میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالیا جائے ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو (اور دو عورتوں کی شرط اس لئے ہے) تا کہ ان دونوں عورتوں میں سے اگر کوئی ایک بھول جائے تو ان میں سے ہر ایک دوسری کو یاد دلاوے، اور گواہ بھی (گواہی دینے میں یا گواہ بننے سے) انکار نہ کریں۔ اور تم معاملہ (دین) کے بار بار لکھنے سے اکتایا مت کرو، خواہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، یہ لکھ لینا انصاف کا زیادہ قائم رکھنے والا ہے، اللہ کے نزدیک اور شہادت کا زیادہ درست رکھنے والا ہے اور زیادہ مناسب اس بات کا کہ تم معاملہ کے متعلق شبہ میں نہ پڑو، مگر یہ لین دین اگر دست بدست ہو جس میں نقد معاملہ ہوتا ہے تو اس کے نہ لکھنے پر کوئی گناہ یا الزام تم پر نہیں ہاں خرید و فروخت کے وقت گواہ کر لیا کرو۔ نیز کسی کاتب کو تکلیف نہ دی جائے نہ گواہ کو تنگ کیا جاوے اگر تم ایسا کرو گے تو تمہیں اس میں گناہ ہوگا، اور خدا سے ڈرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا تمہارے اوپر احسان ہے کہ اس نے تم کو تعلیم دی ہے اور تعلیم فرماتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کا جاننے والا ہے۔ (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۸۲)

قرآن کریم کی اس طویل آیت میں شہادت کے جو اصول و ضابطے بیان کئے گئے ہیں ان میں سے چند بنیادی اصول یہ ہیں کہ:۔

۱۔ دیون اور معاملات میں دو گواہ مردوں میں سے بنالئے جائیں۔
۲۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالیا جاوے۔
۳۔ ایک مرد گواہ کی جگہ پر دو عورتوں کا ہونا لازم ہے۔
۴۔ اگر مردوں میں سے ایک بھی نہ ہو تو صرف عورتوں کی گواہی قابل اعتبار نہیں ہے۔
۵۔ گواہان سب تمہارے لوگوں سے ہوں یعنی مسلمانوں میں سے ہونا ضروری ہے۔
۶۔ گواہان مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ دین دار فرائض اور واجبات کو ادا کرنے والے ہوں اور لوگوں کے نزدیک معتبر اور پسندیدہ اشخاص میں سے ہوں۔
۷۔ گواہان غیر مسلم یا مرتکب کبائر اور فاسق معلن نہ ہوں کیونکہ مسلمانوں کے لئے ان کی گواہی معتبر نہیں۔
۸۔ گواہان کے لئے بر وقت گواہی دینا شرعی حکم اور عبادت ہے۔
۹۔ گواہی کا چھپانا اور اس سے انکار کرنا شرعی جرم اور گناہ عظیم ہے۔

۱۰۔ معاملات میں گواہوں کے ہوتے ہوئے اسے تحریر میں لانا بھی شرعی حکم ہے کیونکہ تحریر شہادت کو تازہ رکھنے کے لئے ایک مستحکم ذریعہ ہے۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ عورتوں کی شہادت مردوں کے ساتھ تو قابل قبول ہے مگر مردوں کے بغیر قابلِ قبول نہیں اور ایک عورت ایک مرد کے برابر نہیں ہوسکتی بلکہ دو عورتیں مل کر ایک مرد کے برابر ہیں۔

امام ابوبکر جصاص الرازی الحنفی احکام القرآن میں لکھتے ہیں۔

قوله: "فان لم يكونا رجلين" يعني ان لم يكن الشهيدان رجلين (فرجل وامرأتان) فلا يخلو قوله (فان لم يكونا رجلين) من ان يريد به، فان لم يوجد رجلانِ فرجل وامرأتانِ كقولهٖ (فان لم تجدوا ماءً فتيمّموا صعيدًا) و كقولهٖ (فتحرير رقبة من قبل ان يتماسّا) ثم قال (فمن لم يجد فصيام شهرين الٰى قوله (فمن لم يستطع فا طعام ستين مسكيناً) وماجرى مجرٰى ذلك فى الابدال الّتى اقيمت مقام اصل الفرض عند عدمهٖ او ان يكون مراده فان لم يكن الشهيد ان رجلين فالشهيدان رجل وامرأ تان، فافادنا اثبات هٰذا الاسم للرجل والمرأتين حتى يعتبر عمومه فى جواز شهادتهما مع الرجل فى سائر الحقوق الّا ما قام دليله فلما اتفق المسلمون علٰى جواز شهادة رجل وامرأتين مقام رجلين عند عدم الرجلين.

(احكام القرآن للجصّاص :ص ۱ ۵۰. ج ۱)

"اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اگر گواہ دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ہونی چاہیئے" دو احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ جب تک دو مردوں کی شہادت موجود ہو تو ایک مرد اور دو عورت کی شہادت معتبر نہیں کیونکہ قرآن میں فان لم یکونا شرط کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ وضو کے حکم کے بعد قرآن میں تیمّم کا حکم دیا گیا اور فرمایا "فان لم تجد واماء ا" یعنی پانی اگر نہ ملے تو تیمّم کرو، ظاہر ہے جب تک پانی ہوگا تیمّم ناجائز ہوگا۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم قائم مقام وضو ہوگا۔ اسی طرح جب تک دو افراد کی شہادت میسر ہو تو عورت کی شہادت نہیں لی جائے گی۔ اور جب دو مردوں کی شہادت میسر نہ ہو اور صرف ایک مرد کی شہادت موجود ہو تو دوسرے مرد کی شہادت کی جگہ پر دو عورتوں کی شہادت لی جائے گی۔ دوسرا

احتمال یہ ہے کہ دو گواہ اگر مرد نہ ہوں تو یہ دو گواہ مرد اور عورت میں سے ہوں گے البتہ ایک مرد گواہ کی جگہ ایک عورت کی گواہی معتبر نہ ہوگی بلکہ دو عورتوں کی گواہی ہونا چاہیئے۔

آگے جا کر پھر لکھتے ہیں:

ترجمہ: مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت دو مردوں کی شہادت کے برابر ہے اس لئے معاملات، نکاح، طلاق، عتاق، وصیت، وکالت وغیرہ سب میں دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہوگی۔ قاضی شریحؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ نے یہی کہا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی منقول ہے کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہے اس لئے نکاح وطلاق میں بھی ان کی شہادت بطریق مذکور معتبر ہوگی۔

(احکام القرآن: ص ۵۰۱، ص ۵۰۲، ج ۱)

آیت مذکور کی اس طویل بحث سے واضح ہوا کہ معاملات میں دو گواہ ہونا چاہئیں اور دونوں اگر مردوں میں سے ہوں تو ٹھیک ہے۔ دو کا اعتبار ہے اور دونوں گواہ مخلوط اگر عورتیں اور مرد مخلوط ہیں تو ایک مرد تو ایک گواہ ہو گیا اور دوسرے گواہ کیلئے دو عورتوں کی گواہی ضروری ہوگی دو عورتوں کی گواہی مل کر ایک مرد کی گواہی کے قائم مقام ہوگی، جس سے معلوم ہوا کہ ایک عورت کی گواہی مرد کے مقابلہ میں نصف ہوگی اس لئے اگر دو عورتوں کی بجائے صرف ایک عورت گواہ ہے تو مرد کی شہادت ایک ہے اور عورت کی شہادت نصف ہے تو ڈیڑھ شہادت ہوئی جبکہ حقوق اور اموال میں دو شہادتیں ہونی چاہئیں، تو اس طرح آیت کا کوئی بھی احتمال لیا جائے ہر ایک میں عورت کی شہادت مرد کی شہادت کے برابر نہیں بلکہ مرد کی شہادت کے مقابلہ میں نصف شہادت ہے۔

اسی طرح کی تفسیر قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے بھی کی ہے (ملاحظہ ہو ص ۴۲۲، ج ۱)۔

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ عورتوں کی شہادت مردوں کے ساتھ ملکر دیون اور اموال میں معتبر ہے اس پر اجماع ہے البتہ صرف عورتوں کی شہادت عورتوں کے مخصوص مسائل، بکارت، ولادت، بعد الولادۃ بچہ کی حیات، اس طرح عورتوں کے پوشیدہ معاملات میں مقبول ہوگی، اموال اور حقوق میں نہیں۔

(روح المعانی: ص ۵۸، ج ۳)

امام فخر الدین الرازی الشافعی نے اپنی تفسیر کے اندر آیت مداینت ص ۲۸۲ بقرہ میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کہ دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہوتی ہیں اس لئے ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کا ہونا ضروری

ہے، پھر کہتے ہیں آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں پر مردوں کو برتری اور فضیلت حاصل ہے، اور آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر ان کے ساتھ مرد نہ ہو تو ان کی شہادت مطلقاً معتبر نہیں ہے۔
(تفسیر کبیر: ص ۱۱۴، ج ۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

قوله:" فان لم یکونا رجلین فرجل و امرأتان" الخ العلماء علیٰ ظاهرها فاجازوا شهادة النساء مع الرجال ،وخصَّ الجمهور ذٰلک بالدیون والاموال وقالوا: لاتجوز شهادتهن فی الحدود و القصاص. (فتح الباری: ص ۳۶۶. ج ۵)

علماء آیت مذکورہ کے ظاہر مفہوم پر ہیں انہوں نے عورتوں کو مردوں کے ساتھ دیون واموال میں شہادت دینے کی اجازت دی ہے اور کہا ہے کہ حدود اور قصاص میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں۔

حافظ بدرالدین عینی شارح بخاری لکھتے ہیں:۔

آیت مذکورہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کی شہادت مردوں کے ساتھ ملکر جائز ہے البتہ حدود و قصاص میں جائز نہیں۔ عمدة القاری ص ۲۲۲۔ ج ۱۳، کذافی اعلاء السنن ص ۱۶۷۔ ج ۱۵، کذافی بدائع الصنائع ص ۲۷۹، ج ۶، بحرالرائق ص ۶۰۔ ج ۷، مدونۃ الکبریٰ ص ۸۳۔ ج ۴، فقہ مالکی۔

فقہ حنفی کی مشہور اور معتبر ترین کتاب المبسوط میں شمس الائمہ سرخسیؒ عورتوں کی شہادت پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ عورتوں کی شہادت حدود میں معتبر نہیں۔ ہم (یعنی احناف) اسی کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے زمانہ تک اور اس کے بعد سے تا یومنا ہٰذا یہی قانون اور سنت چلی آرہی ہے، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ عورتوں کی شہادت میں تیقّظ نہ ہونے اور غفلت کی وجہ سے ایک گونہ شبہ رہتا ہے کیونکہ بھول اور غلطی عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے۔ پھر قوت حافظہ میں کمی فطری نسوانیت کی بناء پر عیاں ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے آیت **ان تضل احدٰهما فتذکر احدٰهما الاخریٰ** کے ذریعہ انہی باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **هن ناقصات العقل والدّین** فرما کر عوتوں کی فطری اور دینی کمزوریوں کی طرف توجہ دلائی ہے، اور حدود کے مسائل ایسے امور میں سے ہیں کہ ان میں ذرا بھی شبہ اور شک آگیا تو حد ساقط ہو جاتی ہے عورت کی شہادت شبہات سے خالی نہیں ہے اس لئے حدود کے اثبات میں عورت کی شہادت حجت نہیں۔" (مبسوط: ص ۵۴، ج ۸)

کتاب مبسوط کی اس مفصّل عبارت سے وہ تمام اعتراضات اور شبہات بھی رفع ہوجاتے ہیں جو عورتوں کی شہادت حدود وقصاص میں معتبر نہ ہونے اور ان کی شہادت مردوں کی شہادت کے برابر نہ ہونے پر بعض لوگ پیش کرتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف کتاب الام فی الفقہ الشافعی میں تحریر فرماتے ہیں:

لاتجوز شهادة النساء الا فی موضعين :فی مال يجب لاجل فلاتجوز شهادتهنّ فی شئ وان كثرن الا ومعها رجل شاهد، ولا يجوز منهن اقل من اثنين فصاعداً،وفيما لايطلع عليه الرّجال من البكارة والولادة والاستهلال ونحو ذلك.

(کتاب الام: ص ۲۳. ج ۷)

عورتوں کی شہادت دو مواقع میں جائز ہے، اس کے علاوہ کسی اور موقع پر جائز نہیں، اموال میں جائز ہے لیکن عورتیں خواہ کتنی ہی ہوں جب تک ان کے ساتھ ایک مرد گواہ نہ ہوگا صرف عورتوں کی شہادت معتبر نہیں اور ایک مرد کی جگہ دو یا اس سے زیادہ عورتوں کا ہونا ضروری ہے، دوسری جگہ ان مسائل میں جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے۔

قانون شرعیہ میں صرف عورتوں کی شہادت

شہادت کا چوتھا درجہ جس میں بعض مخصوص مسائل میں تنہا عورتوں کی شہادت معتبر ہے۔

تمام محدّثین ومفسرین اور فقہاء امت نے اس پر بھی اجماع کیا ہے کہ عورتوں کے مخصوص مسائل مثلاً کنوارپن، بچہ کی ولادت کی خبر، زندہ اور مردہ بچہ ہونے کا فیصلہ ایام ماہواری کی ابتداء وانتہا اور عدت وغیرہ میں تنہا عورتوں کی شہادت بھی مقبول ہے کیونکہ یہ ایسے امور ہیں جن پر مردوں کا مطلع ہونا دشوار ہے۔

تفصیل کیلئے مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ ہوں۔

(الف) تفسیر روح المعانی ص ۵۸۔ ج ۳

(ب) تفسیر کبیر ص ۱۱۳۔ ج ۷

(ج) مبسوط سرخسی ص ۱۱۳۔ ج ۸

(د) المجموع للنووی ص ۲۵۳۔ ج ۲۰

(ہ) بدایۃ المجتہد ص ۳۴۸۔ ج ۲

(و) مدونۃ الکبریٰ ص ۸۳۔ ج ۴

(ح) ہدایۃ ص ۱۵۳۔ ج ۳

کتب تفسیر اور کتب فقہ وفتاویٰ کے حوالوں سے ثابت ہوا کہ شہادت کے چار درجوں میں سے دو درجوں میں تو عورتوں کی شہادت مقبول ہی نہیں ہے۔

(۱) حدّ زنا (۲) حدود اور قصاص میں (۳) تیسرے درجہ اموال اور حقوق میں عورتوں کی شہادت اس وقت مقبول ہے جب کہ ان کے ساتھ ایک مرد گواہ بھی موجود ہو، اور اس میں دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے گویا عورت کی شہادت اس میں بھی مکمل معتبر نہیں، بعض صورتوں میں مقبول ہے اور بعض میں مقبول نہیں۔ نیز جہاں عورتوں کی شہادت مردوں کے ساتھ مقبول ہے وہاں پر عورت کی شہادت مرد کے مقابلہ میں نصف ہے، اور تنہا عورت کی شہادت مکمل طور پر صرف چوتھے درجہ میں مقبول ہے جب کہ معاملہ ایسا ہو جس کا تعلق عورت کی مخفی چیزوں سے ہو۔

اس تفصیلی بحث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قانون شہادت میں عورتوں کا کیا مقام ہے اور ان کی حیثیت کیا ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ قانون شہادت میں عورتوں کا مقام مردوں کے برابر نہیں، مردوں کی حیثیت عورتوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے۔ لہٰذا مساوات اور برابری کا دعویٰ قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی رو سے غلط اور باطل ہے اور قرآن وحدیث کے فیصلہ سے انکار کفر والحاد ہے اور اس کے خلاف مظاہرے اور مقابلے وغیرہ سب دین واسلام سے بغاوت وارتداد کے علاوہ کچھ نہیں۔ درحقیقت قانون شہادت میں عورتوں کی مذکورہ بالا حیثیت اور مقام کا وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو خدائے تعالیٰ کی ذات اور تمام صفات پر بالکل یا پوری طرح ایمان نہیں رکھتے اور اس کی صفت خالقیت اور شان ربوبیت کے منکر ہیں، صفت علیمی اور خبیری کو ہرگز نہیں مانتے۔

ظاہر ہے جن لوگوں کے یہ حالات ہوں گے وہ احکامِ الٰہی اور اس کے بھیجے ہوئے رسول ونبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات پر کیسے یقین کریں گے، کیوں ایمان لائیں گے۔ بنیادی عقیدہ جب صحیح نہیں تو احکام شریعت کی بناء کیسے کرینگے اس کے برعکس جو لوگ خدا کی ذات پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی تمام صفات، قدرت مطلقہ خالقیت، ربوبیت، شانِ علیمی وخبیری وغیرہ پر ایمان ویقین رکھتے ہیں ان کے لئے قرآن وحدیث کے بتائے ہوئے احکام، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی شریعت کا انکار کرنا اس پر اعتراض کرنا یا حیل وحجت کرنا ناممکن ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی حکم دیا ہے شانِ ربوبیت اور علام الغیوب اور حکیم اور خبیر ہونے کی حیثیت سے دیا ہے

اس کے فیصلوں میں کسی قسم کی غلطی نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح حامل شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جو ہدایات اور تعلیمات دی ہیں علیٰ وجہ البصیرت وحی الٰہی اور علم کے تحت دی ہیں کسی سوچ و فکر یا قانون ساز ادارے کے تحت نہیں دی گئیں تا کہ کسی اور ادارے کو اس میں بحث کرنے کا حق یا اختیار ہو، بلکہ آپ کے فیصلے اور بیان کردہ احکام بھی اس طرح اٹل اور نا قابل تبدیل ہیں جیسا کہ قرآنی احکام۔

اسی وجہ سے فقہائے امت نے کہا ہے کہ قرآن حکیم میں جب اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر بتادیا ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم اور سربراہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں کے مقابلہ میں فضیلت دی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر اعلان فرمادیا ہے کہ عورتیں ناقصات العقل اور ناقصات الدین ہیں اسی وجہ سے ان کی شہادت مردوں کے مقابلہ میں نصف ہے تو اس کے بعد بھی کوئی شخص اگر قانون شہادت کے اس مسئلہ کا انکار کرتا ہے یا عورت کا درجہ مرد کے مقابلہ میں کم ہونے کو نہیں مانتا، مساوات اور برابری کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ مسلمان نہیں رہ سکتا یہ شخص کافر اور مرتد ہے اس سے اسلامی تعلقات نکاح وغیرہ جائز نہیں، اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا، دیکھئے اکفار الملحدین۔ کیونکہ کسی حکم الٰہی پر اعتراض کرنا یا اسے نہ ماننا گویا خدا کے حکم کو نہ ماننا ہے، خدا پر اعتراض کرنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو نہ ماننا گویا ان کی نبوت پر اعتراض کرنا ہے، نبوت پر اعتراض اس کا انکار ہے قرآن وحدیث کی رو سے اسلام کے دائرہ میں رہ کر ایسے اعتراضات یا احکام شرع میں کسی قطعی اور منصوص حکم شرعی کا انکار کرنے کی اجازت ہرگز نہیں۔ اسلام اور شریعت اسلام کے دائرہ سے نکل کر ایسی بحث کی جائے تو دوسری بات ہے۔

ہمیں اس وقت منکرین خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور منکرین شریعت سے بحث نہیں ہے بلکہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے والے حضرات سے گفتگو ہے جو اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں یا مسلمان کہتے ہیں ایسے حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اس حقیقت کو تسلیم کریں کہ عورتوں کا مقام مردوں کے مقام کے برابر نہیں ہے، ان کی حیثیت مردوں کی نسبت سے کم ہے۔ مساوات کی آواز بے دین اور منکرین خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر کافروں سے متاثر لوگوں کی آواز ہے، برابری کا عقیدہ مسلمانوں کا عقیدہ نہیں ہے۔ اگلے صفحات میں انشاء اللہ اس پر مزید دلائل اور عدم مساوات کی وجوہ اور اسباب بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

یہ حقیقت ہے کہ عورتیں مردوں کے تابع اور ماتحت ہیں، پیدائش ہی سے اللہ تعالیٰ نے اس تابعیت کی طرف بذریعہ وحی اشارہ کردیا تھا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین میں خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا تو حضرت آدمی علیہ السلام کو (جو مرد ہی تھے) پیدا فرمایا اور منصب خلافت کے لئے حضرت آدم علیہ السلام (مرد ہی) کی تخلیق ہوئی تو تخلیق ہی سے آپ کو فوقیت دی گئی، اولیت دی گئی پھر حضرت آدم علیہ السلام کو تنہائی کی وحشت معلوم ہوئی تو اسے دور کرنے اور دوسرے مصالح کی غرض سے حوّا علیہا السّلام کو پیدا فرمایا، لیکن حضرت آدم علیہ السّلام کی طرح حضرت حوّا کی تخلیق مستقلاً مٹی سے نہیں ہوئی بلکہ انہیں حضرت آدم علیہ السّلام کی بائیں یا دائیں پسلی سے پیدا کیا چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

۱۔ یاَ یُّھَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالاً کَثِیْرًا وَّنِسَاءً الخ. (سورہ نساء آیت نمبر ۱)

ترجمہ: اے لوگو! تم ڈرو اپنے رب سے جس نے تمہیں ایک ہی نفس (حضرت آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اور اسی نفس سے اس کے جوڑے (حوّا) کو پیدا فرمایا اور ان دونوں میں سے بہت سارے مرد اور بے شمار عورتوں کو پیدا فرمایا۔

تشریح: آیتِ مذکورہ کے ترجمہ سے مفہوم بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ایک نفس حضرت آدم علیہ السّلام کو پیدا فرمایا اور انہی میں سے اُن کی بیوی (حضرت حواء) کو پیدا فرمایا اور ان دونوں میں سے دوسرے انسانوں کو پیدا فرمایا اور پیدا فرما رہے ہیں، تو اوّلاً تخلیق انسانی میں حضرت آدم علیہ السّلام کو حضرت حوّاء پر اوّلیت اور تقدّم حاصل ہے، ثانیاً حضرت آدمؑ کے جسم ہی سے حضرت حوّا کو پیدا فرمایا حضرت آدم گویا کل ہے اور حوا جز ہیں، ظاہر ہے کہ کُل کو جز پر فوقیت حاصل ہے۔

اب اس تشریح کے بارے میں علماء مفسرین کے اقوال ملاحظہ فرمائیں۔

علماء مفسّرین کے اقوال

آیت مذکورہ کی تفسیر میں امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں:

قولہ: "خلقکم من نفس واحدۃ" اجمع المسلمون علی ان المراد بالنفس الواحدۃ ھھنا ھو آدم علیہ السلام.

آگے چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

المراد من هٰذا الزّوج هو حوّاء، وفي كون حوّاء مخلوقة من اٰدم قولانِ.
الاوّل :وهو الذي عليه الاكثرون انه لمّاخلق الله اٰدم القي عليه النّوم ثمّ خلق حوّاء من ضلع من اضلاعه اليسرىٰ، فلمّا استيقظ راٰها ومال اليها والفها، لانها كانت مخلوقة من جزء من اجزائه، و احتجوا عليه بقول النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ان المرأة خلقت من ضلع اعوج فان ذهبت تقيمها كسرتها وان تركتها وفيها عوج استمتعت بها.
والقول الثاني: ان المراد من قوله "خلق منهازوجها "اى من جنسها: قال القاضي: والقول الاوّل اقوىٰ لكي يصحّ قوله "خلقكم من نفس واحدة".
(تفسير كبير للرازى :ص ۱۶۰، ۱۶۱. ج ۹)

قولہ "خلقكم من نفس واحدة" تمام مسلمانوں کا اجماع ہوا ہے کہ آیت مذکورہ میں نفس واحدہ سے مراد اس جگہ پر آدم علیہ السّلام ہیں، پھر لکھتے ہیں خلق منها زوجها میں مذکور زوج سے مراد اس جگہ پر حضرت حواء علیہا السّلام ہیں۔اور حضرت حواء علیہا السلام کے حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا ہونے میں دو قول ہیں: قول اوّل جس پر اکثریت کا اتفاق ہے کہ آدم علیہ السّلام کو جب اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ان پر نیند طاری کر دی پھر حضرت حواء کو بائیں جانب کی ایک پسلی سے پیدا فرمایا جب آدم علیہ السلام بیدار ہوئے دیکھا حضرت حواء بیٹھی ہوئی ہیں آپ ان کی طرف مائل ہوئے اور محبت کا اظہار کیا کیونکہ حضرت حواء آدم علیہ السلام کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔اور اس پر اتفاق کرنے والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ عورت کو ٹیڑھی پسلی سے بنایا گیا ہے اگر تم اس کو بالکل سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ ڈالو گے اور اگر اس کی ٹیڑھی حالت پر چھوڑتے ہوئے کام لو گے تو اس سے فائدہ حاصل کر سکو گے۔دوسرا قول یہ کہ حضرت آدم سے پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم کی جنس یعنی انسان بنایا ہے لیکن قاضی نے کہا پہلا قول صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نفس واحدہ سے پیدا فرمانے کا ذکر کیا ہے۔

۲۔صاحب روح المعانی علامہ محمود آلوسیؒ آیت مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قوله (والذي خلقكم من نفس واحدة) والمراد من النفس الواحدة آدم عليه

السلام، والذی علیه الجماعة من الفقهاء، و المحدثین، ومن وافقهم انّه لیس سویٰ اٰدم واحد وهو ابو البشر. (روح المعانی ص ۱۸۰. ج ۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے قول والذی خلقکم من نفس واحدة کے اندر نفس واحدہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں جس پر جماعت فقہاء ومحدّثین اوران کے پیروکار متفق ہیں وہ یہ کہ آدم علیہ السّلام ابوالبشر کے علاوہ اورکوئی آدم یا شخص مرادنہیں ہے۔

ثم ذکر قوله تعالیٰ (وخلق منها زوجها) المراد من الزوج حواء وهی قد خلقت من ضلع اٰدم علیه السّلام الایسر کما روی ذٰلک عن ابن عمرو غیره، وروی الشیخان (استوصوا بالنساء خیرا فانهن خلقن من ضلع اٰدم...... الخ

(روح المعانی ص ۱۸۱. ج ۴)

پھر آگے اللہ تعالیٰ کے قول خلق منها زوجها کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہاں پر زوج سے مراد حضرت حوّا علیہا السّلام ہیں اس کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں جانب کی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ ابن عمر کے علاوہ دوسرے صحابہ ابن عباس، ابو ہریرہ وغیرہما رضی اللہ عنہم سے روایت ہے جو کہ بخاری ومسلم میں ہے، استوصوا بالنساء خیراً فانهن خلقن من ضلع اٰدم.

۳۔صاحبِ تفسیر مظہری قاضی ثناءاللہ پانی پتی اپنی مبسوط اور معتبر تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

قوله:(الذی خلقکم)فی بدأ الامرمن نفس واحدة یعنی اٰدم علیه السلام (وخلق منها زوجها) یعنی حوّاء بالمد من ضلع من اضلاعه الیسریٰ عن ابی هریرة رضی الله عنهُ قال قال رسول الله صلی الله: استوصوابالنساء خیرا فانها خلقت من ضلع اٰدم. فو متفق علیه، واخرج ابو الشیخ عن ابن عباس قال: خلق حوّاء من قصریٰ اضلاعها، واخرج ابن ابی شیبة وعبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم عن مجاهدقال خلق حوّاء من آدم وهونائم فاستیقظ، الحدیث وجملة وخلق منها زوجها تقریر لخلقکم من نفس واحدة.

(تفسیر مظهری ص ۲. ج۲ سورة النساء) (کذا فی تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۸. ج ۱)

۲. واذقال ربک للملائکة انی جاعل فی الارض خلیفة (الیٰ قوله) ان کنتم صادقین٥

ترجمہ: جس نے تمہیں شروع میں نفس واحدہ سے پیدا کیا ہے یعنی آدم علیہ السلام سے، اور آدم علیہ السلام سے ان کا جوڑا حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کے بارے میں میری طرف سے خیر کی وصیت قبول کرو ان کے ساتھ خیر کا معاملہ کرو، اس لئے کہ عورتوں کو آدم علیہ السلام کی چھوٹی پسلی سے پیدا فرمایا ہے، بخاری ومسلم نے متفقہ طور پر اس کو روایت کیا ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر رابن ابی حاتم کی متفقہ روایت میں امام تفسیر مجاہدؒ سے منقول ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام سے اس وقت پیدا فرمایا ہے جب کہ آپ سو رہے تھے، پھر آدم علیہ السلام بیدار ہوئے تو حضرت حوا کو دیکھا بیٹھی ہوئی ہیں۔ اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ ضرور بناؤں گا زمین میں ایک نائب، فرشتے کہنے لگے کیا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے، اور خون ریزیاں کرینگے؟ اور ہم آپ کی تعریف کے ساتھ برابر تسبیح اور تقدیس کرتے رہتے ہیں، حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے، اور علم دے دیا اللہ تعالیٰ نے آدم کو سب چیزوں کے اسماء کا پھر وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو کر دیں۔ پھر فرمایا بتلاؤ مجھ کو اسماء ان کے اگر تم سچے ہو۔

صاحب روح المعانی آیت مذکورہ و علّم آدم الاسماء کلّھا کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

قوله وعلم اٰدم الخ عطف علی المحذوف ای فخلق و علم اوفخلقه وسوّاه، ونفخ فیه الروح وعلّم اوفجعل فی الارض خلیفة وعلّم وابرز اسمه علیه السّلام للتنصیص علیه. وقد اخرج احمد والترمذی وصححه غیر واحد انه تعالیٰ قبض قبضة من جمیع الارض سهلها وحزنها فخلق منها اٰدم فلذا تاتی بنوه اخیافاً ای مختلفین. (روح المعانی ص ۲۲۳. ج ۱)

صاحب روح المعانی چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

فذکر السدّی عن ابن مسعود وابن عباس و ناس من الصحابة رضی اللّٰه تعالیٰ عنهم ان اللّٰه تعالیٰ لمّا اخرج ابلیس من الجنّة واسکنها اٰدم بقی فیها وحده وما کان معه من یستأنس به فالقی اللّٰه تعالیٰ علیه النّوم ثمّ اخذ ضلعاً من جانبه

الایسر ووضع مکانہٗ لحما وخلق حوّاء منه فلمّا استیقظ وجدها عند راسه قاعدة فسألها من انت؟ قالت :امرأة، قال :ولم خلقت؟ قالت: لتسکن الیّ.
(روح المعانی: ص ۲۳۳، ۲۳۴. ج ۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا قول و علم اٰدم الاسماء کلّھا کا جملہ محذوف پر عطف ہے یعنی حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور آپ کو تمام اشیاء کے اسماء اور ان کے خواص کی تعلیم دی یا آپ کو پیدا فرمایا اور درست کیا پھر روح پھونکی پھر تعلیم دی، یا آپ کو خلیفہ بنایا پھر آپ کو تعلیم دی، اس جگہ خلافت کے بارے میں آدمؑ کا نام ظاہر کرنا تخصیص و تنصیص کی علامت ہے جس میں حوّاء علیہا السّلام شامل نہیں۔ امام ترمذی، احمد بن حنبل نے روایت کی ہے اور بیشمار لوگوں نے اس کی تصحیح کی ہے وہ حدیث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری روئے زمین سے ایک مٹھی مٹی کو لیا جس میں عمدہ اور ناقص ہر طرح کی مٹی شامل تھی اور اسی سے آدمؑ کو پیدا کیا، یہی وجہ ہے کہ آدم کی اولاد مختلف الاشکال اور مختلف المزاج ہے۔ پھر امام التاریخ سدّی سے نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود، ابن عباس اور صحابہؓ کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب شیطان کو جنت سے نکالا اور آدم کو جنت میں جگہ دے دی تو آپ اکیلے رہ گئے آپ کا ساتھی کوئی ایسا نہیں تھا جس سے آپ انس حاصل کرتے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری کر دی، پھر ان کی بائیں پسلی لے کر حوّاءؑ کو پیدا کیا پسلی کی جگہ کو گوشت سے بھر دیا جب حضرت آدم علیہ السّلام بیدار ہوئے تو حضرت حوّاء کو اپنے پاس بیٹھا ہوا دیکھا پوچھا کون ہو؟ جواب دیا عورت ہوں، پوچھا کس لئے پیدا کی گئی ہو؟ جواب دیا کہ آپ مجھ سے سکون اور انس حاصل کریں۔

۳۔ صاحب تفسیر کبیر آیت "وقلنا یاٰدم اسکن انت وزوجک الجنة" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

المسئلة الثّالثة: اجمعوا علی ان المراد بالزوجة حوّاء وان لم یتقدّم ذکرها فی هذه السورة وفی سائر القراٰن مایدلّ علیٰ ذٰلک وانها مخلوقة منه کما قال الله تعالیٰ فی سورة النساء: الّذی خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها، وفی الاعراف: وخلق منها زوجها لیسکن الیها. روی الحسن عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه قال: ان المرأة خلقت من ضلع الرجل فان اردت ان تقیمها کسرتها وان ترکتها انتفعت بها واستقامت. (التفسیر کبیر: ص ۳، ج ۳)

ترجمہ: تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ آیت میں زوج سے مراد حوّاء ہیں اگرچہ اس سے قبل اس کا ذکر نہیں گزرا کیونکہ قرآن میں ایسی آیات موجود ہیں جو اس پر دال ہیں کہ آپ حضرت آدمؑ کی بیوی ہیں اور حضرت آدمؑ ہی کا جزو ہیں جیسا کہ سورۂ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے الذی خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها، اور سورۂ اعراف میں وخلق منها زوجها لیسکن الیها کی تفسیر میں حضرت حسنؓ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کی ہے کہ عورت کو مرد کی بائیں پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اگر آپ اسے درست اور سیدھا کرنا چاہیں گے تو اسے توڑ دیں گے اور اگر اسے سختی کئے بغیر چھوڑ دیں گے تو نفع حاصل کر سکیں گے۔

۳. هو الذی خلقکم من نفس واحدة الخ. (سورۂ اعراف آیت نمبر ۱۸۹)

وہ اللہ ایسا ہے جس نے تم کو ایک تن واحد سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ اس (اپنے جوڑے) سے انس حاصل کرے۔

تشریح: آیت مذکورہ اپنے مفہوم و مدلول میں بالکل واضح ہے کسی تشریح کی محتاج نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اتنی اونچی اور عظیم ہے جس نے پوری انسانی کائنات کو تن واحد، شخص واحد سے پیدا فرمایا اور اسی میں سے اس کا جوڑا پیدا فرمایا نفس واحد سے مراد حضرت آدم علیہ السّلام ہیں اور زوجہا سے مراد حضرت حوّاء علیہا السّلام ہیں۔

چنانچہ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

قوله: من نفس واحدة وهو اٰدم علیه السّلام علیٰ مانصّ علیه الجمهور، قولهٗ: وخلق منها زوجها ای من جنسها کمافی قولهٖ سبحانهٗ (جعل لکم من انفسکم ازواجاً) ف "من" ابتدائیة ،والمشهور انها تبعیضیة ای من جسدها،لما یروی انهٗ سبحانهٗ خلق حواء من ضلع اٰدم علیه السّلام الیسریٰ والکیفیة مجهولة لنا ولا یعجز الله تعالیٰ شیئٌ الخ. (ص ۱۳۸. ج ۹)

ترجمہ: آیت مذکورہ میں نفس واحدۃ سے مراد جمہور امت کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور زوجہا سے مراد حضرت حواء علیہا السلام ہیں اور جعل منها سے مراد یا تو جنس آدمؑ سے پیدا کیا ہے (مراد ہے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول وجعل لکم من انفسکم ازواجا سے اشارہ ملتا ہے اس وقت کلمۂ من ابتدائیہ ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ من ابتدائیہ نہیں ہے بلکہ تبعیضیہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حواء کو حضرت

آدمؑ کے جز میں سے پیدا کیا گیا البتہ اس کی کیفیت کیا ہوگی معلوم نہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی چیز مشکل نہیں ہے۔

قرآن کریم میں دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو کھیت سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

قال اللّٰہ تعالی: نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم.

ترجمہ: تمہاری بیویاں تمہارے کھیت ہیں جس طرح چاہو اپنی کھیتوں میں اللہ کے حکم کے مطابق آؤ۔

یہ آیت ایک انصاری صحابیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے ان کا شوہر جماع کے خاص طریقہ پر مصر تھا جس کا انصاری عورتوں میں رواج نہ تھا۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تو آپ پر یہ آیت اتری، اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ جماع اس مخصوص طریقہ پر شرعًا کوئی گناہ نہیں، پھر چونکہ کسی اور عورت کو جماع کی کسی دوسری نئی صورت پر اعتراض اور شبہ ہوسکتا تھا کہ یہ صورت تو قرآن کریم کی رو سے جائز ہونا معلوم ہوا لیکن دوسری غیر معروف صورتیں ممکن ہے ناجائز ہوں، اسی شبہ کو دفع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا کہ تمہاری بیویاں تمہارے لئے بمنزلہ کھیت ہیں جماع کی جگہ پر جس طرح اور جس کیفیت سے چاہو کھیت کے پاس جاؤ اس میں کسی خاص صورت یا خاص جانب سے جانے پر پابندی نہیں۔ دیکھئے تفسیر مظہری ص ۲۸۴۔

(ج ا تفسیر کبیر ص ۱۷ ج ۲)

نیز عورتوں کو کھیت سے تشبیہ دینے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح مالک زمین کو اپنے کھیت میں اپنی پسند کے طریقہ، اپنی فرصت کے مطابق جس طرح چاہے آنے جانے کی اجازت ہے۔ اسی طرح بیویوں کے پاس بھی اپنے نزدیک پسندیدہ طریقہ اور آسان طریقہ، سہولت والی کیفیت سے جماع کرنے کی غرض سے جانے کی اجازت ہے۔ جس طرح کھیت کو اس بات کا حق نہیں ہوتا کہ مجھے یہ طریقہ پسند نہیں لہٰذا اس طرح کھیتی نہ کریں، بیج نہ بوئیں بلکہ دوسری طرح کھیتی کریں دوسروں کے طریقوں پر بیج بوئیں۔ اسی طرح عورتوں کو بھی شوہروں پر اعتراض کرنے کا حق نہیں کہ وہ شوہر کی مرضی کے خلاف جماع کے لئے خاص صورت اور خاص کیفیت کو متعین کردیں، کیونکہ زوج بمنزلۂ مالک زمین اس کھیت کے مالک ہیں، عورت بمنزلہ مملوک اور کھیت کی ہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس امر کا حکم دیا ہے اس کی پابندی ضروری ہے۔ مثلاً ایام حیض ونفاس

میں عورتوں کے پاس نہ جایا جاوے اور جماع کے لئے ایسی کوئی کیفیت اختیار نہ کریں جو کہ جسمانی لحاظ سے عورت کے لئے تکلیف دہ ہو۔ ہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ جو بھی صورت جماع کے لیے اختیار کی جائے، دونوں کی مفاہمت سے ہو بہتر ہے۔ اس میں ازدواجی تعلق پر برُا اثر نہیں پڑتا ورنہ برے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ بہرحال بتانا یہ ہے کہ عورت کی حیثیت شوہر کے مقابلہ میں تابع اور فرع کی ہے یہاں پر اگر کوئی یہ شبہ اور اعتراض کرے کہ قرآن وحدیث کی نصوص کی رو سے اور حقائق کی روشنی میں عورت انسان ہے اور ذی شعور ہے اللہ تعالیٰ نے اسے عقل دی ہے، فہم اور سمجھ دی ہے۔ مردوں کی طرح وہ بھی شرع اور احکامِ شرع کی مکلّف ہے جس طرح مردوں کے لئے جنت کی بشارت اور دوزخ کی وعید ہے اسی طرح عورتوں کے لئے بھی ہے، مرد انسانی زندگی میں ترقی نہیں کر سکتا الا یہ کہ عورت اس کی معاون ہو۔ غرض بحیثیت انسان پوری انسانیت اس کے اندر موجود ہے پھر کیا اسباب ہیں کہ عورت کو اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں غیر معقول، غیر ذی روح کھیت یا کھیت والی زمین کے ساتھ تشبیہ دی ہے؟ اور اس کے اندر کیا نکتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں یہ بتلانا مقصد ہے کہ عورت ذاتِ انسانیت میں اگرچہ مرد کے ساتھ شریک ہے لیکن صفات انسانیت اور احکام انسانیت میں دونوں برابر نہیں۔ مردوں میں عموماً تمام انسانی صفات بدرجہ اتم واکمل موجود ہوتی ہیں عورتوں میں ایسا نہیں ہوتا جس کی تفصیلی بحث الرجال قوامون کے تحت انشاء اللہ آرہی ہے، اور یہ فرق بیان کرنا مقصد ہے کہ عورت کی حیثیت مرد کے مقابلہ میں تابع اور فرع کی ہے۔ مرد بمنزلہٗ اصل اور متبوع کے ہے جس سے ثابت ہوا کہ حضرت حواء علیہا السّلام (کی حیثیت جو کہ عورت تھیں) حضرت آدمؑ کے مقابل جز کی تھی اور حضرت آدمؑ اصل تھے اور حضرت حوّاء علیہا السّلام فرع تھیں۔ ظاہر ہے جز اور کل برابر نہیں ہوتے، اصل اور فرع برابر نہیں ہوتے تو دنیا میں سب سے پہلی عورت سب کی ماں کے بارے میں جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ مرد (حضرت آدمؑ کے) مقابلہ میں فرع اور جزء کی حیثیت رکھتی ہے تو تمام دنیا کی عورتوں کے بارے میں بھی یہ ثابت ہو گیا کہ وہ بھی فرع اور جز کی حیثیت رکھتی ہیں اور دنیا میں جتنے مرد ہیں وہ اصل اور کل کی حیثیت رکھتے ہیں۔''

عورتوں پر مردوں کی سربراہی اور حکومت چلے گی اور عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کے اختیارات زیادہ ہوں گے۔ باقی اس تشبیہ میں اس کے علاوہ جو نکتے سمجھ میں آتے ہیں وہ یہ ہیں۔

(الف) جس طرح زمیندار کو پیداوار حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ زمین کو ہمیشہ آباد رکھے اور اسے بے آباد اور ویران نہ چھوڑے۔ اسی طرح ازدواجی زندگی کے خاطر خواہ ثمرات حاصل کرنے کے

لئے ضروری ہے کہ مرد عورت کو بے آباد نہ چھوڑے بلکہ اسے آباد کرے اور اس کے حقوق کو ادا کرتا رہے۔

(ب) جس طرح زمین کو بے آباد رکھنے سے بنجر ہو جاتی ہے، قابل پیداوار نہیں رہتی اسی طرح عورتوں کو بے آباد رکھنے سے ان کے حالات درست نہیں رہتے ہر قسم کی تکلیفوں اور پریشانیوں سے دوچار ہو کر طلاق وخلع کی سعی کرتی ہیں۔ اگر نا کام ہو جاتی ہیں تو عدالت کے دروازے تک پہنچ جاتی ہیں۔ وہاں سے نا کام ہو جائیں تو گناہ کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں، یا خودکشی تک کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہیں جس کے نتیجے میں انسانی زندگی کے میدان اور زمین ویران ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے ازواجی تعلق کے نتیجے میں کوئی ثمرہ طیبہ اور نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔

(ج) گویا جس طرح زمین کی بے آبادی سے زمین ملکیت سے چلی جانے کا خطرہ ہو سکتا ہے اسی طرح عورتوں کو آباد نہ کرنے اور ان کے حقوق ادا نہ کرنے کی وجہ سے بیوی کا بھی ملکیت سے نکل جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

(د) جس طرح زمیندار پیداوار حاصل کرنے کے لئے بیج بونے اور کھیتی کرنے میں زمین کا محتاج ہے اسی طرح انسانی پیداوار بڑھانے میں شوہر عورت کا محتاج ہے اسے ضروریات نکاح کی تیاری کے بعد نکاح کرنا ہوتا ہے پھر اس کے حقوق زوجیت نان ونفقہ اور دوسرے اخراجات ادا کرنے ہوتے ہیں، گویا زمین جس طرح کاشت کار کی محنت کے بغیر پیداوار نہیں دے سکتی اسی طرح عورت بھی انسانی پیداوار اور انسانی زندگی کے نتائج اور ثمرات مرد کے بغیر پیش نہیں کر سکتی۔ یہی حال کاشت کار کا اور مرد کا بھی ہے کہ وہ دونوں بھی زمین اور عورت کے محتاج ہیں، تاہم مرد بمنزلہ کاشت کار ہونے اور عورت بمنزلہ زمین ہونے کے مرد اصل اور عورت تابع ہے۔

(ہ) قرآن کریم میں ایک جگہ پر مرد کو عورت کا لباس اور عورت کو مرد کا لباس کہا گیا ہے، اس میں دونوں کو ایک دوسرے کا محتاج ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا لیکن آیت نساء کم حرث لکم میں دونوں کی حیثیت کو بیان کیا گیا ہے۔

(و) جس طرح زمین سے پیداوار حاصل کرنے کے لئے اس کی اصلاح اور کاشتکاری کے اصول اور ضوابط پر عمل کرنے کی ضرورت ہے تا کہ نتائج خاطر خواہ نکلیں اسی طرح ازدواجی زندگی کے ثمرات صحیحہ کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ عورت کی اصلاح اور فلاح کے لئے کام کیا جائے اور اس پر محنت کی جائے اس پر خرچ کیا جائے، مرد وزن کے حقوق کی پابندی کی جائے کیونکہ قرآن کریم میں ایک جگہ پر فرمایا

گیا ہے کہ مردوزن میں سے ہر ایک کے دوسرے پر حقوق ہیں لیکن پھر بھی مرد کو عورت پر ایک گونہ فوقیت حاصل ہے۔ حقوق الزوجین کے موضوع پر اگر موقع ہو تو انشاء اللہ لکھنے کا ارادہ ہے اس وقت تو یہ بتانا مقصد ہے کہ عورت پر مرد کو فضیلت حاصل ہے۔

(ز) شرعی قانون کے اندر رہتے ہوئے مرد کو حق ہے کہ عورت پر اپنے اختیارات استعمال کرے، عورت کو اس کا حق نہیں کہ وہ مرد کی مرضی کے خلاف اپنے اختیارات استعمال کرے۔ حدیث میں آیا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عورتیں مردوں پر اختیارات استعمال کریں گی، مردوں پر حکومت کرنے لگیں گی تو اس وقت قیامت کے آثار اور علامت خسف، مسخ، زلزلہ وغیرہ امور شروع ہو جائیں گے تو آیت نساء کم حرث لکم کے اندر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس طرح زمین پر کاشتکار کے اختیارات چلتے ہیں اسی طرح عورتوں پر مردوں کے اختیارات چلیں گے، چنانچہ آیت کا سبب نزول اس پر واضح دلیل ہے۔ یہ چند نکتے جو آیت مذکورہ کے متعلق ذہن میں تھے لکھ دیئے، اس کے دوسرے نکات بھی ہیں اور یقیناً ہیں لیکن اس کی تحقیق کا موقع اس وقت نہیں ہے۔

قانون شرع میں عورتوں کا مقام از روئے حدیث

جس طرح قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت حوّاء کو آدم علیہ السّلام کے جسم اور ان کے جزء سے پیدا کیا گیا حدیث سے بھی ثابت ہے اور اس سے عورتوں کا مقام اور حیثیت بھی متعین ہو جاتی ہے۔

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

ا۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہُ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: استوصوا بالنساء خیرًا، فان المرأۃ خلقت من ضلع وان اعوج شیٔ فی الضّلع اعلاہ فان ذھبت تقیمہ کسرتہ وان ترکتہ لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء.

(بخاری ج ۱ ص ۴۶۹، ص ۷۷۹ ج ۲ مسلم ص ۴۷۵. ترمذی ص ۲۲۶، ابن ماجہ ص ۱۳۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کے بارے خیر اور خیر خواہی کا حکم کرو کیونکہ عورت حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں جانب کی ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اگر اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ دو گے اور اگر بغیر سخت گیری کے چھوڑ دو گے تو ٹیڑھی تو رہیگی۔ ایک روایت میں ہے ویسے چھوڑ دیں گے تو انتفاع حاصل کر سکیں گے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۲۔ الدنیا کلھا متاع و خیر متاع الدنیا المرأة الصّالحة. (مشکوۃ)

دنیا و مافیہا اسباب اور سامان زندگی ہیں اور ان اسباب اور سامان میں صالح عورت بہترین اثاثہ ہے۔

حدیث مذکور میں عورتوں کو گھر کی ضروری اسباب اور اثاثے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، پھر یہ بھی بتایا گیا کہ بہترین اثاثے میں سے نیک عورت ہے۔ حدیث کا مقصد یہ نہیں کہ واقعۃً عورت گھر کے بے جان اثاثے ہیں بے عقل، بے حس ہیں یا ان کے اندر انسانیت نہیں ہے بلکہ یہ مقصد ہے کہ عورت کی حیثیت مرد کے مقابلہ میں کم ہے جس طرح اثاثے انسانی زندگی کے لئے ضروری اور ناگزیر ہیں نیک عورت کی ضرورت ان سے بھی زیادہ ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جس طرح اثاثے اور اسباب پر انسان کے اختیارات چلتے ہیں انسانوں پر اثاثے اور اسباب کے کوئی اختیارات نہیں چلتے، اسی طرح عورتوں پر مردوں کے اختیارات چلیں گے مردوں پر عورتوں کے اختیارات نہیں چل سکیں گے۔

۳. عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
اخروھن من حیث اخرھن اللہ . (مصنف عبدالرزاق)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کو مؤخر اور پیچھے کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو مؤخر اور پیچھے کیا ہے۔

صاحب نہایہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے جن مقامات میں عورتوں کو درجہ اور رتبہ میں مؤخر کیا ہے ان میں سے وراثت میں مرد کے مقابلہ عورتوں کا حصہ نصف ہونا، شہادت میں عورتوں کی شہادت کا نصف...... ہونا، خلافت و امامت میں عورتوں کا بالکل اہل نہ ہونا وغیرہ ہیں، اسی حدیث سے جمہور امت اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ نمازوں میں اگر عورتیں شامل ہوں تو ان کی صف سب سے پیچھے حتّٰی کہ بچوں کی صفوں کے بھی بعد ہونا چاہیئے، مردوں کی صفوں میں عورتوں کا کھڑا ہونا جائز نہیں۔ (شامی، بدائع، بحر الرائق) بلکہ احناف کے نزدیک عورتوں کے مردوں کے برابر کھڑے ہونے سے نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ (فتح القدیر، بحر الرائق، شامی) معلوم ہوا کہ عورتوں کا مقام مردوں کے مقابلہ میں کم ہے، دونوں ایک دوسرے کے مساوی نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ جمہور امت کے نزدیک عورتوں کا مردوں کے آگے امام بننا جائز نہیں ہے۔

قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث منقول ہے حدیث کا ایک ٹکڑا یہ ہے:

۴۔ **لو کنت اٰمرا احدًا ان یّسجد لاحدٍ لامرت النساء ان یسجدن لازواجهنّ لما جعل اللّٰه لهم علیهن من الحق.** (رواه ابوداود ص ۲۹۸. ج ۱)

اگر میں کسی کو مخلوق کے لئے...... سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورتوں کو اپنے شوہروں کیلئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر مردوں کا بڑا حق رکھا ہے۔

حدیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ مرد اور عورت برابر نہیں، مرد عورت کے لئے قابلِ احترام ہے، عورت کا مقام ایسا نہیں ہے۔

قرآن وحدیث اور تفاسیر کے درج بالا حوالوں سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ حضرت آدم علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ نے خلافت ارضی کے لئے پیدا فرمایا حوّا ء کو خلافت کے امور کے لئے نہیں بلکہ حضرت آدم علیہ السّلام کو سکون اور انس پہنچانے کے واسطے پیدا فرمایا۔

۲۔ حضرت آدم علیہ السّلام کو تخلیق میں جس طرح تقدّم زمانی حاصل ہے اسی طرح تقدّم رتبی حاصل ہے۔

۳۔ امور خلافت بلکہ تمام اشیاء کے اسماء اور خواص کی تعلیم حضرت آدم علیہ السّلام کو دی گئی قرآن مجید میں اس پر نص ہے حضرت حوّا ء کو نہیں۔

۴۔ حضرت آدم علیہ السّلام کو فرشتوں کے ذریعہ احترام واکرام کی خاطر اصالۃً مسجود ٹھہرایا گیا۔

۵۔ حضرت آدم علیہ السّلام کی حیثیت حاکم اور سربراہ کی ہے، حوّا علیہا السّلام کی حیثیت ایک محکوم اور تابع کی ہے۔

۶۔ حضرت آدم علیہ السّلام کی تخلیق میں مقصدیت حاصل ہے جبکہ حضرت حوّا ء کو تابعیت دی گئی ہے۔

۷۔ حضرت آدم علیہ السّلام کی حیثیت اصل کی ہے حضرت حوّا ء کی حیثیت فرع کی ہے۔

۸۔ حضرت آدم علیہ السّلام کل کی حیثیت رکھتے ہیں حضرت حوّا ء جز کی طرح ہیں۔

۹۔ عورت کو مرد کی بائیں جانب کی ٹیڑھی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اس لئے ان کے فہم میں ایک طرح کی کجی اور ٹیڑھ پن ہے۔

۱۰۔ ان کے ٹیڑھ پن کا صحیح علاج ناممکن ہے کیونکہ فطرت وخلق میں ایسا ہی ہے فطرت وخلقت میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

۱۱۔ مرد کے اندر چونکہ خلقۃً یہ خامیاں نہیں رکھی گئیں اس لئے اسے صبر اور تحمل سے کام لینے اور ان کے

بارے میں خیر خواہی کرنے کی وصیت فرمائی گئی۔

۱۲۔ نیز قرآن وحدیث کی نصوص کا مرکزی خیال یہ نکلتا ہے کہ عورتوں میں فطری طور پر کمزوری ہے۔

شریعتِ اسلامیہ میں عورت کا مقام

الغرض قرآن وحدیث کی دوسری بہت سی نصوص بھی موجود ہیں جن میں مختلف امور میں عورتوں پر مردوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے، انہی امور کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء کی ایک ہی آیت نمبر ۳۴ میں سمودیا ہے۔ سورۂ نساء کی آیت مذکورہ گویا تمام فضائل کی بحث کے لئے عنوان اور ہیڈ لائن ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

الرّجال قوّامون علی النّساء بما فضّل اللّٰہ بعضھم علیٰ بعض وبمآ انفقوا من اموالھم فالصّٰلحٰت قٰنتٰت حٰفظٰت للغیب بما حفظ اللّٰہ والّٰتی تخافون نشوزھنّ فعظوھنّ واھجروھنّ فی المضاجع و اضربوھنّ فان اطعنکم فلا تبغوا علیھنّ سبیلاً ط انّ اللّٰہ کان علیاً کبیرا o (سورۂ نساء)

مرد حاکم اور سربراہ ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے ان پر مال خرچ کئے ہیں۔ سو جو عورتیں نیک ہیں وہ اطاعت کرتی ہیں، مرد کی عدم موجودگی میں "بحفاظت الٰہی" گھر اور اثاثے کی اور اپنے نفس کی نگہداشت کرتی ہیں، اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بددماغی کا احتمال ہو تو ان کو نصیحت کرو اور ان کو لیٹنے کی جگہوں میں اکیلی چھوڑ دو اور ان کو مارو، پھر وہ اگر تمہاری اطاعت کرنا شروع کردیں تو ان پر ظلم اور زیادتی کے لئے بہانہ مت ڈھونڈو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی رفعت اور عظمت والے ہیں۔ (سورہ نساء آیت نمبر ۳۴)

آیت مذکورہ کی تشریح سے قبل اس کا سبب نزول بیان کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اصل واقعہ اور صحیح حالات معلوم ہوجائیں۔

آیت کے سبب نزول کے بارے میں مفسّرین نے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو واقعات ذکر کئے ہیں وہ یہ ہیں۔

(الف) سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ، جو کہ نقباء میں سے ایک تھے ان کی بیوی حبیبہ بنت ابی زہیر نے ایک مرتبہ کسی معاملہ میں شوہر کی نافرمانی کی انہوں نے زور سے طمانچہ مارا جس سے چہرہ پر نشان پڑ گیا

تھا، ابوزہیر کو جب معلوم ہوا تو وہ اپنی بیٹی کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیان کیا کہ سعد بن الربیع نے میری آنکھوں کی پتلی جگر پارہ کو طمانچہ مارا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت قصاص کے رو سے حکم دیا کہ شوہر سے بدلہ لیں، ابوزہیر اپنی بیٹی کو لے کر نکلے فوراً حضرت جبرئیل علیہ السّلام آیت الرّجال قوّامون الآیۃ لے کر تشریف لائے آیت نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا پھر فرمایا قصاص لینے کی اجازت نہیں خدا کا یہی حکم ہے کیونکہ وہ حکمران اور سربراہ ہونے کے اعتبار سے مؤدب ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن الربیع کی بیوی حبیبہ کا قصّہ نہیں بلکہ ان کی بیوی خولہ بنت محمد بن سلمہ کا قصّہ ہے۔

(ب) دوسرا واقعہ سبب نزول میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ثابت بن قیس بن مناش کی بیوی جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی ایک مرتبہ گھر سے باہر کہیں جانا چاہتی تھی، ثابت بن قیس نے منع کیا اور کہا کہ میری بات مانو اور میری اطاعت تمہارے ذمہ ضروری ہے مگر گناہ کے کام میں میری اطاعت ضروری نہیں ہے، لیکن جمیلہ نے انکار کیا باہر نکل جانے کی کوشش کی۔ ثابت بن قیس نے اس پر جمیلہ کو مارا یہاں تک کہ چوٹ لگی اور نشان پڑ گیا، یہ قصّہ جب جمیلہ کے والد کو معلوم ہوا تو وہ اپنی بیٹی کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قصّہ بیان کیا۔ القصّہ پھر آیت مذکورہ اتری جس کے بعد آپؐ نے قصاص لینے کا حکم واپس لے لیا۔

آیت مذکورہ کے سبب نزول سے مجموعی طور پر اتنا معلوم ہوا کہ عورت کو شوہر کی اطاعت ضروری ہے اگر وہ اطاعت کی جگہ نافرمانی کرتی ہے تو شوہر کو مارنے کا حق ہے اور اس میں اگر نشان بھی پڑ جائے تو قصاص نہیں آئے گا۔ البتہ یہ دوسری بات ہے کہ مردوں کو چاہیے کہ عورتوں کو اس طرح نہ ماریں جس سے نشان پڑ جاوے، یہ گناہ ہے۔

آیت مذکورہ کی تشریح:۔

اس سے ماقبل آیات میں اللہ تعالیٰ نے باب میراث میں عورتوں کے مقابلے میں مردوں کی فضیلت کو بیان کیا ہے اور عہد نبویؐ میں جن عورتوں کو مردوں پر فضیلت دینے پر شبہات تھے ان کے جوابات دیئے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے علی الاطلاق عورتوں پر مردوں کی فضیلت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ مردوں کو عورتوں پر حاکم اور سربراہ مقرر کیا ہے اور مردوں کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر تادیب اور اصلاح کی غرض سے تنبیہ اور وعظ کافی نہ ہو تو ان کو تادیبی سزا دینے کی بھی اجازت ہے۔ اور اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر بہت سارے امور میں فضیلت دی ہے، مثلاً

عقل، علم، فہم، حسن تدبیر، قوت نظریہ، قوتِ عملیہ، قوتِ جسمانیہ، شجاعت، قوّت محنت، صبر وتحمل وغیرہ وغیرہ۔ اور دوسرے اس وجہ سے ہے کہ مردوں نے عورتوں پر بڑا مال خرچ کیا، ان کو مہر دیا ان کو نان نفقہ وغیرہ دیا تو مرد عورتوں کے محسن ہوئے اور جس پر احسان کیا جاتا ہے، محسن کو اس پر حق حکمرانی حاصل ہوتا ہے۔

اس مختصر تشریح کے بعد اب آیت مذکورہ کے بارے میں مفسرین کرام کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ عمادالدین بن کثیرؒ تحریر فرماتے ہیں:

ترجمہ: مرد عورتوں پر حاکم ہیں یعنی سربراہ اور نگران ہیں، انکو ادب سکھانے والے ہیں جب کہ وہ غلط رویّہ اختیار کریں بسبب اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے، مرد عورت سے افضل اور بہتر ہے، یہی وجہ ہے کہ نبوت مردوں کے ساتھ مختص ہے عورتوں کو نبوت ورسالت سے نہیں نوازا گیا، یہی وجہ ہے کہ عورت سلطان اسلام کے منصب پر فائز نہیں ہوسکتی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم ہرگز فلاح یاب نہیں ہوسکتی جس نے اپنا سربراہ یا ولی عورت کو بنایا۔ (بخاری)

نیز اللہ تعالیٰ نے مردوں کو کمال عقل دیا ہے، فکر وتدبر زیادہ سے زیادہ دیئے ہیں، ولایت کبریٰ کا حق دیا ہے، اسی طرح قانون شہادت اور جہاد میں، اقامت جمعہ واقامت جماعت میں اور امامت کرنے کے حق میں مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے۔ (ابن کثیر ص ۴۹۱. ج ۱)

۲: امام فخر الدّین رازی آیت مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

۲۔ قولهٗ الرّجال قوّامون علی النسآء الخ ثمّ انهٗ تعالیٰ لمّا اثبت للرّجال سلطنةً علی النسآء ونفاذ امرٍ علیهنّ بینِ أنّ ذٰلک معلل بامرین الخ. (ص ۸۸. ج ۱)

اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ: مرد عورتوں پر قیّم اور سربراہ ہیں، میں عورتوں پر مردوں کے لئے ایک قسم کی سلطنت اور حکومت ثابت کی گئی ہے اور یہ بتایا ہے کہ مردوں کا حکم عورتوں پر نافذ ہوگا۔

اور اللہ تعالیٰ نے آیت میں اس کی دو علتیں بیان فرمائی ہیں: ایک علت کو بما فضل الله سے اور دوسری علّت کو وبما انفقوا سے ذکر کیا ہے یہاں پر پہلی علت میں بیان کردہ فضیلت سے مراد مرد کی فطری صفات مثلاً قدرت عقل وفہم وغیرہ ہیں کیونکہ اس میں شک نہیں کہ مردوں کی عقل عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ اور ان کا علم وفہم عورتوں کی نسبت سے کہیں زیادہ ہے۔

اعمالِ شاقہ اور محنت کی قدرت ان کی ظاہر ہے، اسی وجہ سے جہاد، اذان، خطبۂ وعیدین، امامت کبریٰ (حکومت) امامت صغریٰ (نماز کی امامت) اور مسجدوں میں اعتکاف کی سنت مردوں

کے ساتھ مخصوص ہیں۔ حدود وقصاص، معاملات وحقوق میں مرد کی شہادت معتبر اور عورتوں کی صرف معاملات میں نیز نکاح کی ولایت مردوں کو حاصل ہے، مردوں کی وجہ سے عورتوں کی میراث آدھی ہو جاتی ہے، قتل خطا میں دیت اور تاوان مرد ادا کرتے ہیں، قسامت میں قسم مردوں پر آتی ہے وغیرہ۔ وغیرہ اور دوسری علت قولہ بما انفقوا سے مراد عورتوں کے حق مہر، نان ونفقہ، مکان وغیرہ جیسی اشیاء ہیں جن کو مرد ادا کرتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ص ۸۸. ج ۱، کذافی تفسیر جمل ص ۴۷۸. ج ۱)

مفتی بغداد محقق مفسر ابوالفضل السید محمود آلوسی روح المعانی میں تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

خلاصہ: اللہ تعالیٰ کے قول الرجال قوّامون علی النسآء میں مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی گئی ہے، ان کو عورتوں پر نگران اور سربراہ بنایا گیا، اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے اندر ان تمام چیزوں کی تفصیلات کی طرف اشارہ فرمایا ہے (جن کی بناء پر مردوں کو عورتوں پر سلطنت اور سربراہی حاصل ہوتی ہے، ان کی تفصیلی فہرست بہت لمبی ہے اور اکثر و بیشتر واضح ہیں) تفصیلات بیان نہیں فرمائیں، حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو ناقصات العقل اور ناقصات الدین کہا ہے (بخاری و مسلم) اسی وجہ سے قول مشہور کے مطابق نبوت و رسالت مردوں کے لئے خاص ہے، امامت کبریٰ، امامت صغریٰ، شعائر، اسلام، اذان، خطبہ عیدین اقامت جمعہ واقامت عیدین کا وجوب مردوں کے ساتھ خاص ہے، طلاق کا اختیار مردوں کو ہے، (امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح کا اختیار بھی) ہے حدود وقصاص میں صرف مردوں کی شہادت معتبر ہے، میراث میں عورتوں کے مقابلے میں مردوں کا حصہ دگنا اور دہرا ہے، مردوں کی وجہ سے عورتیں عصبہ بن جاتی ہیں، اسی وجہ سے از روئے تادیب مردوں کو یہ حق بھی ہے کہ عورتوں کو ماریں اور ان کو نافرمانی پر تادیبی سزا دیں۔

(روح المعانی ص ۲۳. ج ۵)

اسی قسم کی تفسیر قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے بھی نقل کی ہے پھر فرماتے ہیں کہ یہ تمام فضائل مردوں میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے وہبی ہیں اور انہیں فضائل وہبیہ اور فضائل کسبیہ یعنی حق مہر، نان ونفقہ و دیگر اخراجات کی ادائیگی اور مکان وغیرہ کے انتظام کی بناء پر مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر میں کسی مخلوق کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں''۔ (ابوداؤد) تفسیر مظہری ص ۹۸. ج ۲)

مذکورہ بالا قرآن وحدیث اور تفسیری حوالوں سے ثابت ہوا کہ عورتوں کے مقابلے میں مردوں کو زیادہ فضیلت حاصل ہے، اور منجملہ ان امور میں سے قانون شہادت میں بھی مردوں کو عورتوں کی نسبت فضیلت حاصل ہے، عورتوں کی شہادت حدود وقصاص کے مقدّمات میں قابل قبول ہی نہیں معاملات میں اگر ایک گواہ مرد موجود ہو تو دوسرے گواہ کی جگہ پر دو عورتیں شہادت دے سکتی ہیں، البتہ عورتوں کے مخصوص مسائل میں تنہا ان کی شہادت بھی معتبر ہے اسی پر صحابہ کرام، ائمہ محدّثین وفقہائے کرام بلکہ پوری امت کا اجماع ہے۔ بعض انگریزی تعلیم یافتہ، آیت ولھن مثل الذی علیھن سے استدلال کر کے یہ کہنے لگے ہیں کہ جو حقوق عورتوں پر مردوں کے ہیں وہی حقوق مردوں پر عورتوں کے لئے ہیں یعنی حقوق دونوں میں برابر اور مساوی ہیں حالانکہ آیت کا یہ مفہوم بالکل غلط اور فاسد ہے، آیت کی صحیح تشریح اور تفسیر قرآن و حدیث کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

قولہٗ: ولھنّ مثل الّذی علیھن بالمعروف وللرّجال علیھنّ درجۃ.

عورتوں کا بھی حق ہے جو کہ مثل انہیں حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر قاعدے کے مطابق ہیں اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں درجہ بڑھا ہوا ہے۔

صاحب تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں آیت مذکورہ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قولہ تعالیٰ: "ولھن مثل الّذی علیھن" فاعلم انّہٗ تعالیٰ لمّا بین انّہٗ یجب ان یکون المقصود من المراجعۃ اصلاح حالھا لاایصال الضرر الیھا بین ان لکل واحد من الزوجین حقاً علی الآخر. واعلم ان المقصود من الزوجین لا یتم الااذاکان کل واحد منھما مراعیا حق الأخر، وتلک الحقوق المشترکۃ کثیرۃ ونحن نشیر الیٰ بعضھا. (فاحدھا) أن الزوج کالامیر والراعی، والزوجۃ کالمامور والرعیۃ، فیجب علی الزوج بسبب کونہ امیرًا وراعیًا ان یقوم بحقھا ومصالحھا، ویجب علیھا فی مقابلۃ ذٰلک اظھار الا نقیاد والطاعۃ للزوج.

ترجمہ وخلاصہ: معلوم ہوا کہ اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ طلاق رجعی کے بعد مراجعت کرنے کا مقصد اصلاح بین الزوجین ہونا ضروری ہے عورت کو نقصان اور ضرر پہنچانے کا ارادہ نہیں ہونا چاہیئے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زوجین میں سے ہر ایک پر دوسرے کا حق ہے کیونکہ ازدواجی زندگی کے مقاصد اس کے بغیر پورے نہیں ہوسکتے کہ زوجین میں سے ہر ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کرے،

حقوق الزوجین کی تفصیلات تو بہت زیادہ ہیں البتہ ان میں سے بعض کا ذکر کردیتے ہیں۔

۱۔ سب سے پہلے یہ کہ شوہر بیوی کے لئے امیر ونگران کی طرح ہے اور عورت اس کے ماتحت اور رعایا کی طرح ہے لہٰذا شوہر پر بحیثیت امیر عورت کے تمام حقوق کا لحاظ رکھنا ضروری اور واجب ہے، اس کے برعکس عورت کے ذمہ میں ضروری ہے کہ شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری کرے (مساوات یا برابری کا دعویٰ نہ کرے)۔

(وثانیھا) روی عن ابن عباس انّه قال (انی لا تزین لامرأتی کما تتزین لی) لقوله تعالیٰ (وَلهن مثل الّذی علیهنّ).

۲۔ دوسرا یہ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی بیوی کی خوشنودی کے لئے لباس زینت اختیار کرتا ہوں جس طرح عورت میری خوشنودی کے لئے لباس زینت اختیار کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عورتوں کے شوہروں پر حقوق ہیں جیسا کہ شوہروں کے عورتوں پر حقوق ہیں۔

(وثالثها) ولهنّ علی الزّوج من ارادة الاصلاح عند المراجعة، مثل ماعلیهنّ من ترک الکتمان فیما خلق اللّٰه فی ارحامهنّ، وهٰذا اوفق لمقدمة الآیة.

(تفسیر کبیر ص ۹۴. ج ۲)

۳: تیسرا یہ کہ طلاق رجعی میں شوہر جب رجوع کرے گا تو اس مراجعت سے اس کا مقصد اصلاح ہونا چاہیئے نہ کہ عورت کو ضرر پہنچانا، جس طرح کہ عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ طلاق کے بعد رحم میں جو حمل وغیرہ ہے اسے نہ چھپائیں تا کہ زوج کے لئے رجوع کا معاملہ آسان ہو، اصلاح احوال میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو اور یہ تاویل زیادہ موافق پیش رو آیت کے واسطے ہے۔

امام رازیؒ آیت مذکورہ کی تفسیر میں آگے جا کر لکھتے ہیں:

عورتوں پر مردوں کی فضیلت اور برتری ایک معروف امر ہے لیکن اس آیت مذکور میں مرد کی فضیلت کا ذکر دو وجہ سے ہو سکتا ہے۔

اوّل یہ کہ مرد کو عورت کے مقابلہ میں چند امور میں برتری حاصل ہے۔

(۱) عقل وفہم میں۔ (۲) دیت میں۔ (۳) وراثت میں۔ (۴) امامت کی اہلیت میں۔ (۵) قضاء کی صلاحیت میں۔ (۶) شہادت کے درجات میں۔ (۷) اور اس میں کہ مرد کو چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت ہے، عورت کے لئے بیک وقت چار شوہروں سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں

ہے۔(۸) شوہر کو اس بات کا حق ہے کہ لونڈیوں سے کارِنکاح بھی انجام دیں لیکن عورت کو اس بات کا حق نہیں۔(۹) نیز شوہر اگر مرجائے تو بیوی کو ترکہ میں چوتھائی یا آٹھواں حصہ ملتا ہے، لیکن شوہر اگر زندہ ہو اور بیوی کا انتقال ہو جاوے تو شوہر کو نصف...... یا چوتھائی حصہ ملتا ہے۔(۱۰) مرد کو طلاق دینے کا حق ہوتا ہے عورت کو نہیں، (۱۱) مرد کو طلاق رجعی میں عورت کی رضامندی کے بغیر رجوع کا حق ہوتا ہے عورت کو نہیں۔(۱۲) مرد طلاق رجعی کے بعد رجوع کر کے عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے سے روک سکتا ہے لیکن عورت شوہر کو نہیں روک سکتی، جب امور مذکور میں عورت کے مقابلہ میں مرد کی برتری اور فضیلت ثابت ہوئی تو اس سے معلوم ہوا کہ عورت کی حیثیت ایک اعتبار سے مرد کے پاس ایک عاجز قیدی جیسی ہے اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کے بارے میں میری نصیحت قبول کرو ان کے ساتھ خیر خواہی کرو، دوسری روایت میں ہے کہ دو ضعیفوں کے بارے میں خیر خواہی کرو، ایک یتیم کے بارے میں، دوسری عورت کے بارے میں، یہی وجہ ہے کہ مردوں کو حکم دیا گیا کہ عورتوں کو ضرر نہ پہنچائیں اور نہ ایذائیں دیں۔ دوم: دوسری وجہ کہ حصول منافع اور تحصیل لذّت میں مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے کے شریک ہیں کیونکہ جس طرح مرد عورت کے ذریعہ سکون اور اطمینان حاصل کرتا ہے عورت بھی اس کے پاس جا کر سکون حاصل کرتی ہے، جس طرح شوہر عورت سے الفت اور محبت کا معاملہ کرتا ہے عورت بھی شوہر سے الفت اور محبت کا معاملہ کرتی ہے۔ مرد اپنی نسل اور سلسلۂ نسب کو عورت کے ذریعہ محفوظ رکھتا ہے، غرض یہ کہ توالد و تناسل کا جاری رہنا مرد اور عورت دونوں پر موقوف ہے، البتہ ان میں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں مرد کا دخل ہوتا ہے عورت کا مطلق حصّہ نہیں ہوتا مثلاً مرد عورت کا نان و نفقہ اور دیگر اخراجات کی ذمہ داری قبول کرتا ہے عورت نہیں، مرد عورت کی اصلاح و تربیت کرتا ہے، عورت کا حق مہر ادا کرتا ہے اور ہر معاملہ میں عورت کی جانب سے مدافعت کرتا ہے، غرض بعض چیزیں اگر دونوں میں مشترکہ ہیں تو بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں خاص طور پر مرد اکیلا ذمہ دار ہوتا ہے، اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مرد عورتوں کے اوپر سربراہ اور حاکم ہیں" الخ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں کسی کو کسی مخلوق کیلئے سجدہ کا حکم دیتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے اپنے مردوں کو سجدہ کریں، لیکن سجدہ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔

تفسیر کبیر کی اس مفصل تشریح سے واضح ہوگیا کہ آیت "ولهنّ مثل الذی علیهنّ" کا مقصد یہ نہیں کہ حقوق میں مرد اور عورت کی برابری کو ثابت کیا جائے بلکہ یہاں یہ بتلانا مقصد ہے کہ جس طرح عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں، اسی طرح مردوں پر بھی عورتوں کے حقوق ہیں لیکن آیت سے یہ کہیں

بھی معلوم نہیں ہوتا کہ عدد حقوق اور مقدار حقوق میں عورت اور مرد برابر ہیں۔
امام ابوبکر جصاص احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

قوله تعالیٰ: "ولهنّ مثل الّذی علیهنّ بالمعروف وللرّجال علیهنّ درجة" قال ابو بکر رحمه الله اخبر الله تعالیٰ فی هٰذه الآیة أن لکل واحد من الزوجین علیٰ صاحبهٖ حقًّا وأن الزوج مختص بحق له علیها لیس لها علیه مثله بقولهٖ تعالیٰ "وللرجال علیهنّ درجة" ولم یبیّن فی هٰذه الآیة مالکل واحد منهما علیٰ صاحبه من الحق مفسّرًا وقد بینه فی غیرهاوعلیٰ لسانِ رسولهٖ صلی الله علیه وسلم الخ (احکام القرآن للجصاص ص ۳۷۴. ص ۳۷۵. ص ۳۶۷. ج ۱)

ترجمہ: قولہٗ **ولهن مثل الّذی علیهن بالمعروف** الخ ابوبکرؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ اطلاع دی ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک پر دوسرے کا حق ہے البتہ زوج بعض حقوق میں عورت سے بڑھا ہوا ہے۔ عورتوں کے اوپر مردوں کے حقوق کچھ زائد ہیں "**وللرجال علیهنّ درجة**" میں اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے اور اس آیت میں یہ تو بتایا گیا کہ ہر ایک پر دوسرے کا حق ہے لیکن حقوق کی تفصیل بیان نہیں کی گئی البتہ دوسری آیات میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سارے حقوق کی نشان دہی کردی گئی ہے۔

امام ابوبکر جصاص آگے جا کر فرماتے ہیں جس کی کچھ تفصیل یہ ہے:

۱: فرمایا مردوں کے اوپر عورتوں کے حقوق یہ ہیں کہ ان سے معاشرت میں اچھا سلوک کریں۔ **وعاشر وهن بالمعروف۔**

۲: اور طلاق رجعی کے بعد یا تو حسن سلوک کے ساتھ مراجعت کرلیں یا انہیں نیکی اور بھلائی کے ساتھ الگ کردیں، **فامساک بمعروف اوتسریح باحسان.**

۳: شوہر کے ذمہ جس طرح اولاد کا نان ونفقہ ضروری ہے اسی طرح عورتوں کا نان ونفقہ، کھانا پینا، کپڑا وغیرہ دینا بھی واجب ہے **وعلی المولود لهٗ رزقهنّ و کسوتهنّ الخ.**

۴: مردوں کے ذمہ عورتوں کے حق مہر کی ادائیگی بھی ضروری ہے **واٰتوا النسآء صد قٰتهنّ نحلة.**

۵: جب کسی وجہ سے ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے شادی کرنی ہو تو چھوڑی ہوئی عورت کو دیا ہوا سامان اور زیورات واپس نہ لیں، **وان اردتم استبدال زوج الخ.**

۶: اگر عورت سے کسی طرح نباہ نہ ہو سکے تو اسے طلاق دے دینا چاہیئے۔ اس کو معلق چھوڑ رکھنا تاکہ ایذاء اور ضرر پہونچے منع ہے۔ قولہ ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النسآءِ الخ.

مرد عورتوں پر حاکم و سربراہ ہیں، شوہر کی اطاعت عورتوں پر لازم ہے، الرّجال قوّامون علی النّسآء الخ مرد کو نصیحت وغیرہ کے بعد ضرورت پر عورت کو مارنے کا حق ہے و اللّاتی تخافون نشوزھنّ الخ.

۱: عورت کے لئے ضروری ہے کہ شوہر کے دیئے ہوئے کھانے اور کپڑے پر صبر و قناعت کرے۔

۲: شوہر کی غیبوبت میں اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے۔

۳: شوہر کے گھر میں موجود مال و اسباب کی حفاظت کرے۔ ''وقولہٗ فالصّٰلحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لّلغیب بما حفظ اللّٰہ'' عورت کو اس بات کا حق نہیں کہ زوج کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر تفریح کیلئے نکلے یا کسی سے ملنے جائے یا نفل روزہ رکھے اور نہ ہی شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے کچھ صدقہ کرے، قال علیہ الصّلوٰۃ والسّلام: لاتصدّقن بشیٍٔ من بیتہٖ ولا تخرج من بیتہ الّا باذنہ ولا تصوم یوماً الاّ باذنہٖ الخ

(ص ۳۷۵. ج ۱ احکام القرآن)

اسی طرح کی تفسیر ابن کثیر، تفسیر قرطبی، تفسیر مظہری میں بھی ہے، لیکن کسی نص سے آیت کی تفسیر میں یہ ثابت نہیں ہے کہ حقوق میں عورت اور مرد برابر ہیں اور یہ کہ جتنے حقوق عورتوں کے ہیں اتنے ہی مردوں کے حقوق ہیں۔

صاحب روح المعانی علّامہ آلوسیؒ تحریر فرماتے ہیں:

کہ آیت ولھنّ مثل الّذی علیھنّ میں مماثلت، نفس وجوب حق میں ہے عدد حقوق اور انواعِ حقوق میں نہیں مثلاً عورت مرد کے کپڑے دھوتی ہے تو مرد پر لازم نہیں کہ عورت کے کپڑے دھوئے، عورت مرد کے لئے کھانا پکاتی ہے لیکن مرد پر لازم نہیں کہ عورت کو کھانا پکا کر کھلائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے حقوق مردوں پر کیا کیا ہیں اس کی تفصیل بتائی ہے اور عورتوں پر مردوں کے حقوق جو ہوتے ہیں اسے بھی بیان فرما دیا ہے پھر صاحب روح المعانی نے امام رازیؒ کی طرح تفصیلات کا ذکر فرمایا ہے۔ (ص ۱۳۵۔ ص ۱۳۴۔ ج ۲ کذا فی تفسیر المظہری ص ۲۹۹۔ ج ۲ و ص ۳۰۰)

لہٰذا آیت مذکور سے مرد اور عورت کے حقوق میں مساوات اور برابری ثابت کرنا قرآن کی تفسیر اور

دین اسلام میں ایک قسم کی تحریف اور تفسیر بالرأی ہوگی جو کہ نصوص شرعیہ اور احادیث ماثورہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل اور نا قابل اعتبار پائے گی۔

ایک زبردست غلط فہمی یا دجل وفریب کاری

بعض لکھے پڑھے وکلاء اور ججوں کی غلط فہمی یا دجل وفریب کاری سے بڑا تعجب ہوتا ہے اور افسوس بھی، کیونکہ یہ لوگ شہادت اور روایت حدیث کے اصول وضوابط کو یا تو جانتے نہیں یا جانتے ہوئے فطری کج فہمی اور گمراہی کی وجہ سے لوگوں کو گمراہ کرنے میں مصروف ہیں۔ان کا کہنا یہ ہے کہ شہادت اور روایت میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں بلکہ دونوں شئ واحد ہیں لہٰذا جس طرح روایت حدیث میں ایک عورت کی روایت معتبر مانی جاتی ہے اسی طرح ایک عورت کی شہادت بھی قابل اعتبار ہونی چاہیئے۔اور یہ طبقہ اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نائلہ کی خبر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت کی تصدیق کے بارے میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی تصدیق واقرار شہادت اور اسی طرح ازواج مطہّرات کے روایت حدیث کرنے سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ ان میں سے ایک بھی شہادت نہ تھی، نہ حدود وقصاص کا کوئی مقدمہ عدالت میں قائم ہوا تھا، نہ ان خواتین نے اس قسم کی شہادت دی تھی نہ ہی کسی لین دین کے معاملے میں عدالت میں یہ خواتین حاضر ہوئیں، کسی نے نہ ان کو گواہ بنایا تھا، حقیقت یہ ہے کہ یہ سارے واقعات یا تو خبر وروایت تھی، یا نبوت ورسالت کی تصدیق تھی، یا اقرار شہادت تھا، جب کہ شہادت اور روایت کے درمیان لغۃً واصطلاحًا واصولاً ہر اعتبار سے فرق موجود ہے۔

اگلے صفحات میں روایت وشہادت کے درمیان فرق کو ملاحظہ فرمائیں، اور اس جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی عقل وفہم اور ذخیرۂ علم کا اندازہ لگائیں، نیز اسلام کے قانون شہادت اور قانون روایت کے واضح فرق کو اصولِ حدیث اور فقہ کی کتابوں سے مطالعہ فرمائیں۔

شہادت اور روایت میں فرق

اخبارات میں اسلام کے ''قانونِ شہادت'' کے موضوع پر موافق ومخالف بہت سے بیانات شائع ہوتے رہے جن میں بعض پڑھے لکھے لوگوں نے بھی حصّہ لیا، خاص طور پر آج کے بعض مشہور وکلاء اور

ماہرینِ قانون نے اسلام کے قانون شہادت کے بارے میں افسوسناک نظریہ کا اظہار کیا ہے، زیر تحریر مضمون سے انہیں کو خطاب کرنا مقصود ہے۔

جو حضرات قرآن وحدیث کے علوم سے واقف ہیں وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ قانون شہادت کے متعینہ حدود اور مخصوص مراتب قرآن وسنت کے عین مطابق ہیں، اور جو حضرات علوم قرآنی سے واقف نہیں مگر وہ قرآن وحدیث پر ایمان رکھتے ہیں اور انہیں احکام کا ماخذ ومرجع قرار دیتے ہیں تحریرات اور بیانات سے وہ بھی جان چکے ہیں کہ صحیح عقیدہ اور قابل عمل نظریہ کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارے پاس بہت سے لوگوں کے خطوط آئے ہیں جس سے خوشی ہوئی کہ بروقت وضاحت سے ہزاروں افراد کو فائدہ پہونچا اور الحمد اللہ! آج بھی ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں ایسے حضرات موجود ہیں جو قرآن وحدیث اور اجماع امت کو اسلام کا ماخذ مانتے ہیں اور فقہ اسلامی کو تسلیم کرتے ہیں۔

البتہ بعض حضرات اس میں تردد اور شبہ کرتے ہیں کہ قرآن کے بعد احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اصحابِ رسول کے قضایا واقوال اور امت کا اجماع بھی قانون اسلام کا ماخذ ہے اس لئے یہ حضرات اسلام کے قوانین پر نصوص اور روایت کے مقابلہ میں رائے زنی کرتے ہیں چنانچہ اسلام کے قانون شہادت کے بارے میں بھی انہوں نے مختلف انداز سے اپنے شکوک وشبہات پیش کئے۔ دراصل یہ حضرات قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کے مقابلہ میں اپنی رائے کو وزنی گردانتے ہیں اور جب اہل علم قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کے حوالہ سے بات کرتے ہیں تو یہ حضرات فوراً اپنے قیاس اور اپنی رائے کو پیش کردیتے ہیں جو کسی طور پر صحیح طرز عمل نہیں۔

علامہ ابن قیمؒ نے "اعلام الموقعین" میں رائے محمود (اچھی رائے) اور رائے مذموم (غلط رائے) پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نصوص قرآنی اور احادیث کے خلاف رائے زنی کرنا صحیح نہیں بلکہ کفر وضلالت ہے ایسی رائے باطل اور ناقابل التفات ہے۔

گذشتہ صفحات میں ہم قانون شہادت کے چار درجات اور مراتب قائم کرکے قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کے حوالہ سے بحث کرچکے ہیں۔

۱: حدّ زنا میں چار گواہ مردوں میں سے ہونا ضروری ہیں۔
۲: حدود وقصاص میں دو مردوں کی گواہی ضروری ہے۔
۳: حقوق ومعاملات میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔
۴: وہ مسائل جن پر عام طور سے عورتیں ہی مطلع ہوتی ہیں عورت کی تنہا گواہی بھی معتبر ہے۔

قانون شہادت کے متعین اصولوں پر بعض حضرات نے جن شبہات کا اظہار کیا ہے ان میں سب سے بڑا یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ ذخیرۂ احادیث اور روایات ایسی ہیں جن میں تنہا ایک عورت کی روایت پر اعتبار کیا گیا ہے، تو جب تنہا عورت کی روایت معتبر ہوتی ہے تو پھر تنہا عورت کی شہادت بھی معتبر ہونی چاہیئے کیونکہ روایت اور شہادت میں کوئی فرق نہیں، اس لئے کہ ''روایت'' نقل حدیث وخبر کا نام ہے اور ''شہادت'' معلوم واقعہ کو نقل کرنے کا نام ہے، لہٰذا خبر اور شہادت میں کچھ فرق نہیں ہونا چاہیئے۔

قرآن وحدیث کی تصریحات اور امت کا اتفاق واجماع ہے کہ شہادت اور خبر دو جدا جدا چیزیں ہیں۔ قرآن وحدیث اور فقہ میں کہیں بھی حدیث وروایت کو بیان کرنے کے لئے عدد کی شرط نہیں لگائی گئی کہ حدیث وروایت کو بیان کرنے کے لئے دو چار عدد کی ضرورت ہے ورنہ یہ حدیث وروایت قابل قبول نہ ہوگی بلکہ قرآن کی تعلیم کے لئے (جو سب سے اہم ذمّہ داری ہے) بھی یہ کہیں ذکر نہیں کہ تعلیمِ قرآن کے لئے دو دو استاذ ہونے چاہئیں بلکہ احکام واحادیث بیان کرنے کے لئے تو ہر فرد کو حکم دیا گیا ہے کہ جس کو جتنا علم ہو وہ دوسروں تک پہنچائے۔ لیکن قانون شہادت کے بارے میں قرآن وحدیث نے سخت حدود اور شرائط رکھی ہیں۔

۱: ثبوتِ زنا کے لئے چار گواہوں کی شرط کے ساتھ یہ قید بھی لگائی کہ ان گواہوں کا مردوں میں سے ہونا ضروری ہے (ملاحظہ فرمایئے سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۵، سورۂ نور کی آیت نمبر ۴، ۶، ۱۳) ان آیات کے ذیل میں تمام مفسرین اور اہل علم نے عہد رسالت سے لے کر آج تک پوری امت کا اجماع واتفاق نقل کیا ہے کہ ثبوتِ زنا کے لئے چار گواہوں کا ہونا ضروری ہے جن کا مردوں میں سے ہونا بھی لازم ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے تفسیر کبیر، امام رازی جلد ۷ ص ۱۱۴: تفسیر روح المعانی جلد ۳ ص ۵۸ تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۴۶۲، احکام القرآن جصاص جلد اول ص ۵۰۴) اور آیت افک کے ذیل میں مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والے صرف دو شخص ''حسان'' اور ''مسطح'' تھے تو یہاں ان پر حدّ قذف جاری کی گئی، بخاری وغیرہ میں اس کی تفصیلات مذکور ہیں۔

۲: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے دور خلافت میں مغیرہ بن شعبہؓ پر زنا کی تہمت لگائی گئی، چار گواہ پورے نہیں تھے بلکہ ایک گواہ کم تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے زنا کے الزام لگانے والوں پر حدّ قذف جاری کی۔ (تفسیر کبیر ص ۱۵۹)

۳: حضرت سعد بن عبادہ کی روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا دریافت کیا

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو قابلِ اعتراض حالت میں دیکھ لوں تو کیا پھر بھی انہیں اس حالت میں چھوڑ کر چار مرد گواہ بنانے کے لئے تلاش کرتا پھروں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! چار گواہ بنانا پھر بھی ضروری ہیں۔

ان تمام باتوں سے واضح ہوگیا کہ قرآن و حدیث نے ''روایت حدیث'' اور ''بیان شہادت'' میں فرق کیا ہے، اسی طرح حقوق و اموال میں گواہی کے لئے قرآن و حدیث نے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کو ضروری قرار دیا ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۳ ملاحظہ فرمائیں اور اس کی تفسیر کے لئے احکام القرآن للجصاص جلد اوّل ص ۵۰۱، تفسیر ابن کثیر جلد اوّل ص ۳۳۵، تفسیر کبیر جلد سات ص ۱۱۳، تفسیر روح المعانی جلد ۳ ص ۵۸، تفسیر مظہری جلد اوّل ص ۳۹۳ بھی مطالعہ فرمائیں۔

شرعی قانون شہادت پر اعتراض کرنے والے بھی شاید قرآن کریم کی اس صریح آیت کے انکار کی جسارت نہیں کریں گے۔ اس آیت میں حقوق اور مالی معاملات میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کو ضروری قرار دیا گیا ہے، کیا ان حضرات کے نزدیک روایت حدیث کے لئے بھی عدد مذکور کا ہونا ضروری ہے؟ اور کسی کتاب میں روایت حدیث کے بارے میں عدد مذکور کا ذکر آتا ہے؟ اگر نہیں آتا اور یقیناً نہیں آتا اور نہ ہی اس کی کوئی ضرورت ہے تو اس سے ''روایت حدیث'' اور ''شہادت'' میں خود فرق ظاہر ہوگیا۔

جس طرح لفظ روایت اور لفظ شہادت اپنے الفاظ اور ظاہری شکل کے اعتبار سے دو علیحدہ لفظ ہیں اسی طرح حقیقت اور معنی کے اعتبار سے بھی دو الگ الگ جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ کتب لغت اور کتب فقہ کی روشنی میں اسکی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

لفظ شہادت

شہادت کے معنی حاضر ہونے کے ہیں، کہا جاتا ہے ''شھد المجلس'' (مجلس میں حاضر ہوا) قرآن کریم کے اندر قیامت کے واسطے ''یوم شاھد'' اور ''یوم مشھود'' کے الفاظ آئے ہیں کہ یہ دن حاضر ہونے والا ہے اور اس دن تمام لوگ حاضر ہوں گے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے لئے ''عالم الغیب والشھادۃ'' کا جملہ مستعمل ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ حاضر اور پوشیدہ کو جاننے والے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''فلیبلغ الشاھد الغائب'' (جو حاضر ہو غائب تک میری بات پہونچادے) گواہ کو بھی ''شاہد'' اس لئے کہتے ہیں کہ وہ واقعہ کے وقت حاضر ہوتا ہے۔

شہادت کے ایک معنی معائنہ و مشاہدہ کرنا بھی ہے، یہ معنی بھی پہلے کی طرح اور اس سے ملتا جلتا ہے

کیونکہ کسی شے کا معائنہ کرنے کے لئے جائے وقوع پر حاضر ہونا پڑتا ہے۔

لفظ شہادت اقرار کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: توحید باری تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار، نماز کا قیام، اداءِ زکوٰۃ اور استطاعت کے وقت حج کرنا۔ اور حدیث جبرئیل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل کے سوال میں جواب عطا فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ توحید ورسالت کا اقرار، نماز کا قیام، اداءِ زکوٰۃ اور روزہ رکھنا اور اگر استطاعت ہو تو حج کرنا ان احادیث میں لفظ شہادت اقرار کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ واضح رہے کہ ان احادیث میں اقرار کی جگہ لفظ شہادت کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اقرار صرف زبان سے نہ ہو بلکہ ایسا اقرار ہو جیسا کہ مشاہدہ اور معائنہ کے بعد اقرار کیا جاتا ہے جس کی بنیاد تصدیق کامل اور دل کے یقین پر ہو، جس کے لئے قرآن وحدیث میں لفظ ''ایمان'' کا استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ حدیث جبرئیل میں آپؐ نے ایمان کی تفصیل بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ توحید باری تعالیٰ، رسالت، آسمانی کتابوں، فرشتوں، آخرت اور تقدیر پر یقین کیا جائے یہی وجہ ہے کہ محدّثین کرام نے لکھا ہے کہ ایمان سے تین اجزاء متعلق ہیں۔

(۱) دل سے یقین کرنا۔ (۲) زبان سے اقرار کرنا۔ (۳) فرائض اور احکام شرعیہ پر عمل کرنا۔

شہادت کا لفظ گواہی کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے، کہا جاتا ہے ''شھد لفلان'' (فلاں شخص کے لئے گواہی دی) شہادت (گواہی) کا پورا معنی یہ ہے۔

گواہی یہ ہے کہ آدمی نے جو کچھ دیکھا یا سنا عدالت میں اسے بتلادے، (المنجد ص ۴۰۶، الرائد ص ۸۹) قرآن وحدیث میں قانون شہادت کے بارے میں جہاں جہاں شہادت کا لفظ آیا ہے وہاں اسی معنی میں اس کا استعمال ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے جان کا نذرانہ پیش کرنے کو بھی شہادت سے تعبیر کیا جاتا ہے اس میں بھی شہادت کا اصلی معنی (حاضر ہونا) کا لحاظ رکھا گیا ہے کیونکہ شہید توحید باری تعالیٰ اور رسالت کی تصدیق کرتے ہوئے اور اسی میں اپنی جان صرف کر کے سرخرو ہو کر خدا کے پاس حاضر ہو جاتا ہے نیز شہید اپنے ٹھکانہ جنت کا مشاہدہ کر لیتا ہے اس لئے مشاہدہ ومعائنہ کے بھی معنی پائے جاتے ہیں۔

شہادت کے اصطلاحی معنی:

۱: علامہ فخر الدین زیلعی تحریر فرماتے ہیں:۔

شہادت کہتے ہیں معائنہ ومشاہدہ سے جو چیز معلوم ہو اس کی اطلاع دینا (اندازہ یا گمان سے نہیں)۔

۲: فتاویٰ عالمگیری میں شہادت کی تعریف یہ بتائی گئی ہے:
''اصل واقعہ کے بارے میں سچے دل سے قاضی کے سامنے گواہی دینا تاکہ کسی کا حق ثابت کیا جاسکے۔'' (ص ۴۵۰، ج ۲)

اسی طرح ردالمحتار جلد نمبر ۵۔ص ۴۶۱، اور فتح القدیر میں بھی یہی تعریف کی گئی ہے۔

شہادت کی اصطلاحی تعریف میں درج ذیل باتیں قابل لحاظ ہیں:

۱: مشاہدہ ومعائنہ کے بعد گواہی ہو صرف سننے پر اکتفانہ کیا جائے۔

۲: یقین واذعان کامل کے ساتھ گواہی دی جائے صرف اندازہ اور گمان سے نہیں۔

۳: مشاہدہ کے بعد مجلس قضا میں گواہی دی جائے کسی اور مجلس میں گواہی کا اعتبار نہیں۔

۴: کسی کے حق کو ثابت کرنے کے لئے گواہی ہو تقریر و وعظ کے لئے نہیں۔

۵: گواہی سچی اور حق کے ساتھ ہو اور اس میں کسی قسم کی زیادتی اور تغیر و تبدّل نہ ہو۔ انہی حقائق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کسی چیز کے بارے میں سورج کی طرح علم ہو جائے تو گواہی دو ورنہ چھوڑ دو۔

مذکورہ بالا حوالوں سے شہادت کی حقیقت واضح ہو چکی اب روایت کی تعریف اور اس کی حقیقت کے بارے میں بھی تفصیل ملاحظہ ہو۔

روایت کے بارے میں کچھ ذکر کرنے سے قبل اسی لفظ کے ہم معنی لفظ خبر کے بارے میں کچھ جان لینا ضروری ہے تاکہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے۔

خبر کی تعریف

لغت میں خبر کے معنی واقف ہونا، کسی بات کی اطلاع ہونا اور اخبار کے معنی کسی کو خبر دینا، اطلاع دینا، آگاہ کرنا، ملاحظہ فرمایئے (لمنجد، الرائد، القاموس) علماء فن نے لکھا ہے کہ خبر وہ اطلاع ہے جس کے سچے اور جھوٹے ہونے کا احتمال ہو۔

خبر و شہادت میں فرق

۱: چونکہ خبر میں سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال ہوتا ہے اس لئے قرآن کریم نے فرمایا ''اگر کوئی شخص خبر

دے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو' تو خبر میں سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال ہوسکتا ہے مگر شہادت کی تعریف میں تو صدق ہی صدق ہے کذب اور جھوٹ کا اس میں کوئی دخل نہیں اور شہادت میں اگر کذب بیانی کی گئی تو وہ شہادت ہی نہیں۔

۲: خبر میں گمان غالب کا اعتبار ہوتا ہے مگر شہادت میں تخمین اور گمان غالب کا اعتبار نہیں مثلاً کوئی پانی کے پاک وناپاک ہونے کے بارے میں پوچھتا ہے تو پانی کے پاک ہونے کی خبر گمان سے دی جاسکتی ہے مگر اسی گمان کی بناء پر شہادت نہیں دی جاسکتی۔

۳: شہادت کسی کے حق کو ثابت کرنے کے لئے ہوتی ہے جب کہ خبر سے مقصود کسی کے حق کا ثابت کرنا نہیں ہوتا۔

۴: شہادت چونکہ اثباتِ دعویٰ کے لئے پیش کی جاتی ہے اس لئے اس سے پہلے مدّعی کا دعویٰ ہونا ضروری ہے مگر خبر و بیان روایت کے لئے کسی دعویٰ کی ضرورت نہیں۔

۵: شہادت و گواہی قاضی کی مجلس اور عدالت میں دی جاتی ہے مگر خبر بیان کرنے کے لئے قاضی کی مجلس اور عدالت ضروری نہیں۔

۶: شہادت و گواہی میں عدد معین سے زائد عدد کی وجہ سے دعویٰ اور ثبوت حق میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا لیکن خبر اور روایت میں کثرت رواۃ کی وجہ سے روایت میں فرق پڑ جاتا ہے اور اس میں قوت آجاتی ہے۔

اب لفظ روایت کے بارے میں بھی مطالعہ فرمائیں کیونکہ اعتراض کرنے والے حضرات روایت اور شہادت کو ایک ہی قرار دیتے ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں کرتے، تاکہ واضح ہو جائے کہ جس طرح حروف کے اعتبار سے ان دونوں لفظوں میں فرق ہے اسی طرح حقیقت اور معنی کے اعتبار سے بھی فرق ہے۔

روایت کے معنی

لغت میں روایت کے معنی نقل کرنے کے ہیں اور چونکہ حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی جاتی ہے اس لئے اسے روایت کہتے ہیں۔ اور نقل کرنے والے کو راوی کہا جاتا ہے اور محدّثین کو جو احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقل کرتے ہیں "راویان حدیث" اور "رواۃ حدیث" (حدیث کے نقل

کرنے والے) کہا جاتا ہے۔

روایت وشہادت کی حقیقت کا بیان

چونکہ روایت کا معنی نقل کرنا ہے اس لئے نقل حدیث کے لئے (۱) نہ کسی عدد کی ضرورت ہے (۲) نہ قطعی ویقینی مفہوم ہونا ضروری ہے۔ (۳) نہ مجلس قضا اور عدالت کی ضرورت ہے (۴) نہ مدّعی کا دعویٰ ضروری ہے (۵) اور نقل حدیث سے اثبات حق بھی مقصد نہیں ہوتا بلکہ وعظ ونصیحت اور تعلیم وتعلم کے لئے بھی حدیث بیان کی جاتی ہے۔ جب کہ شہادت میں مذکورہ تمام اشیاء کا لحاظ کرنا ضروری ہوتا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ مذکورہ بالا حقائق سے واضح ہوا کہ شہادت وروایت کی حقیقت و ماہیت میں بہت بڑا واضح فرق موجود ہے۔

شہادت اور روایت میں شرائط وقبول کے اعتبار سے بھی واضح فرق موجود ہے، چنانچہ امام نوویؒ جو حدیث کی مشہور کتاب صحیح مسلم کے شارح ہیں وہ شہادت وروایت میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

خبر وشہادت اگرچہ بعض قیود وشرائط مثلاً شرطِ اسلام، شرط عقل، شرط بلوغ، شرط عدالت، شرط مروّت، ضبط خبر وحفظ شہادت میں مشترک یکساں اور برابر ہیں مگر بعض دوسرے اوصاف میں خبر وشہادت ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ چنانچہ وصف حریت (آزاد ہونا) وصفِ ذکورت (مرد ہونا) عددِ معیّن رفع تہمت (اصل کے حق میں فرع کی یا اس کے برعکس شہادت قبول نہیں) میں شہادت سے بالکل مختلف ہے۔ روایت میں ان قیود کا ہونا ضروری نہیں۔ مرد اور عورت کی روایت، آزاد اور غلام کی روایت یکساں معتبر اور مقبول ہے۔ روایت میں کوئی معیّن عدد شرط نہیں، جب کہ شہادت میں متعین ہے روایت میں تہمت کے اندیشہ سے روایت "ساقط الاعتبار" نہیں ہوتی لیکن شہادت میں جہاں بے جانفرت وحمایت کا اندیشہ ہو وہاں شہادت معتبر نہیں مثلاً باپ کے حق میں بیٹے کی شہادت یا بیٹے کے حق میں باپ کی شہادت بے جاحمایت کی تہمت کی وجہ سے ناقابلِ اعتبار ہے وغیرہ وغیرہ" (نووی شرح مسلم ج ۱ . ص ۲)

شہادت کے بعض درجوں میں عورت کی گواہی بالکل معتبر نہیں بعض میں معتبر ہے اور بعض میں مرد کے مقابلہ میں نصف ہے اس پر امام بخاریؒ نے مستقل باب باندھا ہے کہ مرد کے مقابلہ میں عورت کی گواہی نصف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کیا نہیں دیکھتے کہ عورت کی گواہی مرد کی گواہی کی نصف ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہاں، آپ نے فرمایا یہ عورت

میں نقصان عقل کی دلیل ہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۴۶۳) لیکن ذخیرۂ احادیث میں کسی روایت میں مذکور نہیں کہ عورت کی روایت مرد کے مقابلہ میں نصف ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ روایت و شہادت دو الگ اور جدا جدا امر ہیں۔

محدثین عظام وفقہاء کرام میں سے کسی کا اس بات میں اختلاف نہیں کہ روایت وشہادت دو جداگانہ چیزیں ہیں۔

محدثین وفقہاء اور صولین نے روایت وشہادت میں جو فرق بیان کئے ہیں اسے ترتیب اور حوالوں کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے تاکہ کفار وملحدین کے پیدا کردہ شبہات کا ازالہ ہوجائے۔

(۱) ''شہادت'' عدالت میں دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے پیش کی جاتی ہے، جب کہ روایت کا یہ مرتبہ نہیں ہے۔ (تدریب الراوی ص ۳۴۱) روایت کے معنی خبر دینے کے ہیں، اس لئے عدالت میں پیشی ضروری نہیں۔ (عالمگیری، شامی ج ۵ ص ۴۶۱)

(۲) روایت حدیث کے لئے کسی عدد متعین کا ہونا شرط نہیں ایک شخص کی خبر و روایت بھی مقبول ہے (تدریب الراوی ص ۳۳۱، بخاری ج ۱ ص ۳۶۰، الکفایہ ص ۹۸) شہادت کے بعض درجوں (مثلاً زنا) میں چار عدد کی شرط ہے۔

(۳) روایت کے کسی مرحلہ میں ذکورت (مرد ہونا) شرط نہیں شہادت کے بعض مراحل میں مرد ہونے کی شرط ہے۔ اس سلسلے میں ہم قانونِ شہادت کے مضمون میں کتب حدیث، کتبِ تفسیر، اور مذاہب اربعہ کی کتب سے حوالے پیش کر چکے ہیں۔ مزید حوالے اور پیش کئے جاتے ہیں:

(بخاری ص ۳۶۳، کتاب الام للشافعی ص ۴۰، ۴۱، فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۵۸، روضۃ الناظر ج ۱ ص ۱۰۳، الکفایہ ۹۴، درالحکام ص ۳۷۱ ج ۲، فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۴۶۵)

(۴) ''حریت'' روایت حدیث کے لئے یہ ضروری نہیں کہ راوی آزاد ہو بلکہ غلام اور موالی کی روایت بھی مقبول ہوتی ہے، کتبِ حدیث کے ذخیرہ میں بے شمار احادیث غلاموں سے مروی ہیں لیکن شہادت میں غلاموں اور لونڈیوں کی گواہی معتبر نہیں، تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے تفصیل کے لئے دیکھئے

(نووی ج ۱ ص ۶، الکفایہ ص ۹۸، تدریب الراوی ص ۳۳۱، زیلعی ج ۴ ص ۲۱۸)

(۵) بلوغ، قانونِ شہادت میں نابالغ کی گواہی معتبر نہیں اس پر سب کا اتفاق واجماع ہے مگر روایت میں نابالغ کی روایت بھی معتبر ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک نابالغ کی روایت معتبر ہے بالغ ہونا ضروری نہیں بلکہ سن تمیز اور قریب البلوغ ہونا کافی ہے۔

(الکفایہ ص ۹۸، تدریب الراوی ص ۳۳۱، زیلعی ج ۴ ص ۱۴۸)

(۶) شہادت کے لئے مجلس قضاء کا ہونا ضروری ہے لیکن روایت کے لئے قاضی کی مجلس اور عدالت کا ہونا بالکل ضروری نہیں۔

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۵۸، نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲، روضۃ الناظر ص ۱۱۳، فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۴۶۵، تدریب الراوی ص ۳۳۱)

(۷) جس کسی پر تہمت زنا لگانے کی بناء پر حدّ قذف جاری کی گئی ہو اس کی شہادت اکثر فقہاء کے نزدیک معتبر نہیں لیکن اس کی روایت معتبر ہے۔

(اصول بزدوی ص ۱۶۹، روضۃ الناظر ص ۱۰۶، مبسوط ص ۱۱۴ ج ۸، بحر الرائق ص ۷۹ ج ۷، تدریب الرّاوی ص ۳۳۱)

(۸) اہل ہویٰ و اہل بدعت کی روایت بالکل معتبر نہیں مگر ان کی شہادت راجح قول کے مطابق بعض کے نزدیک معتبر ہے۔ (تدریب الراوی ص ۳۳۱، الکفایہ ص ۹۸)

(۹) شہادت میں جب تک اصل گواہ موجود ہوں گواہ بدل کا اعتبار نہیں ہاں اگر اصل گواہ کسی عذر کی وجہ سے حاضر عدالت نہ ہو سکیں تو گواہ فرع جن کو اصل گواہ اپنی جگہ بنا کر گئے ہیں گواہی دے سکتے ہیں لیکن روایت میں یہ بات نہیں اصل راوی کی موجودگی میں فرع اور استاد کی موجودگی میں شاگرد روایت بیان کر سکتا ہے۔

(نووی شرح مسلم ص ۲ ج ۱، روضۃ الناظر ص ۱۱۰، الکفایہ ص ۹۸، شرح مہذّب ص ۲۵۲، بحر الرّائق ص ۱۲۱. ج ۷)

(۱۰) شہادت میں اگر ایک گواہ زیادتی بیان کرے اور دوسرا گواہ اس زیادت کا منکر ہو تو زیادت کا اعتبار نہیں ہوگا مثلاً ایک گواہ نے گواہی دی کہ ایک ہزار روپے مدّعیٰ علیہ پر واجب الادا ہیں، دوسرا گواہ ڈیڑھ ہزار روپے کی گواہی دیتا ہو تو ایک ہزار روپے ثابت ہو جائیں گے۔ کیونکہ اس پر دونوں گواہ متفق ہیں البتہ دوسرا گواہ جو پانچ سو کی زیادتی بیان کر رہا ہے اس کا اعتبار نہیں ہوگا لیکن روایت میں اگر ایک راوی دوسرے روای کی بہ نسبت کوئی زیادتی بیان کرے تو روایت میں یہ زیادتی بھی معتبر اور مقبول ہوگی۔ (الکفایہ فی علم الروایۃ ص ۹۲، تدریب الراوی ص ۳۳۱)

(۱۱) تابعی اگر صحابی کے واسطے کو ذکر کئے بغیر روایت بیان کرے تو یہ روایت مرسلہ معتبر ہے مگر شہادت بغیر معائنہ و مشاہدہ کے صرف سننے پر اکتفاء کرتے ہوئے صحیح نہیں اور اگر اصل گواہوں نے کسی کو اپنے قائم مقام بنایا ہے تو جب تک وہ اصل گواہوں کا نام نہ لیں تو ان کی گواہی قابل قبول نہیں۔

(فتح القدیر، بحر الرائق ص ۱۲۱، ج۵)

(۱۲) عورت گواہوں کا تزکیہ اور ان کی تعدیل نہیں کر سکتی مگر راوی کی تعدیل و تزکیہ کرے تو یہ صحیح ہے۔

(فتح الباری ص ۴۴۳، ج ۲، الکفایہ ص ۹۲)

(۱۳) حدود وقصاص کے احکام میں عورت کی روایت معتبر ہے مگر شہادت معتبر نہیں۔

(احکام القرآن للجصاص ص ۵۰۲، ج ۱، بدایة المجتهد ص ۴۵۳، ج ۲، المغنی ص ۱۴۹، ج ۸، روضة الناظر ص ۱۱۵، مبسوط ص ۱۱۴، ج ۸)

(۱۴) خبر واحد مقبول اور معتبر ہوتی ہے مگر تنہا ایک شخص کی گواہی (سوائے چند مخصوص مسائل کے) معتبر و مقبول نہیں۔ (روضة الناظر ص ۱۱۵، اصول بزدوی، اصول سرخسی)

(۱۵) خبر واحد پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے اور اس سے وجوب کا اثبات ہوتا ہے مگر ایک شخص کی گواہی سے کسی حق کا اثبات نہیں ہوتا۔ (هدایه، مبسوط، بدایة المجتهد، روضة الناظر ص ۱۱۸)

(۱۶) کثرت عدد کی بناء پر روایت سے فرضیت ثابت ہوسکتی ہے اور اس میں قطعیت آجاتی ہے، خبر متواتر سے فرضیت ثابت ہوتی ہے، لیکن خبر مشہور سے قلت عدد رواۃ کی وجہ سے فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی البتہ اس سے زیادۃ علی القرآن جائز ہے اس لئے کہ خبر مشہور آیت مجمل کی شرح اور بیان واقع ہوسکتی ہے (فیض الباری، عرف الشذی، فتح القدیر وغیرہ) دیکھئے لیکن خبر واحد سے زیادت علی القرآن جائز نہیں تاہم تعارض نہ ہونے کی صورت میں عمل واجب ہوتا ہے جبکہ شہادت میں کثرت عدد سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

(۱۷) روایت میں جب تعارض اور اختلاف ہو تو اس میں تطبیق دینے کی سعی کی جاتی ہے اگر تطبیق نہ دی جاسکے تو ترجیح دی جاتی ہے۔ (روضة الناظر ص ۳۴۸، عرف الشذی ص ۴۳)

لیکن شہادت میں جب تعارض ہو اور شہادت بھی صرف دو شخصوں کی ہے تو وہاں پر شہادت نا قابلِ اعتبار قرار پاتی ہے شہادت کی حیثیت ہی ختم ہوجاتی ہے۔

(فتح القدیر ص ۵۰۰، ج ٦، بحر الرائق ص ۱۰۴، ج ۵ ردالمحتار ص ۴۹۲، ج ۵، قاضی خان"

س سے ظاہر ہوا کہ روایت کا حکم اور شہادت کے احکام میں بڑا فرق ہے۔

(۱۸) روایت میں اگر ایسی بات ہو جس سے راوی کے مسلک اور موقف کی حمایت ہوتی ہو تو اس کی روایت معتبر اور مقبول ہے لیکن شہادت میں اپنے دعویٰ کے حق میں خود مدّعی کی شہادت دینا صحیح نہیں، اسی طرح اپنے والدین کے لئے شہادت دینا صحیح نہیں ہے جب کہ روایت میں اپنے اور اپنے والدین کے موقف کے موافق روایت معتبر ہے۔

(الاشباہ والنظائر للسیوطی ص ۵۳۰، بحر الرائق ص ۵۹، ج ۷)

(۱۹) روایت میں کثرت رواۃ اور قلت رواۃ کے اعتبار سے روایت میں قوت وشدّت پیدا ہوتی ہے اس لئے

بعض روایات کے انکار سے کفر لازم آتا ہے اور بعض کے انکار سے فسق لازم آتا ہے اور بعض کا انکار صرف قابل ملامت ہے لیکن شہادت ایسی نہیں شہادت وصول ہونے پر فیصلہ کرنا تو ضروری اور واجب ہو جاتا ہے لیکن اس کے مطابق عقیدہ رکھنا اور اس کا عقیدۃً انکار کرنا کفر نہیں اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث پیش کی جاسکتی ہے جس کو آپؐ نے ایک فیصلہ اور قضاء کے موقع پر فرمایا تھا کہ میں غیب نہیں جانتا میں دلیل اور بیان پر فیصلہ کرتا ہوں، اگر تم میں سے کوئی غلط بیانی سے کام لے کر دوسرے کے حق کو دبا رہا ہے تو اس فیصلہ کے باوجود یہ سمجھنا کہ وہ آگ کا ٹکڑا لے کر جا رہا ہے۔

(۲۰) نابینا کی شہادت ان امور میں معتبر نہیں جس کا تعلق دیکھنے سے ہے لیکن نابینا کی روایت معتبر ہے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نابینا تھے کتبِ احادیث میں ان کی روایات موجود ہیں۔

(الاشباہ و النظائر ص ۵۳۰ سیوطی، ردالمحتار ص ۴۷۶، ج ۵)

(۲۱) شہادت میں تحریری بیان داخل کر دینا کافی نہیں بلکہ عدالت اور مجلس قضاء میں گواہ کا حاضر ہونا اور زبانی گواہی دینا ضروری ہے

(زیلعی ص ۲۰۷، ج ۲، ردالمحتار ص ۴۶۱، ج ۵، عالمگیری ص ۴۵۰، روضۃ الناظر ص ۱۰۶، تدریب الراوی ص ۳۳۱)

لیکن روایت میں تحریری روایت بھی معتبر ہے۔

(الکفایہ فی علم الروایہ ص ۹۷، ص ۹۸، الاشباہ والنظائر سیوطی ص ۵۳۰)

(۲۲) روایت حدیث میں کسی محدّث کا تعدیل وتزکیہ ایک آدمی سے بھی ہو سکتا ہے لیکن شہادت میں ایک آدمی کا تعدیل وتزکیہ نا قابلِ اعتبار ہے۔ (الکفایہ ص ۶۹ ص ۹۸)

(۲۳) روایتِ حدیث کے سلسلہ میں عورت اور غلام کی تعدیل مُعتبر ہے لیکن قانون شہادت میں عورت اور غلام کی تعدیل معتبر نہیں۔ الکفایہ ص ۹۶، ص ۹۸، مگر صرف عورتوں کے مخصوص مسائل میں۔"

(۲۴) شہادت میں اگر کسی گواہ پر جرح کی جائے تو جرح کا مفصل اور واضح ہونا ضروری ہے ورنہ معتبر نہیں لیکن روایت میں غیر مفصل بھی معتبر ہوتا ہے (تدریب الروای ص ۳۳۷، کذافی الکفایہ فی علم الروایہ)، شہادت میں اگر قضاء کے بعد گواہوں نے رجوع کر لیا ہے تو حکم قضاء ساقط الاعتبار نہیں ہوتا لیکن روایت سے اگر روای نے رجوع کیا ہے تو روایت ساقط الاعتبار ہو جاتی ہے۔

(تدریب الراوی ص ۳۳۱، ردالمحتار ص ۵۰۴، ۵۰۵)

(۲۵) خصم اور مخالف کی شہادت فریق کے خلاف معتبر اور مقبول نہیں۔ عالمگیری ص ۴۵۰، ج ۲، ردالمختار، بحرالرائق ص ۵۷، ج ۷)، لیکن روایت حدیث مقبول ہے۔

(۲۶) سن کر شہادت دینا صرف چار مسئلوں میں مقبول ہے۔ (۱) نسب میں، (۲) موت میں، (۳) وقف کے بارے میں (۴) اور قضاء قاضی میں اس کے علاوہ شہادت بالسماع درست نہیں، لیکن روایت بالسماع معتبر ہے کہ میں نے فلاں سے سنا یا فلاں سے یہ حدیث سنی، (فتح القدیر ص ۴۶۶ ج ۶ کذا فی التدریب والکفایہ، ھندیہ ص ۴۵۷، ج ۲، بحر الرائق ص ۲۷، ج ۵)۔

(۲۷) جن کے درمیان زوجیت کا تعلق ہے ان کیلئے ایک دوسرے کے حق میں شہادت دینے سے شہادت کا اعتبار نہیں ہوتا لیکن ان میں سے ایک دوسرے کے حق میں روایت معتبر ہے۔ ردالمحتار ص ۴۷۷، ج ۵، فتح القدیر ص ۴۷۹، ج ۶، بحر الرائق ص ۵۹، ج ۷۔

(۲۸) حدود میں عدد شہود پوری ہو جانے کے بعد بھی شہادت کا چھپانا مستحب ہے اور جب عدد پورے نہ ہوں تو پھر واجب ہے لیکن حدود کی روایت کا چھپانا ناجائز ہے، بحر الرائق ص ۵۹ ج ۷، فتح القدیر ص ۴۴۸، ج ۶۔

(۲۹) جھوٹ بولنے والا اگر توبہ کر لیتا ہے تو اس کی شہادت معتبر ہے لیکن روایت حدیث توبہ کے بعد بھی معتبر نہیں، ردالمحتار ص ۴۷۷، ج ۵۔

(۳۰) غلام کی شہادت مولیٰ کے حق میں معتبر نہیں لیکن غلام کی روایت مولیٰ کے لئے معتبر ہے۔ فتح القدیر ص ۴۷۴، ج ۶، اسی طرح مولیٰ کی شہادت غلام کے حق میں معتبر نہیں، فتح القدیر ص ۴۷۹، ج ۶۔

(۳۱) جن کے درمیان ولدیت یعنی باپ بیٹے کا تعلق ہے ان کے آپس میں ایک دوسرے کے لئے شہادت مقبول نہیں لیکن روایت حدیث باپ بیٹے کے درمیان معتبر ہے، فتح القدیر ص ۴۷۷ ج ۶۔

(۳۲) جن دو شخصوں کے درمیان شراکت کا معاملہ ہے وہ ایک دوسرے کے حق میں شہادت نہیں دے سکتے کیونکہ تہمت کذب کا احتمال ہے۔ فتح القدیر ص ۴۸۰، ج ۶، لیکن ان کے درمیان روایت حدیث معتبر ہے۔

(۳۳) شہادت علی النفی معتبر نہیں کیونکہ شہادت اثبات حق اور احیاء حق کے لئے ہوتی ہے نفی کے لئے نہیں اس لئے دو آدمیوں نے اگر کسی کے لئے حق کے ثبوت میں گواہی دی اور دو...... یا اس سے زیادہ آدمیوں نے نفی حق میں گواہی دی تو اثبات حق کی شہادت مقبول ہے نفی کی شہادت مقبول نہیں، عالمگیری ص ۴۵۰، ج ۲، ردالمحتار ص ۴۶۱، ج ۵، فتح القدیر ص ۴۸، ۴۹۴، ج ۶، لیکن روایت اثبات و نفی دونوں میں معتبر ہے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہد استعمال کرتے تھے دوسری روایت میں ہے آپ کچی پیاز استعمال نہیں فرماتے تھے تو اس میں ایک روایت اثبات میں ہے

دوسری روایت نفی میں ہے۔

(۳۴) یہ تو ہم نے چند نظائر پیش کر دیئے ہیں ویسے اگر اس کا تتبع کیا جاوے کہ روایت اور شہادت میں کیا کیا فرق ہیں تو سینکڑوں جزئیات اور بھی ظاہر ہوں گی کہ شہادت و روایت میں جس طرح حقیقت و ماہیت کے اعتبار سے فرق ہے اسی طرح شروط و قیود کے اعتبار سے بھی بہت بڑا بعد ہے۔ قانونِ شہادت کو اصول روایت پر قیاس کرنا انتہائی درجہ کی جہالت یا بددیانتی ہوگی، کتاب و سنت اور فقہ اسلامی کی رو سے جس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ابوسعید بروعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جس طرح دعوی نبوت پر قانون شہادت کا قیاس درست نہیں اسی طرح قانونِ روایت کو بھی قانون شہادت پر قیاس کرنا جائز نہیں، فتح القدیر۔

وآخر دعوانا ان الحمد الله رب العلمين والصلوٰة والسّلام علٰى سيّدالمرسلين وخاتم النبيّين وعلٰى اٰله واتباعه اجمعين.

کتبہٗ

محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہٗ

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ

بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵، ۱۵/۵/۱۴۰۴ھ

الجواب صحیح

(۱) (مفتی) ولی حسن ٹونکی (صاحب مدظلہ) رئیس دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن

(۲) (مفتی) احمد الرحمٰن غفرلہٗ (مدیر جامعۃ)

(۳) (مفتی) محمد ولی درویش غفرلہٗ

(۴) (مفتی) محمد شاہد

(۵) (مفتی) محمد ابوبکر سعید الرحمٰن غفرلہٗ

(۶) (مفتی) محمد رضاء الحق غفرلہٗ۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہٗ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اخّروھنّ من حیث اخّرھنّ اللّٰہ. (مصنّف عبدالرزّاق)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کو مؤخر اور پیچھے کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو مؤخر اور پیچھے کیا ہے۔

شریعتِ اسلامیہ
میں
عورت کی سربراہی

شریعت اسلامیہ میں عورت کی سربراہی استفتاء

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ کوئی عورت اسلامی حکومت کی سربراہ، اسمبلی کی ممبر یا شرعی عدالت کی جج بن سکتی ہے یا نہیں؟ اور شریعتِ اسلامیہ میں امور مملکت کے بارے میں کیا مقام ہے؟ قرآن وحدیث اور علمائے امت کے اقوال سے مدلّل جواب چاہیئے۔

محمد ابوالبشر

۲۲/نومبر ۱۹۸۸ء

جواب

"الحمد الله و کفیٰ وسلام" علیٰ عبادہٖ الّذین اصطفیٰ.

امّا بعد! قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص میں بہت سے امور میں عورتوں پر مردوں کو فضیلت دی گئی ہے انہی امور کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء کی ایک ہی آیت نمبر ۳۴ میں سمو دیا، سورۂ نساء کی آیت ذیل گویا تمام فضائل کی بحث کے لئے عنوان اور ہیڈ لائن ہے، جب کہ عورتوں کے اوپر مردوں کی فضیلت و برتری کے بارے میں دوسری آیات بھی موجود ہیں، چنانچہ سورہ نساء کی آیت کے اندر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الرّجال قوّامون علی النسآء بما فضّل اللّٰہ بعضھم علٰی بعض وبما انفقوا من امو الھم فالصّٰلحٰت قٰنتٰت حٰفظٰت للغیب بما حفظ اللّٰہ والّتی تخافون نشوزھنّ فعظوھنّ واھجروھنّ فی المضاجع و اضربوھنّ ج فان اطعنکم فلا تبغوا علیھنّ سبیلا ط انّ اللّٰہ کان علیاً کبیرًا ٥

(سورۂ نساء آیت ۳۴)

مرد حاکم اور سربراہ ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے ان پر مال خرچ کئے ہیں، سو جو عورتیں نیک ہیں وہ احکامِ خداوندی کو تسلیم کرتے ہوئے اطاعت کرتی ہیں، مرد کی عدم موجودگی میں "بحفاظت الٰہی" گھر اور اثاثے کی اور اپنے نفس کی نگہداشت کرتی ہیں، اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بد دماغی کا احتمال ہو تو ان کو نصیحت کرو اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں اکیلی چھوڑ دو اور ان کو

مارو، پھر وہ اگر تمہاری اطاعت کرنا شروع کردیں تو ان پر ظلم اور زیادتی کے لئے بہانہ مت ڈھونڈو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی رفعت اور عظمت والے ہیں۔

آیت مذکورہ کی تشریح سے قبل اس کا سبب نزول بیان کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اصل واقعہ اور صحیح حالات معلوم ہوجائیں۔

آیت کے سبب نزول کے بارے میں مفسرین نے عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو واقعات ذکر کئے ہیں وہ یہ ہیں:

(الف): سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ، جو کہ صحابۂ کرام کے اندر نقباء میں سے ایک تھے ان کی بیوی حبیبہ بنت ابی زہیرؓ نے ایک مرتبہ کسی معاملہ میں شوہر کی نافرمانی کی انہوں نے زور سے طمانچہ مارا جس سے چہرہ پر نشان پڑ گیا تھا، ابوزہیرؓ کو جب معلوم ہوا تو وہ اپنی بیٹی کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیان کیا کہ میرے داماد سعد بن الربیع نے میری آنکھوں کی پتلی، جگر پارہ کو زور سے طمانچہ مارا جس سے چہرہ پر نشان پڑ گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت قصاص کی رو سے حکم دیا کہ شوہر سے بدلہ لے لیں ابوزہیرؓ اپنی بیٹی کو لے کر نکلے فوراً حضرت جبرئیل علیہ السلام آیت الرّجال قوّامون الأیة لے کر تشریف لائے اور سورۂ نساء کی آیت پڑھ کر سنائی۔ آیت نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوزہیرؓ اور اس کی بیٹی کو بلایا، پھر فرمایا قصاص لینے کی اجازت نہیں خدا کا تازہ حکم یہی آیا ہے کیونکہ مرد تمہارے اوپر حکمران اور سربراہ ہے، اور وہ تمہارے واسطے مؤدب ہیں، دوسری روایت ہے کہ حضرت سعد بن الرّبیعؓ کی بیوی حبیبہؓ کا قصہ نہیں بلکہ ان کی بیوی خولہ بنت محمد بن سلمہ کا قصہ ہے۔

(ب): دوسرا واقعہ سبب نزول میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ثابت بن قیس بن مناش کی بیوی جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی ایک مرتبہ گھر سے باہر کہیں جانا چاہتی تھی ثابت بن قیس نے منع کیا اور کہا کہ میری بات مانو اور میری اطاعت تمہارے ذمہ میں ضروری ہے مگر گناہ کے کام میں میری اطاعت ضروری نہیں ہے، لیکن جمیلہ نے انکار کیا اور باہر نکل جانے کی کوشش کی، ثابت بن قیس نے اسی بات پر جمیلہ کو مارا یہاں تک کہ چوٹ لگی اور نشان پڑ گیا، یہ قصہ جب جمیلہ کے والد کو معلوم ہوا تو وہ اپنی بیٹی کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قصہ بیان کیا، آپؐ نے آیت قصاص کی رو سے شروع میں قصاص لینے کا حکم دیا، جب آیت مذکورہ اتری تو آپؐ نے اس کے بعد قصاص لینے کا حکم واپس لے لیا۔

آیت مذکورہ کے سبب نزول سے مجموعی طور پر اتنا معلوم ہوا کہ عورت کے لئے مرد کی اطاعت ضروری ہے اگر وہ اطاعت کی جگہ نافرمانی کرتی ہے تو شوہر کو مانے کا حق ہے اور اس میں اگر نشان بھی پڑ جائے تو قصاص نہیں آئے گا۔ البتہ یہ دوسری بات ہے کہ مردوں کو چاہیئے کہ عورتوں کو اس طرح نہ ماریں جس سے نشان پڑ جاوے یہ گناہ ہے۔

آیت مذکورہ کی تشریح: اس سے ماقبل آیات میں اللہ تعالیٰ نے باب میراث میں عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کی فضیلت کو بیان کیا ہے، عورت کو مرد کے مقابلہ میں نصف حصہ ملتا ہے مثلاً بیوی اگر مر جاوے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو تو شوہر کو عورت کی وراثت میں سے آدھی وراثت یعنی روپیہ میں سے آٹھ آنے ملتے ہیں، اور اگر مرحومہ کی اولاد ہو تو شوہر کو چوتھائی حصہ یعنی روپیہ میں سے چار آنے ملتے ہیں، جب کہ شوہر کے مرنے کی صورت میں اگر اس کی اولاد نہ ہو تو بیوی کو چوتھائی حصہ یعنی روپیہ میں سے چار آنے اور اگر وہ صاحبِ اولاد ہو تو بیوی کو آٹھواں حصّہ یعنی روپیہ میں سے دو آنے ملتے ہیں، اسی طرح ماں باپ کے ترکہ میں سے عورت کو مرد کے مقابلہ آدھا ملتا ہے مثلاً ورثاء میں سے اگر ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں تو روپے میں سے آٹھ آنے بیٹے کے اور چار آنے ہر بیٹی کے ہوتے ہیں، پھر بعض چیزوں میں عورتوں کو مردوں پر فضیلت دینے پر جن عورتوں کو شبہات تھے، آیاتِ سابقہ میں ان کے جوابات دیئے گئے ہیں جب کہ آیت زیر بحث میں اللہ تعالیٰ نے علی الاطلاق عورتوں پر مردوں کی فضیلت کو بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر حاکم اور سربراہ مقرر کیا ہے اور مردوں کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر تادیب اور اصلاح کی غرض سے تنبیہ اور وعظ کافی نہ ہو تو ان کو تادیبی سزا دے سکتے ہیں۔ اور اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجموعی طور پر مردوں کو عورتوں پر بہت سارے امور میں فضیلت دی ہے مثلاً عقل، علم، فہم، حسن تدبیر، قوّت نظریہ، قوّت عملیہ، قوتِ جسمانیہ، شجاعت، قوتِ محنت، صبر و تحمّل وغیرہ وغیرہ۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مردوں نے عورتوں پر بڑا مال خرچ کیا، ان کو حق مہر دیا، ان کو نان ونفقہ وغیرہ دیا، تو گویا مرد عورتوں پر ایک طرح محسن ثابت ہوئے، اور جس پر احسان کیا جاتا ہے محسن کو اس پر حق حکمرانی حاصل ہوتا ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ عورتوں کو مردوں پر حق حکمرانی نہیں ہو سکتا اور مردوں پر عورت حکم بھی نہیں بن سکتی، نہ وزیر، یا قاضی القضاۃ، یا قومی اسمبلی کی ممبر بن سکتی ہے۔

اس مختصر وضاحت کے بعد اب آیات مذکورہ کی مزید تشریحات کے بارے میں مفسرین کرام کی تفاسیر کو ملاحظہ فرمائیں۔

عماد الدین ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں:

ترجمہ: مرد عورتوں پر حاکم یعنی سربراہ اور نگران ہیں ان کے لئے ادب دینے والے ہیں جب کہ وہ غلط رویّہ اختیار کریں بسبب اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے، مرد عورت سے افضل اور بہتر ہے، یہی (۱) وجہ ہے کہ نبوت مردوں کے ساتھ مختص ہے عورتوں کو نبوت ورسالت سے نہیں نوازا گیا، یہی وجہ (۲) ہے کہ عورت سلطانِ اسلام کے منصب پر فائز نہیں ہوسکتی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم ہرگز فلاح یاب نہیں ہوسکتی جس نے سربراہ یا ولی عورت کو بنایا۔ (بخاری) نیز (۳) اللہ تعالیٰ نے مردوں کو کمالِ عقل دیا ہے، قوّت (۴) فکر وتدبّر زیادہ سے زیادہ دیئے ہں، (۵) ولایت کبریٰ کا حق دیا ہے، (۶) اسی طرح قانون شہادت، (۷) جہاد میں، ا (۸) قامتِ جمعہ، (۹) اقامت جماعت میں، (۱۰) امامت کرنے کے حق میں مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے۔

(ابن کثیر ص ۴۹۱. ج ۱)

۲: امام فخر الدین رازیؒ آیتِ مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

قولہٗ :الرّجال قوّامون علی النّسآء الخ ثمّ انہٗ تعالیٰ لمّا اثبت للرّجال سلطنةً علی النّسآء ونفاذ امرٍ علیھنّ بین انّ ذٰلک معلل بامرین الخ. (ص ۸۸، ج ۱)

اللہ تعالیٰ کے قول (مرد عورتوں پر قیّم اور سربراہ ہیں) میں عورتوں پر مردوں کے لئے ایک قسم کی سلطنت اور حکومت ثابت کی گئی ہے اور یہ بتایا ہے کہ مردوں کا حکم عورتوں پر نافذ ہوگا، اللہ تعالیٰ نے آیت میں اس کی دو علتیں بیان فرمائی ہیں: ایک علت کو ''بما فضّلَ اللّٰہُ'' سے اور دوسری علت کو ''وبما انفقوا '' سے۔ یہاں پر پہلی علت میں بیان کردہ فضیلت سے مراد مرد کی فطری صفات مثلاً قدرت، عقل وفہم وغیرہ ہیں کیونکہ اس میں شک نہیں کہ مردوں کی عقل عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ اور ان کا علم وفہم عورتوں کی نسبت کہیں زیادہ ہوتا ہے، اعمالِ شاقّہ اور محنت کی قدرت ان کی ظاہر ہے، اسی وجہ سے جہاد، اذان، خطبہ، جمعہ، وعیدین، امامت کبریٰ (حکومت) امامتِ صغریٰ (نماز کی امامت) اور مسجد میں اعتکاف کی سنّت مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں، حدود وقصاص، معاملات حقوق میں مرد کی شہادت معتبر اور عورتوں کی شہادت صرف معاملات میں نکاح کی ولایت مردوں کو حاصل ہے، مردوں کی وجہ سے عورتوں کی میراث آدھی ہوجاتی ہے، قتل خطا میں دیت

اور تاوان مرد ادا کرتے ہیں، قسامت میں قسم مردوں پر آتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور دوسری علّت قولہٗ "وَبِمَا اَنْفَقُوْا" سے مراد عورتوں کے حقِّ مہر، نان ونفقہ، مکان جیسی اشیاء ہیں جن کو مرد ادا کرتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ص ۸۸، ج ۱، کذافی تفسیر جمل ص ۳۷۸، ج ۱)

مفتی بغداد محقق مفسّر ابوالفضل السیّد محمود آلوسی روح المعانی میں تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

خلاصہ: اللہ تعالیٰ کے قول "الرّجال قوّامون علی النساء" میں مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی گئی ہے، ان کو عورتوں پر نگران اور سربراہ بنایا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے اندر ان تمام چیزوں کی تفصیلات کی طرف اشارہ فرمایا ہے (جن کی بناء پر مردوں کو عورتوں پر سلطنت اور سربراہی حاصل ہوتی ہے، ان کی تفصیلی فہرست بہت لمبی ہے اور اکثر و بیشتر واضح ہیں) تفصیلات بیان نہیں فرمائیں، حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو ناقصات العقل اور (۱) ناقصات الدّین کہا ہے۔ (بخاری و مسلم) اسی وجہ سے قولِ مشہور کے مطابق (۲) نبوّت ورسالت مردوں کے لئے خاص ہے، (۳) امامت کبریٰ، (۴) امامتِ صغریٰ، (۵) شعائر اسلام اذان، (۶) خطبہ عیدین، (۷) اقامت جمعہ، (۸) اقامت عیدین کا وجوب مردوں کے ساتھ خاص ہیں، (۹) طلاق کا اختیار مردوں کو ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح کا اختیار بھی، (۱۰) حدود و (۱۱) قصاص میں صرف مردوں کی شہادت معتبر ہے، (۱۲) میراث میں عورتوں کے مقابلے میں مردوں کا حصّہ دُگنا اور دُہرا ہے، (۱۳) مردوں کی وجہ سے عورتیں عصبہ بن جاتی ہیں، اسی وجہ سے ازروئے تادیب مردوں کو یہ حق بھی ہے کہ عورتوں کو ماریں اور ان کو نافرمانی پر تادیبی سزادیں۔ (روح المعانی ص ۲۳. ج ۵)

مذکورہ تفسیر کی عبارت سے معلوم ہوا کہ کوئی عورت جس طرح پانچ وقت کی نمازوں، عیدین اور جمعہ کی نماز میں امام نہیں بن سکتی، اسی طرح امامت کبریٰ، ملک کی صدارت، وزارت کی ذمہ داری بھی نہیں سنبھال سکتی۔

اسی طرح کی تفسیر قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کی ہے پھر وہ فرماتے ہیں کہ۔

یہ تمام فضائل مردوں میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے وہبی ہیں اور انہیں فضائل وہبیہ اور فضائل کسبیہ حق مہر، نان ونفقہ دیگر اخراجات کی ادائیگی اور مکان کے انتظام کی بنا پر مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں کسی مخلوق کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں۔ (ابو داود، تفسیر مظہری ص ۹۸. ج ۲)

مذکورہ بالا تفسیری حوالوں سے ثابت ہوا کہ عورتوں کے مقابلے میں مردوں کو زیادہ فضیلت حاصل ہے اور مردوں کی ایسی خصوصیات ہیں جو عورتوں کو حاصل نہیں ہیں، منجملہ ان امور کے جن کی تفصیل بیان کی جاچکی یہ ہیں۔

۱: عورت نبی یا رسول نہیں بن سکتی۔

۲: عورت امامت کبریٰ پر فائز ہوکر سربراہ مملکت نہیں بن سکتی۔

۳: امامتِ صغریٰ کی اہل نہیں یعنی پانچ وقتہ نمازوں کی امام نہیں بن سکتی۔

۴: شعائرِ اسلام اذان دینے کا کام انجام نہیں دے سکتی۔

۵: جمعہ اور عیدین کی امامت نہیں کرسکتی۔

۶: عام حالات میں جہاد ان پر فرض نہیں ہے۔

۷: قصاص کے مقدّمات میں عورت گواہ نہیں بن سکتی۔

۸: حدود کے مقدّمات میں عورت گواہ نہیں بن سکتی۔

۹: حقوق و معاملات میں بدون مردوں کے تنہا عورت کی گواہی کا اعتبار نہیں۔

۱۰: مرد ایک گواہ ہونے کی صورت میں دو عورتوں کی گواہی معتبر ہوتی ہے ایک عورت کی گواہی معتبر نہیں ہوتی۔

۱۱: ولایت نکاح کا اختیار مردوں کو حاصل ہے عورتوں کو نہیں یعنی نابالغ اولاد کا نکاح مرد ولی کراسکتا ہے عورت نہیں کراسکتی۔

۱۲: طلاق کا اختیار مرد کو ہوتا ہے عورت کو نہیں۔

جس سے صاف واضح ہوا کہ عورت خواہ کتنی ہی تعلیم یافتہ اور دیندار ہو وہ کسی صورت میں مسلمانوں پر سربراہ نہیں بن سکتی اور یہ تمام فقہاء و محدّثین بلکہ پوری امت کا متفقہ فیصلہ ہے۔

عورت کی سربراہی حدیث کی روشنی میں

عن ابی ہریرة رضی الله عنهٗ قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اذا کانت امرائکم خیارکم واغنیائکم سمحائکم وامرکم شوریٰ بینکم فظهر الارض خیر من بطنها، واذا کانت امرائکم شرارکم واغنیائکم بخلائکم وامورکم الٰی نسآئکم فبطن الارض خیر من ظهرها.

(ترمذی ص ۵۱، ج ۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تمہارے حکمران تمہارے بہترین لوگوں میں سے ہوں گے اور تمہارے مالدار طبقے سخی اور بخشش کرنے والے ہوں گے اور تمہارے معاملات باہمی مشورے سے طے پائیں گے تو تمہارے واسطے زمین کے نیچے قبر میں جانے کے مقابلہ میں اوپر رہنا بہتر ہوگا، اور جب تمہارے امیر بدترین لوگ ہوں اور مالدار طبقے بخیل ہو جائیں اور تمہارے امور کے اختیارات عورتوں کے سپرد کر دیئے جائیں تو پھر تمہارے واسطے زمین کے اوپر رہنے سے نیچے قبر میں چلے جانا بہتر ہوگا۔

حدیث مذکورہ میں واضح ہدایت ہے کہ حکمران طبقہ کا بہترین دیندار، امانت دار اور دیانت دار افراد میں سے ہونا خیر ہے اور خیر پھیلنے کی علامت ہے، اور حکمران طبقہ کا بدترین لوگوں میں سے ہونا شر ہے اور شر پھیلنے کی علامت ہے، اسی طرح مالداروں کا صدقہ وخیرات کرنے والا رہنا خیر ہے اور خیر عام کی علامت ہے لیکن مالداروں کا بخیل ہو جانا برا اور برائی پھیلنے کی علامت ہے، پھر مردوں کا اپنے انفرادی و اجتماعی امور میں تمام اختیارات عورت کے سپرد کر دینا بھی بہت بری بات ہے ایسے زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین کے اوپر والے حصّہ کے مقابلہ میں نیچے کا حصّہ بہتر ہے یعنی مر جانا ہی بہتر ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن ابی بکرة قال لقد نفعنی اللّٰہ بکلمة ایام الجمل لمّا بلغ النبیّ صلی اللّٰہ علیه وسلم انّ فارِسًا ملکوا ابنة کسریٰ قال: لن یفلح قوم ولّوا امرهم امراةً.

(کتاب الفتن ص ۱۰۵۲، ج ۲)

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو جنگ جمل کے زمانہ میں اس کلمہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے نفع پہنچایا ہے، (وہ یہ ہے) کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ فارس کے لوگوں نے کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنایا ہے تو آپ نے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے حکومت کسی عورت کے سپرد کی۔

حدیث کی شرح اس کے ترجمہ سے واضح ہو جاتی ہے تاہم حالات حاضرہ کو دیکھ کر اس کی تفصیلی تشریح کی ضرورت پیش آئی، حدیث مذکورہ کے تمام راوی کبار محدّثین کے نزدیک ثقہ اور مستند ہیں۔ یہی

وجہ ہے کہ امام بخاری، امام ترمذی، امام نسائی وغیرہ محدّثین نے اس حدیث کی تخریج کی ہے جو لوگ کتب رجال حدیث سے باخبر ہیں اور فنّ حدیث میں امام بخاری کے مقام اور ان کی کتاب صحیح بخاری کے درجہ سے واقف ہیں ان کے سامنے حدیث کی صحت اور اس کا وزنی ہونا واضح ہے، باقی منکرین کے واسطے مطلب کے خلاف کوئی حدیث حجت نہیں بن سکتی اس لئے ہماری بحث ان سے خارج ہے۔

غرض حدیث مذکور صحیح اور واجب الاتباع ہے حدیث کے راوی حضرت ابوبکرہ الثقفی ہیں جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں ان کا اصل نام نفیع بن الحارث ہے اور یہ جلیل القدر صحابی تھے طائف کے رہنے والے تھے بعد میں بصرہ میں تبلیغ دین کے واسطے قیام پذیر تھے، آپؓ مجتہدین اور فقہاء صحابہؓ میں سے تھے، اور خیار صحابہ میں سے تھے، حسن بصریؒ نے کہا کہ بصرہ میں حضرت ابوبکرہ اور عمران بن حصین سے بہتر کوئی نہیں آئے ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں آپ بصرہ میں انتقال فرماگئے۔

حدیث کا سببِ ورود یہ ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسریٰ بادشاہ کی وفات کے بعد فارس کے لوگوں نے کسریٰ بادشاہ کی بیٹی کو بادشاہ بنایا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ لوگ ہرگز فلاح نہیں پائینگے جنہوں نے حکومت کسی عورت کے سپرد کردی گویا آپؐ نے اس پر نکیر فرمائی ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کسی عورت کو ملک کا بادشاہ بنانا فلاح و کامیابی کی علامت نہیں ہے بلکہ ناکامی اور ناکامیابی کی علامت ہے۔ واضح رہے کہ آپؐ کی نکیر عورت کو کافروں کے ملک کی سربراہ بنانے سے متعلق ہے، جس سے خودبخود اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ملک کے سربراہ عورت کو بنانے میں آپؐ کو کس قدر نفرت ہوگی؟

دوسری بات یہ کہ حضرت ابوبکرہ صحابیؓ نے اس حدیث کو جس موقعہ پر بیان فرمایا ہے کہ وہ بھی ایک سوچنے کا مقام ہے، اسکی تفصیل اس طرح ہے کہ جب خلیفہ راشد حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان جنگ جمل کا واقعہ پیش آیا تو صحابۂ کرام میں سے کچھ امّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کے ہمراہ تھے اور کچھ صحابۂ کرام حضرت علی رضی اللہ عنہ، کے ساتھ تھے، صحابۂ کرامؓ کے درمیان ایک شرعی مسئلہ قصاص کے بارے میں جس کا انکار کسی کو نہ تھا اتنا بڑا حادثہ پیش آنا واقعی ایک بہت بڑا فتنہ تھا، اللہ تعالیٰ نے جس کو چاہا

اس سے بچایا اور جس کو چاہا اس میں مبتلا کیا۔

حضرت ابوبکرہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام کے درمیان اس فتنۂ عظیم کے موقع پر مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے ذریعہ بڑا فائدہ دیا کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ جس قوم کی خلافت و امارت کسی عورت نے سنبھالی وہ قوم ہرگز فلاح یاب نہیں ہوسکتی، صحابۂ کرامؓ کے درمیان جنگِ جمل میں ایک جماعت کی قیادت ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرمارہی تھیں اور دوسری جماعت کی قیادت حضرت علیؓ فرمارہے تھے، شخصیت کے اعتبار سے کسی پر بھی انگشت نمائی کی گنجائش نہیں تھی، حضرت عائشہؓ دنیا و آخرت میں بشمولِ حضرت علیؓ تمام مؤمنین کے واسطے ماں کا درجہ رکھتی ہیں لیکن عورت تھیں، دوسری جانب میں داماد رسول خلیفۂ راشد، امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت ہے جو کہ مرد تھے، تو اس فتنہ کے موقع پر مجھے صحیح فیصلہ کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مذکور سے بڑی مدد ملی۔

حضرت ابوبکرہؓ کی اس روایت اور جنگ جمل کے موقع پر اس کے ذریعہ فیصلہ میں پوری امت کے لئے یہ ہدایت موجود ہے کہ امور مملکت میں عورتوں کی قیادت کوئی خوش آئند اور کامیابی کی علامت نہیں ہے، بلکہ ناکامی کی علامت ہے، اسی کی بنیاد پر مسلمانوں کے ملک کے عوام وخواص خصوصاً عدلیہ کے ذمہ دار، انتخابات بلکہ تمام امور مملکت کے سلسلہ میں صحیح فیصلہ کرسکتے ہیں۔

یہ بھی قابلِ غور بات ہے کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو کتاب الفتن میں ذکر کیا ہے جس سے ان کا منشاء اور مقصد واضح ہے کہ امور مملکت میں عورتوں کی قیادت بڑے فتنوں میں سے ایک فتنہ ہے اور قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

ہمارے بعض سطحی معلومات رکھنے والے دانشور یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی قیادت میں جب صحابۂ کرام کی ایک جماعت حضرت علیؓ کے خلاف جنگ جمل میں شریک ہوئی تو اس سے امورِ مملکت میں عورتوں کی قیادت کا جواز ثابت ہوتا ہے، کیا وجہ ہے کہ علمائے کرام اس کی مخالفت کرتے ہیں؟

اس کا ایک اجمالی جواب تو حضرت ابوبکرہ کی حدیث اور اس کی شرح میں گذر چکا ہے کہ حادثہ جنگ جمل ایک فتنہ تھا اس فتنہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذاتی حیثیت اونچی ہونے کے باوجود حضرت علیؓ کے مقابلہ کے لئے آپؓ کی قیادت مناسب نہ تھی، یہ آپؓ کی اجتہادی خطا تھی، چنانچہ حضرت ابوبکرہؓ

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خروج نہ تو کسی وزارت یا صدارت کے لئے تھا اور نہ امورِ مملکت کے کسی معاملے میں شریک ہونے کے واسطے آپ نے اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین سے فوری قصاص کے مطالبہ پر تھا (اور آپ کا مطالبہ صحیح تھا)۔ لہٰذا امورِ مملکت میں صدارت، وزارت یا کسی عہدہ کے واسطے حضرت عائشہؓ کی قیادت کو دلیل کے طور پر پیش کرنا قیاس مع الفارق اور انتہائی غلطی ہوگی۔

تیسری بات یہ کہ یہ ایک واقعہ ہے کچھ صحابہ کا طرزِ عمل ہے اس کے مقابل جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح ہدایت موجود ہے تو آپ کی ہدایت اور حکم کے مقابلہ میں کسی صحابی کا عمل جو کہ کسی اجتہادی خطاء کی بناء پر ہو حجت نہ ہوگا، یہی وجہ ہے کہ حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے تمام شارحین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی رو سے عورت امارت اور قضاء کی عہدہ دار نہیں بن سکتی بطورِ نمونہ شروحِ حدیث سے چند عبارات پیش کی جاتی ہیں، ملاحظہ فرمائیں: ابن حجر عسقلانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

قال الخطابی: وفی الحدیث ان المرأة لاتلی الامارة ولا القضاء الیٰ قولہٖ وھو قول الجمھور. (فتح الباری ص ۶۴، ج ۸)

خطابی نے کہا ہے کہ امارت اور قضاء کی متولی عورت نہیں بن سکتی اور جمہور کا یہی قول ہے۔

شارحِ بخاری علامہ بدرالدین عینیؒ حدیث ابی بکرہ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والحدیث اخرج البخاری فی الفتن واخرج الترمذی فی الفتن عن محمد بن مثنیٰ و اخرج النسائی فی الفضائل، وفی الحدیث انّ المرأة لاتلی الامارة والقضاء. (عمدة القاری ص ۵۹، ج ۹)

امام بخاریؒ اور امام ترمذیؒ نے حدیث کو کتاب الفتن میں محمد بن مثنٰی سے ذکر کیا ہے اور امام نسائی نے کتاب الفضائل میں، حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت منصب امارت اور قضاء میں متولی نہیں بن سکتی۔

محی السنّۃ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

قال الامام: اتفقوا انّ المرأة لاتصلح ان تکون امامًا و لاقاضیاً؛ لان الامام

یحتاج الی الخروج لاقامة امر الجهاد والقیام بامر المسلمین، و القاضی یحتاج البروز لفصل الخصومات، والمرأة عورة لاتصلح للبروز وتعجز لضعفها عند القیام باکثر الامور، ولانّ المرأة ناقصة و الامامة القضاء من کمال الولایة فلا یصلح لها الا الکامل من الرّجال. (شرح السنة للبغوی ص ۷۷، ج ۱)

امام صاحب نے فرمایا کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ عورت منصب امارت اور منصب قضاء کی صلاحیت واہلیت نہیں رکھتی، اس واسطے کہ امیر مملکت کو جہاد کے لئے اور امور المسلمین کے معاملات میں باہر جانے کی ضرورت پڑے گی اور قاضی کو لوگوں کے مقدمات اور جھگڑوں کو نمٹانے کے واسطے ادھر اُدھر جانا پڑیگا۔ جب کہ عورت کا جسم ستر ہے مردوں میں جانے سے بے پردگی ہوگی اس لئے وہ باپردہ عورت باہر نہیں جاسکے گی، دوسری بات عورت مملکت کے بہت سے امور خود انجام دینے سے قاصر اور عاجز ہوگی کیونکہ جنس عورت ازروئے حدیث ناقصۃ العقل ہے، منصب امامت اور منصب قضاء کا تعلق کمالِ ولایت سے ہے لہٰذا امارت اور قضاء کے لئے کامل العقل یعنی جنس مرد کا ہونا ضروری ہے۔

امام بغویؒ نے حدیث کی جس طرح واضح شرح کی ہے اہل دانش کے واسطے اس پر مزید لکھنے کی ضرورت نہیں، امام موصوف نے عورت کو منصب امارت اور منصب قضاء کے واسطے ناموزوں ہونے کی دو بنیادی وجوہ لکھی ہیں۔

۱: ایک یہ کہ عورت کا معاملہ ستر کا ہے کہ وہ پردہ میں رہیں اور گھر میں رہیں، بلاضرورت شرعی یا طبعی گھر سے باہر نہ نکلے جب کہ منصب امارت وقضاء قبول کرنے کی صورت میں بار بار باہر نکلنے اور مردوں کے ساتھ اختلاط کی صورت میں بے پردہ ہوجانے کا یقین جازم ہے، لہٰذا عورت کا مزاج اور فطرت منصب امارت وقضا کے لئے اہل نہیں اس لئے موزوں نہیں۔

۲: دوسری وجہ یہ کہ جنس عورت خواہ کتنی لکھی پڑھی ہو ذہین وفطین ہو لیکن فطرت وخلقت کے اعتبار سے ناقصۃ العقل ہے، جس کی نشاندہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، بلکہ منصب امارت و قضاء کے لئے ایسے افراد کا ہونا ضروری ہے جو کہ دینی ودنیاوی امور کے اعتبار سے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ کامل ومکمّل عقل رکھتے ہیں، اور فطرت اور خلقت کی رو سے جنس مرد اس کے لئے نہایت موزوں ومناسب ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

بعض لوگ عورت کی سربراہی کے جواز میں حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ کی ملکہ سبا بلقیس کی سربراہی سے بھی استدلال کرتے ہیں اس کے جواب کے سلسلہ میں سب سے پہلے ان آیات کی تفسیر کے ذیل میں مفسرین کرام کی تحقیق ملاحظہ فرمائیے۔

صاحب تفسیر قرطبی نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے ملکہ کسریٰ کے واقعہ کے علاوہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ملکہ سبا کا ذکر بھی کیا گیا جس پر آپؐ نے فرمایا: لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ. (قرطبی ص ۲۱۱، ج ۱۳)

اس سے واضح ہوا کہ آپؐ نے عورت کی سربراہی کا مطلقاً انکار فرمایا، نیز شریعت سابقہ کا کوئی واقعہ دین اسلام کیلئے حجت نہیں بن سکتا جب کہ اس کے خلاف نص موجود ہو، اس واسطے محقق اور ناقد محدث و مفسر مفتی علامہ محمود آلوسی آیت متعلقہ سبا کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں۔

ولیس فی الأیة مایدلّ علیٰ جواز ان تکون المرأۃ ملکته و لاحجّة فی عمل قومٍ کفرۃ علیٰ مثل ھٰذا المطلب. وفی حدیث البخاری من حدیث ابن عباسؓ ان النبی صلی الله علیه وسلم لما بلغهٗ ان اھل فارس قد ملکوا بنت کسریٰ قال لن یفلح قوم ولوا امر ھم امراۃً. (روح المعانی ص ۱۸۹، ج ۱۹)

ترجمہ: آیت میں ایسی کوئی بات نہیں جس سے ثابت ہو کہ اسلام میں عورت سربراہ مملکت بن سکتی، ملکہ سبا کی سربراہی حالتِ کفر میں کفار پر قرآن سے ثابت ہے بعد کا کچھ ذکر قرآن یا حدیث میں ثابت نہیں ایسے موقع پر اس آیت سے عورت کی سربراہی کے واسطے استدلال درست نہیں جب کہ بخاری میں صحیح حدیث ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اہل فارس نے جب کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنایا ہے تو آپؐ نے فرمایا وہ قوم ہرگز کامیاب نہ ہوگی جو عورت کو اپنے اوپر سربراہ بناوے۔

سورۂ نمل کی آیت متعلق ملکۂ سبا کی تفسیر کے ذیل میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں: بخاری کی روسے علمائے امت اس پر متفق ہیں کہ عورت کو امامت وخلافت یا سلطنت وحکومت سپرد نہیں کی جاسکتی بلکہ نماز کی امامت کی طرح امامت کبریٰ بھی صرف مردوں کو سزاوار ہے۔ رہا بلقیس کا ملکہ سبا ہونا تو اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوسکتا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت سلیمان علیہ

الصّلوٰۃ السّلام نے خود اس سے نکاح کیا ہے پھر اس کو حکومت وسلطنت پر برقرار رکھا اور یہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں جس پر احکام شرعیہ کا اعتماد کیا جائے۔ (معارف القرآن ص ۵۷۳، ج ٦)

''یہ تھا تحقیقی جواب'' باقی تاریخی روایات کی رو سے بھی اس بارے میں زبردست اختلاف ہے کہ ملکہ سبا سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے خود نکاح کر کے اس کی سلطنت کو برقرار رکھا تھا یا نہیں؟ ایک روایت میں ہے کہ آپؑ نے برقرار رکھا ہے بالفرض اگر یہ صحیح بھی ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے منسوخ ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ بلقیس کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خود نکاح نہیں کیا بلکہ ملک ہمدان ذاتبع کے ساتھ نکاح کر دیا تھا اور اس کے شوہر کو ملک سبا کا بادشاہ بنا دیا تھا۔
(دیکھئے تفسیر روح المعانی ص ۲۱۰، ج ۱۹، قرطبی ص ۲۱۱، ج ۳، خازن ص ۲۱۴، ج ۳)

لہٰذا عورت کی سربراہی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نکیر اور صحابہ کرامؓ کے استنکار کے بعد شریعتِ سابقہ میں گذرے ہوئے ایک واقعہ کو مسلمانوں پر عورت کی سربراہی کے واسطے استدلال میں پیش کرنا انتہائی درجہ کی جہالت اور شریعت کے ساتھ زیادتی ہوگی۔

آخر میں ہم متکلمین اور فقہائے کرام کی چند نقول پیش کر کے بحث کو ختم کر دیتے ہیں۔

شرح عقائد میں ہے:

ویشترط ان یکون من اھل الولایۃ ای مسلماً حرًّا ذکرًا عاقلًا بالغًا؛ اذ النساء ناقصات عقلٍ ودینٍ، اقتباس من الحدیث، وسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن معناہ فقال ماحاصلہٗ: انّ شھادتھا نصف شھادۃ الرّجل فذٰلک من نقصان عقلھا، و تمکث ایامًا لاتصلی ولاتصوم فذٰلک من نقصان دینھا، و فی استدلال الشارح بہ خفاء لایخفٰی والا وضح الاستدلال بالحدیث عن ابی بکرۃ الثقفی فانمّا بلغ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انّ اھل فارس ملکوا علیھم بنت کسرٰی، قال لن یفلح قوم ولّوا علیھم امرأۃ. رواہُ البخاری، وایضًا ھی مامورۃ بالتستر وترک الخروج الٰی مجامع الرّجال. وایضًا قد اجمع الامّۃ علٰی عدم نصبھا حتّٰی فی الامامۃ الصغرٰی. (نبراس ص ۵۳۵، ص ۵۳٦)

ترجمہ: اور خلیفہ کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ اہل ولایت میں سے ہو یعنی مسلمان، آزاد، مرد عاقل، بالغ ہو اس واسطے کہ عورتیں دین اور عقل کے اعتبار سے ناقص ہوتی ہیں اور یہ بات حدیث سے لی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ عورتیں دین و

عقل کے اعتبار سے ناقص ہوتی ہیں جس کا حاصل یہ کہ عورتوں کی شہادت مردوں کے مقابلہ میں آدھی شہادت ہے یہ ان کے عقلی نقصان کی علامت ہے، اور عورتیں ماہواری کے دنوں میں نماز نہیں پڑھ سکتیں روزہ نہیں رکھ سکتیں یہ ان میں دینی نقصان کی علامت ہے، اور اس سے بھی واضح دلیل حدیث ابوبکرہ ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو امیر مملکت بنالیا تو آپؐ نے فرمایا وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے حکومت کسی عورت کے سپرد کی۔ (بخاری نے اس روایت کو نقل کیا)۔

نیز عورت قرآن وحدیث کی رو سے پردے میں رہنے اور مردوں کی مجلس میں شرکت نہ کرنے پر مامور ہے تو عورت کو امارت اور خلافت سپرد کرنے کی صورت میں اس کی بے پردگی ہوگی اور اجنبی مردوں کی مجلسوں میں جانے پر مجبور ہوگی، اسی واسطے پوری امت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ عورت کو امامتِ صغریٰ پر بھی مقرر نہ کیا جاوے۔

حاصلِ کلام

نبراس کی مذکورہ عبارت میں صریح الفاظ موجود ہیں کہ امارت وخلافت کے لئے مرد کا ہونا ضروری ہے، عورت کے اندر اہلیتِ امارت نہ ہونے کی وجہ سے وہ کسی ملک کی امیر یا خلیفہ نہیں بن سکتی۔

فقہ شافعی کی مشہور اور مستند کتاب المجموع میں امام نوویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

لایجوز ان یکون القاضی امرأۃ؛ لقولہٖ صلی اللہ علیہ وسلم: لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ، ولانّہٗ لابدّ للقاضی مجالسۃ الرجال من الفقھاء والشھود والخصوم والمرأۃ ممنوعۃ من مجالسۃ الرجال لمایحتاف من الافتتان.

(ص ۱۲۷، ج ۲۰)

عورت کا امیر یا قاضی بننا جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قوم کبھی فلاح یاب نہیں ہوسکتی جس نے حکومت کسی عورت کے سپرد کی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ امیر اور قاضی کیلئے ضروری ہے کہ مردوں کی مجلس میں جائے اور اس کے سامنے فقہاء، مدّعی مدّعا علیہ گواہ اور مقدمات کے سننے والے بے شمار لوگ ہوں گے جب کہ عورت کو مردوں کی مجلس میں جانے سے منع کیا گیا ہے اس وجہ سے کہ اس میں فتنے پیش آئیں گے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ شامی میں لکھا ہے کہ

تنبیه : امّا تقریرها فی نحو وظیفة الامام فلاشکّ فی عدم صحّته ؛لعدم اهلیتها خلافًا لما زعمهٗ بعض الجهلة انهٗ یصح وتستنیب لانّ صحة التقریر یعتمد وجود الاهلّیة وجواز الاستناب فرع صحة التقریر. (شامی ص ۴۴۰)

البتہ عورت کا منصب امامت کبریٰ پر تقرّر بلاشبہ صحیح نہیں کیونکہ اس میں اس (منصب) کی اہلیت نہیں ہے۔ بعض جہلاء نے کہا ہے کہ عورت امام بن سکتی ہے اور وہ اپنا نائب بنائے گی یہ درست نہیں ہے، اس لئے کہ عورت کو سربراہ بنانے کے لئے پہلے اس میں شرعًا اہلیت ہی نہیں ہے تو دوسرے کو امیر کیسے بنائے گی کہ وہ اسکی نیابت کر سکے؟

اسی طرح کی عبارات تمام کتب فقہ وفتاویٰ میں موجود ہیں لیکن مسئلہ کی وضاحت کے لئے مذکورہ دلائل کافی ووافی ہیں۔

لہٰذا مسلمان ملک کی سربراہی کے لئے عورت کا تقرر ہرگز جائز نہیں ہے اور یہ تمام آئمہ اربعہ کا متفقہ مسئلہ ہے، امام طبری سے جواز کا قول منسوب ہے لیکن بے شمار لوگوں نے اس کو غیر ثابت کہا ہے جب کہ قرآن وحدیث اور کتب فقہ کی نقول بالا جماع کے خلاف ہیں۔

پورے ملک کے اندر خود کسی پارٹی اور جماعت کے اراکین میں مرد موجود ہوتے ہوئے عورت کو ملک کی وزارت یا صدارت کے لئے پیش کرنا اسلام اور مسلمانوں کے لئے نہ صرف ننگ وعار کا مسئلہ ہے بلکہ تاریخ اسلام کے اندر ایک بدنما داغ ہوگا، ہماری موجودہ حالت ملک کے تمام مسلمانوں عوام وخواص خصوصًا اربابِ حل وعقد اور عدلیہ کے ذمہ دار افراد کو دعوت فکر دے رہی ہے کہ وہ اپنے لئے راہ راست کا تعین کریں کسی بھی طرح کی جماعتی یا گروہی جذباتیت عصبیت کا شکار ہوکر غلط فیصلہ سے گریز کریں ورنہ دنیا وآخرت میں خداوندِ قدوس کی عدالت میں سرور کائنات ﷺ کی موجودگی میں ایسی رسوائی ہوگی جس کی تلافی اس وقت ممکن نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانان پاکستان کو راہِ راست کی ہدایت نصیب فرمائے وصلی اللہ علیہ وسلم۔

حررہٗ محمد عبدالسّلام عفا اللہ عنہٗ
دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی نمبر ۵

الجوب صحیح

(۱) (مفتی) ولی حسن ٹونکی (صاحب مدظلہ)
رئیس دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ
(۲) (مفتی) احمد الرحمٰن (صاحب) (مدیر جامعہ)
(۳) (مفتی) محمد ولی درویش غفرلہٗ
(۴) (مفتی) محمد شاہد غفرلہٗ
(۵) (مفتی) ابوبکر سعید الرحمٰن

خمینی اور شیعہ اثنا عشری

کے بارے میں

مولانا نعمانی صاحب

کا اہم استفاء اور

علماءِ کرام کا متفقہ جواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا شیعہ اثنا عشریہ مسلمان ہیں؟

از: بندۂ عاجز محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

دین حق کے امین ومحافظ حضرات علمائے شریعت کی خدمت میں

السَّلامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ......

بعدہٗ راقم سطور عرض کرتا ہے:۔

گزشتہ چار پانچ سالوں میں مختلف ملکوں سے آنے والے خطوط سے اس عاجز کو معلوم ہوتا رہا کہ ایرانی انقلاب کے بعد سے شیعیت ایک زندہ دعوت اور تحریک بن گئی ہے، اور ایرانی حکومت کے سفارت خانے جہاں بھی ہیں وہ اب شیعیّت کی دعوت وتبلیغ کے مرکز کے طور پر بھی کام کر رہے ہیں۔اور اندازہ کیا جاتا ہے کہ ایرانی حکومت جنگی محاذ ہی کی طرح اس دعوتی اور تبلیغی محاذ پر بھی بے حساب اور بے دریغ دولت صرف کر رہی ہے۔

مختلف ملکوں میں وہاں کی زبانوں میں اس سلسلہ کا لٹریچر بارش کی طرح برسایا جارہا ہے۔نیز ایران سے تربیت یافتہ داعی بھیجے جارہے ہیں اور اس دعوتی مہم کے سلسلہ میں شیعہ مذہب کے اصول تقیہ کا بڑی مہارت سے استعمال کیا جارہا ہے جس کے نتیجہ میں بعض ملکوں میں ناواقف مسلمان خاص کر نوجوان تیزی کے ساتھ شیعہ مذہب قبول کر رہے ہیں۔

اس صورتحال کے علم میں آجانے کے بعد اس عاجز نے فرض سمجھا کہ گمراہی کے اس سیلاب سے امت محمدیہؐ کے دین وایمان کی حفاظت کے لئے جو کچھ اپنے سے کیا جاسکتا ہے وہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ورحمت سے امید کی جائے کہ وہ اپنے وعدے اور اپنی سنت ازلیہ کے مطابق اپنے ان بندوں کی مدد فرمائے گا جو اس مقصد کے لئے جدوجہد کریں گے:

وَلَيَنْصُرَنَّ اللهُ مَنْ يَّنْصُرُهُ إِنَّ اللهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ.

اس سلسلہ میں سب سے اہم اور مقدم کام یہ تھا کہ مسلمانوں کو شیعہ مذہب کی حقیقت اور ایرانی انقلاب کے قائد خمینی صاحب کے عقائد وعزائم سے واقف کرایا جائے۔ اس کے لئے راقم سطور نے قریباً ایک سال تک شیعہ مذہب کی بنیادی اور مسلّمہ کتابوں اور ان اکابر واعاظم شیعہ مجتہدین ومصنفین کی تصانیف کا جو مذہب شیعہ میں سند کا درجہ رکھتے ہیں اور خود خمینی صاحب کی تصانیف کا مطالعہ کیا۔ پھر اس مطالعہ کا حاصل قریباً تین سو صفحے کی ایک کتاب کی شکل میں مرتب کر دیا جو ''ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت'' کے نام سے اب سے قریباً ڈیڑھ سال پہلے شائع ہو چکی ہے۔

اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی یہ غیبی مدد سامنے آئی کہ اسی کی توفیق سے اس کے بہت سے بندوں نے (جن کو راقم سطور جانتا بھی نہیں) محض ایمانی جذبہ سے اور خالصاً لوجہ اللہ اس کتاب کی زیادہ سے زیادہ اشاعت اور دور دراز ملکوں تک پہنچانے کی کوشش کیں۔ اس کے نتیجہ میں تھوڑی سی مدت میں ہندوستان و پاکستان سے مجموعی طور پر اس کے ڈھائی لاکھ کے قریب نسخے شائع ہو چکے ہیں اور عرب ممالک، یورپ، امریکہ، افریقہ جیسے دور دراز ممالک میں اردو پڑھنے والے مسلمانوں تک اس کے نسخے بڑی تعداد میں پہنچ چکے ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ سلسلہ جاری ہے۔ بلاشبہ یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا کرم اور اس کی قدرت ونصرت کا کرشمہ ہے۔ اس میں کتاب کی کسی خوبی اور اس کے مصنف کے کسی کمال کو مطلق دخل نہیں ہے۔ وہ مسکین تو بالکل بے ہنر آدمی ہے۔[1]

اس کتاب کی تصنیف واشاعت کا مقصد بس اتنا ہی تھا کہ جو مسلمان شیعیت کی حقیقت، خمینی صاحب کے عقائد وعزائم اور ان کے برپا کیے ہوئے ایرانی انقلاب کی واقعی نوعیت سے واقف نہیں ہیں اور اس ناواقفیت کی وجہ سے ایرانی حکومت یا اس کے ایجنٹوں کے پرفریب پروپیگنڈے کا شکار ہو سکتے ہیں وہ واقف ہو جائیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ اتنے کام کے لئے یہ کتاب کافی ثابت ہوئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۝

کتاب کی اشاعت کے بعد اس کا مطالعہ کرنے والے بہت سے حضرات کی طرف سے بڑی سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا گیا کہ جب شیعہ اثنا عشریہ کے عقائد وہ ہیں جو ان کے بنیادی اور مسلّمہ کتابوں کے حوالوں سے اس کتاب میں لکھے گئے ہیں تو حضرات علمائے کرام کی طرف سے ان کے بارے میں اس طرح کا فیصلہ کیوں نہیں کیا گیا جس طرح کا قادیانیوں کے بارے میں کیا گیا ہے؟

[1] یہ بات بھی اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ قابل ذکر ہے کہ کتاب کا انگریزی ایڈیشن بھی ہندوستان و پاکستان اور جنوبی افریقہ سے بڑی تعداد میں شائع ہو چکا ہے۔ عربی ایڈیشن بھی بفضلہٖ تعالیٰ مصر سے شائع ہو چکا ہے۔ بلاشبہ یہ سب اللہ کی غیبی مدد ہی کا کرشمہ ہے۔

راقم سطور نے ماہنامہ الفرقان میں اس سوال کا ذکر کر کے ماضی قریب ہی کے اکابر علمائے کرام کے وہ فتویٰ اور متقدمین ومتاخرین علماء وفقہا کی وہ عبارتیں شائع کر دیں جن میں شیعہ اثنا عشریہ کے موجب کفر عقائد کی بنا پر ان کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے...... اس کے بعد ضرورت محسوس ہوئی کہ اس پورے مواد کو استفتاء کی شکل میں مرتب کر کے عصر حاضر کے حضرات علمائے شریعت واصحاب فتویٰ کی خدمت میں بھی پیش کیا جائے اور اس کے جوابات کے ساتھ شائع کر دیا جائے۔

یہ اوراق اسی غرض سے حضرات علمائے کرام ومفتیان عظام کی خدمت میں پیش کئے جارہے ہیں۔ اس کی کوشش کی گئی ہے کہ شیعہ اثناء عشریہ کے جن عقائد کی بنا پر ان کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے ان کا ثبوت ان کی بنیادی اور مسلّمہ کتابوں سے اس طرح سامنے آجائے کہ اس کے بعد کسی کے لئے شک وشبہ اور تاویل کی گنجائش نہ رہے۔ اس کی وجہ سے اس سوالنامہ کے صفحات کی تعداد کچھ زیادہ ہوگئی ہے۔ لیکن یہ ضروری تھا تا کہ حضرات علمائے کرام علیٰ وجہ البصیرت اور پورے قلبی وذہنی اطمینان اور اذعان کے ساتھ رائے قائم فرماسکیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل.

شیعہ اثنا عشریہ کے مُوجب کفر عقائد

جن کی بنا پر متقدمین ومتاخرین علماء وفقہا نے ان کو
دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے

اثنا عشریہ کی بنیادی اور مستند کتابوں کے مطالعہ کے بعد خاص طور سے ان کے یہ تین عقیدے اس طرح آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں جس کے بعد کسی شک شبہ اور تاویل کی گنجائش نہیں رہتی۔

ایک یہ کہ حضرات شیخین (سیدنا حضرت ابوبکر صدیق وسیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ (معاذ اللہ) نہ صرف یہ کہ کافر ومنافق تھے بلکہ اگلی امتوں کے اور اس امت کے خبیث ترین کافروں فرعون، ہامان، نمرود اور ابولہب وابوجہل سے بھی حتّٰی کہ شیطان مردود سے بھی بدتر درجہ کے کافر تھے اور جہنم میں سب سے زیادہ عذاب انہیں دونوں پر ہے اور یہ کہ ان دونوں کی بیٹیاں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک بیویاں حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما) بھی۔ العیاذ باللہ! منافقہ اور کافرہ تھیں اور اپنے باپ (ابوبکر وعمر) کے کہنے سے ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دے کر شہید کیا تھا۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ والعیاذ باللہ۔

دوسرا یہ کہ موجودہ قرآن محرف ہے اس میں ہر طرح کی تحریف اور کمی بیشی ہوئی ہے۔ یہ بعینہ وہ

''کتاب اللہ'' نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی گئی تھی۔

تیسرا یہ کہ ان کا بنیادی عقیدہ ''امامت'' ختم نبوت کی قطعی نفی کرتا ہے۔لہٰذا وہ اپنے اس عقیدہ کی وجہ سے ختم نبوت کے منکر ہیں۔اگر چہ زبان سے حضور کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں (جس طرح قادیانی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین کہتے ہیں) ان کے ان مجتہدین نے جو شیعہ مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں صاف صاف کہا ہے کہ ان کے بارہ اماموں کا مرتبہ تمام انبیائے سابقین سے اور امامت کا درجہ نبوت ورسالت سے برتر اور بالاتر ہے۔

اب ان تینوں عقیدوں کے بارے میں ان کے آئمہ معصومین کے ارشادات اور ان کے مستند ترین علماء و مجتہدین کے بیانات ملاحظہ فرمائیے۔

حضرات شیخین کے بارے میں

شیعہ اثنا عشریہ کی حدیث کی کتابوں میں ان کے نزدیک سب سے زیادہ مستند ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی رازی (م ۳۲۸ھ) کی کتاب ''الجامع الکافی'' ہے۔اس کا درجہ ان کے نزدیک وہی ہے جو علمائے اہل سنّت کے نزدیک امام بخاری کی ''الجامع الصحیح'' کا ہے، بلکہ اس سے بھی بالاتر (الجامع الکافی کے حصہ اول ''اصول کافی'' کے آخر میں اس کے مؤلف ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی کا تذکرہ ہے۔اس میں کتاب کے بارے میں لکھا ہے: یقال انّ ھذا الکتاب عرض علی القائم فاستحسنہ (بیان کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب بارھویں امام معصوم (امام غائب) کے سامنے پیش کی گئی (یعنی ان کے خاص سفیر کے ذریعہ) انہوں نے اس کی تحسین فرمائی جبکہ ہم اہل سنت کی صحیح بخاری کو کسی معصوم کی تحسین و تصدیق حاصل نہیں ہے)۔اس کے آخری حصّہ ''کتاب الروضہ'' میں شیعوں کے ساتویں امام معصوم ابو الحسن موسیٰ کا ایک طویل مکتوب پوری سند کے ساتھ روایت کیا گیا ہے اس میں شیخین کے بارے میں لکھا گیا ہے۔

فلعمری لقد نافقا قبل ذالک وردّا علی اللّٰہ جل ذکرہ کلامہ وھزیا برسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ ،وھما الکافران علیھما لعنۃ اللّٰہ والملئکۃ والناس اجمعین. (کتاب الروضہ ص ۶۲، طبع لکھنو)

میں بقسم کہتا ہوں کہ وہ دونوں (ابوبکر وعمر) پہلے سے منافق تھے،انہوں نے اللہ کے کلام کو رد کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمسخر کیا، وہ دونوں قطعی کافر ہیں۔ان پر اللہ کی، اور اس

کے فرشتوں کی اور آدمیوں کی سب کی لعنت۔

اور اسی کتاب الروضہ شیعوں کے پانچویں امام باقر کا یہ ارشاد شیخین کے بارے میں روایت کیا گیا ہے:

فارقا الدنیا ولم یتوبا ولم یتذاکر اماصنعا بامیر المومنین علیه السلام فعلیهما لعنة الله والملئکة والناس اجمعین. (کتاب الروضه ص ۱۱۵، طبع لکھنؤ)

یہ دونوں دنیا سے چلے گئے اور انہوں نے امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ کیا تھا اس سے توبہ نہیں کی اور اس کو یاد بھی نہیں کیا، تو ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور انسانوں کی سب کی لعنت۔

ملاباقر مجلسی شیعوں کے گیارھویں صدی ہجری کے بہت بڑے مجتہد اور محدث ہیں، علمائے شیعہ ان کو خاتم المحدثین کہتے اور لکھتے ہیں، کثیر التصانیف ہیں۔ ہمارا اندازہ ہے کہ ان کی کتابیں شیعوں میں دوسرے تمام مصنفوں سے زیادہ مقبول ہیں۔ ان کو شیعہ مذہب کا ترجمان اعظم کہا جاسکتا ہے۔ خمینی صاحب نے بھی اپنی ''کتاب کشف الاسرار'' میں مذہبی معلومات حاصل کرنے کے لئے مجلسی کی خاص کر فارسی کتابوں کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے۔ (کشف الاسرار ص ۱۲۱) ان مجلسی صاحب نے اپنی کتاب ''جلاء العیون'' میں حضرت علی مرتضیٰؓ سے منسوب کرکے ایک طویل روایت نقل کی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

در جہنم تابوتے ہست کہ دوازدہ کس در آن تابوت ہستند شش کس از گذشتگان وشش نفر ازیں امت، وآں تابوت در چاہے ہست در قعر جہنم، وبرآں چاہ سنگے افتادہ است کہ حق تعالیٰ ہرگاہ بخواہد کہ جہنم را مشتعل سازد امر می فرماید کہ آں سنگ را از سر چاہ بردارند چوں سنگ را برمی دارند جمیع جہنم مشتعل شود از حرارت آں چاہ۔ پس من در حضور شما پرسیدم کہ آنہا کیستند؟ فرمود کہ اما از پیشیناں پس ایں شش نفر قابیل و فرعون ونمرود، وپے کنندہ ناقہ صالح۔ ودو کس از بنی اسرائیل کہ بعد از موسیٰ وعیسیٰ دین ایشاں را تغیر دادند۔ وامت ایشاں را گمراہ کردند، اما ازیں امت پس دجال است وپنج نفر ابوبکر وعمر وابوعبیدہ بن الجراح وسالم مولیٰ حذیفہ وسعد بن العاص۔ (جلاء العیون ص ۱۴۷، طبع ایران)

جہنم میں ایک صندوق ہے جس میں بارہ آدمی بند ہیں، ۶ چھ پچھلی امتوں کے اور چھ ۶ اس امت کے اور وہ صندوق جہنم کے ایک آتشی کنوئیں میں ہے اور وہ کنواں ایک پتھر سے بند کردیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ جب جہنم کی آگ کو بھڑکانا چاہے گا تو حکم فرمائے گا کہ جس پتھر سے کنواں بند کیا گیا ہے اس کو ہٹا دیا جائے جب وہ پتھر ہٹا دیا جائے گا تو اس کنوئیں کی آگ سے سارا جہنم بھڑک اٹھے گا (آگے راوی کہتا ہے) میں

نے حضرت امام سے پوچھا کہ وہ بارہ آدمی کون ہیں جو اس صندوق میں بند ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اگلی امتوں کے چھ آدمی تو یہ ہیں (۱) قابیل (۲) نمرود، (۳) فرعون، (۴) اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا قاتل (۵)، (۶) اور بنی اسرائیل میں سے وہ دو آدمی جنہوں نے حضرت موسیٰ و عیسیٰؑ کے بعد ان کے دین کو بدل ڈالا اور ان کی امتوں کو گمراہ کیا اور اس امت کے چھ آدمی یہ ہیں، (۱) دجال اور (۲) ابوبکر (۳) وعمر، (۴) ابوعبیدہ بن الجراح (۵) سالم مولیٰ حذیفہ اور (۶) سعد بن العاص۔

مجلسی نے جہنم کے اس آتشی تابوت کی روایت جس میں بارہ آدمی بند ہیں جن میں (معاذ اللہ) شیخین بھی ہیں۔ اپنی دوسری کتاب ''حق الیقین'' میں بھی ذکر کی ہے۔ (حق الیقین ص ۵۰۲)

اور ''جلاء العیون'' اور ''حق الیقین'' ہی میں ایک روایت ذکر کی ہے جس میں حضرات شیخین کے بارے میں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ:

آں دو مرد اعرابی کہ ہرگز ایمان بخدا ورسول نیاوردہ بودند یعنی ابوبکر وعمر۔

(جلاء العیون س ۲۱۰، و حق الیقین ص ۵۰۲)

وہ دو اعرابی جو خدا اور اس کے رسول پر ہرگز ایمان نہیں لائے یعنی ابوبکر اور عمر۔

اور ''جلاء العیون'' ہی میں مجلسی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ

ہیچ عاقل را مجال آں نیست کہ شک کند در کفر عمر۔ پس لعنت خدا ورسول برایشاں باد و بر ہر کہ ایشاں را مسلمان داند و ہر کہ در لعن ایشاں توقف نماید۔ (جلاء العیون ص ۴۵)

کسی صاحب عقل کے لئے اس کی مجال اور گنجائش نہیں ہے کہ عمر کے کافر ہونے میں شک کرے پس خدا اور رسول کی لعنت ہو عمر پر اور ہر اس شخص پر جو کہ اس کو مسلمان جانے اور ہر اس آدمی پر جو اس پر لعنت کرنے میں توقف کرے (لعنت کرنے سے زبان کو روکے)۔

ملا باقر مجلسی کی تصانیف جلاء العیون، حق الیقین، زاد المعاد، حیات القلوب وغیرہ سے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے متعلق اس طرح کی انتہائی زہریلی اور شر انگیز روایتیں اور عبارتیں بلا مبالغہ سیکڑوں کی تعداد میں نقل کی جا سکتی ہیں لیکن غیر ضروری طوالت ہوگی۔ اس لئے ''حق الیقین'' سے صرف ایک روایت اور نقل کی جاتی ہے جو مجلسی نے شیخ مفید کی کتاب ''اختصاص'' کے حوالہ سے شیعوں کے چھٹے امام معصوم جعفر صادق کی روایت سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بیان کی حیثیت سے نقل کی ہے۔ واضح رہے کہ شیعوں کے نزدیک شیخ مفید کا مقام یہ ہے کہ ان کے بارہویں امام غائب

(امام مہدی) غار میں روپوش ہو جانے اور غیبت صغریٰ کا دور ختم ہو جانے کے بعد بھی شیخ مفید کو خطوط لکھتے تھے جو کسی غیبی نا معلوم طریقے سے ان کو مل جاتے تھے، شیعوں کی معتبر کتاب ''احتجاج طبرسی'' میں ان کے نام امام غائب کے وہ خطوط موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام غائب کے خاص معتمدین میں سے تھے۔ (امام غائب اور ان کے خطوط کے بارے میں جو کچھ تحریر کیا گیا ہے شیعوں کے عقیدہ کی بنیاد پر لکھا گیا ہے ہمارے نزدیک تو امام غائب کی شخصیت ہی ایک فرضی شخصیت ہے۔ اس کے لئے راقم کی کتاب ''ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت'' کا مطالعہ کیا جائے (ص ۱۶۸ تا ۱۷۶) شیخ مفید کے نام امام غائب کے جن خطوط کا یہاں حوالہ دیا گیا ہے وہ احتجاج طبرسی طبع نجف اشرف جلد دوم کے ص ۳۲۲ تا ۳۲۵ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعی دنیا میں ان کے آئمہ معصومین کے بعد شاید شیخ مفید ہی کا درجہ اور مرتبہ ہے۔) اس لئے یہ سمجھنا غلط نہ ہوگا کہ یہ روایت شیعوں کی معتبر ترین روایتوں میں سے ہے۔ اسی لئے اس کی طوالت اور اس کے مضمون کی انتہائی خباثت اور دل آزاری کے باوجود دل پر جبر کر کے اس پوری روایت کو ذیل میں درج کیا جا رہا ہے (نقل کفر کفر نباشد) ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ:

شیخ مفید در کتاب اختصاص از حضرت صادق علیہ السلام روایت کردہ است کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرمود کہ روزے بیروں رفتم از پشت کوفہ وقنبر در پیش روئے من راہ می رفت ناگاہ ابلیس پیدا شد۔ گفتم من کہ عجیب پیر گمراہ شقی ہستی تو۔ گفت چرا ایں رامی گوئی یا امیر المومنین۔ بخدا سوگند ترا حدیثے نقل کنم از خود از خداوند عزوجل ودر مابین ما ثالثے نہ بود۔ بدرستیکہ چوں مرا بزمین فرستاد خدا بہ سبب آں خطائے کہ کردم۔ چوں بآسمانے چہارم رسیدم۔ ندا کردم کہ الٰہی وسیدی گماں نہ دارم کہ از من شقی تر خلقے آفریدہ باشی۔ حق تعالیٰ وحی فرمود سوئے من کہ بلکہ آفریدہ ام خلقے را کہ از تو شقی تر است۔ بروبہ سوئے خازن جہنم تا صورت اور او جائے او را بتو بنماید۔ رفتم بسوئے مالک۔ وگفتم خداوند ترا سلام میرساند۔ ومی فرماید کہ بہ من بنمائے کسے را کہ زمن شقی تر است مالک مرا بردبہ سوئے جہنم وسرپوش بالائے جہنم را برداشت۔ آتشے سیاہ بیروں آمد کہ گماں کردم کہ مرا و مالک را خواہد خورد۔ مالک باآں گفت کہ ساکن شو۔ ساکن شد۔ پس مرا برد بہ طبقہ دوم آتشے بیروں آمد ازاں سیاہ تر وگرم تر پس گفت ساکن شو۔ ساکن شد وہم چنیں کہ بہر مرتبہ اے کہ میبرد از مرتبہ سابق تیرہ تر وگرم تر بود تا بہ طبقہ ہفتم برد۔ آتشے ازاں بیروں آمد کہ گماں کردم کہ مرا و مالک را وجمیع انچہ خدا آفریدہ است خواہد سوخت، پس دست بدیدہائے خود گزاشتم و

گفتم اے مالک امر کن اورا کہ سرد و ساکن شود۔ والامی میرم مالک گفت۔ تو نخواہی مرد تا وقت معلوم پس صورت دو مرد زادیدم کہ در گردن ایشاں زنجیر ہائے آتش بود و ایشاں را بجانب بالا آویختہ بودند۔ و بر سر آنہا گروہے ایستادہ بودند۔ وگرنہ ہائے آتش در دست داشتند و بر ایشاں می زدند۔ گفتم مالک اینہا کیستند؟ گفت مگر نہ خواندی انچہ در ساق عرش نوشتہ بود۔ ومن دیدہ بودم کہ خدا بر ساق عرش دو ہزار سال پیش از انکہ دنیا را یا آدم را خلق کند نوشتہ بود لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ ونصرتہ بعلی اینہا دو دشمن ایشاں و دو ستم کنندہ بر ایشانند یعنی ابوبکر و عمر۔ (حق الیقین ص ۵۰۹، و ۵۱۰)

شیخ مفید نے ''کتاب اختصاص'' میں حضرت جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ امیر المومنین (حضرت علی) علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ ایک دن میں شہر کوفہ کے پیچھے باہر گیا اور قنبر (خادم و غلام) میرے آگے جا رہا تھا کہ اچانک ابلیس میرے سامنے آ گیا، میں نے اس سے کہا کہ عجیب گمراہ بد بخت ہے تو! اس نے کہا اے امیر المومنین آپ یہ بات کیوں کہتے ہیں؟ خدا کی قسم کھا کے میں آپ کو ایک بات سناتا ہوں، جو میرے اور خداوند عزوجل کے درمیان ہوئی اور ہمارے درمیان کوئی تیسرا نہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ نے مجھے میری اس خطا کی بنا پر جو میں نے کی تھی آسمان سے زمین پر بھیج دیا تو جب میں چوتھے آسمان پر پہنچا تو میں نے خداوند عزوجل سے عرض کیا کہ اے میرے خدا اور میرے مالک و آقا! میں گمان نہیں کرتا کہ تو نے مجھ سے زیادہ شقی اور بد بخت کوئی مخلوق پیدا کی ہو گی تو اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی کہ میں نے ایسی مخلوق پیدا کی ہے جو تجھ سے بھی زیادہ شقی اور بد بخت ہے تو جہنم کے داروغہ کے پاس جا تا کہ وہ تجھ کو اس مخلوق کی صورت اور اس کی جگہ دکھلا دے تو میں جہنم کے داروغہ کے پاس گیا، اور میں نے اس سے کہا کہ خداوند عزوجل تجھ کو سلام کہتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ مجھے اس آدمی کو دکھلا دے جو مجھ سے بھی زیادہ شقی اور بد بخت ہے تو وہ مجھے جہنم کی طرف لے گیا اور جہنم کے اوپر جو سر پوش تھا وہ اس نے اٹھایا۔ اس میں سے سیاہ رنگ کی ایسی آگ باہر نکلی کہ میں نے گمان کیا کہ یہ آگ مجھے اور داروغہ جہنم کو بھی کھا جائے گی داروغہ نے اس سے کہا کہ ساکن ہو جا تو وہ ساکن ہو گئی۔ پھر وہ مجھے جہنم کے دوسرے طبقہ میں لے گیا۔ تو اس میں سے ایسی آگ نکلی جو پہلی والی آگ سے بھی زیادہ سیاہ اور گرم تھی تو داروغہ جہنم نے اس آگ سے کہا کہ ساکن ہو جا تو وہ ساکن ہو گئی اسی طرح داروغہ جہنم جس طبقے میں مجھے لے جاتا اس میں سے ایسی آگ نکلتی جو اس سے پہلے سب طبقوں کی آگ سے زیادہ تیرہ و تار اور زیادہ گرم ہوتی یہاں تک کہ وہ مجھے جہنم کے ساتویں طبقہ میں لے گیا اس میں سے ایسی آگ نکلی کہ میں نے گمان کیا کہ یہ آگ مجھے اور داروغہ جہنم کو بھی اور اللہ کی پیدا کی ہوئی تمام مخلوقات کو جلا کے بھسم

کر دے گی تو میں نے اس آگ کی دہشت اور خوف سے اپنے ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے اور اس طرح آنکھیں بند کر لیں اور میں نے داروغہ جہنم سے کہا کہ اس آگ کو حکم دو کہ یہ ٹھنڈی اور ساکن ہو جائے ورنہ میں مر جاؤں گا۔ داروغہ جہنم نے کہا تو ہرگز اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ وقت نہ آجائے جو تیری موت کے لئے خدا کی طرف سے مقرر اور اس کے علم میں ہے (آگے ابلیس بیان کرتا ہے کہ) میں نے جہنم کے اس ساتویں طبقہ میں دو آدمیوں کو دیکھا کہ ان کی گردنوں میں آگ کی زنجیریں ہیں اور ان کو اوپر کی جانب لٹکا دیا گیا ہے اور ان کے سر پر دو گروہ کھڑے ہیں اور آگ کے گرز ان کے ہاتھوں میں ہیں اور وہ ان دونوں آدمیوں پر آگ کے وہ گرز مارتے ہیں، میں نے کہا اے داروغہ جہنم یہ دونوں کون ہیں؟ اس نے کہا کہ تو نے وہ نہیں پڑھا جو عرش کے پایہ پر لکھا ہوا تھا (ابلیس کہتا ہے کہ) میں نے دیکھا تھا کہ خدا نے دنیا کے یا آدم کے پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے لکھ دیا تھا کہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ ونصرتہ بعلی'' (کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا اور محمد اللہ کے رسول ہیں میں نے محمدؐ کی مدد علی کے ذریعہ کی اور قوت بخشی) یہ دونوں آدمی (جن کے گلے میں آتشی زنجیریں ہیں اور جن پر آگ کے گرزوں کی مار پڑ رہی ہے) یہ دونوں علی کے دشمن اور ان پر ظلم وستم کرنے والے ہیں۔ یعنی یہ ابو بکر اور عمر ہیں۔

راقم سطور ناظرین کرام سے معذرت خواہ ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے متعلق ایسی خبیث و دلآزار عبارتیں اور روایتیں ان کے سامنے پیش کیں جن کا مطالعہ یقیناً انتہائی تکلیف کا باعث ہوگا خود راقم سطور نے کتابوں میں ان کا مطالعہ انتہائی قلبی اذیت کے ساتھ کیا تھا اور شدید کراہت کے ساتھ اس کو اپنے قلم سے لکھا ہے۔ صرف اس لئے کہ شیعہ مذہب کی حقیقت اور اثناء عشریہ کا عقیدہ و مسلک صحیح طور پر سامنے آجائے اور کسی شک شبہ کی گنجائش نہ رہے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ اس سلسلہ میں یہاں پیش کیا گیا ہے وہ محض ''مشتے نمونہ از خروارے'' ہے اس سلسلہ کی اس طرح کی چند اور انتہائی دل آزار اور خبیث روایتیں راقم سطور کی کتاب ''ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت'' میں صفحہ ۱۹۵ سے صفحہ ۲۱۹ تک دیکھی جا سکتی ہیں جو مجلسی کی تصانیف ہی سے نقل کی گئی ہیں جو بلا شبہ شیعہ مذہب کا ترجمان اعظم ہے اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے خمینی صاحب نے جس کی فارسی تصانیف کے مطالعہ کا شیعوں کو اپنی تصنیف ''کشف الاسرار'' میں مشورہ دیا ہے اور ان پر اپنا اعتماد ظاہر کیا ہے (کشف الاسرار ص ۱۲۱) مجلسی کے بارہ میں پاکستان کے ایک بلند پایہ شیعہ مجتہد کا بیان بھی آگے درج کیا جائے گا۔

اس سلسلہ میں خمینی صاحب کے فرمودات بھی ملاحظہ ہوں

روح اللہ خمینی صاحب (جو شیعہ عالم اور مجتہد ہونے کے ساتھ) اپنے نظریہ "ولایۃ الفقیہ" کے مطابق امام غائب معصوم (امام مہدی) کے گویا قائم مقام بھی ہیں ہمارے اس دور میں شیعہ مذہب کے سب سے بڑے نمائندے سمجھے جاتے ہیں، انہوں نے بھی حضرات شیخین اور ان کے تمام رفقاء سابقین اولین صحابہ کرام کے بارہ میں تقیہ کی الگ لپیٹ کے بغیر صفائی سے وہی عقیدہ ظاہر کیا ہے جو کلینی اور مجلسی کی نقل کی ہوئی شیعوں کے آئمہ معصومین کی مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوا ہے۔ خمینی صاحب نے اپنی معرکۃ الآرا فارسی تصنیف "کشف الاسرار" میں ص ۱۱۲ سے ۱۲۰ تک اس موضوع پر بہت طویل اور مفصل کلام کیا ہے۔ راقم سطور نے اپنی کتاب "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" میں ان کی فارسی عبارتیں نقل کی ہیں اور ان کی بقدر ضرورت وضاحت کی ہے اور آخر میں ان عبارتوں کا حاصل چند نمبروں میں لکھا ہے۔ طوالت سے بچنے کے لئے یہاں صرف اسی کو نقل کر دینا کافی سمجھا ہے۔ خمینی صاحب کی اصل عبارتیں ان کی کتاب "کشف الاسرار" میں یا راقم سطور کی کتاب "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" میں (ص ۵۲ سے ۶۹ تک) دیکھی جاسکتی ہیں۔

حضرات شیخین اور عام صحابہ کرام کے بارے میں خمینی صاحب کے فرمودات کا حاصل

۱: شیخین ابوبکر، عمر اور ان کے رفقاء عثمان، ابوعبیدہ وغیرہ دل سے ایمان ہی نہیں لائے تھے۔ صرف حکومت اور اقتدار کی طمع اور ہوس میں انہوں نے بہ ظاہر اسلام قبول کر لیا تھا اور اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے کو چپکا رکھا تھا (یہ چپکا رکھنا خود خمینی صاحب کی تعبیر ہے۔ ان کے الفاظ ہیں "آنہانیکہ سالہا در طمع ریاست خود را بدین پیغمبر چسپاندہ بودند" (کشف الاسرار ص ۱۱۳)

۲: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکومت واقتدار حاصل کرنے کا ان کا جو منصوبہ تھا اس کے لئے وہ ابتدا ہی سے سازش کرتے رہے۔ اور انہوں نے اپنے ہم خیالوں کی ایک طاقتور پارٹی بنالی تھی، ان سب کا اصل مقصد اور مطمح نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکومت پر قبضہ کرلینا ہی تھا۔ اس کے سوا اسلام سے اور قرآن سے ان کا کوئی سروکار نہیں تھا۔ (کشف الاسرار ص ۱۱۳۔ ۱۱۴)

۳: اگر بالفرض قرآن میں صراحت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امامت وخلافت کے لئے حضرت علی کی نامزدگی کا ذکر بھی کردیا جاتا تب بھی یہ لوگ ان آیات قرآنی اور خداوندی فرمان کی وجہ سے اپنے اس مقصد اور منصوبہ سے دست بردار ہونے والے نہیں تھے جس کے لئے انہوں نے اپنے کو اسلام سے اور رسول اللہؐ سے چپکا رکھا تھا۔ اس مقصد کے لئے جو حیلے اور داؤ پیچ ان کو کرنے پڑتے وہ سب کرتے اور فرمان خداوندی کی پرواہ نہ کرتے۔ (کشف الاسرار ص ۱۱۳)

۴: قرآنی احکام اور خداوندی فرمان کے خلاف کرنا ان کے لئے معمولی بات تھی، انہوں نے بہت سے قرآن احکام کی مخالفت کی اور خداوندی فرمان کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اس سلسلہ میں خمینی صاحب نے ''مخالفتہائے ابوبکر بانص قرآنی'' اور مخالفتہائے عمر با قرآن'' کے عنوانات قائم کرکے (اپنے خیال کے مطابق) ان کی مخالفت قرآن کی مثالیں بھی دی ہیں۔ (کشف الاسرار ص ۱۱۵ و ۱۱۹)

۵: اگر وہ اپنا مقصد (حکومت واقتدار) حاصل کرنے کے لئے قرآن سے ان آیات کا نکال دینا ضروری سمجھتے (جن میں امامت کے منصب پر حضرت علی کی نامزدگی کا ذکر کیا گیا ہوتا) تو وہ ان آیتوں ہی کو قرآن سے نکال دیتے۔ وہ آیتیں ہمیشہ کے لئے قرآن سے غائب ہوجاتیں، اور وہ توریت وانجیل ہی کی طرح محرّف ہوجاتا۔ (کشف الاسرار ص ۱۱۴)

٦: اگر وہ ان آیات کو قرآن سے نہ نکالتے تب بھی وہ یہ کرسکتے تھے اور یہی کرتے کہ ایک حدیث اس مضمون کی گھڑ لیتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کرکے لوگوں کو سنا دیتے کہ آخری وقت میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ امام وخلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ شوریٰ سے طے ہوگا اور علی جن کو امامت کے منصب کے لئے نامزد کیا گیا تھا اور قرآن میں بھی اس کا ذکر کردیا گیا تھا ان کو منصب سے معزول کردیا گیا۔ (کشف الاسرار ص ۱۱۴)

۷: اور یہ بھی ہوسکتا تھا کہ عمر ان آیات کے بارے میں کہہ دیتے کہ یا تو خود خدا سے ان آیتوں کے نازل کرنے میں یا جبریل یا رسول خدا سے ان کے پہنچانے میں اشتباہ ہوگیا یعنی غلطی اور چوک ہوگئی۔ (کشف الاسرار ص ۱۱۹ و ۱۲۰)

۸: خمینی صاحب نے (حدیث قرطاس کا ذکر کرتے ہوئے) بڑے دردناک نوحہ کے انداز میں (حضرت عمر کے بارے میں) لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری وقت میں اس نے آپؐ کی شان میں ایسی گستاخی کی جس سے روح پاک کو انتہائی صدمہ پہنچا اور آپؐ دل پر اس صدمہ کا داغ لے کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ اس موقع پر خمینی صاحب نے صراحت کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ عمر کا یہ گستاخانہ کلمہ دراصل اس کے باطن اور اندر کے کفر وزندقہ کا ظہور تھا اس موقع پر خمینی صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

''ایں کلام یاوہ کہ از اصل کفر وزندقہ ظاہر شدہ''۔ (کشف الاسرار ص ۱۱۹)

۹: اگر یہ (شیخین اور ان کی پارٹی والے) دیکھتے کہ قرآن کی ان آیات کی وجہ سے (جن میں امامت کے لئے حضرت علی کی نامزدگی کی گئی ہوتی) اسلام سے وابستہ رہتے ہوئے ہم حصول حکومت کے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتے تو یہ ایسا ہی کرتے اور (ابوجہل اور ابولہب کا موقف اختیار کرکے) اپنی پارٹی کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہوجاتے۔

(کشف الاسرار ص ۱۱۴)

۱۰: عام صحابہ کا حال یہ تھا کہ یا تو وہ ان کی (شیخین کی) خاص پارٹی میں شریک وشامل، ان کے رفیق کار اور حکومت طلبی کے مقصد میں ان کے پورے ہم نوا تھے، یا پھر وہ تھے جو ان لوگوں سے ڈرتے تھے اور ان کے خلاف ایک حرف زبان سے نکالنے کی ان میں جرأت وہمت نہیں تھی۔

(کشف الاسرار ص ۱۱۹۔ ۱۲۰)

خمینی صاحب کے بیانات جو ان کی کتاب ''کشف الاسرار'' کے (خمینی صاحب کی یہ تصنیف ''(کشف الاسرار'' فارسی میں قریبا ساڑھے تین سوصفحات کی کتاب ہے یہ پہلی دفعہ ایران میں ۱۳۶۲ھ میں طبع ہوکر شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد بھی برابر شائع ہوتی رہی، خمینی صاحب کے برپا کئے ہوئے انقلاب کے بعد کے طبع شدہ ایڈیشن کا نسخہ بھی خود راقم سطور نے دیکھا ہے...... اپنی کتاب ''ایرانی انقلاب خمینی اور شیعیت'' میں بنگلہ دیش کے ایک صاحب کی اطلاع کی بنیاد پر راقم سطور نے لکھا تھا کہ ''یہ کتاب نایاب ہے یا نایاب کردی گئی ہے'' بعد میں تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ اطلاع غلط تھی۔ خمینی صاحب کی یہ کتاب ایران میں برابر چھپتی اور بازاروں میں فروخت ہوتی رہی ہے۔ اب بھی ملتی ہے۔) حوالہ سے سطور بالا میں آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ ان کے سامنے آجانے کے بعد اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ حضرات شیخین اور ان کے خاص رفقاء سابقین اولین صحابہ کرام کے بارہ میں ان کا عقیدہ بھی وہی ہے جو کلینی اور مجلسی کی نقل کی ہوئی روایات سے معلوم ہوا تھا کہ یہ سب (معاذ اللہ) کافر ومنافق ایمان سے

قطعی محروم اور خالص دنیا پرست تھے۔ صرف حکومت اور اقتدار کی طمع میں انہوں نے منافقانہ طور پر صرف زبان سے اسلام قبول کرلیا تھا، باطن میں وہ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے۔ استغفر اللّٰہ ثم استغفر اللّٰہ.

عقیدہ تحریف قرآن

شیعہ اثنا عشریہ کی بنیادی اور مسلّمہ کتابوں کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی ایسے یقین کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آئی جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے کہ موجودہ قرآن محرّف ہے۔ اس میں اسی طرح تحریف ہوئی ہے جیسی اگلی آسمانی کتابوں، تورات انجیل وغیرہ میں ہوئی تھی وہ بعینہ وہ ''کتاب اللہ'' نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی تھی۔ اثنا عشریہ کی حدیث کی ان کتابوں میں جن میں ان کے آئمہ معصومین کی روایات جمع کی گئی ہیں (جن پر مذہب شیعہ کا دارومدار ہے) خود ان کے اکابر محدثین ومجتہدین کے بیان کے مطابق دو ہزار سے زیادہ آئمہ معصومین کی وہ روایات ہیں جن سے قرآن کا محرّف ہونا ثابت ہوتا ہے اور ان کے ان علماء ومجتہدین نے جو اثنا عشری مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں اپنی کتابوں میں اعتراف کیا ہے کہ یہ روایات متواتر ہیں اور تحریف قرآن پر ان کی دلالت صاف اور صریح ہے جس میں کوئی ابہام واشتباہ نہیں ہے اور یہ کہ یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ اسی مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تیسری صدی ہجری کے آخر بلکہ چوتھی صدی کے قریباً نصف تک پوری شیعی دنیا کا یہی عقیدہ رہا۔ اس صدی کے قریباً وسط میں سب سے پہلے صدوق ابن بابویہ قمی (متوفی ۳۸۱ھ) اور اس کے بعد پانچویں صدی شریف مرتضیٰ (متوفی ۴۳۶ھ) اور شیخ ابو جعفر طوسی (متوفی ۴۶۰ھ) نے اور چھٹی صدی ہجری میں ابو جعفر طبرسی مصنف تفسیر ''مجمع البیان'' (متوفی ۵۴۸ھ) نے اپنا یہ عقیدہ ظاہر کیا کہ وہ قرآن کو عام مسلمانوں کی طرح محفوظ اور غیر محرف مانتے ہیں لیکن شیعی دنیا نے ان کی اس بات کو قبول نہیں کیا بلکہ آئمہ معصومین کی متواتر اور صریح روایات کے خلاف ہونے کی وجہ سے رد کردیا۔ مختلف زمانوں میں شیعوں کے اکابر واعظم علماء ومجتہدین نے قرآن کے محرّف ہونے کے موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اس سلسلہ کی سب سے اہم کتاب جو مطالعہ میں آئی وہ شیعوں کے ایک بڑے مجتہد اور خاتم المحدثین علامہ حسن محمد تقی نوری طبرسی کی کتاب ہے جس کا نام ہے ''فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب'' یہ عربی زبان میں باریک قلم سے لکھی ہوئی قریباً چار سو صفحات کی کتاب ہے۔ اس کے مصنف نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ قرآن میں ہر طرح کی

تحریف ہوئی ہے دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں، اس کے علاوہ ان کتابوں کی طویل فہرست دی ہے جو مختلف زمانوں میں شیعہ اثنا عشریہ کے اکابر علماء و مجتہدین نے موجودہ قرآن کو محرف ثابت کرنے کے لئے لکھی ہیں۔ اس کے مطالعہ کے بعد اس میں شک نہیں رہتا کہ اثنا عشریہ کا عقیدہ قرآن پاک کے بارے میں یہی ہے کہ اس میں تحریف ہوئی ہے اور ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے اور اثنا عشری فرقہ کے جن لوگوں نے خاص کر جن علماء و مصنفین نے تحریف کے عقیدہ سے انکار کیا ہے اس کی سمجھ میں آنے والی کوئی توجیہ اس کے سوا نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے یہ انکار کچھ مصلحتوں کے تقاضے سے کیا ہے۔ یعنی تقیہ کیا ہے (یہ بات خود شیعوں کے اکابر علماء و مجتہدین نے لکھی ہے، جیسا کہ آگے معلوم ہو جائے گا)

یہ کتاب مصنف نے تیرھویں صدی کے آخر میں اس وقت لکھی تھی جب شیعہ اثنا عشریہ کے بہت سے علماء نے ازراہ مصلحت بینی قرآن پاک میں تحریف کے اپنے عقیدہ سے انکار کی پالیسی اختیار کرلی تھی۔ علامہ حسین محمد تقی نوری طبرسی نے اس کو آئمہ معصومین اور اثنا عشری مذہب سے انحراف سمجھا اور اس کی تردید ضروری سمجھی اور یہ کتاب لکھی۔ یہ کتاب مصنف کی زندگی ہی میں ایران میں طبع ہوئی تھی اسی کا عکس لے کر حال ہی میں پاکستان میں اس کو طبع کردیا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب نے کسی شیعہ کے لئے تحریف کے عقیدہ سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔ اس کے چند اقتباسات بھی انشاء اللہ آئندہ صفحات میں پیش کئے جائیں گے۔ پہلے اثنا عشریہ کی حدیث کی معتبر ترین کتابوں سے ان کے آئمہ معصومین کے چند ارشادات پیش کئے جاتے ہیں جن میں صراحت کے ساتھ قرآن پاک میں تحریف اور تغیر و تبدیل کا ذکر کیا گیا ہے۔

قرآن میں تحریف کے بارے میں ''آئمہ معصومین'' کے ارشادات

۱: سورۂ بقرہ کے شروع ہی میں آیت نمبر ۲۳ ہے: وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ. اس آیت کے بارے میں شیعوں کی اصح الکتب ''اصول کافی'' میں ان کے پانچویں ''امام معصوم'' امام باقر کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے۔

نزل جبرئيل بهذه الاية على محمد صلى الله عليه وآله هكذا وان كنتم فى ريب ممانزلنا على عبدنا فى علىّ فاتوا بسورة من مثله. (اصول كافى ص ۲۶۴)

جبریل امین یہ آیت اس طرح لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ پر نازل ہوئے تھے۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فِيْ عَلِيٍّ فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ.

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب لوگوں نے موجودہ قرآن کو

مرتب کیا یا کرایا۔ (یعنی حضرات خلفائے ثلاثہؓ) انہوں نے اس آیت میں سے ''فی علیّ'' کے الفاظ نکال دیئے۔

۲: سورۂ طٰہٰ کی آیت نمبر ۱۱۵ اس طرح ہے ''وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ...... '' اصولِ کافی میں روایت ہے کہ اثنا عشریہ کے چھٹے ''امام معصوم'' جعفر صادق نے قسم کھا کے فرمایا کہ خدا کی قسم! یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی:

ولقد عهدنا الٰی اٰدم من قبل کلمات فی محمد و علی وفاطمة والحسن والحسین والائمة من ذریتهم فنسی ..... هکذا واللّٰه انزلت علی محمد صلی الله علیه واٰله. (اصول کافی ص ۲۶۳)

مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں سے پورا خط کشیدہ حصّہ نکال دیا گیا ہے۔

۳: سورۂ احزاب کے آخری رکوع میں آیت ہے: ''وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا '' اصول کافی ہی میں روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی: **ومن یطع اللّٰه و رسوله فی ولایة علی والائمة من بعده فقد فازفوزًا عظیما.** مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں سے **فی علی والائمة من بعدہٖ** کے الفاظ نکال دیئے گئے۔ (اصول کافی ص ۲۶۲)

۴: موجودہ قرآن پاک میں سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۷۰ اس طرح ہے:

''يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ كُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُم وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ ومافِي الارض وكان اللّٰه عَلِيْمًا حَكِيْمًا '' اصول کافی میں ہے کہ اس آیت کے بارے میں امام باقر نے ارشاد فرمایا:

نزل جبرئیل بهذه الاٰیة هکذا...... یا ایها الناس قد جاء کم الرسول بالحق من ربکم فی ولایة علی فامنوا خیرالکم وان تکفروا بولایة علیّ فان للّٰه ما فی السمٰوات ومافی الارض. (اصول کافی ۲۶۷)

امام باقر کے اس ارشاد کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں ''**فی ولایة علیّ** اور **بولایة علی**'' کے الفاظ تھے اور اس طرح اس میں امیر المومنین علی کی ولایت وامامت پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا تھا اور اس کے انکار کو کفر قرار دیا گیا تھا لیکن موجودہ قرآن کو مرتب کر کے امت کے سامنے پیش کرنے والوں (خلفائے ثلٰثہ) نے آیت میں سے یہ الفاظ نکال دیئے۔

اثنا عشریہ کی اسی اصح الکتب ''اصول کافی'' سے اس طرح کی روایتیں بڑی تعداد میں پیش کی جاسکتی ہیں جن میں ان کے آئمہ معصومین نے قرآنی آیات میں اس طرح کی تحریف اور قطع وبرید کا قسمیں کھا کھا کر دعویٰ فرمایا ہے۔ یہاں اس سلسلہ کی صرف ایک ہی روایت اور ملاحظہ فرمایئے:

عن هشام بن سالم عن ابی عبدالله علیه السلام قال ان القرآن الذی جاء به جبرئیل علیه السلام الٰی محمد صلی الله علیه واٰله سبعة عشر الف اٰیة.

(اصول کافی ۶۷۱)

ہشام بن سالم سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ قرآن جو جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر لے کر نازل ہوئے تھے اس میں سترہ ہزار (۱۷۰۰۰) آیتیں تھیں۔

موجودہ قرآن پاک میں خود شیعہ مصنفین کے لکھنے کے مطابق کل آیات چھ ہزار سے کچھ ہی اوپر ہیں (ساڑھے چھ ہزار بھی نہیں ہیں) لیکن امام جعفر صادق کا ارشاد ہے کہ اصلی قرآن جو جبریل علیہ السلام لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے تھے اس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں۔ مطلب یہ ہوا کہ موجودہ قرآن کو مرتب کر کے امت کے سامنے پیش کرنے والوں نے دو تہائی کے قریب قرآن غائب کر دیا۔ اصول کافی کے شارح علامہ قزوینی نے اس روایت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

مراد اینست کہ بسیارے ازاں قرآن ساقط شدہ۔ و در مصاحف مشہورہ نیست (صافی شرح اصول کافی جز ششم ص ۷۵، طبع لکھنؤ)

امام جعفر صادق کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اصل قرآن میں سے بہت سا حصہ ساقط اور غائب کر دیا گیا اور وہ موجودہ قرآن کے مشہور نسخوں میں نہیں ہے۔

اصول کافی کی یہ صرف پانچ روایتیں نمونے کے طور پر پیش کی گئی ہیں ورنہ اسی کتاب سے اس طرح کی روایتیں بڑی تعداد میں پیش کی جاسکتی ہیں۔

اب آپ حضرات کی خدمت میں اثنا عشریہ کی بعض دوسری معتبر کتابوں سے بھی ان کے آئمہ معصومین کے چند ارشادات پیش کئے جاتے ہیں جن میں قرآن میں تحریف اور قطع برید کی بات صفائی اور صراحت سے فرمائی گئی ہے۔

''تفسیر عیاشی'' شیعوں کی قدیم، مستند ترین تفسیر ہے۔ اس کے حوالہ سے ''تفسیر صافی'' میں امام باقر کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

لولا انه زید فی القرآن و نقص ماخفی حقنا علی ذی حجیٰ.

(تفسیر صافی جلد اوّل ص ۱۱ طبع طهران)

اگر قرآن میں زیادتی اور کمی نہ کی گئی ہوتی تو کسی عقل رکھنے والے پر ہم آئمہ کا حق پوشیدہ نہ رہتا۔

اور اسی صفحہ پر ''تفسیر عیاشی'' کے حوالہ سے امام جعفر صادق کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:

لو قرئی القرآن کما انزل لالفیتنا فیه مسمّیین.

(تفسیر صافی جلد اوّل ص ۱۱)

اگر قرآن اسی طرح پڑھا جاتا جیسا کہ وہ نازل ہوا تھا تو تم اس میں ہم آئمہ کا تذکرہ نام بنام پاتے۔

پانچویں صدی ہجری کے ایک جلیل القدر شیعہ محدث وفقیہ احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی کی کتاب ''الاحتجاج'' بھی مذہب شیعہ کی خاص معتمد اور معتبر کتابوں میں سے ہے۔ اس میں روایت ہے کہ ایک زندیق نے قرآن پاک پر اپنے چند اعتراضات امیر المومنین علی علیہ السلام کے سامنے پیش کیے، آپ نے ان سب کے جوابات دیئے۔ ان میں اس زندیق کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ (سورۂ نساء کی آیت نمبر۳) وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَاطَابَ لَکُمْ مِنَ النِّسَآءِ... الآیۃ نحوی قاعدہ سے جملہ شرطیہ ہے۔ لیکن شرط و جزاء میں جو جوڑ اور ربط ہونا چاہیئے وہ اس آیت میں بالکل نہیں ہے۔ امیر علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا:

ھو ممّا قدمت ذکرہ من اسقاط المنافقین من القرآن وبین القول فی الیتامیٰ وبین نکاح النساء من الخطاب و القصص اکثر من ثلث القرآن.

(احتجاج طبرسی جلد اوّل ص ۳۷۷ طبع نجف اشرف)

یہ اسی قبیل سے ہے جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ منافقین نے قرآن میں سے بہت کچھ ساقط کر دیا ہے اور اس آیت میں یہ تصرف ہوا ہے کہ ''ان خفتم الا تقسطوا فی الیتامیٰ'' اور ''فانکحوا ماطاب لکم من النساء'' کے درمیان ایک تہائی سے زیادہ قرآن تھا جس میں خطاب تھا اور قصص تھے (منافقین نے وہ سب ساقط اور غائب کر دیا)۔

''احتجاج طبرسی'' کی اسی روایت میں ہے کہ اس زندیق کے بعض دوسرے اعتراضات کے جواب میں بھی امیر علیہ السلام نے یہی تحریف والی بات فرمائی لیکن ان سب کا نقل کرنا غیر ضروری ہے۔

تحریف سے متعلق ''آئمہ معصومین'' کی روایات کے اس سلسلہ کو اسی پر ختم کیا جاتا ہے۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اثنا عشریہ کے اکابر محدثین و مجتہدین کے بیان کے مطابق ان کی حدیث کی کتابوں میں دو ہزار سے زیادہ آئمہ معصومین کی روایات ہیں جو بتلاتی ہیں کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے اور ہر طرح کی ہوئی ہے۔

اب اس مسئلہ سے متعلق چندان اکابر علمائے شیعہ کے بیانات پیش کئے جاتے ہیں جو شیعہ مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ شیعوں کے عظیم المرتبت محدث وفقیہ سید نعمت اللہ الموسوی الجزائری نے اپنی کتاب ''الانوار النعمانیه'' میں اس مسئلہ پر کسی قدر تفصیل سے کلام کیا ہے اور صفائی اور صراحت کے ساتھ اور مدلل طور پر بتلایا ہے کہ موجودہ قرآن کے بارہ میں اثنا عشریہ کا کیا عقیدہ ہے۔

قرآن مجید کی قرأت سبعہ (وہ سات قرأتیں) جو شیعوں کے علاوہ ساری امت مسلمہ کے نزدیک متواتر ہیں اور ان کا یہ تواتر ہی مسلمانوں کے اس ایمان و یقین کی بنیاد ہے کہ موجودہ قرآن بعینہ وہی قرآن ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور آپ سے امت کو ملا۔ ان قراءات سبعہ کے تواتر کا انکار کرتے ہوئے شیعوں کے یہ جلیل القدر محدث وفقیہ نعمت اللہ الجزائری تحریر فرماتے ہیں:

ان تسليم تواترها عن الوحى الالٰهى و كون الكل قد نزل به الروح الامين يفضى الٰى طرح الاخبار المستفيضة بل المتواترة الدالة بصريحها على وقوع التحريف فى القرآن كلامًا ومادةً واعرابًا مع ان اصحابنا رضوان الله عليهم قد اطبقوا علىٰ صحتها والتصديق بها. نعم قد خالف فيها المرتضى والصدوق والشيخ الطبرسى وحكموا بان مابين دفتى هذاا لمصحف هو القران المنزل لاغير ولم يقع فيه ولاتبديل....

(مطلب یہ ہے کہ) ان قراءات سبعہ کو متواتر تسلیم کرنے اور ان کو بعینہ وحی الٰہی اور جبریل امین کے ذریعہ نازل شدہ مان لینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آئمہ معصومین کی ان تمام مشہور بلکہ متواتر حدیثوں کو جو صفائی اور صراحت کے ساتھ بتلاتی ہیں کہ قرآن میں اس کی عبارتوں اور اس کے کلمات اور اعراب میں بھی تحریف ہوئی ہے۔ (ان سب حدیثوں کو) نامعتبر قرار دے کر رد کردینا پڑے گا حالانکہ صورت حال یہ ہے کہ ہمارے اکابر و مشائخ متقدمین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں اور تحریف کے بارہ میں جو کچھ ان میں بتلایا گیا ہے وہ برحق اور واقعہ کے مطابق ہے اور ہم اس کو مانتے ہیں۔ ہاں ہمارے مشائخ متقدمین میں سے شریف مرتضیٰ اور صدوق اور شیخ طبرسی نے اس سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ یہی موجودہ قرآن بعینہ وہ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا تھا اور اس میں کسی طرح کی تحریف اور تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔

آگے سید نعمت اللہ الجزائری صفائی کے ساتھ لکھتے ہیں کہ:

والظاهر ان هذا القول صدر منهم لاجل مصالح كثيرة... كيف وهٰؤلاءِ الاعلام رووا في مؤلفاتهم اخبارًا كثيرةً تشتمل على وقوع تلك الامور في القرآن وان الاٰية هكذٰ نزلت ثم غيرّت الىٰ هذا.

اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ہمارے ان حضرات (شریف مرتضٰی، صدوق، شیخ طبرسی) نے یہ بات بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے (اپنے عقیدہ اور ضمیر کے خلاف) کہی ہے۔ یہ ان کا عقیدہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ خود انہوں نے اپنی کتابوں میں بڑی تعداد میں وہ حدیثیں روایت کی ہیں جو بتلاتی ہیں کہ قرآن میں مذکورہ بالا ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے اور یہ کہ فلاں آیت اس طرح نازل ہوئی تھی، پھر اس میں یہ تبدیلی کردی گئی۔

سیّد نعمت اللہ الجزائری اسی سلسلہ کلام میں (اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے اور موجودہ قرآن بعینہٖ وہ کتاب اللہ نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی) آگے لکھتے ہیں:

انه قد استفاض في الاخبار ان القراٰن كما انزل لم يولفه الا امير المومنين عليه السلام بوصية من النبي صلى الله عليه واٰله، فبقي بعد موته ستة اشهر مشتغلا بجمعه ،فلما جمعه كما انزل اتىٰ به الىٰ المتخلفين بعد رسول الله صلى الله عليه واٰله فقال: هذا كتاب الله كما انزل ،فقال له عمربن الخطاب :لاحاجة بنا اليك ولا الىٰ قراٰنك.... فقال لهم علي عليه السلام: لن تروه بعد هذا اليوم ولا يراه احد حتى ظهر ولدى المهدى عليه السلام وفى ذلك القرآن زيادات كثيرة وهو خال من التحريف.

بہت سی حدیثوں میں جو درجہ شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں یہ وارد ہوا ہے کہ قرآن جس طرح نازل ہوا تھا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی وصیت کے مطابق صرف امیر المومنین علیہ السلام نے آپ کی وفات کے بعد پورے چھ مہینے اسی میں مشغول رہ کر جمع کیا تھا۔ جب آپ نے اس کو جمع کرلیا تو اس کو لے کر ان لوگوں کے پاس آئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد امیر المومنین کی امامت وخلافت سے منکر ہوکر خلیفہ بن گئے تھے، آپ نے ان سے فرمایا کہ یہ بعینہٖ وہ کتاب اللہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ پر نازل ہوئی تھی تو عمر بن الخطاب نے کہا

کہ ہم کو تمہاری اور تمہارے اس قرآن کی ضرورت نہیں تو امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ آج کے دن کے بعد تم اس کو کبھی نہ دیکھ سکو گے اور کوئی بھی نہ دیکھ سکے گا اس وقت تک کہ جب میرے بیٹے مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا وہ اس قرآن کو ظاہر کرے گا۔ اس میں بہت سی زیادتیاں ہیں اور وہ تحریف سے بالکل خالی ہے۔

سید نعمت اللہ الجزائری نے آگے کلینی کی ''اصول کافی'' سے وہ روایت بھی نقل کی ہے جس میں امام جعفر صادق کی روایت سے یہ پورا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ:

فاذا قام قرأ كتاب الله على حده واخرج المصحف الذى كتبه على عليه السلام.

جب مہدی ظاہر ہوں گے تو وہ کتاب اللہ قرآن کو اس کی صحیح صورت میں پڑھیں گے اور قرآن کا وہ نسخہ دنیا کے سامنے پیش کریں گے جو علی علیہ السلام نے لکھا تھا۔

جزائری نے پوری روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

والاخبار الواردة بهذا المضمون كثيرة جدا.

اور اس مضمون کی جو حدیثیں روایت کی گئی ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

اسی سلسلہ کلام میں سیّد نعمت اللہ الجزائری نے ''امیر المومنین علی علیہ السلام'' کے جمع کیے ہوئے اور لکھے ہوئے قرآن کے بارے میں اپنے آئمہ معصومین کی روایات کی روشنی میں یہ بھی فرمایا ہے کہ جب ہمارے مولا صاحب الزماں (مہدی) ظاہر ہوں گے۔

فيرتفع هذا القرآن من ايدى الناس الى السماء ويخرج القرآن الذى الفه امير المومنين على عليه السلام

(الانوار النعمانيه جلد دوم ص ۳۵۷ تا ۳۶۴ طبع ایران)

تو موجودہ قرآن آسمان کی طرف اٹھالیا جائے گا کسی کے بھی ہاتھ میں (اس کا نسخہ) نہیں رہے گا اور صاحب الزمان (مہدی) اس قرآن کو نکال کر پیش فرمائیں گے جس کو امیر المومنین علیہ السلام نے جمع اور مرتب فرمایا تھا۔

سیّد نعمت اللہ الموسوی الجزائری شیعہ اثنا عشریہ کے عظیم المرتبت محدث وفقیہ ہیں۔ (الانوار النعمانیہ کے شروع میں ''ترجمۃ المولف'' کے زیر عنوان ۱۰ اصفحات میں سید نعمت اللہ الجزائری کا تذکرہ ہے، اس میں موصوف کے بارے میں ان اکابر واعاظم علمائے شیعہ کے بیانات نقل کیے گئے ہیں جو بلاشبہ شیعہ

مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان سب کے بیانات اس پر متفق ہیں کہ سیّد نعمت اللہ الجزائری اثنا عشریہ کے نہایت بلند پایہ عالم و مصنف، جلیل القدر اور عظیم المرتبت محدث وفقیہ ہیں۔ (ملاحظہ ہو الانوار النعمانیہ ''ص ی زیر عنوان جمل الثناء علیہ)۔ انہوں نے اپنے اس بیان میں پوری صراحت اور صفائی کے ساتھ مندرجہ ذیل باتوں کا اعتراف بلکہ دعویٰ کیا ہے۔

۱: یہ کہ قراءات سبعہ (وہ ساتوں قراءتیں) جن کے تواتر کی بنیاد پر موجودہ قرآن کو متواتر اور یقینی طور پر کتاب اللہ مانا جاتا ہے متواتر نہیں ہیں۔ لہٰذا موجودہ قرآن بھی متواتر نہیں ہے اور وحی الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تواتر ثابت نہیں ہے۔

۲: ہمارے آئمہ معصومین کی وہ روایتیں جو بتلاتی ہیں کہ موجودہ قرآن میں ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے متواتر ہیں اور تحریف پر ان کی دلالت صاف اور صریح ہے جس میں کوئی ابہام واشتباہ نہیں ہے۔

۳: ہمارے اصحاب (یعنی اثنا عشری فرقہ کے اکابر ومشائخ متقدمین) کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ تحریف کی یہ روایتیں صحیح ہیں اور وہ ان کی تصدیق کرتے ہیں (یعنی انہی روایات کے مطابق ان کا عقیدہ ہے)۔

۴: ہمارے علماء متقدمین میں سے شریف مرتضیٰ، صدوق اور شیخ طبرسی نے اس سے اختلاف ظاہر کیا ہے اور موجودہ قرآن کو ہی اصل قرآن کہا ہے اور اس میں تحریف اور کسی تبدیلی کے واقع ہونے سے انکار کیا ہے لیکن یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ انہوں نے بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے اپنا یہ عقیدہ ظاہر کیا ہے۔ (یعنی تقیہ کیا ہے)

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ ہمارے زمانے کے شیعہ علماء و مجتہدین نے بھی بالعموم تحریف کے عقیدہ سے انکار کی پالیسی اختیار کر رکھی ہے لیکن حقیقت وہی ہے جو ان کے اس عظیم المرتبت محدث اور مجتہد نے صفائی کے ساتھ ظاہر کی ہے۔

۵: اصلی قرآن وہ تھا اور وہی ہے جو امیر المومنین علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جمع اور مرتب کیا تھا لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت پر غاصبانہ طور پر قبضہ کرنے والوں نے اس کو قبول نہیں کیا تو حضرت امیر علیہ السلام نے اس قرآن کو کسی کو بھی نہ دکھانے کا فیصلہ کر لیا۔ (وہ رازدارانہ طور پر ایک امام سے دوسرے کو منتقل ہوتا رہا۔ اور اب وہ بارہویں امام غائب (مہدی) کے پاس ہے (جو غار میں روپوش ہیں) اس میں موجودہ قرآن کے مقابلہ میں زیادات ہیں (یعنی ایسے بہت سے مضامین ہیں جو موجودہ قرآن میں نہیں ہیں) جب

وہ (مہدی) ظاہر ہوں گے تو وہ اسی اصلی اور مکمل قرآن کو دنیا کے سامنے پیش کریں گے اور اس وقت موجودہ قرآن کے سارے نسخے آسمان کی طرف اٹھالئے جائیں گے، کسی کے ہاتھ میں اس کا کوئی نسخہ نہیں رہے گا۔ موجودہ قرآن مجید کے بارے میں یہ ہے شیعہ اثنا عشریہ کا اصل عقیدہ جوان کے اس جلیل القدر محدث وفقیہ نے صفائی کے ساتھ اور اپنے نزدیک مدلل طور پر بیان کیا ہے۔

اس کے بعد شیعوں کے ایک دوسرے عظیم المرتبت محدث اور مجتہد علامہ حسین محمد تقی نوری طبرسی کی کتاب ''**فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب**'' سے چند عبارتیں آپ حضرات کے سامنے پیش کی جاتی ہیں...... پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ اس کتاب کا موضوع ہی جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہے موجودہ قرآن کو محرّف ثابت کرنا ہے۔ یہ چار سو صفحے کی ضخیم کتاب ہے اس کے مصنف نے اپنے دعوے کے ثبوت میں شیعی نقطہ نظر سے دلائل کے گویا انبار لگادیئے ہیں۔ اگر اس میں سے وہ عبارتیں نقل کی جائیں جو یہاں نقل کرنے کے لائق ہیں تو کم از کم پچاس صفحات پر آئیں گی لیکن یہاں صرف چند ہی عبارتیں نقل کی جائیں گی۔

قرآن میں تورات وانجیل ہی کی طرح تحریف ہوئی ہے

مصنف نے نمبروار وہ دلائل پیش کئے ہیں جن سے ان کے نزدیک قرآن میں تحریف کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں نمبر ۴ پر انہوں نے ان روایات کا حوالہ دیا ہے جو یہ بتلاتی ہیں کہ قرآن میں اسی طرح تحریف ہوئی ہے جس طرح تورات وانجیل میں ہوئی تھی۔ اس سلسلہ کلام کو شروع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الامر الرابع ذكر اخبار خاصة فيها دلالة او اشارة علٰى كون القرآن كا لتوراة والانجيل فى وقوع التحريف والتغيير فيه وركوب المنافقين الذين استولوا على الامة فيه طريقة بنى اسرائيل فيهما وهى حجة مستقلة لاثبات المطلوب.

(فصل الخطاب ص ۷۰)

اور چوتھی بات ہے اثنا عشریہ کی ان روایات کا ذکر جو صراحۃً یا اشارۃً یہ بتلاتی ہیں کہ تحریف اور تغیر وتبدل کے واقع ہونے میں قرآن تورات اور انجیل ہی کی طرح ہے اور جو یہ بتلاتی ہیں کہ جو منافقین امت پر غالب آگئے اور حاکم بن گئے تھے (ابوبکر وعمر وغیرہ) وہ قرآن میں تحریف

کرنے کے بارہ میں اسی راستہ پر چلے جس راستہ پر چل کر بنی اسرائیل نے توراۃ وانجیل میں تحریف کی تھی اور یہ ہمارے دعوے (یعنی تحریف) کے ثبوت کی مستقل دلیل ہے۔

آگے مصنف نے اکابر علماء شیعہ کی کتابوں کے حوالہ سے کئی صفحوں میں وہ روایات نقل کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن میں اسی طرح کی تحریف کی گئی جیسی تحریف حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے بعد تورات وانجیل میں کی گئی تھی۔

متقدمین علماء شیعہ سب ہی تحریف کے قائل اور مدّعی ہیں صرف چار وہ ہیں جنہوں نے تحریف سے انکار کیا ہے

علامہ نوری طبرسی نے اسی فصل الخطاب میں زیر عنوان ''المقدمة الثالثه'' (تیسرا مقدمہ) لکھا ہے کہ ہمارے علماء میں اس مسئلہ میں کہ قرآن میں تحریف اور تغیر وتبدل ہوا ہے یا نہیں؟ دو قول مشہور ہیں۔ پھر اس کی تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الاول: وقوع التغيير والنقصان فيه وهو مذهب الشيخ الجليل على بن ابراهيم القمى شيخ الكلينى فى تفسيره صرّح ذلك فى اوله، وملأ كتابه من اخباره مع التزامه فى اوله بان لايذكر فيه الا مارواه مشائخه وثقاته. ومذهب تلميذه ثقة الاسلام الكلينى رحمه الله على مانسبه اليه جماعة لنقله الاخبار الكثيرة الصريحة فى هذا المعنى فى كتاب الحجة خصوصا فى باب النكت والنتف من التنزيل والروضه من غير تعرض لردها او تاويلها. (فصل الخطاب ص ۲۵)

پہلا قول یہ ہے کہ قرآن میں تغیر وتبدل ہوا ہے اور کمی ہوئی ہے (یعنی کچھ حصہ اس میں سے ساقط اور غائب کیا گیا ہے) اور یہ مذہب ہے ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی کے شیخ علی بن ابراہیم قمی کا۔ انہوں نے اپنی تفسیر کے شروع ہی میں اس کو صراحت اور صفائی سے لکھا ہے اور اپنی کتاب کو تحریف (ثابت کرنے والی) روایات سے بھر دیا ہے اور انہوں نے اس کا التزام کیا ہے کہ وہ اپنی اس کتاب میں وہی روایات ذکر کریں گے جن کو وہ اپنے مشائخ اور ثقہ حضرات سے روایت کرتے ہیں اور یہی مذہب ہے ان کے شاگرد ثقۃ الاسلام کلینی رحمہ اللہ کا جیسا کہ علماء کی ایک جماعت نے ان کی طرف اس کی نسبت کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب

"الجامع الکافی" کتاب الحجہ میں اور بالخصوص اس کے "باب النکت والنتف من التنزیل" اور "کتاب الروضۃ" میں بہت بڑی تعداد میں وہ روایات (آئمہ معصومین سے) نقل کی ہیں جو صراحۃً تحریف پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر نہ تو انہوں نے ان روایات کو رد کیا ہے اور نہ ان کی کوئی تاویل کی ہے۔

اس عبارت میں علامہ نوری طبرسی نے تحریف کے قائل علمائے متقدمین میں سے سب سے پہلے صرف ان دو کا ذکر کیا ہے (ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی اور ان کے شیخ علی بن ابراہیم قمی) واضح رہے کہ یہ دونوں حضرات وہ ہیں جنہوں نے شیعی نظریہ کے مطابق غیبت صغریٰ کا پورا زمانہ پایا ہے۔ (یعنی وہ زمانہ جبکہ شیعی عقیدہ کے مطابق امام غائب کے پاس ان کے سفیروں اور ایجنٹوں کی خفیہ آمدورفت ہوتی تھی۔ تفصیل اس عاجز کی کتاب "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" ص ۱۷۶ پر دیکھی جاسکتی ہے) بلکہ ان کے تذکرہ نویسوں کے بیان کے مطابق ان دونوں نے گیارھویں امام حسن عسکری کا بھی کچھ زمانہ پایا ہے۔ (اصول کافی کے آخر میں اس کے مؤلف محمد بن یعقوب رازی کلینی کا تذکرہ ہے اس میں لکھا ہے کہ فالظاهر انه رضی الله عنه ادرک تمام الصغریٰ بل بعض ایام العسکری علیه السلام ایضًا (اصول کافی طبع لکھنو ص ۶۹۵)

اس کے بعد علامہ طبرسی نے پورے پانچ صفحے میں دوسرے ان متقدمین اکابر علماء شیعہ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اپنی تصانیف میں تحریف اور تغیر و تبدل کا دعویٰ کیا ہے، ان کی تعداد تیس چالیس سے کم نہ ہوگی، زیادہ ہی ہوگی۔

اس سب کے بعد مصنف نوری طبرسی نے لکھا ہے:

ومن جميع ماذكرنا ونقلنا بتتبعی القاصر يمكن دعوى الشهرة العظيمة بين المتقدمين وانحصار المخالفين فيهم باشخاص معينين ياتی ذكرهم. قال السيد المحدث الجزائری فی الانوار: مامعناه ان الصحاب قد اطبقوا على صحة الاخبار المستفيضة بل المتواترة الدالة بصريحها على وقوع التحريف فی القرآن كلامًا ومادةً واعرابًا والتصديق بها نعم خالف فيها المرتضىٰ والصدوق والشيخ الطبرسی. (فصل الخطاب ص ۳۰)

اور ہم نے اپنی محدود تلاش اور محدود مطالعہ سے (تحریف کے بارے میں شیعہ اکابر علمائے متقدمین کے) جو اقوال نقل کئے ان کی بنیاد پر دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے علمائے متقدمین کا یہی مذہب عام طور سے

مشہور تھا (قرآن میں تحریف اور کمی بیشی ہوئی ہے) اور اس کے خلاف رائے رکھنے والے بس چند متعین اور معلوم افراد تھے جن کا ناموں کے ساتھ ابھی ذکر آجائے گا۔ (آگے مصنف نوری طبرسی نے سیّد نعمت اللہ الجزائری کی کتاب الانوار النعمانیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا) ہمارے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ مشہور بلکہ متواتر روایات جو صراحۃً بتلاتی ہیں کہ قرآن میں تحریف ہوئی اس کی عبارت میں بھی اس کے الفاظ اور اعراب میں بھی وہ روایات صحیح ہیں اور ان روایات کی تصدیق (یعنی ان کے مطابق عقیدہ رکھنے) میں بھی ہمارے اصحاب کے درمیان اتفاق ہے، ہاں اس میں صرف شریف مرتضی اور صدوق اور شیخ طبرسی نے اختلاف کیا ہے۔

آگے اختلاف کرنے والوں میں مصنف نے ان تین حضرات کے علاوہ چوتھا نام ابو جعفر طوسی کا بھی ذکر کیا ہے اور تحریف سے انکار کے سلسلہ میں ان سب کی عبارتیں نقل کر کے مصنف نے سب کا جواب دیا ہے۔

ملحوظ رہے کہ یہ چاروں حضرات، ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی اور ان کے شیخ علی بن ابراہیم قمی سے کافی متاثر ہیں۔ پھر ان میں سب سے متاخر ابو علی طبرسی ہیں (ان کا سنہ وفات ۵۴۸ ہے) انہوں نے تحریف سے انکار کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا تھا اس کا جواب دینے کے بعد مصنف علامہ نوری طبرسی نے لکھا ہے:

والیٰ طبقة لم یعرف الخلاف صریحا الا من هذه المشائخ الاربعة.

(فصل الخطاب ص

اور ابو علی طبرسی کے طبقہ تک (یعنی چھٹی صدی ہجری کے وسط تک) ان چار مشائخ کے سوا کسی کے متعلق بھی معلوم نہیں ہوا کہ انہوں نے اس مسئلہ میں صراحۃً اختلاف کیا ہو (یعنی قرآن میں تحریف ہونے سے صراحت کے ساتھ انکار کیا ہو)۔

راقم سطور نے عرض کیا تھا کہ مصنف نے اپنے عقیدہ اور نقطۂ نظر کے مطابق قرآن میں تحریف واقع ہونے پر دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ اسی سلسلہ میں دلیل نمبر ۱۲ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تحریف کی روایتیں دو ہزار سے زیادہ

الدلیل الثانی: عشر الاخبار الواردة فی الموارد المخصوصة من القرآن الدالة علیٰ تغییر بعض الکلمات والأیات والسور باحدی الصور المتقدمة وهی

کثیرة جدا حتی قال السید نعمت اللّٰہ الجزائری فی بعض مؤلفاته کما حکی عنه: ان الاخبار الدالة علیٰ ذالک تزید علی الفی حدیث، وادعیٰ استفاضتها جماعة کالمفید والمحقق الداماد والعلامة المجلسی وغیر هم بل الشیخ ایضًا صرح فی التبیان بکثرتها بل ادعیٰ تواترها جماعة یاتی ذکرهم.

(فصل الخطاب ص ۲۲۷)

بارہویں دلیل آئمہ معصومین کی وہ روایات ہیں جو قرآن کے خاص خاص مقامات کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جو بتلاتی ہیں کہ قرآن کے بعض کلمات اور اس کی آیتوں اور سورتوں میں ان صورتوں میں سے کسی ایک صورت کی تبدیلی کی گئی ہے جن کا پہلے ذکر کیا جاچکا ہے اور وہ روایات بہت زیادہ ہیں یہاں تک کہ ہمارے (جلیل القدر محدث) سیّد نعمت اللہ الجزائری نے اپنی بعض تصانیف میں فرمایا ہے جیسا کہ ان سے نقل کیا گیا ہے کہ قرآن میں اس تحریف اور تغیر وتبدل کو بتلانے والی آئمہ اہل بیت کی حدیثوں کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے اور ہمارے اکابر علماء کی ایک جماعت نے مثلاً شیخ مفید اور محقق داماد اور علامہ مجلسی نے ان حدیثوں کے مستفیض اور مشہور ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور شیخ طوسی نے بھی تبیان میں بصراحت لکھا ہے کہ ان روایتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے بلکہ ہمارے علماء کی ایک جماعت نے جن کا آگے ذکر آئے گا ان روایات کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

روایات تحریف کے تواتر کا دعویٰ کرنے والے اکابر علماء شیعہ

پھر کتاب کے آخر میں ان اکابر واعاظم علمائے شیعہ کا مصنف نے ذکر کیا ہے جنہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن میں تحریف اور تغیر وتبدل کی روایتیں متواتر ہیں اور بلاشبہ ان کا یہ دعویٰ شیعہ حضرات کی کتب حدیث کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے۔ مصنف رقمطراز ہیں:

وقد ادعی تواتره (ای تواتر وقوع التحریف والتغییر والنقص) جماعة منهم المولیٰ محمد صالح فی شرح الکافی حیث قال فی شرح ماوردان القرآن الذی جاء به جبرائیل الی النبیؐ سبعة عشرالف اٰیة وفی روایة سلیم ثمانیة عشرالف اٰیة، مالفظه "واسقاط بعض القرآن وتحریفه ثبت من طرقنا بالتواتر معنی کما یظهر لمن تامل فی کتب الاحادیث من اولها الیٰ آخرها.

اور قرآن میں تحریف اور تغیر و تبدل اور اس کو ناقص کئے جانے (کی روایات کے) متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ہمارے اکابر علماء کی ایک جماعت نے، ان میں سے ایک مولانا محمد صالح ہیں۔ انہوں نے کافی کی شرح میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جن میں فرمایا گیا ہے کہ "جو قرآن رسول اللہ صلی علیہ وسلم پر جبرئیلؑ لے کر نازل ہوئے تھے اس میں سترہ ہزار (۱۷۰۰۰) آیتیں تھیں (اور اسی حدیث کی سلیم کی روایت میں بجائے سترہ ہزار کے اٹھارہ ہزار (۱۸۰۰۰) آیات بتلائی گئی ہیں) اس حدیث کی شرح میں مولانا محمد صالح نے فرمایا ہے: اور قرآن میں تحریف اور اس کے بعض حصوں کا ساقط کیا جانا ہمارے طریقوں سے بتواتر معنوی ثابت ہے، جیسا کہ ہر اس شخص پر ظاہر ہے جس نے ہماری حدیث کی کتابوں کا اوّل سے آخر تک غور سے مطالعہ کیا ہے۔

ومنهم الفاضل قاضی القضاة علی بن عبدالعالی علٰی ماحکی عنه السید فی شرح الوافیه.....

اور انہی علماء میں سے (جنہوں نے قرآن میں تحریف اور کمی بیشی کی حدیثوں کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے) ایک قاضی القضاۃ علی بن عبدالعالی بھی ہیں جیسا کہ جناب سیّد نے شرح وافیہ میں ان سے نقل کیا ہے۔

ومنهم الشیخ المحدث الجلیل ابو الحسن الشریف فی مقدمات تفسیرہ.

اور انہی میں سے ایک شیخ محدث جلیل ابوالحسن الشریف ہیں انہوں نے بھی اپنی تفسیر کے مقدمات میں ان روایات کے معنوی تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔

ومنهم العلامة المجلسی قال فی مرآة العقول فی شرح باب: انه لم یجمع القرآن کله الا الائمة علیهم السلام بعد نقل کلام المفید مالفظه: والاخبار من طرق الخاصة والعامة فی النقص والتغییر متواترة، و بخطه علی نسخة صحیحة من الکافی کان یقرأها علٰی والدہ وعلیها خطهما فی آخر کتاب فضل القرآن عند قول الصادق: "القرآن الذی جاء به جبرئیلؑ علی محمد سبعة عشر الف آیة" مالفظه لا یخفیٰ ان هٰذا الخبر و کثیرا من الاخبار الصحیحة صریحة فی نقص القرآن وتغییرہ. وعندی ان الاخبار فی هذا الباب متواترة معنی، وطرح جمیعها یوجب رفع الاعتماد عن الاخبار راسًا،

بل ظنی ان الاخبار فی هذا الباب لایقصر عن اخبار الامامة فکیف یثبتونها بالخبر. (فصل الخطاب ص ۲۲۸، ۲۲۹م)

اور ہمارے انہی علماء کبار میں سے (جنہوں نے تحریف کی روایات کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے) ایک علامہ مجلسی بھی ہیں انہوں نے اپنی کتاب ''مرآۃ العقول'' میں اصول کافی کے باب **انہ لم یجمع القرآن کلہ الا الائمہ علیهم السلام** کی شرح میں شیخ مفید کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ قرآن میں کمی اور تبدیلی کئے جانے کے بارے میں احادیث و روایات جو شیعوں اور غیر شیعوں کی سندوں سے روایت کی گئی ہیں وہ متواتر ہیں اور اصول کافی کے اس نسخہ پر جو انہوں نے اپنے والد کے سامنے پڑھا (اور اس پر ان دونوں کے قلم کی تحریر ہے) کتاب فضل القرآن کے خاتمہ پر جہاں امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے کہ ''جو قرآن جبرئیلؑ محمدؐ کے پاس لائے تھے اس میں سترہ ہزار (۱۷۰۰۰) آیتیں تھیں۔'' علامہ مجلسی نے اپنے قلم سے لکھا ہے کہ ظاہر ہے کہ یہ حدیث اور اس کے علاوہ بہت سی صحیح حدیثیں صراحت کے ساتھ یہ بتلاتی ہیں کہ قرآن میں کمی اور تبدیلی کی گئی ہے۔ (اس کے آگے علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ) میرے نزدیک اس باب میں حدیثیں معنی کے لحاظ سے متواتر ہیں اور ان سب کو نظر انداز کرنے اور نا قابل اعتماد قرار دینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ احادیث و روایات پر سے اعتماد بالکل اٹھ جائے گا (اور احادیث کا سارا ذخیرہ نا قابل اعتبار ہو جائے گا) بلکہ میرا گمان ہے کہ اس باب کی (یعنی قرآن میں تحریف اور کمی و تبدیلی کی) حدیثیں مسئلہ امامت کی حدیثوں سے کم نہیں ہیں، پھر (جب متواتر حدیثوں کو بھی نظر انداز کیا جا سکے گا تو) مسئلہ امامت کو (جو مذہب شیعہ کی اساس و بنیاد ہے) احادیث و روایات سے کیوں کر ثابت کیا جا سکے گا۔

علامہ نوری طبرسی کی ''فصل الخطاب'' سے جو عبارتیں یہاں نقل کی گئیں، ان سے مندرجہ ذیل چند باتیں ایسی صراحت اور صفائی کے ساتھ معلوم ہوئیں جس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں۔

۱: یہ کہ قرآن میں اسی طرح کی تحریف، قطع و برید اور تبدیلی ہوئی ہے جیسی کہ یہود و نصاریٰ نے اپنی آسمانی کتابوں تورات و انجیل میں کی تھی۔

۲: شیعہ اثنا عشریہ کی حدیث کی کتابوں میں تحریف کی روایتیں ۲۰۰۰ دو ہزار سے زیادہ ہیں۔

۳: متقدمین علمائے شیعہ سب ہی تحریف کے قائل ہیں صرف چار ہیں جنہوں نے تحریف سے انکار کیا

ہے (جن کے بارے میں سیّد نعمت اللہ الجزائری نے لکھا ہے کہ انہوں نے یہ انکار بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے کیا ہے ان کا عقیدہ یہ نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے)۔

۴: شیعوں کی اصح الکتب ''الجامع الکافی'' کے مؤلف ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی اور ان کے شیخ علی بن ابراہیم قمی (جنہوں نے غیبت صغریٰ کا پورا زمانہ پایا اور کچھ زمانہ گیارھویں امام معصوم حسن عسکری کا بھی پایا) اور ان کے علاوہ عام طور سے شیعوں کے علمائے متقدمین اس کے قائل ہیں کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے۔

۵: اثنا عشریہ کے بہت سے ان بلند پایہ علماء و مجتہدین نے جو شیعہ مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں دعویٰ کیا ہے کہ قرآن میں تحریف کی حدیثیں متواتر ہیں اور مذہب شیعہ کے ترجمان اعظم ملا باقر مجلسی کے بیان کے مطابق ان کی تعداد اثنا عشری مذہب کی اساس و بنیاد مسئلہ امامت کی حدیثوں سے کم نہیں ہے۔ ان کو ناقابل اعتبار قرار دے کر نظر انداز کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے حدیث کے سارے ذخیرہ سے اعتماد اٹھ جائے گا اور امامت کا مسئلہ بھی بے بنیاد ہو جائے گا، کسی طرح اس کو ثابت نہیں کیا جا سکے گا (کیوں کہ اس کی بنیاد روایات ہی پر ہے)۔

واقعہ یہ ہے کہ علامہ نوری طبرسی کی اس کتاب ''فصل الخطاب'' کے مطالعہ کے بعد یہ بات آفتابِ نیمروز طرح آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے کہ کسی اثنا عشری شیعہ کے لئے اثنا عشری رہتے ہوئے قرآن میں تحریف کے عقیدہ سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے اس فرقہ کے جو لوگ تحریف کے عقیدہ سے انکار کرتے ہیں۔ ان کی انکار کی کوئی توجیہ اس کے سوا نہیں کی جا سکتی کہ یا تو وہ تقیہ کرتے ہیں (جو اثنا عشری مذہب میں صرف جائز نہیں بلکہ واجب و فرض اور گویا جز و ایمان ہے)۔ [1]

یا اپنے مذہب کی بنیادی کتابوں سے بھی ناواقف اور بے خبر ہیں۔

---

[1] یہ معلوم کرنے کے لئے کہ شیعہ اثنا عشری مذہب میں تقیہ کا کیا مقام ہے اور اس کی کیسی تاکید ہے اور اس کی کیا حقیقت ہے۔ نیز ائمہ معصومین کے تقیہ کے واقعات معلوم کرنے کے لئے راقم سطور کی کتاب ''ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت'' میں تقیہ کا بیان ص ۲۲۷ سے ۲۴۰ تک دیکھا جائے، یہاں بھی صدوق بن بابویہ قمی کے رسالۂ اعتقادیہ کی ایک عبارت ملاحظہ فرمالی جائے:

والتقية واجبة لايجوز رفعها الى ان يخرج القائم فمن تركها قبل خروجه فقد خرج عن دين الله تعالىٰ وعن دين الامامية وخالف الله و رسوله والائمة.

(رسالہ اعتقادیہ مع اردو شرح احسن الفوائد ص ۴۷۲ طبع سرگودھا (پاکستان)

تقیہ واجب ہے اور اس کا ترک کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ حضرت ''القائم'' (امام مہدی) کا ظہور ہو تو جو کوئی ان کے ظہور سے پہلے اس کو ترک کرے گا تو وہ اللہ کے دین سے اور امامیہ (یعنی شیعہ اثنا عشریہ) کے دین سے نکل جائے گا اور اپنے اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول پاک کی اور آئمہ معصومین کی مخالفت کرے گا۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہوگا کہ "فصل الخطاب" کے مصنف یہ علامہ طبرسی شیعوں کے بڑے عالی مقام محدث اور مجتہد تھے، شیعی دنیا میں ان کو عظمت اور تقدس کا جو مقام حاصل تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ۱۳۲۰ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو ان کو نجف اشرف میں "مشہد مرتضوی" کی عمارت میں دفن کیا گیا جو شیعہ حضرات کے نزدیک "اقدس البقاع" یعنی روئے زمین کا مقدس ترین مقام ہے جہاں صرف ایسے ہی شیعہ اکابر و مشائخ دفن ہو سکتے ہیں جن کو شیعی دنیا میں عظمت و تقدس اور مقبولیت کا اعلیٰ ترین مقام حاصل ہو اور ان کو ائمہ معصومین کا خاص درجہ کا وارث و نائب مانا جاتا ہو۔

کسی اثنا عشری شیعہ کے لئے تحریف سے انکار اور موجودہ قرآن پر ایمان از روئے عقل بھی ممکن نہیں

اثنا عشریہ کے عقیدہ تحریف قرآن کے بارے میں یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا وہ ان کے آئمہ معصومین کی صریح و متواتر روایات اور ان کے متقدمین و متاخرین اکابر علماء و مجتہدین کے تحریری بیانات کی بنیاد پر عرض کیا گیا۔ اب آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ کسی اثنا عشری کے لئے اثنا عشری عقائد رکھتے ہوئے تحریف سے انکار اور اہل سنت کی طرح قرآن پر ایمان از روئے عقل بھی ممکن نہیں ہے اور اس کے سمجھنے کے لئے کسی خاص درجہ کی ذہانت اور باریک بینی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ہر معمولی عقل رکھنے والا بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے، غور فرمایا جائے۔

گزشتہ صفحات میں حضرات شیخین (صدیق اکبر و فاروق اعظم) نیز ذی النورین حضرت عثمان (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے بارے میں اثنا عشریہ کے آئمہ معصومین کی جو روایات اور ان کے اکابر علماء و مجتہدین کے جو بیانات ان کی کتابوں سے نقل کئے جاچکے ہیں ان سے معلوم ہو چکا ہے کہ اثنا عشریہ کا عقیدہ ان حضرات کے بارے میں یہ ہے کہ یہ کافر و منافق تھے، اور اگلی امتوں اور امت کے بھی خبیث ترین کافروں سے بدتر درجہ کے کافر تھے اور دوزخ میں سب سے زیادہ عذاب انہی پر ہو رہا ہے۔ اور گزشتہ صفحات ہی سے یہ بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے اس زمانہ کے شیعوں کے امام اکبر روح اللہ خمینی صاحب نے حضرات خلفائے ثلاثہ اور ان کے خاص رفقاء تمام اکابر صحابہ کے بارے میں اپنی فارسی تصنیف "کشف الاسرار" میں پوری صراحت اور صفائی کے ساتھ بلکہ ادعائی انداز میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ لوگ ایک دن کے لئے بھی دل سے ایمان نہیں لائے تھے بلکہ صرف حکومت اور اقتدار پر قبضہ

کر لینے کی طمع اور ہوس میں منافقانہ طور پر اسلام قبول کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہو گئے تھے۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ حیات میں برابر اپنے اسی مقصد کے لئے سازش کرتے رہے۔ یہ ایسے بدکردار تھے کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے قرآن میں تحریف بھی کر سکتے تھے، آیتیں کی آیتیں اس میں سے حذف اور غائب کر سکتے تھے۔ جھوٹی حدیثیں گھڑ کے لوگوں کو سنا سکتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر کسی وقت یہ لوگ محسوس کرتے کہ مسلمان رہ کر حکومت پر قبضہ نہیں کیا جاسکتا بلکہ اسلام سے رشتہ توڑ کر اور (ابو جہل اور ابولہب وغیرہ کی طرح) اسلام دشمنی کا مؤقف اختیار کر کے اور اسلام کے خلاف جنگ کر کے ہی یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے تو یہ ایسا ہی کرتے اور اسلام کے کھلے دشمن ہو کر مقابلہ میں آجاتے۔[1]

حضرات خلفائے ثلاثہ اور ان کے رفقاء کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنے کے ساتھ اثنا عشریہ یہ بھی مانتے ہیں اور اس پر نوحہ و ماتم بھی کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہی منافق لوگ (جو دل سے آپ کے، آپ کے اہل بیت کے اور آپ کے دین کے دشمن تھے) اپنی سیاسی کرتب بازی سے خلیفہ بن کر غاصبانہ اور ظالمانہ طور پر حکومت پر قابض ہو گئے۔ پھر خلافت پر قابض ہو جانے کے بعد بھی یہ ایسے بدکردار رہے کہ جگر گوشۂ رسول سیّدہ فاطمہ زہراؓ پر بھی طرح طرح کے ظلم ڈھائے[2] (ظاہر ہے کہ یہ انتہائی درجہ کی شقاوت تھی) اور خمینی صاحب کے فرمانے کے مطابق یہ ظالم اپنے دورِ خلافت میں اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق کھلم کھلا قرآنی احکام کو انتہائی بے پروائی سے پامال کرتے رہے۔ (کشف الاسرار ص ۱۱۵ تا ۱۱۹)

اس سب کے ساتھ اثنا عشریہ یہ بھی مانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پورے ۲۴ سال تک (یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک) بلا شرکت غیرے انہی لوگوں کا اقتدار رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ و جانشین اور مسلمانوں کے فرماں روا کی حیثیت سے یہی سب کچھ کرتے رہے، انہی کے اہتمام سے قرآن اس کتابی شکل میں مرتب اور شائع ہوا جس شکل میں وہ آج ہمارے سامنے ہے۔

---

[1] خمینی صاحب کی وہ عبارتیں جن میں یہ سب کچھ فرمایا گیا ہے ان کی تصنیف ''کشف الاسرار'' کے صفحہ ۱۱۳، ۱۱۴ پر دیکھی جاسکتی ہیں۔ راقم سطور نے اپنی کتاب ''ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت'' میں بھی یہ عبارتیں نقل کر دی ہیں۔ (ص ۵۵ تا ۶۰)

[2] شیعہ مذہب کے ترجمان اعظم ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب ''جلاء العیون'' میں سیدہ فاطمہ زہراؓ پر کیے جانے والے مظالم کا ذکر بڑے لرزہ خیز انداز میں کیا ہے۔ راقم سطور کی کتاب ''ایرانی انقلاب خمینی اور شیعیت'' کے صفحہ ۶۷ پر بھی اس کو دیکھا جاسکتا ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شیعہ علماء و مصنفین کو اس طرح کے افسانے گھڑنے میں کس درجہ کمال حاصل ہے۔

اب غور فرمایا جائے کہ جس فرقہ یا جس شخص کا عقیدہ حضرات خلفائے ثلاثہ کے بارے میں وہ ہو جو اثنا عشریہ کا اوپر بیان کیا گیا۔ کیا از روئے عقل یہ ممکن ہے کہ ان کے مرتب اور شائع کئے ہوئے قرآن کے بارے میں اسکا یہ ایمان ویقین ہو کہ یہ بعینہٖ وہی کتاب اللہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی اور اس میں اس کو مرتب اور شائع کرنے والوں نے (جو منافق تھے اور جن کا کردار وہ تھا جو اثنا عشری عقیدہ کے مطابق اوپر بیان کیا گیا) اپنی نفسانی اغراض وخواہشات کے تقاضے سے کوئی تحریف، کسی قسم کی قطع برید اور کمی یا زیادتی نہیں کی ہے؟۔

ظاہر ہے کہ ہر عقل رکھنے والا اس کا جواب یہی دے گا کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ ملحوظ رہے کہ ایمان اس یقین اور اس قلبی تصدیق کا نام ہے جس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہ ہو جس طرح کسی چیز کو آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد شک کا امکان نہیں رہتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان کا درجہ تو بہت اعلیٰ و بالا ہے۔ حضرات خلفائے ثلاثہ کے بارے میں وہ عقیدہ رکھنے کے ساتھ جو اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے قرآن کے بارے میں کسی درجہ کا اعتبار بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ اس مسئلہ کو کسی بھی قانون داں بلکہ کسی بھی باشعور انسان کے سامنے رکھ دیا جائے تو وہ یہی جواب دے گا۔

حاصل کلام

اثنا عشریہ کے عقیدہ تحریف قرآن کے بارے میں یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ اثنا عشری مذہب کی بنیادی اور مستند کتابوں میں شیعوں کے آئمہ معصومین کے ارشادات اور ان کے اکابر واعاظم علماء ومجتہدین کی تصنیفات کے مطالعہ کے بعد یہ حقیقت آفتاب نیمروز کی طرح سامنے آجاتی ہے کہ شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ یہی ہے کہ موجودہ قرآن محرّف ہے، اس میں ہر طرح کی تحریف اور قطع برید ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں ان کے لئے ارزوئے عقل بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اس کو یقین کے ساتھ تحریف وتبدیل سے محفوظ بعینہٖ وہ کتاب اللہ مان سکیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے نبی کریم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ حضرات خلفائے ثلاثہ اور ان کے رفقاء تمام اکابر صحابہ کے بارے میں ان کے عقیدہ نے قرآن پر ایمان ان کے لئے ناممکن بنادیا ہے، لہٰذا اب جو شیعہ علماء ومجتہدین تحریف کے عقیدہ سے انکار اور موجودہ قرآن پر ہم اہل سنت ہی کی طرح ایمان کا اظہار کرتے ہیں۔ ان

کے اس رویہ کی کوئی معقول اور قابل قبول توجیہ اس کے سوانہیں کی جاسکتی کہ یہ ان کا تقیہ ہے جو شیعہ مذہب میں ان کے امام غائب (مہدی) کے ظہور کے وقت تک فرض وواجب اور گویا جزوایمان ہے۔ اس کی ایک روشن دلیل یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مشائخ متقدمین میں سے ''الجامع الکافی'' کے مؤلف ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی اور ان کے استاذ علی بن ابراہیم قمی اور ''الاحتجاج'' کے مؤلف احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی وغیرہ ان سب مشائخ متقدمین کو جن کا ذکر ''فصل الخطاب'' میں علامہ نوری طبرسی نے مدعیانِ تحریف کی حیثیت سے کیا ہے، اوراسی طرح اپنے علمائے متاخرین میں ملاباقر مجلسی سید نعمت اللہ الجزائری، علامہ قزوینی شارح اصول کافی اور علامہ نوری طبرسی جیسے ان سب حضرات کو اپنا مذہبی پیشوا مانتے ہیں جو نہ صرف یہ کہ موجودہ قرآن کے محرّف ہونے کے قائل ہیں بلکہ اس عقیدہ کے علمبردار ہیں اور جنہوں نے اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں حالانکہ ظاہر ہے کہ جو شخص قرآن کے محرّف ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے وہ قرآن پر ایمان سے محروم ہے، اس کا شمار تو مومنین میں بھی نہ ہونا چاہیئے۔

اثنا عشریہ کا عقیدۂ امامت ختم نبوّت کی نفی کرتا ہے لہٰذا وہ عقیدۂ ختم نبوّت کے مُنکر ہیں

اثنا عشری مذہب کی بنیادی اور مستند کتابوں کے مطالعہ کے بعد ایک یہ حقیقت بھی اسی طرح آنکھوں کے سامنے آتی ہے جس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ اثنا عشریہ کا عقیدہ امامت جو اس مذہب کی اساس وبنیاد ہے، عقیدہ ختم نبوت کی قطعی نفی کرتا ہے اور اس بارہ میں ان کا عقیدہ جمہور امت مسلمہ سے بالکل مختلف ہے۔ وہ ''ختم نبوت'' اور ''خاتم النبیین'' کے الفاظ کے تو قائل ہیں (جس طرح کہ قادیانی بھی قائل ہیں) لیکن اس کی حقیقت کے منکر ہیں۔ شیعوں اور قادیانیوں کے علاوہ امت کے تمام فرقوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''خاتم النبیین'' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبوت ورسالت جس حقیقت اور جس مقام ومنصب کا عنوان ہے اس کا سلسلہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ پر ختم فرمادیا۔ ہر نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ونامزد اور بندوں کے لئے اللہ کی حجت ہوتا تھا، اس پر ایمان لانا نجات کی شرط ہوتا تھا، اس کو وحی کے ذریعہ اللہ کے احکام ملتے تھے۔ وہ معصوم ہوتا تھا، بندوں پر اس کی اطاعت فرض ہوتی تھی۔ صرف وہی اور اس کی تعلیم امت کے لئے ہدایت کا سرچشمہ اور مرجع وماخذ ہوتا تھا، اگر وہ

صاحب کتاب ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب بھی نازل ہوتی تھی یہی نبوت کی حقیقت اور نبی کا مقام ومنصب تھا اور جمہور امت محمدیہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ''خاتم النبیین'' ہونے کا مطلب یہی ہے کہ آپؐ کے بعد یہ مقام ومنصب کسی کو عطا نہیں ہوگا۔

لیکن شیعہ اثناعشریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ مقام ومنصب اور یہ سب امتیازات بلکہ ان سے بھی بالاتر مقامات ودرجات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے بارہ اماموں کو حاصل ہیں۔ وہ نبیوں کی طرح بندوں پر اللہ کی حجت ہیں، ان کے بغیر اللہ کی حجت بندوں پر قائم نہیں ہوتی۔ وہ نبیوں ہی کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد معصوم اور مفترض الطاعت ہیں، ان پر ایمان لانا اسی طرح نجات کی شرط ہے جس طرح نبیوں پر ایمان لانا شرط نجات ہے۔ ان پر فرشتوں کے ذریعہ وحی بھی آتی ہے۔ اللہ کے احکام بھی آتے ہیں۔ ان کو معراج بھی ہوتی ہے۔ ان پر کتابیں بھی نازل ہوتی ہیں۔ یہ تو وہ صفات اور اللہ تعالیٰ کے وہ انعامات ہیں جن میں یہ ''آئمہ معصومین'' انبیاء علیہم السلام کے شریک اور ان کے برابر ہیں لیکن اثناعشریہ کے نزدیک ان کو ان کے علاوہ ایسے بلند مقامات اور کمالات بھی حاصل ہیں جو انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں، مثلاً یہ کہ دنیا ان ہی کے دم سے قائم ہے۔ اگر ایک لمحہ کے لئے بھی ہماری یہ دنیا امام کے وجود سے خالی ہو جائے تو سب نیست ونابود ہو جائے، اور مثلاً یہ کہ ان کی پیدائش اس عام طریقہ اور عام راستہ سے نہیں ہوتی جس طریقہ اور راستہ سے عام انسانوں کی پیدائش ہوتی ہے بلکہ وہ اپنی ماؤں کی ران میں سے نکلتے ہیں اور مثلاً یہ کہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر ان کی تکوینی حکومت ہے یعنی ان کو ''کن فیکون'' کا اقتدار واختیار حاصل ہے، اور یہ کہ ان کو اختیار ہے کہ جس چیز یا جس عمل کو چاہیں حلال یا حرام قرار دے دیں، اور مثلاً یہ کہ تمام آئمہ عالم ما کان وما یکون ہیں، کوئی چیز ان سے مخفی نہیں، اور مثلاً یہ کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے وہ علوم بھی عطا ہوئے جو نبیوں اور فرشتوں کو بھی نہیں دیئے گئے ہیں۔ اور مثلاً یہ کہ وہ دنیا اور آخرت کے مالک ومختار ہیں جس کو چاہیں دے دیں بخش دیں اور جس کو چاہیں محروم رکھیں، اور مثلاً یہ کہ وہ اپنی موت کا وقت بھی جانتے ہیں اور ان کی موت ان کے اختیار میں ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ جمہور امت محمدیہ کے نزدیک یہ شان انبیاء علیہم السلام کی بھی نہیں ہے بلکہ ان میں بعض تو وہی ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفات ہیں لیکن اثناعشریہ کے نزدیک ان کے آئمہ کی یہی شان ہے اور یہ سب صفات ومقامات ان کو حاصل ہیں۔ سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون.

آئمہ کی صفات وامتیازات اور ان کے بلند مقامات ودرجات کے بارے میں یہ جو کچھ لکھا گیا وہ ان

کی اصح الکتب ''اصول کافی، کتاب الحجۃ'' کی روایات اوران کے آئمہ معصومین کے ارشادات کا حاصل اور خلاصہ ہے، ان روایات وارشادات کا متن اصل کتاب میں دیکھا جاسکتا ہے۔ راقم سطور کی کتاب ''ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت'' میں بھی (صفحہ ۱۱۹ سے ۱۲۵ تک) ان تمام روایات کا متن دیکھا جاسکتا ہے جو اصول کافی ہی سے بحوالہ صفحات نقل کیا گیا ہے۔

اپنے آئمہ کے ان ارشادات اوران روایات ہی کے مطابق اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے۔ اسی کے ساتھ وہ مانتے ہیں کہ ان اماموں کے لئے نبی کا لفظ نہیں بولا جائے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمادیا گیا ہے۔

ان سب چیزوں کے سامنے آجانے کے بعد کسی صاحب عقل ودانش کو اس میں شک شبہ نہیں رہ سکتا کہ اثنا عشریہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کی حقیقت ختم نہیں ہوئی، وہ تو امامت کے عنوان سے ترقی کے ساتھ جاری ہے۔ البتہ آپ کے بعد کسی کو نبی نہیں کہا جائے گا۔ بس یہی ان کے نزدیک ختم نبوت کی حقیقت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دیئے جانے کا تقاضا ہے، اثنا عشری مذہب کے ترجمان اعظم، ان کے خاتم المحدثین علامہ باقر مجلسی نے اپنے آئمہ معصومین کی روایات کے حوالہ سے صراحت اور صفائی کے ساتھ لکھا ہے کہ امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے اور اپنے نزدیک اس کو دلیل سے بھی ثابت کیا ہے۔ اپنی کتاب ''حیات القلوب'' کی تیسری جلد میں (جو صرف امامت ہی کے موضوع پر ہے) تحریر فرماتے ہیں:

از بعضے اخبار معتبرہ کہ انشاء اللہ بعد ازیں مذکور خواہد شد۔ معلوم می شود کہ مرتبہ امامت بالاتر از مرتبہ پیغمبری است۔

آئمہ کی بعض معتبر روایات سے جو انشاء اللہ اس کے بعد ذکر کی جائیں گی معلوم ہوجاتا ہے کہ امامت کا مرتبہ نبوت کے مرتبہ سے بالاتر ہے۔

آگے یہ علامہ مجلسی دلیل کے طور پر فرماتے ہیں:

چنانچہ حق تعالیٰ بعد از نبوت بحضرت ابراہیم خطاب فرمودہ کے انی جاعلک للناس اماما. (حیاۃ القلوب جلد سوم ص ۳۱ طبع ایران)

چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو نبوت عطا فرمانے کے بعد ان سے فرمایا تھا کہ میں تجھ کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ امامت نبوت سے آگے کے درجہ کی چیز ہے۔ اس کے چند سطر آگے علامہ مجلسی

نے لکھا ہے:

واز برائے تعظیم حضرت رسالت پناہ وآنکہ آنجناب خاتم انبیاء باشد منع اطلاق اسم نبی وآنچہ مرادف آنست برآنحضرت کردہ اند۔ (حیات القلوب جلد سوم ص ۳)

اور حضرت رسالت پناہ کی تعظیم کے لئے اور اس وجہ سے کہ آنجناب خاتم انبیاء ہیں نبی اور اس کے ہم معنی لفظ کے اطلاق کو حضرت امام پر منع کرتے ہیں۔

علامہ مجلسی کی اس عبارت سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوگیا کہ اثنا عشریہ کا عقیدہ اپنے آئمہ کی احادیث وروایات کی بنیاد پر یہ ہے کہ امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے اور ہمارے ہی زمانے کے پاکستان کے ایک بلند پایہ مجتہد علامہ محمد حسین نے شیخ صدوق کے رسالہ ''العقائد'' کی اردو میں ضخیم شرح لکھی ہے، اس میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ:

''ائمہ اطہار سوائے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر تمام انبیا اولو العزم وغیرہم سے افضل واشرف ہیں''۔ (احسن الفوائد فی شرح العقائد ص ۴۰۶ طبع پاکستان)

اور اس زمانے کی شیعی دنیا کے امام خمینی صاحب نے بھی ''الحکومت الاسلامیہ'' میں صراحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ:

وان من ضروریات مذہبنا ان لائمتنا مقاما لا یبلغہ ملک مقرب ولانبی مرسل. (الحکومت الاسلامیہ ص ۵۲ طبع تھران)

ہمارے مذہب (شیعہ اثنا عشریہ) کے ضروری اور بنیادی عقائد میں سے یہ عقیدہ بھی ہے کہ ہمارے آئمہ معصومین کو وہ مقام ومرتبہ حاصل ہے جس تک کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل بھی نہیں پہنچ سکتا۔

علامہ مجلسی، علامہ محمد حسین اور خمینی صاحب کی ان تصریحات کے بعد اس میں شک شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ اثنا عشریہ کے نزدیک ان کے آئمہ کا مقام ومرتبہ انبیاء علیہم السلام سے بالاتر ہے اور وہ ان اعلیٰ مقامات اور بلندتر درجات پر فائز ہیں جن تک کسی مقرب فرشتے اور نبی مرسل کی بھی رسائی نہیں ہوسکتی اور یہ کہ ان آئمہ پر نبی کے لفظ کا اطلاق اس وجہ سے نہیں کیا جاسکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''خاتم النبیین'' فرمایا گیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ فی الحقیقت عقیدۂ ختم نبوت کی قطعی نفی ہے۔

اس حقیقت کو کہ اثنا عشریہ کا عقیدہ امامت ختم نبوت کی نفی کرتا ہے اور وہ اپنے اس عقیدہ کی وجہ سے فی الحقیقت ختم نبوت کے منکر ہیں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ وسلم نے کتب شیعہ کے مطالعہ اور اپنی

خداداد فکر و بصیرت سے یقین کے ساتھ سمجھا اور صراحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ "تفہیمات الٰہیہ" میں ارقام فرماتے ہیں:

امام باصطلاح ایشاں معصوم مفترض الطاعۃ منصوب للخلق است و وحی باطنی در حق امام تجویز می نمایند، پس در حقیقت ختم نبوت را منکر اند گو بزبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را خاتم الانبیاء میگفتہ باشند۔
(تفہیمات الٰہیہ ص ۲۴۴)

شیعہ اثنا عشریہ کی اصطلاح اور ان کے عقیدہ میں امام کی شان یہ ہے کہ وہ معصوم ہوتا ہے، اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے اور مخلوق کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر اور نامزد ہوتا ہے، اور شیعہ امام کے حق میں وحی باطنی کے قائل ہیں پس فی الحقیقت وہ ختم نبوت کے منکر ہیں اگرچہ زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں۔

اس موضوع سے متعلق راقم سطور نے اوپر جو کچھ عرض کیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد انشاء اللہ کسی کو بھی حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اس نتیجہ فکر کے بارے میں کوئی شک شبہ نہیں رہے گا کہ شیعہ اپنے عقیدہ امامت کی وجہ سے ختم نبوت کے منکر ہیں۔ آگے انشاء اللہ حضرت شاہ صاحب کی تصنیف "مسوّیٰ شرح موطأ امام مالک" کی عبارت نقل کی جائے گی جس میں انہوں نے اس بنیاد پر شیعہ اثنا عشریہ کو زنادقہ اور مرتدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔

حاصل کلام

حضرات علماء شریعت واصحاب فتویٰ کی خدمت میں یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس کا حاصل یہ ہے کہ شیعہ اثنا عشریہ کی بنیادی اور مستند کتابوں کے مطالعہ سے ان کے یہ تین عقیدے ایسے یقین کے ساتھ جس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔

ایک یہ کہ شیخین (حضرت صدیق اکبرؓ وفاروق اعظمؓ) کے بارہ میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ (معاذ اللہ) نہ صرف یہ کہ کافر ومنافق تھے بلکہ اگلی امتوں کے شدید ترین کافروں، نمرود اور فرعون وہامان اور اس امت کے خبیث ترین کافروں ابولہب وابوجہل سے بھی حتیٰ کہ شیطان مردود سے بھی بدتر درجہ کے کافر تھے اور جہنم میں سب سے زیادہ عذاب انہی پر ہے۔

دوسرا یہ کہ موجودہ قرآن محرّف ہے، اس میں ہر طرح کی تحریف اور کمی بیشی ہوئی ہے۔ یہ بعینہ وہ کتاب اللہ نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔

تیسرا یہ کہ ان کا بنیادی عقیدہ امامت ختم نبوت کی قطعی نفی کرتا ہے لہٰذا وہ اپنے اس عقیدہ کی وجہ سے ختم نبوت کے منکر ہیں اگرچہ زبان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں جس طرح قادیانی بھی آپؐ کو خاتم النبیین اور خاتم الانبیاء کہتے ہیں۔

اس کے بعد یہ عاجز راقم سطور متقدمین ومتاخرین علماء وفقہاء کی چند عبارتیں بھی آپ حضرات کی خدمت میں پیش کردینا مناسب سمجھتا ہے جن میں شیعہ اثنا عشریہ کے عقائد ذکر کرکے ان کے بارے میں شرعی فیصلہ فرمادیا گیا ہے۔

شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں متقدمین ومتاخرین اکابر علمائے امت اور فقہائے کرام کے فیصلے اور فتوے

امام ابن حزم اندلسیؒ متوفی ۴۵۶ھ:

امام ابن حزم اندلسیؒ نے "الفصل فی الملل والاهواء والنحل میں امامیہ یعنی شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:

ومن قول الامامية كلها قديمًا وحديثًا ان القرآن مبدل، زيد فيه ماليس منه ونقص منه كثير وبدل كثيره. (الفصل فی الملل والاهواء والنحل ص ۱۸۲، ج ۳)

اور پورا فرقہ امامیہ، ان کے متقدمین اور متاخرین سب اس کے قائل ہیں کہ قرآن بدل ڈالا گیا ہے اس میں وہ بڑھایا اور شامل کردیا گیا ہے جو اس میں نہیں تھا اور بہت کچھ کم کردیا گیا ہے اور بہت تبدیل اور تحریف کی گئی ہے۔

اور انہی امام ابن حزم نے اپنی اسی کتاب میں دوسری جگہ اسلام اور قرآن پر عیسائیوں کے کچھ اعتراضات نقل کئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ:

ان الروافض يزعمون ان اصحاب نبيكم بدلوا القرآن واسقطوا منه وزادوا فيه.

مسلمانوں ہی کے ایک فرقہ روافض (شیعوں) کا خیال اور دعویٰ ہے کہ تمہارے نبی کے صحابیوں نے قرآن میں تحریف کردی۔ اس میں سے بہت کچھ ساقط کردیا اور اضافہ بھی کیا (لہٰذا تمہارا قرآن محفوظ اور قابل اعتبار نہیں)۔

امام ابن حزم نے عیسائیوں کے تمام اعتراضات کا بالترتیب جواب دیا ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں تحریر فرمایا:

واما قولهم فی دعوی الروافض بتبدیل القراء ات فان الروافض لیسوا من المسلمین. (الفصل لابن حزم جلد ۲ ص ۷۸)

اور ان عیسائیوں نے جو یہ کہا ہے کہ روافض کا دعویٰ ہے کہ قرآن میں تبدیلیاں کی گئی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ روافض (شیعہ) مسلمانوں میں شامل نہیں ہیں وہ فی الحقیقت غیر مسلمین ہیں۔

قاضی عیاض مالکیؒ متوفی ۵۴۴ھ:

قاضی عیاض مالکیؒ نے ''کتاب الشفاء'' میں شیعوں کے بارے میں کلام کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

نقطع بتکفیر کل قائل قال قولا یتوصل به الیٰ تضلیل الامة وتکفیر جمیع الصحابة. (کتاب الشفاء جلد ۲ ص ۲۸٦)

اور جو شخص ایسی بات کہے جس کے نتیجہ میں امت گمراہ قرار پائے اور تمام صحابہ کرام کی تکفیر ہوتی ہو تو ہم ایسے شخص کو قطعیت کے ساتھ کافر قرار دیں گے (اور ظاہر ہے کہ اثنا عشریہ کا یہی موقف ہے)۔

اور یہی قاضی عیاض اسی کتاب میں آگے تحریر فرماتے ہیں:

وکذلک من انکر القراٰن او حرفا منه اوغیّر شیئامنه او زاد فیه. (ج ۲ ص ۲۸۹)

اور اسی طرح ہم اس شخص کو بھی قطعیت کے ساتھ کافر قرار دیتے ہیں جو قرآن کا انکار کرے یا اس کے ایک حرف ہی کا انکار یا اس کے کسی کلمہ کو بدلے یا اس میں اضافہ کرے (جیسا کہ اثنا عشریہ کی بیشمار روایات میں ہے جو راقم سطور کی کتاب میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں)۔

اور اسی سلسلۂ کلام میں آگے فرماتے ہیں:

وکذلک نقطع بتکفیر غلاة الرافضه فی قولهم ان الائمة افضل من الانبیاء. (ج ۲ ص ۲۹)

اور اسی طرح ہم ان غالی شیعوں کی ان کے اس عقیدہ کی وجہ سے بھی قطعی تکفیر کرتے ہیں کہ ان کے اماموں کا درجہ نبیوں سے بالاتر ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادیؒ متوفی ۵٦۱ھ:

''غنیۃ الطالبین'' حضرت قدس سرہٗ کی معروف تصنیف ہے۔ اس میں حضرت نے ایک فصل قائم

فرمائی ہے جس کا عنوان ہے۔

فصل فی الفرق الضالة عن طريق الهدیٰ (ان فرقوں کے بیان میں جو گمراہ ہو گئے) اس فصل میں خوارج اور پھر شیعوں کے مختلف فرقوں کے ذکر کے بعد ارقام فرمایا ہے۔

والذی اتفقت عليه طوائف الرافضة وفرقها اثبات الامامة عقلا وان الامامة نص وان الائمة معصومون من الأفات والخلط والسهو والخطاء، ومن ذلک تفضيلهم عليا فی جميع الصحابة وتنصيصهم علی اماصتة بعد النبی صلی اللّٰه عليه وسلم وتبرؤهم عن ابی بکر و عمر و غيرهما من الصحابة الا نفراً منهم ومن ذلک ايضا ادعاؤ هم ان الامة ارتدت بترکهم امامة علی الا ستة نفر و هم علی وعمار والمقدا د بن الاسود و سلمان الفارسی ورجلان اٰخران.... ومن ذلک قولهم ان للامام ان يقول لست بامام فی حال التقية وان الاموات يرجعون الی الدنيا قبل يوم الحساب..... ومن ذلک ان الامام يعلم کل شیء ماکان ومايکون من امرالدنيا والدين حتی عدد الحصیٰ، وقطر الامطار، وورق الاشجار. وان الائمة تظهر علیٰ ايديهم المعجزات کا لانبياء عليهم السلام.

(غنية الطالبين ص ۱۵۶ . ۱۵۷)

اور روافض (شیعوں) کے تمام فرقوں اور گروہوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کا مسئلہ امامت ازروئے عقل بھی ثابت ہے اور امام کا تعین اللہ تعالیٰ کے صریح حکم سے ہوتا ہے اور یہ کہ امام ہر طرح کی آفات سے اور غلطی اور بھول چوک سے بھی معصوم ہوتے ہیں۔ اور ان شیعوں کے انہی عقائد میں سے یہ بھی ہے کہ وہ حضرت علیؓ کو تمام صحابہ سے افضل مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صراحت کے ساتھ امام بنا دیا گیا تھا اور وہ بیزاری کا اظہار کرتے ہیں حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ اور ان کے علاوہ تمام ہی صحابہ کرام سے سوائے گنتی کے چند آدمیوں کے اور ان کے گمراہانہ اور اسلام سوز عقائد میں سے یہ عقیدہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علیؓ کو امام وخلیفہ نہ ماننے اور نہ بنانے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری امت مرتد ہوگئی سوائے چھ آدمیوں کے اور وہ چھ یہ ہیں: علی، عمار، مقداد بن الاسود، سلمان فارسی اور دو۲ اور آدمی (بس یہ چھ ہی مسلمان رہے باقی سب مرتد ہو گئے) اور ان کے عقائد فاسدہ میں سے یہ بھی ہے کہ امام کے لئے جائز ہے کہ وہ تقیہ کر

کے کہہ دے کہ میں امام نہیں ہوں اور ان کا ایک فاسد عقیدہ، عقیدہ رجعت[۱] بھی ہے۔ اور ان کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ امام کو دنیا اور دین کی تمام چیزوں کا علم ہوتا ہے، یہاں تک کہ دنیا بھر کے سنگ ریزوں اور کنکریوں اور بارش کے قطروں اور درختوں کے پتوں کی تعداد کا بھی ان کو علم ہوتا ہے اور اماموں کے ہاتھ پر انبیاء علیہم السلام کی طرح معجزات بھی ظاہر ہوتے ہیں۔

آگے حضرت شیخ قدس سرہٗ نے اسی سلسلۂ کلام میں شیعوں کے مختلف فرقوں اور ان کے عقائد کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ شیعوں اور یہودیوں کے درمیان افکار و اطوار میں بہت مشابہت اور مماثلت ہے، پھر اس کی بہت سے مثالیں دی ہیں اس سلسلہ بیان کے آخر میں فرمایا ہے:

والیهود حرفت التوراة وكذلك الرافضة حرفوا القرآن؛ لانهم قالوا القرآن غيّر وبدّل و خولف بين نظمهٖ وترتيبهٖ واُحِيل عما انزل عليه وقرئ على وجوه غير ثابتةٍ عن الرسول، وانه قد نقص منه وزيد فيه. (غنية الطالبين ص ۱٦۲)

اور یہودیوں نے تورات میں تحریف کی، ایسے ہی روافض نے قرآن کو محرف کیا۔ کیونکہ انہوں نے دعویٰ کیا کہ قرآن میں تغیر وتبدل کیا گیا ہے اور اس کی ترتیب میں الٹ پلٹ کیا گیا ہے اور وہ جیسا نازل ہوا تھا اس کو بدل دیا گیا ہے اور وہ اس طرح پڑھا جاتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اور اس میں کمی بھی کی گئی ہے اور اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ حنبلی متوفی ۷۳۸ھ:

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنی معروف تصنیف ''الصارم المسلول'' میں ارقام فرماتے ہیں:

وقال القاضي ابويعلیٰ: الذي عليه الفقهاء في سب الصحابة ان كان مستحلاً لذالك كفر، وان لم يكن مستحلا فسق ولم يكفر سواء كفرهم اوطعن في دينهم مع اسلامهم.

اور قاضی ابویعلیٰ نے فرمایا کہ اس مسئلہ پر فقہا کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی بدبخت صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرے اس کو جائز سمجھ کر تو وہ کافر ہے اور اگر جائز نہیں سمجھتا گناہ ہی جانتا ہے (بس بدتمیزی سے بک دیا ہے) تو کافر نہیں ہوگا لیکن فاسق اور سخت گنہگار ہوگا خواہ یہ گستاخی یہ ہو کہ ان کو

---

[۱] عقیدہ رجعت کی تفصیل راقم سطور کی کتاب میں ص ۲۴۳ پر دیکھی جا سکتی ہے، بلکہ حضرات علمائے کرام کی خدمت میں راقم سطور کی گزارش ہے کہ اگر شیعوں کی کسی کتاب میں ان کے اس عقیدہ کی تفصیل نظر سے نہیں گزری ہے تو راقم سطور کی کتاب میں ملاحظہ فرمالیں۔ حضرات علمائے کرام کا اس سے واقف ہونا ضروری ہے۔

کافر کہے یا ان کو مسلمان مانتے ہوئے ان کی دینی حیثیت کو مجروح کرے اور ان کو بددین کہے۔
اسی سلسلۂ کلام میں آگے فرماتے ہیں:

وقطع طائفة من الفقهاء من اهل الكوفة وغيرهم بقتل من سبّ الصحابة وكفر الرافضه. قال محمد بن يوسف الفريابى: و سئل عمن شتم ابابكر؟ قال: كافر، قيل: فيصلىٰ عليه، قال: لا.

اور کوفہ کے فقہاء کے ایک طبقہ نے قطعیت کے ساتھ فتویٰ دیا[1] ہے کہ صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرنے والا (اگر اسلامی حکومت ہوتو) سزائے موت کا مستحق ہے نیز انہوں نے فتویٰ دیا ہے روافض کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا۔ اور محمد بن یوسف الفریابی سے دریافت کیا گیا ایسے آدمی کے بارے میں جو صدیق اکبرؓ کی شان میں گالی بکے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ کافر ہے۔ پوچھا گیا کہ ایسے آدمی کی نماز جنازہ پڑھی جائے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔
شیخ الاسلام اسی سلسلہ میں آگے فرماتے ہیں:

قال ابوبكر بن هانى: لاتوكل ذبيحة الرافضة والقدرية كما لا توكل ذبيحة المرتد مع انه توكل ذبيحة الكتابى؛ لان هؤ لاء يقومون مقام المرتد.
(الصارم المسلول ص ۵۷۵)

امام ابوبکر ابن ہانی نے فرمایا کہ روافض اور قدریہ کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں جیسے کہ مرتد کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں حالانکہ اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔ روافض اور قدریہ کا ذبیحہ کھانا اس لئے جائز نہیں کہ شرعی حکم کے لحاظ سے یہ مرتدین میں ہیں۔

علامہ علی قاریؒ متوفی ۱۰۱۴ھ:

علامہ علی قاری نے ''شرح فقہ اکبر'' میں ان عقائد اور ان فرقوں کا بیان کرتے ہوئے جن کی کفر پر ائمہ اور علماء کا اجماع ہے۔ تحریر فرمایا ہے:

من جحد القرآن اى كلّه او سورة منه او اٰية. (شرح فقه اكبر ملا على ص ۵۳۰)

اور جو شخص قرآن کا انکار کرے پورے قرآن کا یا اس کی کسی ایک سورت کا یا ایک ہی آیت کا (وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے)۔

---

[1] ملحوظ رہے کہ روافض کے بارے میں کوفہ کے علماء وفقہا کا فیصلہ وفتویٰ خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ کوفہ رفض اور تشیع کا مرکز رہا ہے، اس لئے وہاں کے علماء وفقہاء روافض کے عقائد واحوال سے زیادہ واقف رہے ہیں۔

اورانہی علامہ علی قاری کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کے حوالہ سے مظاہر حق کے تتمہ میں نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے زمانے کے روافض اور خوارج کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ:

انهم يعتقدون كفر اكثر اكابر الصحابة فضلاً عن سائر اهل السنة والجماعة فهم كفرة بالاجماع بلا نزاع. (مرقاۃ شرح مشکوۃ بحوالہ تتمہ مظاہر حق)

یہ لوگ اکثر صحابہ کے کافر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں چہ جائے کہ اہل سنت و جماعت پس ایسے لوگوں کے کفر پر سب کا اجماع ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

علامہ بحر العلوم لکھنویؒ:

علامہ ممدوح کی ''مسلم الثبوت'' کی شرح ''فواتح الرحموت'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو شیعوں کے عقیدہ تحریف قرآن کا علم نہیں تھا۔ شیعی عالم ابو علی طبرسی کی تفسیر جامع البیان کے مطالعہ سے ان کو معلوم ہوا کہ شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ موجودہ قرآن کامل مکمل نہیں ہے۔ اس کے جمع کرنے اور ترتیب دینے والے صحابہ کی تقصیر اور کوتاہی سے اس کے کچھ حصے غائب ہو گئے (اگرچہ خود اس مصنف کو اس عقیدہ سے اختلاف ہے) بہرحال ابو علی طبرسی کی اس کتاب کے مطالعہ سے جب علامہ بحر العلوم کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے تحریر فرمایا:

فمن قال بهذا القول فهو كافر انكاره الضروری فهم.

(فواتح الرحموت ص ۶۱۷ طبع نولکشور لکھنؤ)

جو اس کا قائل ہو اور جس کا یہ عقیدہ ہو وہ کافر ہے کیونکہ وہ ایک ایسی حقیقت کا منکر ہے جو ضروریات دین میں سے ہے اس کو سمجھ لینا چاہیئے۔

علامہ کمال الدین المعروف بابن الہمامؒ متوفی ۶۸۱ھ:

علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر شرح ہدایہ باب الامامۃ میں تحریر فرمایا ہے:

وفی الروافض ان من فضّل عليا على الثلاثة فمبتدع وان انكر خلافة الصديق اوعمر رضی الله عنهما فهو كافر. (فتح القدیر ص ۳۰۴، ج ۱ طبع بیروت)

اور روافض کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر وہ حضرت علی کو خلفائے ثلثہ سے صرف افضل مانتا ہے تو بدعتی ہے اور اگر صدیق اکبر یا عمر فاروق کی خلافت کا منکر ہے تو وہ کافر ہے۔

فتاویٰ عالمگیری:

فتاویٰ عالمگیری جو سلطان اورنگزیب عالمگیرؒ کے دور حکومت میں ان کے حکم سے علماء و اصحاب فتویٰ

کی ایک جماعت نے مرتب کیا اس میں ہے:

الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنهما العیاذ بالله فهو کافر وان کان یفضل علیا کرم الله وجهه علی ابی بکر رضی الله عنه لایکون کافرا الا انه مبتدع.

رافضی اگر شیخین (حضرت صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ) کی شان میں گستاخی کرے اور ان پر لعنت کرے (العیاذ باللہ) تو وہ کافر ہے اور اگر اس کا حال یہ ہو کہ وہ حضرت علی کو شیخین سے افضل مانتا ہو تو کافر نہیں ہے مبتدع یعنی بدعتی ہے۔

اسی سلسلہ کلام کے آخر میں فرمایا گیا ہے:

وهؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحکامهم احکام المرتدین.

(فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ ص ۲۶۸، ۲۶۹ طبع هند)

اور یہ لوگ یعنی روافض دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور ان کے احکام وہ ہیں جو شریعت میں مرتدین کے ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ:

ردالمحتار باب المرتد میں علامہ ابن عابدین کا رویّہ تکفیر کے بارے میں سخت احتیاط کا ہے جیسا کہ اس کے مطالعہ سے معلوم کیا جاسکتا ہے تاہم وہ فرماتے ہیں:

نعم لاشک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی الله عنها اوانکر صحبة الصدیق. (ردالمحتار جلد ۲ ص ۲۹۴)

ہاں جو بدبخت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگائے، یا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کرے تو اس کے کفر میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔

ایک اہم انتباہ:

شیعوں کی تکفیر کے مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فقہاء اور اہل فتویٰ کی عبارتوں میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر "قذف" (تہمت لگانے) کا جو ذکر آتا ہے (جو شامی کی مندرجہ بالا عبارت میں بھی ہے) اس سے مراد ایک سخت اور گندے گناہ کی تہمت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں (دراصل بعض خبیث النفس منافقین کی شرارت سے) حضرت صدیقہؓ پر لگائی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں حضرت صدیقہؓ کی برأت نازل فرما کر قیامت تک کے لئے ان کی پاکدامنی کی خداوندی

شہادت اسی طرح محفوظ فرمادی جس طرح حضرت مریم صدیقہ کی پاکدامنی کی شہادت محفوظ کردی گئی ہے، اس لئے ائمہ، فقہاء اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو بدبخت اس گناہ کی نسبت حضرت صدیقہؓ کی طرف کرے اس کے کفر وارتداد میں شک شبہ کی گنجائش نہیں، کیونکہ وہ قرآن کی تکذیب کرتا ہے۔

راقم سطور اس سلسلہ میں حضرات علمائے شریعت کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ حضرات فقہاء نے جس تہمت کا ''قذف'' کے لفظ سے ذکر کیا ہے وہ ایک گناہ کی تہمت تھی لیکن اثنا عشریہ کے علماء ومصنفین اس سے بھی شدید تر بلکہ خبیث ترین گناہ اور جرم کی تہمت حضرت صدیقہؓ پر لگاتے ہیں۔ شیعوں کے خاتم المحدثین اور شیعہ مذہب کے ترجمان اعظم علامہ باقر مجلسی نے اپنی کتابوں میں حضرت صدیقہؓ کو بار بار ''منافقہ'' اور ''کافرہ'' لکھا ہے، اور اس سے بھی آگے یہ کہ (معاذ اللہ) انہوں نے اور ان کے ساتھ دوسری ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے باہم سازش کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دے کر شہید کیا تھا (اس کی تفصیل راقم سطور کی کتاب ''ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت'' کے صفحہ ۲۲۱ و ۲۲۲ پر دیکھی جاسکتی ہے)۔

اس سلسلہ کی ایک مختصر سی روایت یہاں بھی ملاحظہ فرمالی جائے، مجلسی نے ''حیات القلوب'' میں لکھا ہے:

> وعیاشی بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ عائشہ وحفصہ آنحضرتؐ را بزہر شہید کردند۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۸۷۰)
>
> اور عیاشی نے معتبر سند سے امام جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ عائشہ وحفصہ نے آنحضرتؐ کو زہر دے کر شہید کیا تھا۔

ظاہر ہے کہ یہ تہمت ''قذف'' والی تہمت سے ہزار درجہ زیادہ شدید وخبیث ہے، حضرات علمائے کرام فرمائیں کیا ایسی بات کسی ایسے شخص کے قلم سے نکل سکتی ہے جس کے قلب میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو؟ واضح رہے کہ یہی وہ مجلسی ہیں جن کی کتابیں شیعوں میں سب سے زیادہ مقبول ہیں اور جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جاچکا ہے کہ جناب خمینی صاحب نے اپنی کتاب ''کشف الاسرار'' میں فرمایا ہے کہ دینی معلومات حاصل کرنے کے لئے ملا باقر مجلسی کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔

(کشف الاسرار ص ۱۲۱)

۱؎ حالانکہ قرآن مجید سورۂ نور میں انکی پاک دامنی کی شہادت کے ساتھ ان کے مومنہ ہونے کی شہادت بھی محفوظ کردی گئی ہے۔ لہٰذا ان کو منافقہ یا کافرہ کہنا یا لکھنا کتاب اللہ کی صریح تکذیب ہے۔

اور ہمارے ہی زمانہ کے ایک بلند پایہ شیعہ مجتہد علامہ محمد حسین نے جنہوں نے اثنا عشریہ کی حمایت اور اہلسنت کے رد میں متعدد کتابیں تصنیف فرمائی ہیں اور شیخ صدوق کے رسالہ ''العقائد'' کی اردو میں شرح بھی لکھی ہے، اس میں انہوں نے علامہ مجلسی کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''غواص بحار الاخبار، ناشر علوم ائمہ اطہار، سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ''

(احسن الفوائد فی شرح العقائد ص ۳۳۶)

آج کے شیعی دنیا کے امام خمینی اور پاکستان کے ان بلند پایہ مجتہد کے ان بیانات سے سمجھا جاسکتا ہے کہ شیعی دنیا میں علامہ مجلسی کا کیا مقام ہے۔ ہمارے زمانہ کے شیعہ بھی حضرت صدیقہ کے بارے میں اپنا یہی عقیدہ برملا ظاہر کرتے ہیں کہ وہ مومنہ نہیں منافقہ تھیں۔ ا۔

(العیاذ باللہ)

ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے متعلق یہ بات ضروری سمجھ کر جملہ معترضہ کے طور پر عرض کردی گئی، ورنہ شیعہ اثنا عشریہ سے متعلق متقدمین ومتاخرین علماء وفقہاء کے فتاویٰ پیش کئے جارہے تھے۔ اب یہ عاجز آخر میں حضرت شاہ ولی اللہؒ (متوفی ۱۱۷۶ھ) کی تصنیف موطأ امام مالک کی شرح ''مسویٰ'' سے اس مسئلہ سے متعلق ان کا محققانہ کلام اور اس کے بعد ماضی قریب چودھویں صدی ہجری کے برصغیر ہی کے چند اکابر علماء واصحاب فتویٰ کے فتووں کا اجمالی ذکر کر کے اس سلسلہ کو ختم کرتا ہے۔

شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ کا فیصلہ

شاہ صاحب نے پہلے بتلایا کہ کافر تین قسم کے ہیں، فرماتے ہیں:

ان المخالف للدين الحق ان لم يعترف به ولم يذعن له لاظاهرا ولاباطناً فهو كافر، وان اعترف بلسانه وقلبه على الكفر فهو المنافق، وان اعترف به ظاهرًا لكنه يفسر بعض ماثبت من الدين ضرورة بخلاف مافسرّه الصحابة والتابعون واجمعت عليه الامة فهو الزنديق.

دین حق اسلام کے مخالف ومنکر کا اگر حال یہ ہے کہ وہ ظاہر میں بھی اسلام کا منکر ہے اور باطن میں یعنی دل سے بھی منکر ہے تو اس کو کافر کہا جائے گا اور اگر اس کا حال یہ ہے کہ ظاہر میں اور زبان سے تو اسلام کا اقرار کرتا ہے لیکن دل سے منکر ہے تو اس کو منافق کہا جائے گا اور اگر ایسا ہے کہ بظاہر اسلام کو مانتا اور اپنے کو مسلمان کہتا ہے لیکن بعض ایسی دینی حقیقتوں کی جن کا ثبوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعی اور بدیہی ہے ایسی تشریح اور تاویل کرتا ہے جو صحابہ وتابعین اور اجماع امت کے خلاف ہے تو اس کو زندیق کہا جائے گا۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے زندقہ کی چند مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ اسی سلسلہ میں شیعوں کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں:

وکذٰلک من قال فی الشیخین ابی بکر و عمر مثلاً لیسا من اهل الجنة مع تواتر الحدیث فی بشارتهما اوقال ان النبی صلی الله علیه وسلم خاتم النبوة لکن معنی هٰذا الکلام انه لایجوز ان یسمّٰی بعده احدٌ بالنبی. واما معنی النبوة وهو کون الانسان مبعوثًا من اللّٰه تعالیٰ الی الخلق، مفترض الطاعة معصوما من الذنوب ومن البقاء علی الخطاء فیما یریٰ فهو موجودٌ فی الائمة بعده فذالک هوا لزندیق وقد اتفق جماهیر المتاخرین من الحنفیة والشافعیة علیٰ قتل من یجری ذلک المجریٰ.

(مسویٰ شرح موطا امام مالک ص ۱۱۰ جلد دوم طبع دهلی ۱۲۹۳ھج)

اور اسی طرح وہ لوگ بھی زندیق ہیں جو کہتے ہیں کہ شیخین حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ اہل جنت (یعنی مومنین صادقین) میں سے نہیں ہیں (بلکہ معاذ اللہ منافق اور جہنمی ہیں) جبکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں جن میں ان دونوں کے جنتی ہونے کی بشارت (اور مومن صادق ہونے کی شہادت) دی گئی ہے۔ یا جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبوۃ اور خاتم النبیین ہیں لیکن اس کا مطلب اور مقتضی بس یہ ہے کہ آپؐ کے بعد کسی کو نبی نہ کہا جائے گا لیکن نبوت کی جو حقیقت ہے یعنی کسی انسان کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی ہدایت کے لئے مبعوث اور نامزد ہونا اور گناہوں سے اور رائے میں غلطی اور اس پر قائم رہنے سے معصوم ومحفوظ اور اس کا مفترض الطاعت ہونا تو یہ سب ہمارے اماموں کو حاصل ہے تو ایسے عقائد اور خیالات رکھنے والے زندیق ہیں اور جمہور متاخرین حنفیہ وشافعیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ (اگر اسلامی حکومت ہو تو اسلامی قانون میں مرتدین کی طرح) یہ لوگ سزائے موت کے مستحق ہیں۔

ماضی قریب کے برصغیر ہی کے اکابر علماء کے فتویٰ

چودھویں صدی ہجری کے اکابر علمائے اہل سنت میں حضرت مولا محمد عبدالشکور صاحب فاروقی

لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کو اثنا عشری مذہب سے واقفیت کے بارے میں امتیاز اور تخصص کا مقام حاصل تھا، اس مذہب کے وسیع و عمیق مطالعہ کے بعد وہ یقین کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کے بعض عقائد اسلام کے بنیادی عقائد سے متصادم ہیں اس لئے اثنا عشری فرقہ حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ اور اہل حدیث کی طرح اسلامی فرقہ نہیں ہے بلکہ اپنے قطعی موجب کفر عقائد کی وجہ سے وہ قادیانیوں کی طرح دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ پھر انہوں نے اپنا دینی فریضہ سمجھا کہ امت کے عوام و خواص کو (جنہوں نے شیعہ مذہب کا مطالعہ نہیں کیا ہے) اس حقیقت سے واقف اور باخبر کرنے کی ممکن کوشش کی جائے توفیق الٰہی ان کی رفیق ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر ان سے وہ کام کرالیا جو انشاء اللہ ہمیشہ امت کی رہنمائی کرتا رہے گا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اب سے قریباً ساٹھ سال پہلے ایک فتویٰ بھی لکھا جو اس دور کے دیگر اکابر علماء و اصحاب فتویٰ کی تصدیقات کے ساتھ ''شیعہ اثنا عشریہ کے کفر وارتداد سے متعلق اکابر علماء کا متفقہ فتویٰ'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ اس فتویٰ پر دار العلوم دیوبند کے اس دور کے مفتی مولانا ریاض الدین صاحب اور صدر المدرسین و شیخ الحدیث حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی اور تمام ہی اساتذہ دار العلوم کی تصدیقات ہیں۔ ان کے علاوہ مدرسہ عالیہ اسلامیہ امروہہ کے صدر المدرسین حضرت مولانا حافظ عبد الرحمٰن صاحب امروہوی، اور امروہہ کے دیگر حضرات علماء کرام کی بھی تصدیقات ہیں، نیز حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی بھی تصدیق ہے۔ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

اس فتویٰ کے بارے میں یہ بات بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ یہ فتویٰ جب طبع ہو کر شائع ہوا تو مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی علیہ الرحمہ نے اس فتویٰ کے بارے میں اپنے کچھ اشکالات لکھ کر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجے، حضرت نے پوری تفصیل سے تمام اشکالات کا جواب تحریر فرمایا اور فتویٰ کے ہر جزو کی تصدیق فرمائی۔ یہ سوال و جواب ایک مختصر رسالہ ہو گیا تھا۔ پہلے یہ اسی زمانہ میں خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''النور'' میں شائع ہوا تھا اس کے بعد ''امداد الفتاویٰ'' میں بھی محفوظ ہو گیا ہے۔

(ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ جلد چہارم ص ۵۸۴ تا ۵۸۷ طبع دیوبند)

(انشاء اللہ حضرت مولانا لکھنویؒ کا وہ اصل فتویٰ اور اس سے متعلق مولانا دریابادیؒ کے اشکالات اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے جوابات اس مجموعہ فتاویٰ کے آخر میں بطور ضمیمہ شامل کر دیئے جائیں گے)

دور حاضر کے حضرات علمائے شریعت واصحاب فتویٰ کی خدمت میں گزارش

آپ حضرات نے شیعہ اثنا عشریہ کے ''آئمہ معصومین'' کی وہ روایات ان کی بنیادی اور مسلّمہ کتابوں کی وہ عبارات اوران کے ان اکابر واعاظم متقدمین ومتاخرین علماء ومجتہدین کے جو شیعہ مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں وہ بیانات ملاحظہ فرمائے جن کے مطالعہ کے بعد اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ:

۱: حضرات شیخین صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ (معاذ اللہ) اگلی امتوں کے اوراس امت کے خبیث ترین کافروں (فرعون ونمرود اور ابوجہل اور ابولہب) سے حتیٰ کہ شیطان ملعون ومردود سے بھی بدتر درجہ کے کافر تھے۔

۲: اور یہ کہ موجودہ قرآن ان کے نزدیک محرّف ہے اس میں ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے وہ بعینہٖ وہ کتاب اللہ نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی گئی تھی۔

۳: اور یہ کہ منصب امامت، نبوت سے بالاتر منصب ہے اوراسی وجہ سے منصب امامت کے حامل آئمہ کا وہ مقام ہے جس تک کسی نبی یا رسول کی بھی رسائی نہیں۔ نیز یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کی حقیقت ختم نہیں ہوئی بلکہ وہ ترقی کے ساتھ امامت کے عنوان سے جاری ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کا مطلب اور حاصل صرف یہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کے احترام وتعظیم کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی اور کے لئے نبی و سول کا لفظ استعمال نہیں کیا جائے گا۔

پھر آپ نے شیعہ اثنا عشریہ کے ان عقائد کی بنا پر امت کے متقدمین ومتاخرین حضرات علماء وفقہاء کے فیصلے اور فتوے بھی ملاحظہ فرمائے۔

اب آپ حضرات سے درخواست ہے کہ ان سب چیزوں کے سامنے آجانے کے بعد آپ کے نزدیک شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں جو شرعی حکم ہو عام امت مسلمہ کی واقفیت اور رہنمائی کے لئے وہ تحریر فرمایا جائے۔ واجرکم علی اللہ۔

بلاشبہ اپنے کو مسلمان کہنے والے کسی کلمہ گو شخص یا فرقہ کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کا فیصلہ بڑا سنگین اور خطرناک کام ہے اوراس بارے میں آخری حد تک احتیاط کرنا علماء کرام کا فرض ہے لیکن اسی

طرح جس شخص یا فرقہ کے ایسے عقائد یقین کے ساتھ سامنے آجائیں جو مُوجب کفر ہوں تو عام مسلمانوں کے دین کی حفاظت کے لئے اس کے بارے میں کفر وارتداد کا فیصلہ اور اعلان کرنا بھی علمائے دین کا فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نازک ترین وقت میں منکرین زکوٰۃ اور مسیلمہ وغیرہ مدعیان نبوت اور ان کے متبعین کے بارے میں صدیق اکبرؓ نے جو فیصلہ فرمایا اور جو طرز عمل اختیار کیا وہ آپ کے لئے تا قیامت رہنما ہے۔

قادیانی: نہ صرف یہ کہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور کلمہ گو ہیں بلکہ انہوں نے اپنے خاص مقصد کے لئے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق ایک صدی سے بھی زیادہ مدت سے اپنے طریقہ پر اسلام کی تبلیغ واشاعت کا جو کام خاص کر یورپ اور افریقی ممالک میں کیا اس سے باخبر حضرات واقف ہیں، اور خود ہندوستان میں تقریباً نصف صدی تک اپنے کو مسلمان اور اسلام کا وکیل ثابت کرنے کے لئے عیسائیوں اور آریہ سماجیوں کا انہوں نے جس طرح مقابلہ کیا، تحریری اور تقریری مناظرے ومباحثے کئے وہ بہت پرانی بات نہیں ہے، پھر ان کا کلمہ، ان کی اذان اور نماز وہی ہے جو عام امت مسلمہ کی ہے۔ زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں ان کے فقہی مسائل قریب قریب وہی ہیں جو عام مسلمانوں کے ہیں، لیکن جب یہ بات یقین کے ساتھ سامنے آگئی کہ وہ فی الحقیقت عقیدہ ختم نبوت کے منکر ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں اگرچہ زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہتے ہیں اور اسی طرح کے ان کے دوسرے مُوجب کفر عقیدے غیر مشکوک طور پر سامنے آئے تو علماء کرام نے ان کے بارہ میں کفر وارتداد کا فیصلہ اور اس کا اعلان کرنا اپنا فرض سمجھا اور اگر وہ یہ فرض ادا نہ کرتے تو خدا کے مجرم ہوتے۔

لیکن اثنا عشریہ کا حال یہ ہے کہ مذکورہ بالا مُوجب کفر عقائد کے علاوہ ان کا کلمہ الگ ہے، ان کا وضو الگ ہے، ان کی اذان اور نماز الگ ہے، زکوٰۃ کے مسائل بھی الگ ہیں، نکاح وطلاق وغیرہ کے مسائل بھی الگ ہیں حتیٰ کہ موت کے بعد کفن ودفن اور وراثت کے مسائل بھی الگ ہیں۔ اگر اس کو تفصیل سے لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔

بہرحال اپنے اس دور کے حضرات علمائے کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ اپنی علمی ودینی ذمہ داری اور عنداللہ مسؤلیت کو پیش نظر رکھ کر اثنا عشریہ کے کفر واسلام کے بارے میں فیصلہ فرمائیں۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

جواب از محدث جلیل علامۃ العصر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اثناعشری شیعہ بلاشک وشبہ کافر مرتد ہیں کیونکہ وہ تحریف قرآن کے برملا قائل اور معتقد ہیں اور اس کا خود شیعوں کو اعتراف ہے، ان دونوں باتوں کا ناقابل تردید ثبوت خود مستفتی نے پیش کردیا ہے مستفتی کے بیان کی تصدیق اور ان کے کلام کی تصویب اور مزید تقویت وتائید کے لئے شیعوں کی اصح الکتب ''الجامع الکافی'' سے میں بھی چند روایتیں پیش کرتا ہوں۔

۱: **عن ابی جعفر علیہ السلام قال نزل جبرائیل علیہ السلام بھذہ الآیۃ علی محمد (ص) بئسما اشتروا بہ انفسھم ان یکفروا بما انزل اللّٰہ فی علی بغیاً.**

امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جبرئیلؑ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے ''بئسما اشتروا فی علیّ بغیاً.''

۲: **عن ابی عبداللّٰہ علیہ السلام قال نزل جبرئیل علیہ السلام علی محمد صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم بھذہ الآیۃ ھکذا: یا ایھا الذین اوتوا الکتب اٰمنوا بما نزلنا فی علیّ نورا مبینا.** (اصول کافی ص ۲۶۴)

امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ جبرئیلؑ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے۔

یا ایھا الذین او توا الکتاب اٰمنوا بما نزلنا فی علیّ نوراً مبیناً

امام باقر اور امام جعفر صادق کی ان دونوں روایتوں کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کو مرتب اور شائع کرنے والے خلفائے ثلاثہ نے ان دونوں آیتوں میں سے فی علیّ نکال دیا اور یہ تحریف کردی۔

۳: باقر مجلسی ''حیات القلوب'' میں لکھتا ہے کہ جعفر صادق علیہ السلام اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے۔

ان اللّٰہ اصطفیٰ آدم ونوحا وآل ابراھیم وآل عمران وآل محمد علی العالمین اور کہتے تھے کہ:
پس آل محمد را از قرآن انداختنہ وگفت چنیں نازل شدہ است۔
(یعنی) ابوبکر وعمر اوران کے ہمنواؤں نے قرآن سے لفظ آل محمد نکال ڈالا حالانکہ وہ آیت لفظ آل محمد کے ساتھ نازل ہوئی تھی۔
اورامام موسیٰ کاظم سے بھی نقل کرتا ہے کہ انہوں نے فرمایا یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھے: وآل ابراھیم وآل عمران وآل محمد علی العٰلمین. (حیات القلوب ص ٦٣)

۴: قرأ رجل عند ابی عبداللّٰہ علیہ السلام قل اعملوا فسیری اللّٰہ عملکم ورسولہ والمؤمنون. فقال: لیس ھکذا ھی، انما ھی والمامونون، فنحن المامونون.
ایک شخص نے امام جعفر صادق کے سامنے یہ آیت پڑھی ''قل اعملوا فسیر یاللّٰہ عملکم و رسولہ والمؤمنون '' (موجودہ قرآن میں یہ آیت اسی طرح ہے) توامام جعفر صادق نے فرمایا کہ یہ آیت اس طرح نہیں ہے صحیح اس طرح ہے ''فسیری اللّٰہ عملکم ورسولہ والما مونون '' اور مامونون سے مراد ہم آئمہ ہیں۔

۵: عن ابی جعفر علیہ السلام قال: نزل جبریل علیہ السلام بھذہ الآیۃ ھکذا، فابی اکثر الناس بولایۃ علی علیہ السلام الا کفوراً.
امام باقر سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جبرئیل یہ آیت اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے فابی اکثر الناس بولایۃ علی علیہ السلام الا کفوراً.
(مطلب یہ ہے کہ خلفائے ثلاثہ اوران کے ساتھیوں نے اس آیت میں سے ''بولایۃ علی علیہ السلام'' کے الفاظ نکال دیئے اور قرآن میں تحریف کردی)۔

٦: قال: ونزل جبرئیل علیہ السلام بھذہ الأیۃ ھکذا: وقل الحق من ربکم فی ولایۃ علی علیہ السلام فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر انا اعتدنا للظالمین بآل محمد ناراً. (ص ١٠٨)
اور یہ بھی فرمایا کہ جبرئیل یہ آیت اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے ''قل الحق من ربکم فی ولایۃ علی علیہ السلام .... انا اعتدنا للظالمین بآل محمد نارا. ''

(مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں سے فی ولایة علی علیه السلام اور آخر سے بآل محمد کے الفاظ نکال دیئے اور اس آیت میں دو تحریفیں کی گئیں۔

۷: عن ابی عبداللّٰہ فی قوله تعالیٰ: سال سائل بعذاب واقع للکافرین بولایة علی لیس له دافع، ثم قال: هکذا واللّٰہ نزل بها جبرئیل علیه السلام علی محمد صلی اللّٰہ علیه وآلہٖ وسلم.

(صافی کتاب الحجه، جز سوم حصه ۲ ص ۱۰۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد سال سائل بعذاب واقع للکافرین لیس له دافع" کے بارے میں امام جعفر صادق نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم جبرئیل یہ آیت اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے کہ "للکافرین" کے آگے بولایة علی کے الفاظ تھے (مطابق یہ ہونکہ ظالموں نے یہ الفاظ قرآن میں سے نکال دیئے اور تحریف کردی)۔

۸: عن ابی جعفر علیه السلام قال: نزل جبرئیل علیه السلام بهذه الآیة علیٰ محمد صلی اللّٰہ علیه وآلہٖ وسلم هکذا بدّل الذین ظلموا آل محمد حقهم قولاً غیر الذی قیل لهم فانزلنا علی الذین ظلموا آل محمد حقهم رجزاً من السماء بما کانو ایفسقون. (صافی کتاب الحجه جزء سوم حصه ۲ ص ۱۰۶)

امام باقر سے روایت ہے کہ جبرئیل محمدؐ پر یہ آیت اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے کہ "بدل الذین ظلموا اٰل محمد حقهم قولاً غیر الذی قیل لهم فانزلنا علی الذین ظلموا آل محمد حقهم رجزاً من السمآءِ بما کانوا یفسقون." (مطلب یہ کہ اس آیت میں دو جگہ "آل محمد حقهم" کے الفاظ تھے، وہ دونوں جگہ سے نکال دیئے گئے)

۹: عن ابی جعفر قال: نزل جبرئیل بهذه الآیة هکذا: ان الذین ظلموا اٰل محمد حقهم لم یکن اللّٰہ لیغفر لهم الایة." (ص ۱۰۷)

امام باقر سے روایت ہے کہ جبرئیل یہ آیت اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے "انّ الذین ظلموا آل محمد حقهم لم یکن اللّٰہ یغفر لهم الآیة" (مطلب یہ کہ اس آیت میں سے بھی ال محمد حقهم کے الفاظ آل محمد کے دشمن ظالموں نے نکال دیئے)

۱۰: عن ابی جعفر علیه السلام قال: هکذا نزلت هذه الایة "ولو انهم فعلوا مایوعظون به فی علی لکان خیراً لهم." (ص ۱۰۷)

امام باقر ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی: "ولو انهم فعلوا مايوعظون به فى على لكان خيراً لهم" (مطلب یہ کہ اس آیت میں سے بھی فی علی نکال دیا گیا اور تحریف کردی گئی۔

کافی میں ایک باب کا عنوان ہے "باب انه لم يجمع القرآن كله الا الائمة" اس کی پہلی حدیث یہ ہے، راوی کہتا ہے:

سمعت ابا جعفر عليه السلام يقول: ما ادعى احد من الناس انه جمع القرآن كله كما انزل الاكذب، وما جمعه وحفظهٔ الا على بن ابى طالب والا ئمة من بعده عليهم السلام. (صافی کتاب الحجه ص ۱۵۸)

میں نے امام باقر سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جو دعویٰ کرے کہ اس نے پورا قرآن جس طرح کہ وہ نازل ہوا ہے جمع کرلیا ہے (یعنی وہ اس کے پاس ہے) وہ اعلیٰ درجہ کا جھوٹا ہے، پورا قرآن تو صرف حضرت علی اور ان کے بعد کے اماموں نے جمع کیا ہے۔

(یعنی پورا قرآن ان ہی کے پاس رہا ہے اور اب آخری امام امام غائب کے پاس ہے)

ملا خلیل قزوینی اس کی شرح میں لکھتا ہے:

روایات خاصہ وعامہ دراسقاط بعض قرآن بسیار است

قرآن کے بعض حصوں کو حذف کردینے کی روایتیں خاص شیعوں کے ہاں اور دیگر عوام کے ہاں بھی بہت بڑی تعداد میں ہیں۔

شیعوں کے قائل تحریف ہونے کی یہ شہادتیں مشتے نمونہ ازخروارے ہیں اور تحریف قرآن کا عقیدہ رکھنے کے بعد کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا، وہ بلاشبہ کافر ومرتد ہے، اس لئے کہ یہ ارشاد خداوندی: (انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون) کی تکذیب ہے۔

نیز قرآن کو محرّف ماننے کے علاوہ اس کو نا قابل استناد واحتجاج قرار دینا شیعہ اثنا عشریہ کے نزدیک ان کے آئمہ کی تعلیم ہے۔ شیعوں کی مشہور کتاب "رجال کشی" میں امام جعفر صادق کی یہ حدیث مذکور ہے:

فنظرت فى القرأن فاذا هو يخاصم به المرجئ والقدرى والزنديق الذى لايؤمن به حتىٰ يغلب الرجال بخصومته فعرفت ان القرأن لا يكون حجة الابقيم.

(ص ۲۶۴)

اس قرآن سے تو مرجی اور قدری اور زندیق جو اس پر ایمان نہیں رکھتا وہ بھی اس سے دلیل پکڑتا

ہے اور مناظرہ میں لوگوں پر غلبہ حاصل کرتا ہے اس لیے میں نے جان لیا کہ یہ قرآن بغیر کسی قیم (یعنی امام معصوم) قابل استناد واحتجاج نہیں ہے۔

اس کا حاصل یہ ہوا کہ اللہ کی نازل فرمائی ہوئی کتاب پاک قرآن حکیم جس کو اللہ تعالیٰ نے جا بجا مبین فرمایا ہے (یعنی صاف صاف بیان فرمانے والی) اور فرمایا انّہٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ (یعنی یہ قرآن قول فیصل ہے) نیز اس کی شان میں فرمایا **لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید** (یعنی یہ قرآن اللہ حکیم وحمید کا نازل فرمایا ہوا ہے سراسر حق ہے، اس میں باطل کسی طرف سے بھی داخل نہیں ہوسکتا) اس کے بارے میں علاوہ تحریف کے اثناعشریہ کا یہ بھی عقید ہے کہ وہ (معاذ اللہ) ایسی مہمل کتاب ہے کہ اس سے حق وباطل کا کوئی فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ جناب امام کی تشریح وتفسیر کی بنیاد پر ہی فیصلہ ہوسکے گا۔

قرآن کی اس سے بڑی اہانت اور کیا ہوسکتی ہے۔

ہم یہاں یہ وضاحت بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید کی تحریف وغیرہ سے متعلق جو روایتیں یہاں نقل کی گئی ہیں ہمارے نزدیک وہ جناب امام باقر اور جعفر صادق وغیرہ بزرگوں پر شیعہ مذہب گڑھنے والوں اور ان کے مصنفین کا افتراء ہے۔ ان بزرگوں کا دامن اس طرح کی مُوجبِ کفر باتوں سے بالکل پاک ہے۔ **وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون.**

(۲) اثناعشری شیعوں کے خبیث اور کفریہ عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چار شخصوں کے سوا سارے صحابہ، تمام مہاجرین وانصار مرتد ہوگئے تھے، یعنی کفر کی طرف پلٹ گئے تھے، اور کفار کی بدترین قسم میں شامل ہوگئے تھے اور اس ارتداد میں سب سے زیادہ اور بھرپور حصہ حضرت ابوبکر وعمرؓ نے لیا تھا اور اسی کفر وارتداد کی حالت میں ان کی وفات ہوئی، توبہ کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔

شیعوں کی مستند کتاب ''رجال کشی'' کے صفحہ۴ پر ہے:

عن ابی جعفر علیه السلام قال: کان الناس اهل الردة بعد النبی صلی الله علیه وسلم الا ثلاثه، فقلت: ومن الثلاثة؟ فقال: المقداد بن الاسود، وابوذر الغفاری و سلمان الفارسی.

امام باقر سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب لوگ مرتد ہوگئے سوائے تین کے (راوی کہتا ہے) میں نے پوچھا کہ وہ تین کون تھے؟ تو جناب

امام نے فرمایا کہ مقداد بن الاسود اور ابوذر غفاری و سلمان فارسی۔

نیز اسی کے صفحہ ۵ پر ہے کہ حمران نے ابوجعفر علیہ السلام سے کہا، اف! ہماری تعداد کتنی کم ہے! ابوجعفر نے فرمایا کہ میں تم کو اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات بتاؤں؟ حمران نے کہا ضرور بتایئے، آپ نے فرمایا:

المهاجرون والانصار ذهبوا الا......واشار بيده ثلاثة. (ص ۵)

یعنی مہاجرین وانصار سب چلے گئے (یعنی مرتد ہو گئے) صرف تین بچے۔

اور صفحہ ۶ پر ایک روایت ہے جس کا آخری حصہ یہ ہے:

وما حلق الا هؤلاء الثلاثة، قلت: فما كان فيه عمار؟ فقال: لا، قلت: فعمار من اهل الردة؟ فقال: ان عماراً قد قاتل مع علي عليه السلام بعده.

پوری روایت کا مطلب یہ ہے کہ ابوجعفر (یعنی امام باقر) علیہ السلام نے فرمایا کہ مہاجرین وانصار سب نے حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ ہی امیر المومنین ہیں اور بخدا آپ ہی سب سے زیادہ حقدار ہیں اور آپ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کے سزاوار ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو کل صبح سر منڈا کر آؤ پس صرف سلمان اور مقداد اور ابوذر نے سر منڈایا دوسرے کسی نے بھی نہیں منڈایا اور چلے گئے۔ دوسرے دن آ کر انہوں نے پھر یہی بات کہی اور حضرت علیؓ نے اپنا وہی جواب دہرایا پس اس دن بھی ان تین کے سوا اور کسی نے سر نہیں منڈایا۔

راوی کہتا ہے میں نے پوچھا کہ کیا ان میں عمار نہیں تھے؟ کہا نہیں، میں نے کہا تو کیا عمار بھی مرتدین میں تھے؟ تو ابوجعفر نے کہا کہ عمار نے بعد میں حضرت علی علیہ السلام کی معیت میں جہاد کیا تھا۔

اور صفحہ ۸ میں انہیں ابوجعفر علیہ السلام کے یہ الفاظ مذکور ہیں:

ارتد الناس الا ثلاثة نفر: سلمان و ابوذر و المقداد.

یعنی سارے لوگ تین کو چھوڑ کر مرتد ہو گئے ایک سلمان، دوسرے ابوذر، تیسرے مقداد۔

ملا مجلسی ''کشی'' کے حوالہ سے لکھتا ہے:

والیضا بسند حسن از حضرت امام محمد باقر علیہ السلام روایت کردہ است کہ صحابہ بعد از حضرت رسول مرتد شدند، مگر سہ نفر سلمان و ابوذر و مقداد، راوی گفت کہ عمار چہ شد۔ حضرت فرمود کہ اندک میلے کرد و بزودی برگشت۔ (حیات القلوب ص ۸۳۷ ج ۲)

نیز مجلسی ''حیات القوب'' ہی میں لکھتا ہے:

وابن ادریس بسند معتبر از مفضل روایت کردہ ست کہ گفت عرض کردم بر حضرت صادق جماعتے را کہ بعد از رسول مرتد شدند پس ہر کہ رام می بردم می فرمود کہ دور شو از من تا آنکہ حذیفہ وابن مسعود را گفتم وہر یک را چنیں گفت پس فرمود کہ اگر آنہارا می خواہی کہ ہیچ شکے در ایشاں داخل نشدہ است پس برتو باد بابو ذر وسلمان ومقداد۔

عیاشی بسند معتبر از حضرت امام محمد باقر علیہ السلام روایت کردہ است کہ چوں حضرت رسول از دنیا رحلت نمود مردم ہمہ مرتد شدند بغیر چہار نفر علی بن ابی طالب، ومقداد، وسلمان، وابوذر راوی پرسید کہ عمار چہ شد، حضرت فرمود کہ اگر کسے رامی خواہی کہ ہیچ شک در او داخل نشدہ باشد ایں سہ نفر اند ص ۲۶۷ (مجلسی کی نقل کردہ ان روایات کا مطلب یہی ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد تمام صحابہ مرتد ہو گئے سوائے چار کے) اصول کافی میں امام جعفر کا ارشاد:

کرۃ الیکم الکفر والفسوق والعصیان الاول والثانی والثالث

یعنی اس آیت میں کفر، فسوق اور عصیان سے مراد اول، ثانی اور ثالث ہیں۔

(صافی شرح اصول کافی (کتاب الحجہ جز ۳ حصہ ۲ ص ۱۱۰)

ملا خلیل قزوینی لکھتا ہے:

مراد ابوبکر وعمر وعثمان است۔

یعنی کفر سے مراد ابوبکر، فسوق سے مراد عمر اور عصیان سے مراد عثمان ہیں۔

مجلسی، کلینی اور عیاشی سے نقل کرتا ہے کہ امام محمد باقر سے ''اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم'' کی تفسیر پوچھی گئی تو انہوں نے اور پہلے سے یوں تفسیر بیان کرنا شروع کی کہ ''الم ترالی الذین اوتوا نصیباً من الکتاب یؤمنون بالجبت والطاغوت'' میں جبت اور طاغوت سے ابوبکر وعمر مراد ہیں، مجلسی کے الفاظ یہ ہیں:

حضرت فرمود کہ مراد بہ جبت وطاغوت دو بت منافقانند ابوبکر وعمر ویقولون للذین کفروا ھؤلاء اھدیٰ من الذین اٰمنوا سبیلا، حضرت فرمود کہ مراد خلفاء جور وامامان گمراہ کہ مردم را بسوئے آتش جہنم می خوانند، ایشاں می گفتند کہ اینہا ہدایت یافتہ تر اند از آل محمد، الخ (ص ۸۵ ج ۱۰)

ان سب عبارتوں اور روایتوں کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ شیعوں کے عقیدہ میں (چار پانچ کے سوا) تمام صحابہ، سارے مہاجرین وانصار مرتد وکافر ہو گئے تھے۔ خاص کر ابوبکر وعمر وعثمان کفر، فسوق، عصیان کے مصداق تھے، اور نیز ابوبکر وعمر جبت وطاغوت تھے۔ استغفر اللّٰہ ثم استغفر اللّٰہ!

شیعوں نے اپنا یہ عقیدہ ظاہر کر کے قرآن کریم کی بکثرت آیات کو جھٹلایا ہے۔ مثلاً محمد رسول اللّٰہ والذین معہٗ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدًا یبتغون فضلاً من اللّٰہ ورضوانا (آخر سورہ تک) یہ عقیدہ اس آیت کے ایک ایک لفظ کی تکذیب کرتا ہے۔

اور مثلاً آیت ورأیت الناس یدخلون فی دین اللّٰہ افواجًا، کہ اس کی بھی تکذیب اس سے ہوتی ہے اور مثلاً اذ یقول لصاحبہ لاتحزن ان اللّٰہ معنا کی تکذیب بھی ہوتی ہے۔

نیز اس عقیدہ سے اسلام کی تاریخ مسخ ہوتی ہے، اس کی رو سے اسلام کے ہیرو چند کافر و مرتد، باطل پرست، غاصب حقوق، ظالم اور ظالم بھی اہل بیت رسالت کے حق میں قرار پاتے ہیں جو اسلام کی سخت ترین توہین اور بدترین درجہ کی اسلام دشمنی ہے۔

اس عقیدہ کی رو سے یہ بھی واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ناکام رہی۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی درجہ کی اہانت ہے۔

نیز اس عقیدہ کی رو سے باور کرایا جاتا ہے کہ قرآن پاک اور احادیث نبویہ اور ساری شریعت کافر و مرتد، باطل پرست اور منافقوں کے ہاتھوں سے ملی جو کفر وفسوق وعصیان کے مصداق تھے، پھر ایسے قرآن ایسی شریعت پر اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے؟

ان وجوہ اور ان کے علاوہ اور وجوہ سے آئمہ اسلام مثلاً قاضی عیاض اور ملا علی قاری نے واضح طور پر یہ فتویٰ صادر فرمایا:

نقطع بتکفیر کل قائل قال قولاً یتوصل بہ الی تضلیل الامۃ وتکفیر جمیع الصحابۃ. (کتاب الشفاء)

انھم یعتقدون کفر اکثر الصحابۃ فضلا عن سائر اھل السنۃ والجماعۃ فھم کفرۃ بالاجماع بلا نزاع. (مرقاۃ شرح مشکوۃ)

ہم قطعی طور پر ایسے شخص کی تکفیر کرتے اور اس کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں جو ایسی بات کہے جن کے نتیجہ میں ساری امت گمراہ قرار پاتی ہو اور تمام صحابہ کی تکفیر ہوتی ہو۔ یہ شیعہ روافض اکثر صحابہ کے کافر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں چہ جائیکہ اہل السنۃ والجماعۃ پس یہ لوگ بالاجماع کافر ہیں، ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۳) اثنا عشری شیعوں کے وجوہ کفر میں سے ایک وجہ انکار ختم نبوت بھی ہے۔ اہل اسلام کے نزدیک انبیاء

علیہم السلام کے سوا نبیوں رسولوں کی طرح کوئی معصوم اور مفترض الطاعۃ (جس کی اطاعت فرض ہو) نہیں ہے، لیکن شیعوں کے عقیدہ میں امام بھی معصوم اور مفترض الطاعۃ ہوتا ہے، اس پر وحی باطنی آتی ہے، اس کو حلال و حرام کرنے کا اختیار ہوتا ہے، وہ تمام کمالات و شرائط اور صفات میں انبیاء کا ہم پلہ ہوتا ہے، اس میں اور پیغمبر میں کوئی فرق نہیں ہوتا، بلکہ امامت کا مرتبہ پیغمبری سے بھی بالاتر ہے۔

مجلسی ''حیات القلوب'' میں رقم پرداز ہے:

حضرت صادق علیہ السلام فرمود کہ گواہی می دہم کہ علی علیہ السلام امامے بود کہ خدا اطاعتش واجب گردانیدہ و حسن ابن علی امامے بود کہ خدا اطاعتش را واجب کردہ الخ۔

حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ علی علیہ السلام امام تھے کہ خدا نے ان کی اطاعت واجب کی تھی اور حسن بن علی امام تھے کہ خدا نے ان کی اطاعت واجب کی تھی۔ الخ

(ص ۳۶. ۳ اور کافی مع شرح صافی کتاب الحجۃ جزء سوم ص ۵۷)

اس کے علاوہ سیکڑوں سے زیادہ تصریحاتِ آئمہ اس بارے میں موجود ہیں، از انجملہ ''رجال کشی'' میں ہے کہ منصور ابن حازم نے امام جعفر سے کہا:

اشهد ان عليا كان قيم القرآن، وكانت طاعته مفترضة، وكان حجة على الناس بعد رسول الله. (ص ۲۶۴)

میں شہادت ہوں کہ علی قرآن کے قیّم تھے اور ان کی اطاعت فرض کی گئی تھی اور وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں پر اللہ کی حجت تھے۔

اور صفحہ (۲۶۵) میں ہے کہ خالد بحلی نے امام جعفر سے اپنا دین و مذہب بیان کرنے کے سلسلہ میں کہا:

واشهد ان عليا كان له من الطاعة المفروضة على العباد مثل ماكان لمحمد (صلى الله عليه واله) على الناس، فقال: كذلك كان علي.

اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ نے بندوں پر علی کی اطاعت اسی طرح فرض کی تھی جس طرح محمدؐ کی اطاعت لوگوں پر فرض تھی (تو امام جعفر نے) فرمایا کہ ہاں علی ایسے ہی تھے۔

اور صفحہ (۲۶۶) میں ہے کہ حسن بن علی عطار نے امام جعفر کے سامنے اپنا دین یہ بیان کیا کہ:

وان عليا امامي فرض الله طاعتهٔ من عرفه كان مؤمنا، ومن جهله كان ضالا ومن رد عليه كان كافراً.

علی میرے امام ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت فرض کی ہے، جس نے ان کو اور ان کے اس مرتبہ کو پہچانا وہ مومن ہے اور جس نے نہیں پہچانا وہ گمراہ ہے اور جس نے ان کی امامت کو نہ مانا اور رد وانکار کیا وہ کافر ہے۔

اور کافی میں ہے:

عن ابی عبداللہ علیه السلام قال: ماجاء به علی علیه السلام اٰخذ به، ومانهی منه أنتهی عنه، جری له من الفضل مثل ماجری لمحمد صلی اللّٰه علیه واٰله.

امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا علیؑ جو حکم لائے میں اس پر عمل کرتا ہوں اور جس چیز یا جس کام سے انہوں نے منع فرمایا اس سے باز رہتا ہوں، ان کو فضیلت کا وہی درجہ اور مقام حاصل ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو حاصل تھا۔

علامہ مجلسی حیات القلوب میں لکھتا ہے:

وحق این است کہ در کمالات وشرائط وصفات فرقے میان پیغمبر وامام نیست۔

(ص ۳ ج ۳ طبع لکھنؤ)

اور حق یہ ہے کہ کمالات اور شرائط اور صفات میں پیغمبر اور امام کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا۔

اور اسی صفحہ پر لکھتا ہے:

از بعضے اخبار معتبرہ کہ انشاء اللہ بعد ازیں مذکور خواہد شد معلوم می شود کہ مرتبۂ امامت بالاتر از مرتبۂ پیغمبری است، چنانچہ حق تعالیٰ بعد از نبوت بحضرت ابراہیم خطاب فرمود کہ **انی جاعلک للناس اماما.** (ص ۳ ج ۳)

اور بعض معتبر حدیثوں سے جو انشاء اللہ بعد میں ذکر کی جائیں گی معلوم ہوتا ہے کہ امام کا درجہ پیغمبری (نبوت ورسالت) کے درجہ سے بالاتر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو نبوت عطا فرمانے کے بعد فرمایا تھا کہ میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔

اور آخر میں صاف صاف لکھتا ہے کہ:

واز برائے تعظیم حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وآنکہ آنجناب خاتم انبیاء صلی علیہ وآلہ باشد منع اطلاق اسم نبی وآنچہ مرادف این است درآں آنحضرت کردہ اند ص ۲ ج ۳۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی تعظیم کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ آپ ؐ کو خاتم انبیاء قرار دیا گیا ہے جناب امام پر نبی اور اس کے ہم معنی کسی لفظ کے اطلاق کو منع کیا گیا ہے۔

ان عبارتوں کے مطالعہ کے بعد ان میں شک شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ اثنا عشری شیعہ "ختم نبوت" اور "خاتم النبیین" کے الفاظ کے تو قائل ہیں لیکن اس کی حقیقت کے قطعی منکر ہیں۔ اسی بنا پر حضرت شاہ ولی اللہ "موطأ امام مالک کی عربی شرح مسوّیٰ میں ان کو دائرہ اسلام سے خارج اور زندیق قرار دیا ہے۔ مسوّیٰ کی عبارت استفتا میں نقل کی جا چکی ہے۔

اب میں چاہتا ہوں کہ میں نے شیعوں کے کفر وارتداد کی جو وجہیں شمار کرائی ہیں، ان سے متعلق علماء اسلام کی چند تصریحات اور ان کی بنا پر روافض کے حق میں ان کے فتاویٰ تکفیر بھی نقل کر دوں۔

شرح شفا ملا علی قاری میں ہے:

وکذلک نقطع بتکفیر غلاۃ الرافضۃ فی قولھم: ان الائمۃ المعصومین افضل من الانبیاء والمرسلین، وھذا کفر صریح (شرح شفا ص ۵۲۶ ج ۲)

وکذلک من انکر القرآن اوحرفا منہ اوغیر شیئًہ منہ اوزاد فیہ.

(شرح شفاص ۵۲۵. ج ۲)

اور ہم اسی طرح غالی روافض کے اس عقیدہ کی وجہ سے کہ ان کے آئمہ معصومین انبیا ومرسلین سے افضل ہیں ان کی قطعی تکفیر کرتے ہیں اور یہ صریح کفر ہے، اور اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہے جو قرآن کا انکار کرے، یا اس کے کسی ایک حرف ہی کا انکار کرے یا اس کے کسی لفظ میں تغیر و تبدیل کرے یا اس میں کسی کلمہ کا اضافہ کرے۔

وکذلک نقطع بتکفیر کل قائل قال قولاً یتوصل بہ الیٰ تضلیل الامۃ وتکفیر جمیع الصحابۃ.

اور اسی طرح ہم ہر اس شخص کی قطعی تکفیر کرتے ہیں جو ایسی بات کہے جس کے نتیجہ میں ساری امت گمراہ اور تمام صحابہ کافر قرار پائیں۔

وکذلک بتکفیر بعض لصحابۃ عند اھل السنۃ والجماعۃ.

(ص ۵۲۱. ج ۲)

اور اسی طرح اہل السنۃ والجماعۃ ایسے شخص کی تکفیر پر بھی متفق ہیں جو بعض صحابہ کی تکفیر کرے (یعنی جن کے صحابی رسول ہونے میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں)۔

مولا علی قاری آگے لکھتے ہیں:

واما من کفر جمیعھم فلا ینبغی ان یشک فی کفرہ لمخالفۃ نص القرآن من

قولہ سبحانہٗ وتعالیٰ (والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار) وقوله تعالى: (لقد رضى الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة) وبيانه ان هذه الأيات قطعى فلايبطله قول مموه لا اصل له من جهة النقل ولامن طريق العقل.

اور جو بدبخت تمام صحابہ کی تکفیر کرے تو اس کے کفر میں شک شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ وہ قرآن کے ان صریح نصوص کی مخالفت کرتا ہے **(والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار)** اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد **لقد رضى الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة** یہ آیتیں قطعی ہیں اور ان کا مفہوم واضح ہے تو کسی فریبی اور تلمع کار کا کوئی ایسا قول جس کی کوئی عقلی یا نقلی سند و بنیاد نہ ہو وہ اس کو غلط قرار نہیں دے سکتا۔

اور شرح فقہ اکبر میں ص ۱۹۸ پر ہے:

ولو انكر خلافة الشيخين يكفر، اقول: وجهه انه ثبتت بالاجماع من غير النزاع.

اور اگر کوئی شخص شیخین کی خلافت کا انکار کرے (اور ان کو خلیفہ برحق نہ مانے) تو وہ کافر قرار دیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی خلافت پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا کوئی اختلاف نہیں ہوا۔

المختصر وجوہ مفصلہ بالا کی بنا پر اثنا عشری شیعہ علمائے اسلام کے نزدیک کافر و مرتد ہیں۔ واللہ اعلم۔

کتبہ
حبیب الرحمٰن الاعظمی
۷، صفر المظفر ۱۴۰۷ھ

تصدیق وتوثیق حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری مدظلہٗ (راندیر)
وحضرات مفتیان عظام واساتذہ کرام جامعہ حسینیہ ودارالعلوم اشرفیہ (راندیر)
الجواب حق: فماذ بعد الحق الا الضلال۔ احقر سید عبدالرحیم مہر لاجپوری غفرلہ
۱۲/ربیع الاول ۱۴۰۷ھ
الجواب صحیح: محمد رضا اجمیری (شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ)
اصاب المجیب: عبدالغنی کاوی عفی عنہٗ (مفتی دارالعلوم اشرفیہ) (کاوی وطن ہے)
الجواب صحیح وخلافہ قبیح: ناچیز اسماعیل غفرلہ خادم افتاء جامعہ حسینیہ راندیر
الجواب صحیح واللہ اعلم: العبد ظہیر الدین الفیض آبادی عفی عنہٗ خادم الجامعۃ الحسینیہ

الجواب صحیح	محمد ابراہیم اندوری غفرلہ خادم جامعہ حسینیہ
الجواب صحیح	العبد عارف حسن عثمانی خادم مدرسہ اشرفیہ
الجواب صحیح	ناچیز اسماعیل احمد غفرلہ خادم جامعہ حسینیہ
الجواب صحیح	سید غلام رسول بورسدی استاد حدیث جامعہ حسینیہ
الجواب صحیح	سید عبدالحق قادری (ایڈیٹر ماہنامہ ”حیات سورت“)
المجیب مصیب	محمد آچھودی خادم دارالعلوم اشرفیہ (آچھودی وطنی نسبت ہے)
الجواب صحیح	احقر علی احمد پٹیل خانپوری خادم جامعہ حسینیہ
الجواب صحیح	والمجیب مصیب۔ یعقوب عفا اللہ عنہٗ۔ خادم التدریس دارالعلوم اشرفیہ
الجواب صحیح	محمد سہراب القاسمی خادم التدریس جامعہ حسینیہ

تصدیق وتوثیق حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی

صدر جمعیۃ علمائے ہند

(استفتاء اور جواب) بحمد اللہ حرف بحرف پڑھا۔ احقر حرف بحرف متفق ہے۔
احقر اہل فتویٰ میں نہیں ہے مگر اس جہاد میں شرکت کو سعادت سمجھ کر دستخط کر دیئے ہیں۔ اسعد غفرلہ۔

تصدیق وتوثیق حضرات اصحاب فتویٰ واساتذہ کرام مدرسہ اسلامیہ عربیہ، جامع مسجد، امروہہ

الجواب صحیح عزت اللہ غفرلہ مفتی ومدرس جامعہ اسلامیہ عربی (جامع مسجد امروہہ)
الجواب صحیح احقر طاہر حسین غفرلہ شیخ الحدیث " " " " " " "
الجواب صحیح بشیر احمد غفرلہ فیض آبادی صدر المدرسین " " " " " "
الجواب صحیح محمد فخر الدین قاسمی، استاذ حدیث " " " " "
الجواب صحیح محمد اکمل عفی عنہ، استاذ حدیث " " " " " "
الجواب صحیح محمد اسماعیل غفرلہ مدرس " " " " " " "
الجواب صحیح منظور احمد عفا اللہ عنہ، استاذ " " " " " " "
الجواب صحیح حامد حسن غفرلہ " " " " " " " "
الجواب صحیح احقر فضل الرحمٰن غفرلہ ناظم " " " " " " "

تصدیق وتوثیق حضرات اساتذہ کرام

مدرسہ دینیہ غازی پور

الجواب صحیح مشتاق احمد غفرلہ صدر مدرس دینیہ غازی پوری " "
الجواب صحیح محمد صفی الرحمٰن القاسمی ناظم تعلیمات " " " " " "
الجواب صحیح مختار احمد القاسمی مدرس " " " " " " "
الجواب صحیح عبد الشکور عفی عنہ " " " " " " " "

تصدیق وتوثیق

حضرت مولانا محمد عبد الوحید صاحب فتحپوری

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی کا جواب نہایت مفصل ومدلل ہے۔ تمام جوابات

مکمل اور شافی ہیں، احقر ان سب کی تصدیق کرتا ہے۔

احقر محمد عبدالوحید فتحپوری صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ فتحپور۔

تصدیق وتوثیق مولانا عبدالحمید اعظمی

نائب صدر جمعیۃ علماء ضلع اعظم گڑھ

استفتاء اور اس کے جواب سے میں سو فیصد متفق ہوں، جناب نے اور استاذ مکرم محدث جلیل حضرت العلام ابوالمآثر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی مدظلہ العالی نے جو جواب لکھا ہے وہ مدلل ہے، مستند ہے اور بہت واضح ہے۔ عبدالحمید الاعظمی غفرلہ

تصدیق وتوثیق جناب مولانا محمد اسماعیل کٹکی (اڑیسہ)

"احقر نے آپ کے روانہ فرمودہ کتابچہ بعنوان" "ایک اہم استفتاء" کا بالاستیعاب مطالعہ کیا، احقر اس کے جواب سے حرفاً حرفاً متفق ہے جواب بالکل صحیح بلکہ اصح مافی الباب ہے۔ احقر محمد اسماعیل عفی عنہ

تصدیق وتوثیق حضرات اصحاب فتویٰ

واساتذہ کرام

مدرسہ عربیہ، فیضان العلوم، دتلو پور، سرائے خاص، گونڈہ

حضرت والا کے استفتاء اور محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہ، کے جواب کو حرف بحرف پڑھا، ہم اس کی پوری تصدیق اور تائید کرتے ہیں۔

ریاض احمد قاسمی	مفتی	مدرسہ عربیہ فیضان العلوم دتلو پور، گونڈہ
عبدالحمید عفا اللہ عنہ	مہتمم	〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
محمد علی	صدر مدرس	〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
محمد رفیق قاسمی	مدرس	〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

تصدیق وتوثیق مدرسہ انصار العلوم نوگاواں سادات، مراد آباد

الجواب صحیح عبدالرحمٰن مفتی مدرسہ انصار العلوم

فتویٰ محدث کبیر حضرت مولانا

عبیداللہ رحمانی مبارک پوری مدظلہ رئیس جامعہ سلفیہ، بنارس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء میں شیعہ اثنا عشریہ کی بنیادی مستند و معتبر کتابوں سے قرآن کریم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، اثنا عشری شیعوں کے بارہ اماموں اور تقیہ کے بارے میں اثنا عشری شیعہ کے جو عقائد نقل کئے گئے ہیں، یہ عقیدے رکھنے والے بلاشبہ منافق و کافر ہیں۔ تمام علماء اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے۔ حضرت مرتب استفتاء نے اس سلسلہ میں جو تفصیل تحریر فرمائی ہے کافی وشافی ہے، جواب میں مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ موجودہ شیعہ بھی یہی عقیدے رکھتے ہیں جو ان کی بنیادی مستند کتابوں سے استفتاء میں نقل کئے گئے ہیں تو وہ بھی شرعاً مسلمان نہیں ہیں۔ فقط

املاہ عبیداللہ الرحمانی المبارکپوری

(مہر) ۷/۱۲/۱۴۰۷ھ

فتویٰ حضرت مولانا مفتی خلیل احمد قادری

بدایونی دامت فیوضہم

باسمہ تعالیٰ جل مجدہ

امابعد۔ تمام علماء اسلام متکلمین اور فقہاء کرام کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ مسائل ضروریات دین میں سے کسی ایک کا انکار قطعی کفر ہے، اس کا منکر قطعی کافر ہے۔ فرقہ روافض اثنا عشریہ کھلم کھلا ضروریات دین کا منکر ہے، مثلاً قرآن کریم میں نقصان وکمی کا ماننا یا اس کا محتمل ہونا ہی ماننا یا اپنے بارہ اماموں کو انبیاء علیہم السلام سے افضل ماننا، خلافت حقہ شیخین رضی اللہ عنہما کو خلافت مغصوبہ ناحق ماننا، بعد وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کو سوائے چار کے اسلام کو ترک کر کے کفر اختیار کرنا ماننا (نعوذ باللہ منہ)

جس کا تفصیلی بیان مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ نے استفتا اور اپنی کتاب ''ایرانی انقلاب'' میں پوری وضاحت سے فرمایا ہے۔ اس واضح بیان کے بعد کوئی مسلمان اس گروہ کے کفر میں شک نہیں کر سکتا۔

الغرض امت مرحومہ کے علماء کرام کا ان روافض لئام کے کفر پر اتفاق ہے، علماء دین نے اب سے بہت پہلے اس فرقہ کے کفریات کو بیان کر کے اس کو کافر و مرتد قرار دیا ہے۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ نے سراجی کے حاشیہ میں موانع ارث کے مسئلہ میں اختلاف دینین کی تشریح کرتے ہوئے ایک بہت اہم اصولی بات لکھی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ''جو اہل اہواء دعویٰ اسلام کے باوجود بھی ضروریات دین میں سے کسی بات کے منکر ہوں، خواہ ان کا انکار کسی رکیک تاویل ہی کی بنیاد پر ہو ان کے کفر میں اور ترکہ کے مستحق نہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں جیسا کہ غالی روافض کا معاملہ ہے جو قطعیات دین کی تکذیب اور ادعاء تحریف قرآن وغیرہ کی وجہ سے خدا اور سول کی تکذیب کرتے ہیں۔'' (سراجی ص ۹)

اور فاضل بریلوی جناب مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم نے اس سے قریباً نوے ۹۰ سال پہلے ایک سوال کے جواب میں نہایت مفصل و مدلل فتویٰ تحریر فرمایا تھا جو ۱۳۲۰ھ میں ''ردُّ الرفضہ'' کے تاریخی نام سے شائع ہوا تھا، اس میں مستفتی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے شروع میں تحریر فرمایا ہے:

''تحقیق مقام و تفصیل مرام یہ ہے کہ رافضی تبرائی جو حضرات شیخین صدیق اکبر، فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما'' خواہ ان میں سے ایک کی شان پاک میں گستاخی کرے، اگرچہ صرف اسی قدر کہ انہیں امام و خلیفہ برحق نہ مانے، کتب معتمدہ فقہ حنفی کی تصریحات اور عامہ آئمہ ترجیح و فتویٰ کی تصریحات پر مطلقاً کافر ہے۔''

پھر مولانا مرحوم نے فقہ حنفی کی قریباً چالیس کتب معتمدہ و معتبرہ سے اس کا ثبوت پیش کرنے کے بعد ص ۱۷ پر تحریر فرمایا:

''یہ حکم فقہی تبرائی رافضیوں کا ہے، اگرچہ تبرا و انکار خلافت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سوا ضروریات دین کا انکار نہ کرتے ہوں، والاحری مافیہ قول المتکلمین انهم ضلال من کلاب النار وکفار وبه ناخذ اور روافض زمانہ تو ہرگز صرف تبرائی نہیں، علی العموم منکران ضروریات دین اور باجماع مسلمین یقیناً قطعاً کفار مرتدین ہیں، یہاں تک کہ علماء کرام نے تصریح فرمائی کہ جو انہیں کافر نہ جانیں خود کافر ہے۔ بہت سے عقائد کفریہ کے علاوہ دو کفر صریح ہیں، ان کے عالم جاہل، مرد، عورت چھوٹے بڑے سب بالاتفاق گرفتار ہیں۔

کفر اوّل: قرآن عظیم کو ناقص بتاتے ہیں، کوئی کہتا ہے اس میں سے کچھ سورتیں امیر المومنین عثمان ذوالنورین یا دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا اہل سنت نے گھٹادیں، کوئی کہتا ہے کہ کچھ لفظ بدل دیئے، کوئی کہتا ہے یہ نقص وتبدیل اگر چہ یقیناً ثابت نہیں محتمل ضرور ہے۔ اور جو شخص قرآن مجید میں زیادت نقص یا تبدیل، کسی طرح کے تصرف بشری کا دخل مانے یا اسے محتمل جانے بالا جماع کافر و مرتد ہے کہ صراحۃً قرآن عظیم کی تکذیب کر رہا ہے، اللہ عزوجل سورۂ حجر میں فرماتا ہے: "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ."

پھر ص ۲۱ پر تحریر فرمایا:

کفر دوم: ان کا ہر متنفس سیدنا امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم و دیگر آئمہ طاہرین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو حضرات عالیات انبیاء سابقین علیہم الصلوٰت والتحیات سے افضل بتاتا ہے اور جو کسی غیر نبی کو نبی سے افضل کہے بہ اجماع مسلمین کافر بے دین ہے۔"

الحاصل قرآن عظیم میں زیادتی یا کمی یا تحریف وتبدیل کو ماننا دین اسلام کو باطل قرار دیتا ہے، روافض کا نعوذ باللہ! یہ عقیدہ کہ قرآن مجید میں کمی یا تغیر یا تحریف واقع ہوگئی ہے یا اس کا محتمل ماننا یقیناً قطعاً کفر اور اسلام کی دشمنی ہے۔ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ نے تفسیر کبیر میں فرمایا: ادعاء الروافض ان القرآن دخلہ الزیادۃ والنقصان والتغییر والتحریف ذلک یبطل الاسلام یعنی رافضیوں کا قرآن پاک میں کمی یا زیادتی وتحریف وتغیر کو ماننا اسلام کو باطل کر دینا ہے۔ پھر آئمہ اہل بیت کرام کو انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل ماننا بھی یقیناً کفر ہے، ان عقائد کفریہ پر مطلع ہونے کے بعد کوئی مسلمان بھی اس فرقہ روافض کے کفر میں شک نہیں کر سکتا ہے۔ علامۃ العصر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی دامت فیوضہم نے جو جواب تحریر فرمایا ہے وہ حق اور صحیح ہے اس کے بعد فقیر کو کچھ لکھنے کی حاجت نہیں صرف تصدیق وتائید کے طور پر چند کلمات لکھ دیئے کہ تعاونوا علی البرّ والتّقویٰ ارشاد رب العالمین ہے، رب تعالیٰ مسلمانوں کو حق کے قبول اور ناحق سے دور و نفور رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ واللہ الموفق

فقیر خلیل احمد قادری غفرلہٗ خادم دار الافتاء بدایون

۱۱ر جمادی الآخر ۱۴۰۷ھ (مہر)

تصدیق علمائے بدایوں

بسم اللہ حامدًا و مصلیًا اس میں کوئی شک نہیں کہ طائفہ رافضہ جس کا دوسرا نام شیعہ بھی ہے

اس گروہ کے عقائد انتہائی واہیات وخرافات امور پر مشتمل ہیں، ان کے مرتد وکافر ہونے کے لئے صرف ان کا ایک اہم عقیدہ تحریف قرآن ہی کافی ووافی ہے کہ صریح قرآن مجید (اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ) وغیرہ وغیرہ کے خلاف ومنافی ہے۔

بہر حال اس بارے میں جو کچھ علامہ موصوف نے فتویٰ تحریر فرمایا ہے وہ عین حق وصواب ہے، احقر راقم الحروف کا یہی عقیدہ ہے اور امت مسلمہ حقہ کا یہی عقیدہ از اول تا ایں دم رہا ہے اور ہے۔ رب کریم سب کو بالخصوص اس گروہ مرتدین کو توفیق قبول عنایت فرمائے۔ آمین بجاہ سیدنا الامین علیہ الصلوٰۃ و السلام۔

واخر دعوانا ان الحمد اللہ رب العالمین.

احقر العباد محمد اقبال قادری غفرلہ صدر مدرس مدرسہ قادریہ خطیب جامع مسجد شمسی، بدایوں۔

الجواب صحیح: احقر فضل الظفر خان عفی عنہ مہتمم مدرسہ ظفر العلوم بدایوں۔

الجواب صحیح: والمجیب محقق۔ العبد محمد ابراہیم قادری غفرلہ صدر مدرس مدرسہ ظفر العلوم۔

الجواب صحیح: احقر خلیق الظفر خان فاضل دار العلوم منظر اسلام بریلی۔ وارد حال بدایوں ۴ رجب المرجب ۱۴۰۷ھ

دار العلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ حامدا و مصلیا و مسلما. حضرت علامہ فاضل مجیب کا جامع اور مدلل جواب حرف بہ حرف صحیح ہے۔ شیعہ اثنا عشری کے جو عقائد ذکر کئے گئے ہیں یعنی (۱) قرآن کی تحریف کا قائل ہونا۔ (۲) ان کا اپنے بارہ اماموں کو معصوم ومفترض الطاعۃ جاننا، شرعی احکام کی تحلیل وتحریم میں انہیں مختار ماننا، انہیں انبیاء کرام کے ہم پلہ بلکہ ان سے افضل قرار دینا (۳) قرآن وحدیث کے اولین اور چشم دید گواہ یعنی حضرات صحابہ کرام کی خصوصًا حضرات شیخین کی تکفیر کرنا، ان سب پر سبّ وشتم اور لعن طعن کرنا بلاشبہ یہ عقائد صریح کفر ہیں۔ ان عقائد کی بنیاد پر یہ لوگ قطعی کافر مرتد ہیں۔

صحابہ کرام پر سب وشتم کرنے والوں کے حق میں حضرت امام مالکؒ نے بہت پہلے ہی کفر کا فتویٰ دیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ مال فی میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ شاطبیؒ الاعتصام میں لکھتے ہیں:

قال مصعب الزبیری و ابن نافع: دخل ھارون (یعنی الرشید) المسجد فرکع ثم اتیٰ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسلم علیہ، ثم اتی مجلس مالک فقال: السلام علیک ورحمة اللّٰہ وبرکاتہٗ ثم قال لمالک: ھل لمن سبّ اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الفیٔ حقّ؟ قال لا . ولا کرامة ولا مسرة قال: من این قلت ذلک؟ قال قال اللّٰہ عزو جل: "لیغیظ بھم الکفار" فمن عابھم فھو کافر ولا حق لکافر فی الفیٔ.

(الاعتصام ص ۲٦۱. ج ۲) واللہ اعلم

فقط

حبیب الرحمٰن خیرآبادی

مفتی دارالعلوم دیوبند ۲۳/۳/۱۴۰۷ھج

بے شک جولوگ قرآن کریم کو محرف مانتے ہوں یا شرعی احکام کی تحلیل وتحریم میں کسی کو بھی مختار مانتے ہوں کافر و مرتد ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

حررہ سعید احمد عفا اللہ پالنپوری، خادم دارالعلوم دیوبند۔

حامدًا ومصلیا ومسلما۔ یہ عقائد ثلٰثہ مذکورہ ایسے باطل وغلط ہیں کہ محض ان کی وجہ سے بھی فرقہ اثنا عشریہ کے کفر وارتداد میں کسی قسم کے شک واشتباہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ بلکہ جس شخص کے اندر ان عقائد ثلٰثہ مذکورہ سے ایک عقیدہ بھی ہوگا تو اس کے بھی کفر وارتداد میں کوئی شک وشبہ نہیں رہے گا۔ فقط

وللہ درالمجیب

العبد نظام الدین۔

مفتی دارالعلوم دیوبند

۲۴/۳/۱۴۰۷ھ

من اجاب اصاب۔ محدث جلیل حضرت الاستاذ العلام مدظلہ نے اثنا عشری شیعہ کے کافر ہونے کا جو فتویٰ دیا ہے وہ حرف بحرف صحیح ہے۔

محمد ظفیر الدین غفرلہ مفتی دارالعلوم دیوبند

۲۵/ربیع الاول ۱۴۰۷ھ

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

حامداومصلیا ومسلما امابعد۔فرقہ اثناعشری جوتحریف قرآن کا برملا قائل ہے دونوں بزرگوں نے اپنی تحریروں میں اس فرقہ کی بہت سی تحریفات کوان کی معتبر کتابوں سے مع حوالے کے نقل فرمادیا ہے۔اسی ایک کفریہ عقیدہ کے بعدان کے کفروارتداد میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔حضرت علامہ مجیب مدظلہٗ کا جواب پوری طرح مدلل ہے۔یہ احقر اس سے متفق ہے۔

فللّٰہ درہ . جزاہ اللّٰہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء ،کتبہ الاحقر الافقر.

عبدالرحمٰن غفرلہ

مفتی دارالعلوم دیوبند ۲۹ ؍ربیع الاول ۱۴۰۷ھ

(مہر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند)

شیعہ اثناعشری کے معتقدات چونکہ نصوص قطعیہ سے ثابت شدہ امور کے مخالف ہیں اس لئے ان کا دین اسلام سے خارج ہونا ظاہر ہے۔

احقر نصیر احمد عفی عنہٗ (استاذ حدیث)

احقر معراج الحق غفرلہ (صدر مدرس دارالعلوم دیوبند)

ارشد غفرلہ (استاذ حدیث) نعمت اللہ غفرلہ (استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند)

۱۳؍۴؍۱۴۰۷ھ

الحق ابلج و الباطل لجلج ناکارہ عبدالحق قاسمی خادم دارالعلوم دیوبند

بشیر احمد عفی عنہٗ ۱۴؍ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ

فرقہ اثناعشریہ کواحقر کافر سمجھتا ہے۔ محمد حسین، عبدالخالق مدراسی عفی عنہٗ عبدالرحیم بستوی، نسیم احمد بارہ بنکوی، ریاست علی غفرلہ۔

فرقہ اثناعشریہ کا کفر و ارتداد اظہر من الشمس ہے۔عبدالرؤف کفاہ اللہ افغانی مجیب اللہ قاسمی (گونڈوی) عبدالخالق سنبھلی ۱۳؍۴؍۱۴۰۷ھ

محمد عثمان عفی عنہٗ احرار الحق غفرلہ شاہد حسین قاسمی عزیز احمد قاسمی

جوفرقہ اپنے آئمہ کونہ صرف حضرات انبیاء کی طرح مطاع بلکہ کان وما یکون کا جاننے والا اوران میں متصرف سمجھے،قرآن محکم میں تحریف وتبدل کا قائل ہواورحضرات صحابہ کرام بالخصوص خلفائے ثلاثہ کو

نعوذ باللہ! منافق و مرتد قرار دے ایسے فرقہ کے کفر میں کیا شک ہوسکتا ہے۔ بلا ریب یہ فرقہ کافر ہے اور حضرت مجیب نے اس کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے بالکل درست ہے۔

حبیب الرحمٰن قاسمی، خادم دار العلوم دیوبند ۱۴/۷/۱۴۰۷ھ

فرقہ اثنا عشریہ کے اعتقادات باطلہ ان کی تکفیر کے لئے کافی ہیں احقر حضرت مجیب مدظلہٗ کے جواب کی تصویب و تائید کرتا ہے۔

قمر الدین احمد خادم حدیث دار العلوم دیوبند ۱۴/۷/۱۴۰۷ھ

تکفیر کے لئے تحریف قرآن کا اعتقاد ہی کافی ہے۔ خورشید انور

اذاثبتت حقیقة العقائد الاثنا عشریة فتکفیرهم واجب بلا شبهة.

محمد یوسف غفرلہ زبیر احمد لقمان الحق فاروقی

فرقہ اثنا عشریہ کا قرآن مجید کو محرف ماننا منصب امامت کو درجہ نبوت سے فائق و برتر جاننا صحابہ کرام کو سب و شتم کرنا وغیرہ موجبات کفر ہیں۔ بلال اصغر المصدق شمیم احمد

فتویٰ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب گنگوہی دامت فیوضہم (دار العلوم دیوبند)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، والصلوٰة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين، وعلىٰ اٰله الطاهرين واصحابه الطيبين اجمعين الىٰ يوم الدين. امابعد.

جب سے فرقہ شیعہ امامیہ اثنا عشریہ نے جنم لیا اسی وقت سے علمائے حق نے اس کی تردید کی، اس کے زیغ ضلال کو واضح کیا، کسی نے اس پر مختصر لکھا، کسی نے تفصیل سے بیان کیا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں اس پر بسط سے کلام کیا۔

بادشاہ ہمایوں کے دور میں یہ فرقہ منظم شکل میں جماعتی حیثیت سے ہندوستان آیا اور اپنے مخصوص نظریات (بغض صحابہ اور ان پر لعن طعن) کی اشاعت کرنے لگا۔ ہمایوں نے علامہ ابن حجر مکی کو خط لکھا جس پر "تطہیر اللسان والجنان" تصنیف کی گئی۔ نیز دوسری کتاب "الصواعق المحرقۃ" تصنیف فرمائی۔

اس کے بعد اکبر کا دور آیا تو یہ فرقہ ترقی کرنے لگا یہاں تک کہ جو دین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر

نازل ہوا اس کے مقابلہ میں دوسرا دین مستقل بنایا گیا۔

اسی زمانہ میں حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تھے، ان کو قتل کرنے کی تجویز کی گئی مگر وہ تجویز کامیاب نہیں ہوئی یہاں تک کہ اکبر کا انتقال ہو گیا۔

پھر جہانگیر تخت نشین ہوا تو اس نے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اجین ریاست گوالیار میں قید کر دیا اور برسوں قید میں رکھا، پھر ایک خواب کی بنا پر متنبہ ہو کر اپنی غلطی کا اقرار کیا اور ان کو جیل سے نکال کر معافی مانگی۔

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرق ضالہ میں اس فرقہ کو سب سے زیادہ خطرناک بتایا[1] ہے، تحریر فرمایا ہے کہ قرآنی اسلام کے مقابلہ میں اس فرقہ نے دوسرا اسلام تیار کیا ہے۔ اس کے عقائد کو شمار کرایا ہے کہ یہ عقائد قرآن کریم اور احادیث متواترہ اور اجماع امت کے خلاف ہیں۔ جن اکابر نے اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا انہوں نے اس احتیاط کی بنا پر کف اللسان والقلم کیا ہے کہ ممکن ہے کہ مرنے سے پہلے توبہ نصیب ہو جائے، بغیر توبہ کے مرنے پر یہ احتیاطی پہلو بھی ختم ہو گیا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

الرافضی اذا کان لیسب الشیخین ویلعنهما والعیاذ باللّٰه فهو کافر، ولو قذف عائشة رضی اللّٰه عنها بالزنا کفر باللّٰه، ومن انکر امامة ابی بکر الصدیق رضی اللّٰه عنه فهو کافر، وعلی قول بعضهم هو مبتدع ولیس بکافر، والصحیح انه کافر، وکذٰلک من انکر خلافة عمر رضی اللّٰه عنه فی اصح القول کذافی الظهیریه. ویجب اکفارهم باکفار عثمان وعلی وطلحة وزبیر وعائشه رضی اللّٰه عنهم.

ویجب اکفار الزیدیة کلهم فی قولهم بانتظار نبی من العجم ینسخ دین نبینا وسیدنا محمد صلی اللّٰه علیه وسلم کذا فی الوجیز للکردری، ویجب اکفار الروافض فی قولهم برجعة الاموات الی الدنیا وبتنا سخ الارواح بانتقال روح الاله الی الائمة، وبقولهم فی خروج امام باطن وبتعطیلهم الامر الیٰ ان یخرج الامام الباطن، وبقولهم ان جبرئیل علیه السلام غلط فی الوحی الی محمد صلی اللّٰه علیه وسلم دون علی بن ابی طالب رضی اللّٰه عنه وهولاء القوم

[1] مکتوب نمبر ۳۶ ـ ص ۱۲۵ ـ مکتوب نمبر ۸۰ ص ۳۵، مکتوب نمبر ۵۴ ـ ص ۱۸ ـ

خارجون عن ملة الاسلام واحكامهم احكام المرتدين كذافي الظهيرية.
(فتاویٰ عالمگیریہ مختصراً ج ۲ ص ۲۸۳).

مشہور مفسر و محدث حافظ ابن کثیرؒ نے سورۂ فتح کی آیت (**ليغيظ بهم الكفار**) کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ''امام مالکؒ نے اس آیت کو روافض کے کفر کی ایک قرآنی دلیل قرار دیا ہے'' تفسیر خازن اور معالم التنزیل میں بھی امام مالک کے استدلال کی طرف اجمالی اشارہ موجود ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''ازالۃ الخفا'' میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقب اور دینی کارنامے تفصیل سے بیان فرمائے ہیں اور اس فرقہ پر شدومد سے رد فرمایا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ اثنا عشریہ میں اس فرقہ باطلہ کے عقائد شنیعہ لکھ کر ان کا خوب رد فرمایا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس فرقہ کی تردید میں ''ہدایت الشیعہ'' تصنیف فرمائی۔

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ہدیۃ الشیعہ'' میں بڑے دلائل سے اس فرقہ کے معتقدات کا رد کیا ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سہارنپوری نے ہدایت الرشید میں تفصیل سے اس فرقے کا رد فرمایا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

نعم لاشک فی تکفير من قذف السيدة عائشة رضی اللّٰه عنها، او انكر صحبة الصديقؓ، او اعتقد الالوهية فی علی، او ان جبرئيل غلط فی الوحی اونحو ذلک من الکفر الصريح المخالف للقرآن. (شامی ج ۳. ص ۲۹۴)

الغرض اپنے اپنے دور میں اہل سنت والجماعۃ (**هم ما انا عليه و اصحابی**) اس فرقے پر رد کرتے چلے آئے ہیں۔ اس فرقے کی کتابیں کمیاب یا نایاب تھیں مگر اب چھپ چکی ہیں جو شخص ان کا مطالعہ کرے گا وہ خود بھی دیکھ لے گا کہ وہ کس قدر کفریات پر مشتمل ہیں مثلاً کافی، منہج الصادقین، البرہان فی تفسیر القرآن، فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب، حیات القلوب، کشف الاسرار وغیرہ وغیرہ۔ **واللّٰه الهادی الیٰ صراط مستقيم.**

املاہ العبد محمود غفرلہ
چھتہ مسجد دار العلوم دیوبند ۲۵/۱/۱۴۰۸ھ

مظاہر علوم، سہارنپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتا میں اس فرقہ (شیعہ اثنا عشریہ) کے جو عقائد مفصل و مدلل تحریر فرمائے گئے ہیں ان کی بنا پر یہ فرقہ بالیقین اور بلاشبہ کافر اور مرتد ہے، جیسا کہ حضرت اقدس مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب نے تحریر فرمایا ہے، احقر نے مستقل جواب لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی، جو کچھ حضرات اکابر علما نے تحریر فرمایا ہے وہی کافی ہے۔

یحیی غفرلہ دار الافتاء مظاہر علوم سہارنپور

۱۲/۴/۷ ۱۴۰ھ مہر دار الافتاء

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم. الجواب بعون الملک الوھاب

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا. امابعد! حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ، حضرات مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی، حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کے جوابات بغور دیکھے، نیز حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کا فتویٰ یہ ہے۔ ”محققین کے نزدیک سبی روافض کافر بحکم مرتد ہیں۔ (وھولاء القوم (الروافض) خارجون عن ملّة الاسلام، واحکامھم احکام المرتدین. کذافی الظھیر یه عالمگیری ص ۸۸۵).

لہٰذا ان کا ذبیحہ حلال نہیں (ولا توکل ذبیحة المجوسی والمرتد کذافی الھدایة ص ۴۱۸. ج ۸) البتہ جو علماء ان کو بحکم اہل کتاب کہتے ہیں، ان کے نزدیک جائز ہوگا۔ فقط واللہ اعلم حررہ خلیل احمد عفی عنہ، الجواب صحیح عنایت الٰہی عفی عنہ (فتاویٰ مظاہر علوم اول ص ۲۱۳ کتاب الذبائح) حضرات اکابر کے جوابات صحیح ہیں املاہ احقر مجد القدوس حبیب رومی عفا اللہ عنہ خادم افتاء و تدریس مظاہر علوم سہارنپور ۹/۲/۸ ۱۴۰ھ۔

الجواب صحیح بلا ارتیاب محمد امین غفرلہ خادم افتاء مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح اشتیاق احمد مظاہری قاسمی ندوی مفتی مظاہر علوم سہارنپور ۲/۹/ ۱۴۰۸ھ

الاجوبۃ کلہا صحیحۃ بندہ ذوالفقار علی غفرلہ رفیق دار الافتاء مظاہر علوم

سہارنپور ۲/۹/ ۱۴۰۸ھ

مہر دار الافتاء مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ھو المصوب

شیعوں میں سے اثنا عشری فرقہ قرآن میں تحریف کا قائل ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید میں حضرت علی اور اہل بیت کے بارے میں صریح آیات تھیں ان کو صحابہ کرام نے خاص طور پر حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے قطع برید کر کے نکال دیا ہے اور یہ موجودہ قرآن مجید ناقص ہے (نعوذ باللہ) اسی طرح وہ عقیدہ امامت کی وجہ سے ختم نبوت کے بھی قائل نہیں ہیں نیز ان کے بہت سے ایسے عقائد ہیں جو کہ کتاب اللہ کی نصوص صریح کے مخالف ہیں اس لئے فرقہ اثنا عشری کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

ان کا اپنے کو مسلمان کہنا محض تقیہ پر مبنی ہے اور سیاسی مفاد کے خاطر ہے۔

فقط محمد ظہور ندوی عفی اللہ عنہ

۲/۴/ ۱۴۰۸ھ مفتی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب صحیح ضیاء الحسن خادم (شیخ الحدیث) دار العلوم ندوۃ العلماء، شہباز ۲/۲۴/ ۱۴۰۸ھ، ناصر علی ۲/۲۵/ ۱۴۰۸ھ عبد النور ندوی ۲/۲۶/ ۱۴۰۸ھ، عتیق احمد ۲/۲۶/ ۱۴۰۸ھ الجواب صحیح محمد زکریا سنبھلی قاسمی ندوی مدرس حدیث وفقہ، دار العلوم ندوۃ العلماء

فرقہ اثنا عشری اگر تحریف قرآن کا قائل ہے اور ختم نبوت کا منکر ہے تو اس کے کفر میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

سلمان الحسینی ندوی

۲/۲۴/ ۱۴۰۸ھ

اثنا عشری مسلک کے بنیادی مآخذ کے مطالعہ سے تحریف قرآن، عقیدہ امامت (جو قطعاً عقیدہ ختم

نبوت کے منافی ہے) تکفیر صحابہ اور سب شیخین وغیرہ جن عقائد کا قطعی علم ہوتا ہے، اس کے بعد اس مسلک کے ماننے والوں کی تکفیر میں کسی تردد کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ استاذ گرامی جناب مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب نے یہ جو تحریر فرمایا ہے کہ ان کا اپنے کو مسلمان کہنا محض تقیہ پر مبنی ہے اور سیاسی مفاد کی خاطر ہے یہ بھی بالکل درست ہے۔

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی (خادم تفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء)

جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس

شیخ الجامعہ جناب مولانا عبد الوحید رحمانی مدظلہ کی خدمت میں استفتاء کے ساتھ حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری (رئیس الجامعۃ السّلفیہ) کے فتویٰ کی نقل بھی بھیج دی گئی تھی، چنانچہ انہوں نے پورے ادارہ کی طرف سے خود ہی استفتاء کے جواب میں حضرت والد ماجد مدظلہ کی خدمت میں جو عبارت تحریر فرمائی وہ ذیل کی سطروں میں ملاحظہ فرمائی جائے:

"آپ کا ارسال کردہ گرامی نامہ مع استفتاء بدست ابوسحان ندوی موصول ہوا، عزت افزائی کا بہت بہت شکریہ۔

حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی صاحب حفظہ اللہ ہمارے جامعہ سلفیہ کے صدر ہیں۔ آپ نے استفتاء کا جو جواب مرحمت فرمایا ہے، ہم سب اس جواب سے مکمل اتفاق کرتے ہیں"۔

والسلام

عبد الوحید الرحمانی

(مہر جامعہ سلفیہ بنارس)

دار المبلغین لکھنؤ

باسمہ تعالیٰ حامدا ومصلیا ومسلما

الجواب واللہ الموفق للصواب

شیعہ اثنا عشریہ عقیدہ تحریف قرآن، عقیدۂ امامت، انکار صحابیت صدیق اکبرؓ اور قذف حضرت صدیقۃ المبرأۃؓ کی بنیاد قطعی طور پر اسلام کے دائرے سے خارج ہیں، ان کو مسلمان سمجھنا کھلی ہوئی گمراہی

ہے۔اب سے نصف صدی سے زائد پہلے امام اہل سنت حضرت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی علیہ الرحمہ نے مذہب شیعہ کی معتبر و مستند کتابوں اوران کے متقدمین ومتاخرین علماء کی تحریروں کی روشنی میں اس مسئلہ کو ''کہ شیعہ کا ایمان قرآن پاک پر ہے اور نہ ہوسکتا ہے'' اپنی کتاب ''تنبیہ الحائرین'' میں بڑی وضاحت اور تفصیل سے تحریر فرمادیا ہے، بنابریں اثنا عشری شیعہ کافر دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔علاوہ ازیں جن حضرات نے ان کے مذہب کی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا ہے وہ سب ان کی تکفیر پر متفق ہیں اور جبکہ ان کے مذہب کی حقیقت منکشف ہوگئی تو ان کا کفر محل تردد نہیں رہا۔

عقیدہ تحریف قرآن کے علاوہ دیگر وجوہ کفر بھی ہیں۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم — عبدالعلیم فاروقی عافاہ مولاہ

۱۳؍ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح — محمد یامین قاسمی عفی عنہٗ

الجواب صحیح — عبدالرشید فلاحی غفرلہ

الجواب صحیح — محمد جہانگیر غفرلہٗ

دارالعلوم فاروقیہ کاکوری لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیعہ اثنا عشری تحریف قرآن کے قائل ہونے، ختم نبوت کے منکر ہونے اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً خلفاء ثلثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تکفیر کے قائل ہونے کی وجہ سے قطعاً کافر ہیں اور ان کا اسلام سے کبھی کوئی واسطہ نہیں رہا جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ نے امام شعبیؒ کا یہ قول اپنی بے نظیر کتاب ''منہاج السنۃ'' میں نقل فرمایا ہے:

قال الشيعي: احذركم اهل هذه الاهواء المضلة وشرها الرافضة لم يدخلوا في الاسلام رغبة ولا رهبة ولكن مقتا لاهل الاسلام وبغيا عليهم.

(منهاج السنة ج ۱ ص ۷)

شیعہ اثنا عشری کی ہر سہ وجوہ کفر پر مستفتی محترم ومجیب علام نے کافی دلائل اور ناقابل تردید وتاویل وثبوت فراہم کردیئے ہیں جن پر اضافہ کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

مندرجہ بالا تین وجوہ کفر کے علاوہ قذف حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حرام خداوندی کو حلال قرار دینا مثلاً زنا کو متعہ کے عنوان سے اور کذب کو تقیہ کے عنوان سے۔ یہ جرائم بھی ان کی تکفیر کے لئے کافی ہیں۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم وحکمہ احکم. عبدالعلی فاروقی عفااللہ عنہٗ، فضل الرحمٰن قاسمی غفرلہٗ المصدق شبیر احمد عفی عنہٗ، محمد شفیع قاسمی عفی عنہٗ، الجواب صحیح عبدالحلیم غفرلہٗ، الجواب صحیح عبدالولی فاروقی، الجواب صحیح عبدالمنان القاسمی۔

مدرسہ امینیہ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلی رسوله الکریم، امابعد!

شیعہ اثنا عشریہ کے متعلق سائل ومجیب (حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی مدظلہٗ) ہر دو حضرت نے جو تحقیقات پیش کی ہیں، ان کے پیش نظر اس فرقہ کی تکفیر میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی، تحریف قرآن، انکار صحابیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ ایسے عقائد ہیں جن کی بنا پر علماء اہل حق نے ہمیشہ ان کی تکفیر کی ہے مگر عمومی طور پر فتویٰ تکفیر میں احتیاط کی بنیادی وجہ صرف یہ تھی کہ علماء شیعہ نے ہندوستان میں شیعیت کی ترویج واشاعت نہایت گہری سیاست کے ساتھ کی تھی، ابتداء تمام دیگر عقائد باطلہ سے بے خبر رکھتے ہوئے عوام پر صرف حبّ اہل بیت کا جال ڈال کر اہل سنّت کے بہت سے افراد کو گمراہ کیا، یوپی کے اکثر علاقوں میں نواب آصف الدولہ کے دباؤ کے تحت بہت سے اہل سنت ماتم مجلس اور تعزیہ داری پر مجبور ہوئے، اس بنا پر یہ لوگ یہی سمجھتے رہے کہ شیعہ، سنی کے مابین صرف ماتم مجلس ہی ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے، باقی دونوں مذہبوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، اس لئے بریلوی دیوبندی کی طرح باہم سُنّی اور شیعوں کے درمیان بھی مدتہائے دراز تک مناکحت کا سلسلہ جاری رہا، شروع ہی میں بالفرض علماء شیعہ اگر ان عقائد سے خبردار کر کے اپنے مذہب کی ترویج واشاعت کرتے تو یقیناً کامیاب نہ ہوتے، اہل حق نے عرصہ دراز تک عام شیعوں کو ان عقائد سے یکسر بے خبر دیکھتے ہوئے بلکہ ان عقائد باطلہ سے ان کے صریح انکار کے پیش نظر عمومی تکفیر کا فتویٰ دینے سے گریز کیا، مگر فی زمانا جبکہ ان عقائد باطلہ سے ان کا ہر خورد وکلاں خبردار ہو چکا ہے اور وہ یہ عقیدے بھی رکھتا ہے تو اب فتویٰ تکفیر میں مزید

احتیاط کرنا خلاف احتیاط ہے، بہر حال مذکورہ بالا وضاحت کے بعد ہماری رائے سائل و مجیب کی رائے سے بالکل متفق ہے۔ فقط مشہود حسن حسنی غفرلہ۔

۱۱ر ربیع الاول ۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح جاوید نظر ۱۱ر ربیع الاول ۱۴۰۷ھ: محمد اشرف القاسمی گونڈوی مشرف فتاویٰ (مہر دار الافتا مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی) مدرسہ امینیہ دہلی۔

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ. حضرت اقدس محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم کا جواب کتاب وسنت کے عین مطابق ہے۔ بالخصوص چار صحابہ کے ماسوائے تمام صحابہ کے مرتد ہونے وتحریف وقرآن وعصمت آئمہ (جو ختم نبوت کے انکار کو مستلزم ہے) کے عقیدہ کی بنیاد پر فرقہ اثنا عشریہ کو کافر، ضال، مضل وخارج از اسلام قرار دیا جانا بالکل صحیح اور درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم.

شبیر احمد عفا اللہ عنہ ۴ صفر ۱۴۰۸ھ

لجواب صحیح عبد الجبار الاعظمی غفرلہ (شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسی شاہی)
رشید الدین غفرلہ (مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی) شبیر احمد غفرلہ مظفر نگری۔
عبد السلام غفرلہ ۴/۲/۱۴۰۸ھج (مہر دار الافتا جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد)

مدرسہ امدادیہ، مراد آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیعہ اثنا عشریہ جن کی قیادت اس وقت دجّال خمینی کر رہا ہے۔
(۱) تحریف قرآن (۲) عصمت آئمہ (۳) تکفیر شیخین وتکفیر صحابہ (۴) وقذف ام المومنین الصدیقہ المبرۃ ودیگر عقائد کفریہ کی وجہ سے بلاشبہ قطعی طور پر دین اسلام سے خارج، کافر و مرتد ہیں، غیر مسلموں کی طرح ان سے ظاہری رواداری تو درست ہے، لیکن ان سے رشتہ مناکحت، ان کے ذبیحہ کا استعمال، ان کو حج کی اجازت دینا، ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا، الغرض ان سے اسلامی مراسم کا برتاؤ ہر گز درست نہیں ہے۔

هذا هو الحق وعليه الفتوىٰ وماذا بعد الحق الا الضلال.

واللہ اعلم وعلمہ اتم
معین الدین غفرلہ
الجواب صحیح محمد انعام اللہ غفرلہ (صدر مدرس وشیخ مدرسہ امدادیہ)
نثار احمد عفی عنہ، معاذ الاسلام غفرلہ، سجاد احمد عفا عنہ، عبد الغنی غفرلہ،
عطاء اللہ عفا عنہ، (مہر دار الافتاء مدرسہ عالیہ، اسلامیہ، عربیہ، امدادیہ، مراد آباد)

مدرسہ ریاض العلوم گوریني ضلع جونپور

حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری دامت برکاتہم:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بندہ کے نزدیک فرقہ اثنا عشریہ کا کفر اب مجمع علیہ ہے، سلف وخلف میں اگر کسی نے ان کے کفر میں تردد کیا تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان کے عقائد کفریہ ان تک نہیں پہنچے تھے۔

بندہ عبد الحلیم عفی عنہ، خادم مدرسہ ریاض العلوم گوریني ضلع جونپور۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ایمان کی تعریف ہے "هو التصديق بما علم مجيئى الرّسول صلى الله عليه وسلم به اجمالا فيما علم اجمالا و تفصيلا فيما علم تفصيلا" اور یہ بات بلاریب مجمع علیہ ہے کہ ایمان کی تعریف میں جو تصدیق مذکور ہے، اس سے مراد نہ تو تصدیق منطقی ہے کہ عبارت ہے معرفت وادراک نسبت ہے اور نہ تصدیق لغوی کہ مصدق ہے نسبۃ الصدق الی القائل کا، بلکہ مراد تصدیق شرعی ہے کہ نام ہے مجموعہ امور ثلاثہ، معرفت، تصدیق لغوی اور انقیاد واستسلام کا۔ پیش نظر استفتاء کے جواب میں فرقہ اثنا عشریہ کے کفر کے لئے جو دلائل منقول ہیں، ان کی روشنی میں تصدیق مطلوب کا عدم ظاہر ہے، اس لئے ان کے ایمان کی نفی اور کفر کا اثبات روز روشن کی طرح واضح ہے اور جواب حرف بہ حرف صحیح ہے۔

بندہ محمد حنیف غفرلہ (صدر المدرسین مدرسہ ریاض العلوم)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ۔ مخدوم ومحترم حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دامت برکاتہم نے فرقہ اثنا عشریہ کے عقائد کی ان کی معتبر کتابوں کے حوالوں سے جو تفصیلات پیش کی ہیں، اس کے پیش نظر یقیناً یہ حضرات (شیعہ) کافر ہیں اور اس سلسلہ میں محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہ کا فتویٰ (جواب) بالکل صحیح ہے۔

حررہ العبد حبیب اللہ قاسمی غفرلہ، خادم الحدیث دار الافتاء ریاض العلوم۔

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ. سوال واستفتاء میں پیش کردہ تفصیلات اور جواب وفتویٰ میں تحریر فرمودہ تحقیقات ناقابل تردد حقیقت ہیں اوراس حقیقت کی اشاعت فی زمانا نہایت ضروری دینی خدمت ہے۔ والعلم عند اللہ بندہ عبیداللہ خادم مدرسہ ریاض العلوم گورینی۔

مدرسہ جامع العلوم کانپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم. حامد اومصلیا. محدث جلیل فقیہ العصر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہٗ کا جواب بالکل درست ہے، اثنا عشری شیعوں کے کفروارتداد میں وجوہ مذکورہ کی بنا پر کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ جناب مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے شیعوں کے کفر کے سلسلہ میں کچھ شبہات واشکالات کئے تھے جن کے مدلل ومفصل جوابات حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمائے ہیں۔اس کے چھٹے تتمہ سوال کے تتمہ جواب میں تحریر فرمایا ہے ”لیکن اگر وہ خود ہی اپنے کو کافر بنائیں (بالنون) تو کیا ہم اس وقت بھی ان کو کافر نہ بتائیں (بالتاء) دنیا میں اپنے کو آج تک کسی نے کافر نہیں کہا بلکہ کوئی عیسائی کہتا ہے، کوئی یہودی، مگر چونکہ ان فرقوں کے عقائد کفریہ دلائل سے ثابت ہیں اس لئے ان کو کافر ہی کہا جائے گا۔تو مدار اس حکم کا عقائد کفر پر پڑا، تو ایک شخص اپنے کو فرقہ شیعہ سے کہتا ہے اور کوئی عقیدۂ کفریہ اس مذہب کے اجزاء یا لوازم سے ہے تو اپنے کو اس فرقہ میں بتلانا بدلالت التزامی اس عقیدہ کو اپنا عقیدہ بتلانا ہے، پھر عدم تکفیر کی کیا وجہ؟ اور اگر یہاں یہ عقیدہ مختلف فیہ بھی ہوتا تب بھی کسی کی تکفیر میں تردد ہوتا لیکن یہ بھی نہیں، اور جو اختلاف ہے وہ غیر معتد بہ ہے جس کو خود ان کے جمہور رد کررہے ہیں، اس حالت میں اصل تو کفر ہوگا، البتہ کوئی صراحۃً کہے کہ میرا یہ عقیدہ نہیں، یا کوئی اپنا لقب جدا رکھ لے، مثلاً جو علماء ان کے تحریف کے نافی ہیں، ان کی طرف اپنے کو منسوب کریں مثلاً اپنے کو صدوقی یا قمی یا مرتضوی یا طبرسی کہا کریں، مطلق شیعی نہ کہیں تو خاص اس شخص کو یا اس فرقہ کو اس عموم سے مستثنیٰ کردیں گے، لیکن ایسے استثناؤں سے ثانوی حکم نہیں بدلتا ہے، حرمت نکاح، حرمت ذبیحہ احکام ثانوی ہیں یہ اس پر بھی جاری ہوں گے، جب تک وہ فرقہ متمیز ومشہور نہ ہوجائے ......الخ

امدادالفتاویٰ جلد چہارم ص ۵۷۶

الغرض شیعوں کا کفر بربنائے تحریف قرآن محل تردد نہیں۔

فقط واللہ اعلم حررہ العبد منظور احمد مظاہری مفتی

مدرسہ جامع العلوم جامع مسجد کانپور و قاضی شہر کانپور
قد اصاب من اجاب احقر محمد مبین الحق قاسمی عفی عنہ مدرس مدرسہ۔
مدرس مدرسہ جامع العلوم کانپور ۱۹؍۴؍۱۴۰۷ھ
مہر دار الافتاء مدرسہ جامع العلوم جامع مسجد کانپور

مدرسہ جامعہ اسلامیہ قلی بازار کانپور

الجواب صحیح والمجیب نجیح الاحقر ظفیر الدین احمد عفی عنہ
خادم دار الافتاء جامعہ اسلامیہ کانپور، ۲۰ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ
الجواب صحیح فاروق احمد غفرلہ مدرس جامعہ اسلامیہ کانپور
الجواب صحیح محمد مصروف مظاہری عفی عنہ خادم جامعہ اسلامیہ کانپور
الجواب صحیح بندہ احتشام علی غفرلہ مظاہری خطیب مسجد امامن سردار کانپور

مدرسہ ضیاء العلوم کانپور

الجواب صحیح عبد القیوم غفرلہ مظاہری مفتی مدرسہ ضیاء العلوم کانپور
ظہیر الحسن عفی عنہ صدر مدرس مدرسہ ضیاء العلوم کانپور

جامعہ مسعودیہ نور العلوم، بہرائچ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم میں مذکورہ بالا فتویٰ یعنی محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ کا فتویٰ) کی توثیق کرتا ہوں۔ وما توفیقی الا بحب اللّٰہ و کتابہ وبحب رسولہ وآلہٖ وصحبہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہ وسلم۔

مرگ بر دشمنان رسول و دشمنان آل رسول العاجز الفقیر محمد سلامت اللہ غفرلہ
(مفتی و صدر مدرس مدرسہ نور العلوم بہرائچ)

۷؍ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ۱۰ دسمبر ۸۶ء

الجواب صحیح محمد افتخار الحق عفی عنہ مہتمم جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ

اس کتاب (استفتاء) پڑھنے کے بعد شرح صدر کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ اثنا عشری شیعہ بلاشبہ کافر و مرتد ہیں۔ ذکر اللہ غفرلہ

(ناظم تعلیمات جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ)

الجواب صحیح — حیات اللہ قاسمی عفی عنہ (مدرس جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ)

الجواب صحیح — غلام احمد خان غفرلہ (مدرس جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ)

الجواب صحیح — زبیر احمد عفی عنہ (مدرس جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ)

الجواب صحیح — عبد الوحید نوری عفی عنہ (مدرس جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ)

(مہر جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ)

جامعہ اسلامیہ بیت العلوم بہرائچ

باسمہٖ تعالیٰ. کتاب ہذا (استفتاء) کو پڑھ کر واضح ہوگیا کہ فرقہ اثنا عشری شیعہ اپنے عقائد باطلہ ضالہ کی وجہ سے قطعی اور یقینی طور پر خارج از اسلام کافر اور مرتد ہے۔ واللہ اعلم

وحید اللہ عفی عنہ ۷/۴/۷ ۱۴۰ھ

(مہر جامعہ سلامیہ بیت العلوم بہرائچ)

مدرسہ فرقانیہ گونڈہ

باسمہ تعالیٰ شانہٗ فرقہ اثنا عشریہ اپنے عقائد کفریہ کی بنا پر کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، مثلاً عقیدۂ تحریف قرآن، عقیدۂ امامت جو مستلزم انکار ختم نبوت ہے، سبِّ شیخین اور چند حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ جمیع حضرات صحابہ کو مرتد و کافر قرار دینا (نعوذ باللہ منہ) اور قذف ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔

لہٰذا ان سے مراسم اسلامیہ مثلاً ان کا ذبیحہ استعمال کرنا، ان کا جنازہ پڑھنا، ان کو جنازہ میں شریک کرنا، ان کے ساتھ قربانی کرنا، ان کے ساتھ مناکحت اور نکاح میں ان کو گواہ بنانا وغیرہ کا ترک کرنا واجب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ نعمت اللہ غفرلہ

(استاذ و مفتی مدرسہ فرقانیہ گونڈہ) ۲۲/۳/۸۷ء

الجواب صحیح	عبدالغنی غفرلہ القاسمی	مدرس مدرسہ فرقانیہ گونڈہ یوپی
الجواب صحیح	اقبال احمد عفی عنہ	مدرس مدرسہ فرقانیہ گونڈہ
الجواب صحیح	عبدالرب قاسمی غفرلہ	مدرس مدرسہ فرقانیہ گونڈہ
الجواب صحیح	عبدالتواب قاسمی عفی عنہ	مدرس مدرسہ فرقانیہ گونڈہ
الجواب صحیح	محمد ابوبکر غفرلہ	مدرس مدرسہ فرقانیہ گونڈہ
الجواب صحیح	محمد ارشد القاسمی	مدرس مدرسہ فرقانیہ گونڈہ
الجواب صحیح	محمد یحییٰ غفرلہ	مدرس مدرسہ فرقانیہ گونڈہ

مدرسہ کرامتیہ دارالفیض جلال پور، فیض آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جو شخص یا فرقہ ضروریات دین میں سے کسی ایک کا بھی منکر ہو اس کی تکفیر اگر نہ کی جائے تو دین کی حفاظت اور باطل سے اس کا امتیاز نہ ہو سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ باطل فرقوں کی تردید ہمیشہ سے علماء حق کا شیوہ رہا ہے، اثنا عشریہ شیعوں کا اسلام اگر تسلیم کرلیا جائے تو لازم آتا ہے کہ اصول دین میں سے کوئی اصل ثابت نہ رہے کیونکہ ان کا اجتماعی عقیدہ ہے کہ دین کے راویان اول یعنی پوری جماعت صحابہ سوائے تین یا چار کے سب منافق اور مرتد تھے اور یہ تین یا چار جو مستثنیٰ ہیں وہ بھی تقیہ باز تھے (والعیاذ باللہ) لہٰذا یہ فرقہ نہ صرف ان تین عقائد باطلہ کی بنیاد پر جن کا ذکر بہت ہی مفصل ومدلل طور پر استفتاء میں کیا گیا ہے بلکہ ان کے علاوہ اور بھی عقائد باطلہ خبیثہ مثل عقیدۂ بداء وغیرہ کے باعث کافر اور خارج از اسلام ہے، محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن مدظلہ، کے جواب باصواب کی میں توثیق وتصویب کرتا ہوں۔

ضمیر احمد غفرلہ

خادم مدرسہ اسلامیہ کرامتیہ دارالفیض جلالپور (ضلع فیض آباد)

الجواب صحیح	محمد القاسمی غفرلہ	خادم مدرسہ اسلامیہ کرامتیہ دارالفیض جلالپور (ضلع فیض آباد)
الجواب صحیح	نبیہہ محمد عفی عنہ	خادم مدرسہ اسلامیہ کرامتیہ دارالفیض جلالپور
الجواب صحیح	شفیق احمد اعظمی غفرلہ	خادم مدرسہ اسلامیہ کرامتیہ دارالفیض جلالپور

الجواب صحیح مفتاح الحسن عفی عنہٗ خادم مدرسہ اسلامیہ کرامتیہ دار الفیض جلالپور
الجواب صحیح نور محمد غفرلہٗ خادم مدرسہ اسلامیہ کرامتیہ دار الفیض جلالپور

مدرسہ عربیہ قاسم العلوم، قبضہ نوح (ضلع گوڑ گانوہ، ہریانہ)

اب سے ایک صدی سے بھی کچھ زیادہ پہلے ایک بان شیعہ (محمد ہادی بن مرزا علی لکھنوی) نے چیلنج کیا جس میں علمائے اہل سنت کو مخاطب کر کے چند سوالات کئے تھے جن میں ایک سوال ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے متعلق بھی تھا جس میں اس رافضی نے ام المومنین کی شان میں سخت گستاخیاں کی تھیں، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ نے ان سوالات کے جواب میں رسالہ ''ہدایت الشیعہ'' تصنیف فرمایا تھا۔ اس میں حضرت ام المومنین سے متعلق سوال کا تفصیلی جواب دینے کے بعد حضرت قدس سرہ نے تحریر فرمایا ہے:

''سائل جیسا شیعہ بے ادب ہر چند کلمہ توحید زبان سے کہے لیکن مسلمان نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر ایک آیۂ قرآن شریف کا کوئی کلمہ گو منکر و مکذب ہوتو وہ کافر ہوتا ہے، کلمہ پڑھنے اور قبلہ کی طرف منہ کرنے سے مومن نہیں ہوتا، تم تو صدہا آیات کے مکذب اور عترت کے اقوال کے مخالف ہو اور خود عترت کی طرف کیسے کیسے نقصان لگاتے ہو خصوصًا حضرت کلثوم کو کہ ''اول فرج غصب منا'' تمہارا مجتہد کہتا ہے اور حضرت امیر کی شان میں کیا کیا واہیات کا اعتقاد کئے ہوئے ہو، چنانچہ اوپر کے جوابوں میں کچھ مذکور ہوا۔ پھر دعوائے محبت و تمسک ثقلین کس منہ سے کرتے ہو؟ کچھ شرم کرو، پس تم خارج از اسلام ہو اور حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین ہیں نہ ام الکافرین، تم کو ان سے کیا علاقہ؟ اذیت محبوبۂ رسول خدا، اذیت رسول اللہ ہے، اور موذی رسول کا کافر، اور پھر بعد تسلیم عاق پر لعنت ہے اور عاق اپنی مادر کا جنت میں نہیں جاتا، ام المومنین اقرب المقربین محبوبۂ رسول امین کا عاق قطعًا جہنمی ہے، ایسے شریروں کی تکفیر و تفسیق ہر مسلمان پر واجب ہے۔'' (ہدایۃ الشیعہ ص ۱۴)

الغرض بلاشبہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کا فتویٰ سو فی صد صحیح اور حق ہے والحق احق بالاتباع.

حررہ نیاز محمد کان اللہ لہٗ
خادم الطلبہ مدرسہ قاسم العلوم، قصبہ نوح
(مہر دار الافتاء مدرسہ قاسم العلوم)

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل، سورت، گجرات

شیعہ اثناعشریہ کے جن عقائد مسلمہ کا استفتاء و جواب استفتاء میں بیان کیا گیا ہے وہ موجب کفرو ارتداد ہیں خصوصاً سب شیخین تو ان میں (چاہے عوام میں ہوں یا خواص) ایسا رائج وعام ہے کہ کوئی اس سے محفوظ نہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فتاویٰ برہانی کے حوالہ سے فرماتے ہیں ''از سب شیخین کافر شود'' (مالا بدمنہ، ص ۱۲۹)

اس لئے شیعہ عشریہ کے کفروارتداد میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ کتبہ احمد عفی عنہ خانپوری، مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل (ضلع بلساڑ)

الجواب صحیح عباس بن داؤد عفی اللہ عنہ معین دارالافتاء

الجواب صحیح محمد اکرام علی غفرلہ (استاذ الحدیث)

الجواب صحیح واجد حسن غفرلہ (استاذ الحدیث)

الجواب صحیح محمد ابراہیم پٹنی غفرلہ (استاذ الحدیث)

الجواب صحیح محمد سعید عفا اللہ عنہ (مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل)

دار العلوم فلاح دارین، ترکیسر، سورت، گجرات

محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب زید مجدہم نے جو جواب تحریر فرمایا ہے احقر اس کی تاکید کرتا ہے، نیز محترم المقام جناب مستفتی صاحب زید مجدہم نے اثناعشریہ کے جو عقائد ان کی معتبر کتابوں سے لکھے ہیں اگر ان میں سے ایک کا بھی وجود کسی شخص یا جماعت میں موجود ہو تو وہ یقیناً کافر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب احمد بیمات غفرلہ ولوالدیہ

خادم دارالافتاء فلاح دارین ۱۹ر صفر المظفر ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح والمجیب مصیب عبد اللہ غفرلہ (مہتمم فلاح دارین)

الجواب صحیح ذو الفقار اللہ غفرلہ

قرآن مجید کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے اور اس کی خبر دی ہے، اور عدم تبدیل قرآن کی یقینی اور بدیہی اولیٰ ہے جو ضروریات دین میں سے ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا صحابہ کرام سے راضی ہونا نصوص قطعیہ سے ثابت ہے خاص کر شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا جنتی ہونا اور خاتمہ بالایمان ہونا ایک امر

قطعی ہے جو تواتر سے ثابت ہے، لہٰذا جو ان باتوں میں شک کرے گا وہ کافر ہے کہ ضروریات دین سے انکار کرنا کفر ہے۔ کما ہو المصرح فی العقائد. فقط

واللہ اعلم بالصواب العبدالعاجز شیر علی غفرلہ الافغانی

استاذ الحدیث الشریف، فلاح دارین، ترکیسر ۲۰ صفر المظفر ۱۴۰۸ھ

دارالعلوم، بڑودہ، گجرات

شیعہ اثناعشریہ کی بنیادی اور مستند ترین کتابوں سے ان کے ''تحریف قرآن'' نیز ''عقیدۂ امامت'' (جو ختم نبوت کی قطعی نفی اور حقیقت نبوت کے بعنوان امامت آج بھی باقی وجاری ہونے کو مستلزم ہے) کے برملا قائل ومعتقد ہونے کے ناقابل تردید ثبوت کے بعد وہ بلاشبہ خارج از اسلام کافر ومرتد ہیں۔

محدث کبیر وشہیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی زیدت معالیہ کے جواب سے کلی طور پر اتفاق کرتے ہوئے احقر اس کی تصویب وتوثیق کرتا ہے۔

مصلح الدین احمد بڑودی القاسمی

(شیخ الحدیث دارالعلوم بڑودہ ومفتی اصلاح المسلمین، بڑودہ، گجرات)

دارالعلوم نلگنڈہ، آندھراپردیش

آپ کا استفتاء بسلسلہ ''دریافت حکم شرعی فرقہ شیعہ اثناعشریہ امامیہ'' اور اس کا مدلل ومفصل جواب عنایت فرمودہ محدث جلیل، محقق عصر حضرت العلامہ مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی دامت برکاتہم از اول تا آخر ہم نے بغور پڑھا علماء امت واکابرین ملت نے اپنے اپنے زمانے میں قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ اور اجماع امت سے اس فرقۂ باطلہ کے متعلق جو فیصلے صادر فرمائے تھے، یہ گویا آج کے دور میں پھر انہیں کا اظہار واعلان ہے۔

ہم خدام دین حضرت العلامۃ الاعظمی مدفیوضہ کے جواب باصواب سے حرف بہ حرف متفق ہیں اور اس فتویٰ کی تائید کرتے ہیں، حق تعالیٰ آپ کو اور مولانا اعظمی صاحب مدظلہٗ کو اپنے شایان شان اجر جزیل عطا فرمائے کہ آپ حضرات نے ایسے نازک وقت میں جبکہ یہ فتنہ نئی نسل کو اپنے دام تزویر میں مبتلا کررہا ہے، اور اپنے انقلابی نعروں اور پرفریب تحریروں سے اچھے خاصے پڑھے لکھوں کو متاثر کررہا ہے، ایمانی

جرأت اور مسئولیت عند اللہ کے احساس شدید سے کام لیتے ہوئے اس فتنہ کو دلائل حقہ کی روشنی میں واضح فرمادیا۔ لیهلک من هلک عن بيّنة ويحيٰى من حيَّ عن بينة. جزاكم الله عن جميع المسلمين خير الجزاء.

فقط و السلام

العبد احسان الدین عفی عنہٗ رشادی وقاسمی	صدر المدرسین دار العلوم نلگنڈہ
احقر عزیز الدین عفی عنہٗ	استاذ دار العلوم نلگنڈہ
العبد سید صدیق احمد غفرلہ المظاہری	مدرس ومفتی دار العلوم نلگنڈہ
احقر محمد عبد النصیر رشادی وقاسمی	مدرس ومفتی دار العلوم نلگنڈہ
احقر محمد ضیاء الدین مظاہری عفی عنہٗ	مدرس ومفتی دار العلوم نلگنڈہ
محمد اطہر علی حسامی غفرلہ	مدرس ومفتی دار العلوم نلگنڈہ
احقر الافقر محمد ہلال الدین مظاہری عفی عنہ	مدرس ومفتی دار العلوم نلگنڈہ
محمد فرحت اللہ حیدر آبادی مظاہری غفرلہ	مدرس ومفتی دار العلوم نلگنڈہ
محمد ظلال الدین فلاحی حیدر آبادی غفرلہ	مدرس ومفتی دار العلوم نلگنڈہ

مدرسہ مدینۃ العلوم کوداڑ ضلع نلگنڈہ

بندہ کو بھی جواب سے پورا اتفاق ہے۔

احقر الزمن بندہ عبد القادر غفرلہٗ ناظم مدرسہ مدینۃ العلوم کوداڑ ضلع نلگنڈہ)

مدرسہ بیت العلوم، سریا پیٹ ضلع نلگنڈہ آندھرا پردیش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرقہ اثنا عشریہ کے سلسلہ میں آپ کے استفتاء اور محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی دامت برکاتہم کا جواب نظر نواز ہوا، فرقہ اثنا عشریہ کے سلسلہ میں اکابر سلف کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ اپنے تحریف قرآن کے ادعاء اور امامت متوازی نبوت اور سبّ وشتم صحابہ جیسے مبینہ عقائد کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور آج کل یہ استفتاء اور فتویٰ درحقیقت اکابر کے فیصلے اور فتویٰ کا علی الاعلان اظہار

ہے، جو وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔
چنانچہ ہم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ کے جواب سے متفق ہیں۔

عبدالعزیز غفرلہ (ناظم مدرسہ بیت العلوم سریا پیٹ)

محمد امجد علی قاسمی عفی عنہ (خادم مدرسہ بیت العلوم)

محمد عبدالحی قاسمی غفرلہ (خادم مدرسہ بیت العلوم) ۲۸/۱۱/۸۶ء

جامعہ خادم الاسلام جامع مسجد ہاپوڑ ضلع غازی آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے متعلق جو کچھ حضرت شیخ الحدیث صاحب زید مجدہ الاعظمی نے تفصیلی جواب تحریر فرمایا وہ حق ہے، والحق احق ان یتبع وما ذا بعد الحق الا الضلال نہ اس فرقہ کا ایمان قرآن کریم پر ہے اور نہ ہی اس مذہب کو تسلیم کرتے ہوئے بقاء ایمان کی کوئی صورت ہو سکتی ہے، اور جب قرآن کریم پر ہی ایمان نہیں تو باقی فروعی مسائل میں جو کچھ خرافات ہوں تو عقلاً مستبعد نہیں۔ فالحمد للّٰہ اوّلا واٰخراً ظاھرًا وباطنًا و صلی اللّٰہ تعالٰی وسلم علٰی افضل خلقہ وعلٰی اٰلہٖ وازواجہ الطاھرین وصحابتہٖ اجمعین وتابعیھم الٰی یوم الدین. ھذا ما کتبہٗ احقر الزمن العبد محمود حسن غفر اللّٰہ لہ ولوالدیہ
واحسن الیھما والیہ خادم جامعہ خادم الاسلام ہاپوڑ ۱۶/۲/۱۴۰۸ھ الجواب صحیح احقر مشتاق احمد غفرلہ صدر مدرس و شیخ الحدیث جامعہ خادم الاسلام

الجواب صحیح ظہیر احمد اظہر عفی عنہ القاسمی (استاذ جامعہ خادم الاسلام)

الجواب صحیح محمد عباد الرحمٰن عفی عنہ برنی قاسمی مدرسہ جامعہ خادم الاسلام

الجواب صحیح محمد اصغر غفرلہ خادم جامعہ عربیہ خادم الاسلام

الجواب صحیح محمد ایوب غفرانی عفی عنہ خادم جامعہ عربیہ خادم الاسلام

الجواب صحیح محمد کمال الدین غفرلہ ناگوری خادم جامعہ عربیہ خادا الاسلام

مدرسہ اسلامیہ بھٹنی گورکھپو

بسم اللہ الرحمن الرحیم ان عقائد (استفتاء میں مذکور عقائد) کے ماننے والے سارے ہی شیعہ یقیناً کافرومرتد ہیں۔ حکیم وصی احمد قاسمی عفی عنہٗ

(مہتمم مدرسہ اسلامیہ بھٹنی) ۱۵ شوال المکرم ۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح وسیم احمد قاسمی غفرلہ مفتی ومدرس مدرسہ اسلامیہ بھٹنی گورکھپور

الجواب صحیح محمد اسحاق القاسمی غفرلہ مفتی ومدرس مدرسہ اسلامیہ بھٹنی گورکھپور

الجواب صحیح محمد زاہد نعمانی عفی عنہ مفتی ومدرس مدرسہ اسلامیہ بھٹنی گورکھپور

الجواب صحیح حکیم محمد احمد غفرلہ قاسمی، الجواب صحیح گلاب حسین مظاہری ندوی غفرلہ

الجواب صحیح عبدالکریم مفتاحی عفی عنہ اعظمی الجواب صحیح رفیع احمد قاسمی عفی عنہٗ

مدرسہ ناصر العلوم ڈومریا گورکھپور

الجواب صحیح محمد ہاشم غفرلہ قاسمی صدر مدرسہ ناصر العلوم ڈومریا گورکھپور

مدرسہ عربیہ انجمن اسلامیہ گورکھپور

الجواب صحیح علی احمد قاسمی صدر مدرس مدرسہ عربیہ انجمن اسلامیہ

ادارہ محمودیہ قصبہ محمدی (ضلع لکھیم پورکھیری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم. الجواب صوابٌ وللہ در المستفتی والمجیب جزاھم اللہ تعالیٰ عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزاء.

جن علماء اسلام کو کتب شیعہ میں مندرج عقائد کفریہ پر اطلاع ہوئی انہوں نے عالی، تبرائی شیعوں کی تکفیر کو شرعی ذمہ داری قرار دیتے ہوئے ضروری فرمایا ہے، چنانچہ بیہقی ہند قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نوراللہ مرقدہٗ نے اپنی متداول درسی کتاب مالابدمنہ کے مقدمہ میں فرمایا ہے۔

متواترات از نصوص قرآن و حدیث بمدح صحابہ پُر است، و در قرآن است کہ ایشاں باہم محبت و رحمت داشتند، و نیز بر کفار غلاظ و شداد بودند، ہر کہ آنہارا باہم مبغض و بے الفت داند منکر قرآن است، و ہر کہ بآنہا دشمنی و غصہ داشتہ باشد، در قرآن بروے اطلاق کفر آمدہ، حاملان وحی و راویان قرآن اند ہر کہ منکر آنہا باشد اورا ایمان بہ قرآن وغیرہ ایمانیات ممکن نیست۔ (ص ۱۱)

اور فخر المتاخرین حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اکفار الملحدین ص ۵۲ ص ۴۶، ص ۴۴، ص ۴۰ پر غلاۃ روافض کی تکفیر متقدمین کی کتب سے نقل فرمائی ہے اور حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات جلد اول میں ان علماء کے لئے سخت وعید لکھی ہے جو بدعات کے شیوع اور فتنوں کے ظہور، اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی اہانت اور تنقیص کئے جانے کے دور میں خاموش رہیں اور اظہار حق نہ کریں۔ احقر امام علی دانش عفی عنہ

صدر المدرسین ادارہ محمودیہ ۲۵/۷/۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح نظام الحق عفی عنہ مہتمم ادارہ محمودیہ

الجواب صحیح ذکی اللہ قاسمی غفرلہ (مدرس ادارہ محمودیہ)

الجواب صحیح نظام علی قاسمی عفی عنہٗ (ادارہ محمودیہ)

الجواب صحیح محمد مجتبیٰ لکھنوی غفرلہ (مدرس ادارہ محمودیہ)

الجواب صحیح عبد الحمید قاسمی عفی عنہ اورنگ آبادی (مدرس ادارہ محمودیہ)

الجواب صحیح احترام الحق غفرلہٗ (مہر ادارہ محمودیہ قصبہ محمدی کھیری)

مدرسہ حسینیہ قصبہ محمدی

الجواب صحیح فرید احمد قاسمی غفرلہ مدرس مدرسہ حسینیہ

الجواب صحیح مجید اللہ عفی عنہٗ مدرس مدرسہ حسینیہ

الجواب صحیح محمد اظہر خاں قاسمی غفرلہ محمدی کھیری

الجواب صحیح محمد راشد قاسمی غفرلہ محمدی کھیری

الجواب صحیح محمد اسحاق خان عفی عنہ رساپور ضلع کھیری

الجواب صحیح محمد اسلم قاسمی عفی عنہ محمدی کھیری

الجواب صحیح محمد مستقیم خان غفرلہ محمدی کھیری

مدرسہ ضیاء القرآن امیٹھی (ضلع کھیری)

الجواب صحیح مصطفی حسین غفرلہ ناظم مدرسہ ضیاء القرآن

مدرسی عربیہ رشیدیہ (گولا، ضلع لکھیم پور کھیری)

الجواب صحیح رعایت علی غفرلہ قاسمی صدر و مہتمم مدرسہ رشیدیہ۔

مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن، میلانی (ضلع لکھیم پور کھیری)

الجواب صحیح جمیل احمد غفرلہ مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن

دار الافتاء جامع مسجد آگرہ

فتویٰ جناب مولانا مفتی عبدالقدوس رومی صاحب زید مجدہم

الجواب بعون الملک الوہاب

روافض کے مذہبی معتقدات میں ان کے عقیدۂ تحریف کو ملحوظ رکھتے ہوئے یقیناً انہیں ملت اسلامیہ سے خارج ہی کہا جائے گا۔ روافض کے مشہور آئمہ و علماء کی تصریحات خود حضرت مستفتی دامت برکاتہم اور حضرت فاضل مجیب علام دامت برکاتہم کی تحریروں میں آ چکی ہیں، جن کی تصدیق و توثیق کی جاتی ہے۔

مزید اطمینان کے لئے ماضی قریب کے ایک شیعی عالم اعجاز حسن بدایونی کی ایک تحریر کے چند اقتباسات بھی ملاحظہ میں رہیں، موصوف رسالہ درنجف سیالکوٹ کی اشاعت بابت اپریل ۱۹۲۶ء میں

رقمطراز ہیں۔

(الف) اگر تم سچے ہو تو قرآن کی صفات موجودہ عہد رسول والے قرآن پر منطبق کر دینا ورنہ اپنے دعوائے باطلہ سے تائب ہو جانا، پھر کبھی اس قرآن کے اصلی ہونے کا دعویٰ نہ کرنا۔

(ب) مسٹر ''النجم'' تم کس منہ سے قرآن موجود کو پورا قرآن بتاتے ہو، درانحالیکہ اصلی قرآن میں سورۂ احزاب دوسو آیت کی تھی۔ اس سورت میں آیت رجم بھی تھی۔

(ج) مگر آپ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) نے ایجاد بندہ فرمائی، اب بتاؤ اصل قرآن کہاں محفوظ رہا۔''

(د) آیات کی بے ڈھنگی ملاحظہ ہو، دوسری آیت بالکل بے ربط مقام میں لکھی گئی۔ جیسے آیۂ تطہیر ازواج نبی کے تذکرے میں ٹھوس دی گئی ہے۔

(ہ) اور سنو بارہویں پارہ کے چوتھے رکوع میں طوفان نوح کا قصہ عجیب عنوان میں لکھا گیا ہے جس سے جامع قرآن کی جہالت کا طوفان بدتمیزی ابلتا ہے۔

(و) کیوں میاں عبدالشکور سچ کہنا یہی ترتیب مطابق لوح محفوظ ہے؟ کیا یہی بے ڈھنگی ترتیب توقیفی ہے؟ کیا اسی اوندھی ترتیب کی حفاظت کا خدا نے وعدہ فرمایا ہے؟ کیا اسی ترتیب پر آپ کا اور جامع القرآن کا ایمان ہے''؟ (بحوالہ حقیقت شیعہ ص ۲۹، ص ۳۰) ان اقتباسات کو نظر میں رکھتے ہوئے کیسے کہا یا سمجھا جا سکتا ہے کہ فرقہ روافض قرآن مجید کی تحریف کا قائل نہیں ہے؟ ان اقتباسات کی ہر ہر سطر ہر ہر فقرہ سے تحریف قرآن کا عقیدہ روافض کے یہاں مسلم ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ابھی حال میں ایک امتحان کی کاپی دیکھنے کو ملی جس میں ایک رافضی امیدوار لکھتا ہے:

''جہاں تک جمع قرآن کا مسئلہ ہے تو زمانہ حضرت عثمان میں جمع ہوا اسے تو قرآن کی آیتیں ہی بتا سکتی ہیں۔ اگر قرآن کریم جمع ہوا ہوتا تو آیتیں بے ربط نہ ہوتیں بلکہ آیتوں میں تسلسل ہوتا۔ آیتوں کا بے ربط اور بہت سی آیتوں میں مفاہیم کا مبہم ہونا اس بات پر دال ہے کہ قرآن جمع نہیں ہوا بلکہ تحریف ہوئی ہے۔ (کاپی کا فوٹو محفوظ ہے)

اب تو روز روشن کی طرح یہ حقیقت صاف ہو جاتی ہے کہ فرقۂ روافض تحریف قرآن کا قائل ہے، تحریف قرآن کا عقیدہ ہوتے ہوئے انہیں کسی طرح مسلمان نہیں کہا جا سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

عبدالقدوس رومی

(مہر دارالافتاء جامع مسجد آگرہ)

مجلس علمیہ آندھرا پردیش (حیدر آباد)

فرقۂ اثنا عشریہ کے بارے میں استفتاء اور محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی دامت برکاتہم کے مفصل ومدلل جواب کا بغور مطالعہ کیا گیا۔

ہم سب اس کی مکمل تائید وتصدیق کرتے ہیں اور اس فرقہ کو اس کے عقائد کی روشنی میں دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

فقط عبدالعزیز عفی عنہ، ناظم مجلس علمیہ آندھرا پردیش
ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح — سید اکبر الدین غفرلہ قاسمی
نائب ناظم مجلس علمیہ ومعاون ایڈیٹر ''قرطاس وقلم'' حیدر آباد۔

الجواب صحیح — عطاء اللہ خاں جامی عفی عنہ، خطیب جامع مسجد نظام آباد

الجواب صحیح — ولی اللہ غفرلہ، مدرس مدرسہ مدینۃ العلوم نظام

الجواب صحیح — محمد فاروق عفی عنہ مظاہری صدر مدرس مدرسہ مدینۃ العلوم نظام آباد

الجواب صحیح — محمد اسمٰعیل خاں عفی عنہ مفتاحی ناظم مدرسہ مشکوٰۃ العلوم نظام آباد

الجواب صحیح — عبدالقدوس زعیمی عفی عنہ فاضل دیوبند نظام آباد

الجواب صحیح — امیر اللہ خاں قاسمی غفرلہ ناظم مدرسہ سراج العلوم محبوب نگر

الجواب صحیح — محمد سلیم قاسمی ساگری غفرلہ مفتی وصدر مدرس مدرسہ مدینۃ العلوم محبوب نگر

الجواب صحیح — مطیع الرحمٰن مفتاحی عفی عنہ صدر مدرس مدرسہ سراج العلوم محبوب نگر۔

دارالعلوم جامعہ عربیہ بھینسہ عادل آباد (آندھرا پردیش)

آپ کا ''ایک اہم استفتاء'' اول تا آخر بغور پڑھا گیا، ساتھ ہی حضرت محدث جلیل علامۃ العصر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم کا جواب (فتویٰ) پر خوب غور وخوض کیا گیا۔ ہم لوگ حضرت مولانا کے جواب کی پوری پوری تائید کرتے ہیں کہ:

اثنا عشری شیعہ بلاشک وشبہ کافر مرتد ہیں، کیونکہ وہ تحریف قرآن کے برملا قائل ومعتقد ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

محمد فاروق قاسمی مفتی دار العلوم بھینسہ، محمد عبد الصمد غفرلہ

محمد عبد الصمد غفرلہ، مہتمم دار العلوم بھینسہ، محمد رمضان القاسمی ناظم تعلیمات دار العلوم بھینسہ، محمد سیف الدین انظر الاعظمی مدرس دار العلوم بھینسہ۔ محمد سلیم الدین قاسمی مدرس دار العلوم بھینسہ۔

مدرسہ دینیہ وصیۃ العلوم پرنام بٹ (مدراس)

حامدا ومصلیا ومسلّما

الجواب: اللّٰهم ارنا الحق حقاو ارزقنااتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه

یوں تو شیعہ کے عقائد کفریہ اور اخیالات باطلہ بہت سے ہیں مگر بعض عقائد تو وہ ہیں کہ جن کے اعتقاد سے کھلا ہوا کفر اور ارتداد لازم آتا ہے، جیسا کہ شیعہ کی کتابوں سے یہ عقیدہ صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ معاذ اللہ! قرآن پاک میں صحابہ کرامؓ نے تحریف کی اور کئی عبارتوں کو نکال دیا۔ تفصیل کے لئے "مختصر التحفۃ الاثنی عشریہ" (عربی) ص ۳۰ ملاحظہ ہو۔ دیگر عقائد فاسدہ سے قطع نظر یہ ایک ہی غارت گر ایمان عقیدہ، شیعہ کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کے لئے کافی ہے، یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں اور ان دنوں کعبۃ اللہ اور حرم محترم کے ساتھ جو کچھ بے حرمتی کر رہے ہیں یہ کسی پر مخفی نہیں، لہٰذا یہ گمراہ جماعت خارج از اسلام ہے اور اس جماعت سے مسلمانوں کو قطع تعلق کرنا واجب ہوگا۔

واللہ سبحانہ، وتعالیٰ اعلم بالصواب حررہ بندہ سعید احمد غفر اللہ لہٗ

مفتی مدرسہ وصیت العلوم (مدرس) ۱۱ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

جواب صحیح ہے۔ احقر نیاز احمد غفرلہ مدرسہ وصیت العلوم

الجیب مصیب۔ محمد ذاکر عفی عنہٗ خادم مدرسہ وصیت العلوم (مہر دار الافتاء)

مدرسہ وصیت العلوم پرنام بٹ (مدراس)

جامعہ عربیہ ہتورا (باندہ)

فتویٰ حضرت مولانا صدیق احمد باندوی دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء اور محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی دامت برکاتہم کے جواب میں مذکور معتمد

تفصیلات وتصریحات کے بعد کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ ایسے عقائد کے حاملین کو اسلام کے دائرہ میں داخل وشامل قرار دیا جائے۔

حق یہ ہے کہ ان میں سے محض کسی ایک عقیدہ کا اختیار کرنا ہی کفر وارتداد کا موجب ہے چہ جائیکہ پورا مذہب ایسے ہی عقائد پر مبنی ہے۔

صدیق احمد عفی عنہ ناظم جامعہ عربیہ ہتورا (باندہ)

الجواب صحیح العبد محمد عبید اللہ الاسعدی غفرلہ ۱۴۰۸/۳/۲۰ھ

الجواب صحیح محمد زید غفرلہ مظاہری (مفتی ومدرس جامعہ عربیہ ہتورا)

مدارس دینیہ مئو ضلع اعظم گڑھ

مدرسہ مرقاۃ العلوم ودار العلوم وجامعہ تعلیم الدین وجامعہ مفتاح العلوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں نے محدث جلیل علامۃ العصر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی دامت برکاتہم کا مدلل جواب بغور پڑھا، جواب باصواب مختصر ہونے کے باوجود بھی شیعیت کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ اس کو پڑھ لینے کے بعد فہم سلیم والوں پر شیعوں کے عقائد باطلہ واضح ہوجاتے ہیں۔

حضرت مولانا الاعظمی مدظلہ نے اپنے تحقیقی جواب سے امت مسلمہ کو ممنون فرمایا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا الاعظمی مدظلہٗ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میں مذکورہ بالا الفاظ میں حضرت العلامۃ مدظلہ کے فتویٰ کی حرف بحرف تائید کرتا ہوں۔

حفیظ الرحمٰن الاعظمی۔

خادم دار الافتاء مدرسہ مرقاۃ العلوم، ۶، ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

عبد الجبار مدرس مرقاۃ العلوم، نسیم انور الاعظمی مدرس مرقاۃ العلوم

محمد عارف الاعظمی صدر مدرس دار العلوم مئو۔

انور علی الاعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم مئو۔

احمد اللہ مدرس دار العلوم مئو، فیاض احمد مدرس دار العلوم مئو

اعجاز احمد حسینی غفرلہ صدر مدرس ومفتی جامعہ تعلیم الدین۔

اختر حسن قاسمی مفتی مفتاح العلوم مئو۔

مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا (بہار)

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ حامدا ومصلیا

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ کے فتویٰ کی حرف بحرف تصدیق کرتا ہوں، الحمد للہ فتویٰ میں مواد کا نہایت بیش قیمت ذخیرہ ہے جس کو دیکھنے کے بعد شیعوں کے کفر میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ انہوں نے یہ محنت فرما کر مسلمانوں پر بہت احسان فرمایا ہے اور اسلام کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ فجزاھم اللہ عنا وعن المسلمین وعن الاسلام خیر الجزاء فقط

محمد فخر الدین غفرلہ

مہتمم مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا (بہار)

ہم خدّام مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا بھی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ کے فتویٰ کی تصدیق وتصویب کرتے ہوئے یہ عرض کرتے ہیں کہ مولانا موصوف کے معلوماتی ذخیرہ کو دیکھنے کے بعد شیعوں کے کفر میں شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔

محمد معین الدین غفرلہ (نائب مہتمم مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا)

اختر حسین عفی عنہ (مدرس مدرسہ ہذا)

عبدالقدوس غفرلہ (مدرس مدرسہ ہذا) (رفیق احمد غفرلہ) (مدرس مدرسہ ہذا)

محمد خالد عفی عنہ (مدرس مدرسہ ہذا) (محمد فاروق غفرلہ) مدرس مدرسہ ہذا)

عبدالقدوس عفی عنہ (مدرس مدرسہ ہذا) (عطاء الرحمٰن غفرلہ) مدرس مدرسہ ہذا)

مفتاح العلوم، جلال آباد

باسمہ تعالیٰ شانہ، الجواب ومنہ الصواب:

جس فرقہ یا جس شخص کے وہ عقائد ہوں جو آپ کے مطبوعہ اہم استفتاء میں کتب شیعہ کے حوالوں سے نقل کئے گئے ہیں اس فرقہ یا اس شخص کے کفر سے کیا کسی کو انکار ہوسکتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم

کتبہ العبد

نصیر احمد غفرلہ ۱۷/۳/۱۴۰۸ھ

احقر محمد صفی اللہ غفرلہ مہتمم مدرسہ ہذا

محمد سمیع اللہ خاں عفی عنہ محمد یٰسین غفرلہ احقر عقیل الرحمٰن عفی عنہ

محمد یامین عفی عنہ جلال آبادی محمد یامین ادریس پوری رفیع الزماں

احقر عبدالستار العبد محمد قاسم غفرلہ

مہر مدرسہ اسلامیہ عربیہ مفتاح العلوم

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

فاضل مستفتی نے اثناعشریہ کے جن حوالہ جات کا ذکر کیا ہے وہ ہم نے شیعہ کتابوں میں خود پڑھے ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر شیعوں کی کتاب میں ایسی عبارات صاف صاف موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ:

(الف) وہ تمام جماعت صحابہ کو مرتد اور منافق سمجھتے ہیں یا ان مرتدین کے حلقہ بگوش۔

(ب) وہ قرآن کریم کو (جوامت کے ہاتھوں میں موجود ہے) بعینہٖ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ نہیں سمجھتے بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اصل قرآن جو خدا کی طرف سے نازل ہوا تھا وہ امام غائب کے پاس غار میں موجود ہے اور موجودہ قرآن (نعوذ باللہ) محرف ومبدل ہے۔ اس کا بہت سا حصہ (نعوذ باللہ) حذف کر دیا گیا ہے بہت سی باتیں اپنی طرف سے ملا دی گئی ہیں۔ قرآن شریف ضروریات دین میں سب سے اعلیٰ وارفع چیز ہے اور شیعہ بلا اختلاف ان کے متقدمین اور متاخرین سب کے سب تحریف قرآن کے قائل ہیں اور ان کی کتابوں میں زائد از دو ہزار روایات تحریف قرآن کی موجود ہیں جن میں پانچ قسم کی تحریف بیان کی گئی ہے۔ نمبر۱ کمی، نمبر۲ بیشی، نمبر۳ تبدل الفاظ، نمبر۴ تبدل حروف، تبدل ترتیب سورتوں، آیتوں اور کلمات میں بھی۔

''اصول کافی'' اور اس کا تتمہ ''الروضہ'' ملا باقر مجلسی کی کتابوں ''جلاء العیون'' ''حق الیقین'' ''حیات القلوب'' ''زاد المعاد'' نیز حسین بن محمد تقی النوری الطبرسی کی کتاب ''فصل الخطاب فی اثبات تحریف رب الارب'' (جو ۳۹۸ صفحات پر مشتمل ہے) میں قرآن کریم کا محرّف ہونا ثابت کیا گیا ہے۔

مؤلف مذکور طبرسی نے بزعم خود بے شمار روایات سے قرآن کریم کی تحریف ثابت کی ہے۔

(ج) قادیانیوں کی طرح وہ لفظی طور پر ختم نبوت کے قائل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں، لیکن انہوں نے نبوت محمدیہ کے مقابلہ میں ایک متوازی نظام عقیدہ امامت کے نام سے تصنیف کرلیا ہے۔ ان کے نزدیک امامت کا ٹھیک وہی تصور ہے جو اسلام میں نبوت کا تصور ہے، چنانچہ امام نبی کی طرح منصوص من اللہ ہوتا ہے، معصوم ہوتا ہے، مفترض الطاعۃ ہوتا ہے، ان کو تحلیل تحریم کے اختیار ہوتے ہیں اور یہ کہ بارہ امام تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں۔

(اصول کافی. تفسیر مقدمہ مراۃ الانوار)

ان عقائد کے ہوتے ہوئے اس فرقہ کے کافر اور خارج از اسلام ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا، صرف انہی تین عقائد کی تخصیص نہیں بلکہ بغور نظر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ شیعیت اسلام کے مقابلہ میں بالکل الگ تھلگ اور متوازی مذہب ہے جس میں کلمہ طیبہ سے لے کر میت کی تجہیز و تکفین تک تمام اصول وفروع اسلام سے الگ ہیں، اس لئے شیعہ اثنا عشریہ بلا شک وشبہ کافر ہیں، علماء امت نے اثنا عشریہ شیعوں کو ہر زمانہ میں کافر قرار دیا البتہ:

(۱) اس فتویٰ کی اشاعت نہیں ہوئی۔

(۲) تقیہ اور کتمان کے دبیز پردوں میں شیعہ مذہب چھپا رہا۔

(۳) خمینی صاحب کے آنے کے بعد شیعہ اثنا عشریہ نے بین الاقوامی طور پر وجوہ ثلاثہ سابقہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے مذہب کی خوب اشاعت کی، خمینی صاحب خود کو امام غائب کا نمائندہ سمجھتے ہیں اور اپنا حق سمجھتے ہیں کہ مذہب شیعہ کی اصلی طور پر بلا کتمان اشاعت ہو اس لئے اب صورت حال مختلف ہوگئی۔

فاضل مستفتی نے بڑی محنت سے استفتاء مرتب کیا ہے اور اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تقریباً ہر دور میں شیعہ اثنا عشری کو کافر قرار دیا گیا ہے، اس استفتاء کی تحریر کردہ عبارتوں کے بعد جواب استفتاء کے لئے مزید عبارت کی ضرورت نہیں البتہ بعض عبارات طرۂ اللباب بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) سورۃ الفتح پ ۲۶ کے آخری رکوع میں جہاں سورت ختم ہوتی ہے وہاں ارشاد خداوندی ہے لیغیظ بھم الکفار اس آیت کے ذیل میں ''روح المعانی'' میں علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

وفی المواهب ان الامام مالكا قد استنبط من هذه الأية تكفير الروا فض الذين يبغضون الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم فانهم يغيظونهم و من غاظه

الصحابة فهو كافر ووافقه كثير من العلماء

وفی البحر: ذکر عند مالک رجل ينتقص الصحابة فقرأ مالک هذه الأية فقال: من اصبح من الناس وفی قلبه غيظ من اصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم فقد اصابته هذه الأية .ويعلم تكفير الرافضة بخصوصهم وفی كلام عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها مايشير اليه ايضاً فقد اخرج الحاكم وصححهٗ عنها فی قوله تعالیٰ (ليغيظ بهم الكفار) قالت اصحاب محمد صلی اللّٰه عليه وسلم: امروا بالاستغفار لهم فَبوهم. (روح المعانی پارہ ۲۶ ص ۱۲۸)

(۲) قرآن کریم کی آیت کے بعد احادیث مبارکہ میں صحابہ کرامؓ کے مقام رفیع کی نشاندہی فرمائی گئی ہے شارحین حدیث نے ان پر جو کچھ لکھا ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔

عن ابی سعيد الخدری قال قال النبی صلی اللّٰه عليه وسلم: لاتسبُّوا صحابی: ولوان احدكم انفق مثل احد ذهبا مابلغ مدَّ احدهم ولانصيفه(متفق عليه).
(مشكوٰة ص ۵۵۳)

وعن ابن عمر قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: اذا رأيتم الذين يسبون اصحابی فقولوا لعنة اللّٰه علی شركم.
(رواه الترمذی مشكوٰة ص ۵۵۴)

وجميع ذلک يقتضی القطع بتعديلهم (بتعديل الصحابة) ولايحتاج احد منهم مع تعديل اللّٰه لهٗ الٰی تعديل احد من الخلق علیٰ انه لولم يرد من اللّٰه ورسوله فيهم شئ مما ذكرنا لاوجبت الحال كانو اعليها من الهجرة والجهاد ونصرة الاسلام وبذل المهج والاموال وقتل الآباء والابناء والمناصحة فی الدين وقوة الايمان واليقين القطع علٰی تعديلهم والاعتقاد لنزاهتهم وانهم كانوا افضل من جميع الخالفين بعد هم والمعدلين الذين يجيئون من بعدهم هذا مذهب كافة العلماء ومن يعتمد قوله.

ثم روی بسنده الی ابی زرعة الرازی قال: اذا رأيت الرجل ينتقص احدا من اصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم فاعلم انه زنديق، وذلک ان الرسول حق والقراٰن حق ،وما جاء به حق، وانما ادی الينا ذلک كله الصحابه، وهؤلآء

یریدون ان یجرحوا شهودنا لیبطلوا الکتاب والسنة والجرح بهم اولٰی وهم زنادقة . (الاصابة فی تمییز الصحابه ص ۱۰ ج ۱)

قرآن وحدیث کے بعد اجماع امت کو دیکھا جائے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر سب سے پہلے اجماع ہوا، یہ اجماع سب سے قوی ہے کیونکہ اس میں صحابہ کرام، اہل بیت، اہل مدینہ سب ہی شامل ہیں روافض اس اجماع کو تسلیم نہیں کرتے اور منکر اجماع کافر ہے۔

وقال ابن رقیق العید: قدیؤخذ من قولهٗ "المفارق للجماعة" ان المراد المخالف لاهل الاجماع فیکون متمسکا لمن یقول مخالف الاجماع کافر.

وقد نسب ذلک الٰی بعض الناس ولیس ذلک بالبین، فان المسائل الاجماعیة تارة یصحبها التواتر بالنقل عن صاحب الشرع کوجوب الصلوة مثلاً وتارة لایصحبها التواتر. فالاول یکفر جاحده لمخالفة التواتر لالمخالفة الاجماع والثانی لایکفر. (اکفار الملحدین ص ۳۱)

موجودہ اجماع کے ساتھ تواتر بھی شامل ہے اس لئے اس کا انکار یقیناً کفر ہے۔

والحاصل ان من کان من اهل قبلتنا ولم یغل حتی.........ولاخلف منکر خلافة ابی بکر او عمر او عثمان لانّه کافر.

(اکفار الملحدین للشیخ انور ص ۵۱)

فتاویٰ ہندیہ (فتاویٰ عالمگیریہ) جو بعہد اورنگ زیب عالمگیر مرتب ہوا جس کی ترتیب وتدوین میں ہندوستان کے اکابر علماء شریک ہوئے جن کے تراجم "نزهة الخواطر" میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

اسی فتاویٰ کے ص ۲۶۴ پر ہے:

الرافضي اذاکان یسب الشیخین ویلعنهما والعیاذ باللّٰه فهو کافر....... من انکر امامة ابی بکر الصدیق رضی اللّٰه عنه فهو کافر، وعلٰی قول بعضهم هومبتدع ولیس بکافر،و الصحیح انه. کافر وکذلک من انکر خلافة عمر رضی اللّٰه عنه فی اصح الاقوال کذافی الظهیر یه؛ویجب اکفارهم باکفار عثمان وعلی وطلحة وزبیر وعائشة رضی اللّٰه عنهم.

ویجب اکفار الروافض فی قولهم برجعة الاموات الٰی الدنیا وبتناسخ الارواح وبانتقال روح الاله الی الائمة، وبقولهم ان جبرئیل علیه السلام غلط

فی الوحی الیٰ محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم دون علی بن ابی طالب رضی اللّٰہ عنه وهؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحكامهم احكام المرتدين كذا فی الظهیر یه.

''فتاویٰ بزازیہ'' جوفتاویٰ عالمگیری کے حاشیہ پرچھپی ہوئی ہے اور جس کے مصنف حافظ محمد بن محمد بن شہاب المعروف بابن بزاز متوفی ۸۲۷ھ ہیں اور جو آئمہ فقہ کی تصریح کے مطابق فقہ حنفی کی نہایت اہم معتمد کتابوں میں ہے اس کے ص ۳۱۸ ج ۶ میں کہا گیا ہے۔

ومن انكر خلافةً ابی بكر رضی اللّٰہ عنه فهو كافر فی الصحيح ،ومنكر خلافة عمر رضی اللّٰہ عنه فهو كافر فی الاصح ،ويجب اكفار الخوارج فی اكفارهم جميع الامة سواهم ،ويجب اكفارهم باكفار عثمان و علی وزبير وطلحة رضی اللّٰہ عنهم.

پھر ص ۳۱۹ ج ۶ پر یہ عبارت ہے: الرافضی ان كان يسب الشيخين ويلعنهما فهو كافر.

البحر الرائق شرح كنز الدقائق للعلامة زين الدين الشهير بابن نجيمؒ ص ۱۳۱ ج ۵ میں ہے:

وبقذفه عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها من نسائه صلی اللّٰہ علیه وسلم فقط، وبانكاره صحبة ابی بكر رضی اللّٰہ عنه بخلاف غيره و بانكاره امامة ابی بكر رضی اللّٰہ عنه علی الاصح كا نكاره خلافة عمر رضی اللّٰہ عنه علی الاصح.

خلافة الفتاویٰ للشيخ الاجل الامام الاكمل الفقيه الامجد طاهر بن عبدالرشيد البخاری میں ہے: وما يتصل بهذا الرافضی ان كان يسب الشيخين ويلحنهما فهو كافر. (ص ۳۸۱. ج ۴)

صاحب درمختار فرماتے ہیں:

او الكافر سبب او بسب احدهما فی البحر عن الجوهرة معزيا للشهيد من سب الشيخين اوطعن فيهما كفر،ولا تقبل توبتهٗ وبه اخذ الدبوسی وابو الليث وهو مختار للفتوی.

صاحب درمختار کی اس عبارت پر علامہ ابن عابدین شامی نے طویل کلام کیا ہے لیکن آخر میں واضح طور پر یہ تحریر فرمایا ہے:

نعم لاشک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی الله عنها او انکر صحبة الصدیق ادعی الالوهیة فی علی او ان جبریل غلط فی الوحی اونحو ذلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن. (ردالمحتار ص ۳۳۶. ج۴)

فتاویٰ عزیزیہ میں شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں:

بلاشبہ فرقہ امامیہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے منکر ہیں اور کتب فقہ میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا جس نے انکار کیا وہ اجماع امت کا منکر ہوا، وہ کافر ہوگیا۔ (ملاحظہ ہو ترجمہ فتاویٰ عزیزیہ ص ۳۷۷)

لہٰذا شیعہ اثنا عشری رافضی کافر ہیں مسلمانوں سے ان کا نکاح شادی بیاہ جائز نہیں حرام ہے۔ مسلمانوں کے لئے ان کے جنازے میں شرکت جائز نہیں۔ ان کا ذبیحہ حلال نہیں، ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں، غرض ان کے ساتھ غیر مسلم جیسا سلوک کیا جائے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

کتبہٗ: (ولی حسن خان ٹونکی)

رئیس دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵ پاکستان

الجواب صحیح: مولانا مفتی (احمد الرحمٰن) رئیس جامعۃ العلوم الاسلامیہ نیوٹاؤن

الجواب صحیح: مولانا (حبیب اللہ) نائب رئیس جامعۃ العلوم الاسلامیہ نیوٹاؤن

الجواب صحیح: مولانا مفتی (محمد عبدالسلام چاٹگامی) دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ نیوٹاؤن۔

الجواب صحیح: مولانا مفتی (رضاء الحق مردانی) رفیق دارالافتاء

الجواب صحیح: مولانا مفتی (محمد ولی درویش) رفیق دارالافتاء

الجواب صحیح: مولانا (محمد ادریس میرٹھی) استاذ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ ورئیس وفاق المدارس العربیہ پاکستان۔

الجواب صحیح: مولانا (سیّد مصباح اللہ شاہ) استاذ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ

الجواب صحیح: مولانا (بدیع الزمان) استاذ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ

الجواب صحیح: مولانا (محمد یوسف لدھیانوی) مدیر ماہنامہ بینات۔

الجواب صحیح: مولانا (عبدالستار تونسوی) صدر تنظیم اہل سنت پاکستان

الجواب صحیح: مولانا (سلیم اللہ خان) مدیر جامعہ فاروقیہ ڈرگ روڈ فیصل کالونی

الجواب صحیح: مولانا (نظام الدین شامزئی) مفتی دارالافتاء جامعہ فاروقیہ۔

الجواب صحیح: مولانا (محمد عادل) استاذ جامعہ فاروقیہ۔

الجواب صحیح: مولانا (محمد اکمل) مفتی دارالافتاء جیکب لائن کراچی۔

الجواب صحیح: مولانا (غلام محمد) مفتی جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی نمبر ۲ کراچی۔

الجواب صحیح: مولانا (فداء الرحمٰن) مہتمم جامعہ انوار القرآن نارتھ کراچی۔

الجواب صحیح: مولانا (پیر محسن الدین) موسس مدرسہ شریعتیہ عالیہ،

مقیم حال نمبر ۱۳۷ ٹکسال روڈ ڈھاکہ بنگلہ دیش۔

فتویٰ حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وبہ نستعین

اہل قبلہ کی تکفیر میں علمائے حق غایت درجہ کی احتیاط سے کام لیتے ہیں لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اہل قبلہ میں سے جو فرقہ بھی ضروریات دین کا منکر ہو وہ قطعی کافر ہے خواہ وہ اپنے ایمان واسلام کا کتنا ہی زور شور سے دعویٰ کرتا رہے۔ فرقہ امامیہ اثناعشریہ کے عقائد کے بارے میں فاضل علام حضرت مستفتی مولانا محمد منظور نعمانی اطال اللہ بقاءہ وعم فیوضہ نے جس تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اوران کی مستند کتابوں کے جس کثرت سے حوالے پیش کئے ہیں ان کے مطالعہ کے بعد خواص تو کیا عوام کو بھی اس فرقۂ ضالّہ کے خارج از اسلام ہونے میں شک نہیں ہوسکتا۔ بھلا جو فرقہ ختم نبوت کا قائل نہ ہو، اپنے آئمہ کو نبی کا درجہ دے انہیں معصوم سمجھے، ان کی اطاعت کو تمام انسانوں پر فرض قرار دے اوران کے بارے میں یہ

عقیدہ رکھے کہ ان پر وحی باطنی ہوتی ہے، اور وہ انبیاء اولوالعزم سے بھی افضل ہیں، قرآن کریم محرف و مبدل ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو بہ نص قرآن خیرامت ہیں اور جن کی جاں فشانی و جاں فروشی سے اسلام برپا ہوا اور دین اب تک باقی رہا ان ہی کو مرتد اور کافر کہے اور ان پر سبّ و شتم اور تبرا کو نہ صرف حلال بلکہ کار ثواب سمجھے۔ ایسا فرقہ لاکھ اپنے آپ کو مسلمان کہتا رہے اس کو اسلام و ایمان اور قرآن و نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا تعلق؟

بقول شاعر۔

دشنام بمذہبے کہ طاعت باشد   مذہب معلوم واہل مذہب معلوم

یاد رہے کہ تقیہ کے دبیز پردے اور اس فرقہ کی کتابوں کی اشاعت نہ ہونے کے باعث عام طور پر ہمارے علماء گذشتہ دور میں ان کے معتقدات سے بے خبر رہے لیکن اب جبکہ ان کی مستند کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں ان کا کفر واضح ہو چکا ہے۔ پہلے بھی جبکہ اس فرقہ کی تصانیف علماء حق کی دسترس سے باہر تھیں جن اکابر علماء نے ان کے افکار ونظریات پر کام کیا ہے ان کے کفر و زندقہ کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ فاضل مستفتی دامت برکاتہم نے استفتاء میں ان حضرات علماء کی تصریحات اس سلسلے میں نقل فرمادی ہیں جزاہ اللہ خیر الجزاء.

ہندوستان کے اکابر علماء میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی متعدد تصانیف میں فرقہ امامیہ اثناعشریہ کے کفر و زندقہ سے پردہ اٹھایا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ''وصیت نامہ'' میں فرماتے ہیں:

''ایں فقیر از روح پرفتوح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرد کہ حضرت چہ می فرمایند در باب شیعہ کہ مدعی محبت اہل بیت اند، وصحابہ را بدمی گویند، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنوعے از کلام روحانی القافرمودند کہ مذہب ایشاں باطل است و بطلان مذہب ایشاں از لفظ ''امام'' معلوم می شود، چوں ازاں حالت افاقت دست داد، در لفظ امام تامل کردم معلوم شد کہ ''امام'' باصطلاح ایشاں معصوم مفترض الطاعۃ، منصوب للخلق است، وحی باطنی در حق امام تجویز می نمایند پس در حقیقت ختم نبوت را منکر اند گو بزبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را خاتم الانبیاء'' می گفتہ باشد''

(ص ۶ و ۷ طبع مطبع مسیحی باہتمام محمد مسیح الزمان کانپور ۱۲۷۳ھ) اور اپنی دوسری گراں قدر تصنیف ''قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین'' میں ارقام فرماہیں:

''واحیاء او کہ حب ایشاں از حد اعتدال بیروں رفت بسیار اند، الآن سہ قوم بروئے کار اند ''اسماعیلیہ''

کہ زندیق صرف اند "امامیہ" کہ بہ حقیقت منکر ختم نبوت اند، "وزیدیہ" کہ فتنہ مقاتلات بین المسلمین را ایشاں منشائی شدہ اند، باز ایں فرق منشعب شدہ اند بفرقہائے بسیار کہ تعداد ایشاں عسر وارد، وحضرت مرتضیٰ بری است از لوث ایشاں وایں معنی از خطب او ظاہر است، واللہ اعلم۔"
(ص ۱۴۸، ۱۴۹ طبع مجتبائی دھلی ۱۳۷۰ھج)

اور اسی کتاب میں دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"واز ذریت حضرت مرتضیٰ سہ فرقہ ضالہ برآمدند کہ ہیچ تقصیر نکردند در برہم زدن دین محمدی اگر حفظ اوتعالیٰ شامل حال ایں ملت نبودے۔

ازاں جملہ "شیعہ امامیہ" کہ نزدیک ایشاں قرآن بنقل ثقات ثابت نیست زیرا کہ نقل صحابہ وقراء سبعہ پیش ایشاں حجت نیست وروایت از ائمہ ایشاں منقطع، وہم چنیں احادیث مرفوعہ روایت ندارند، واستفاضۂ احادیث پیش ایشاں متصور نیست، ودر ختم نبوت زندقہ پیش گرفتہ اند۔

"زیدیہ" اکثر عقائد اسلامیہ را کہ باحادیث ثابت شدہ منکرند، وسبب جنگہا وجدلہا شدند۔

واسماعیلیہ "خود اخبث اندز ہمہ" بحقیقت مذہب ایشاں سست کردن اسلام است، وبدعات بے شمار درعقیدہ وعمل اہل اسلام ازیں سہ فریق پیدا شدہ کہ تفصیل آں طولے تمام می طلبد، اگرچہ حضرت مرتضیٰ ازلوث ایشاں بری است ووبالِ ایشان راجع نیست مگر بر ایشاں۔ (ص ۲۰۹ و ۲۱۰)

اوراپنی بے نظیر کتاب "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" میں رقمطراز ہیں۔

"وآں جاہلاں کہ می گویند خلافت را از مستحق آں غصب کردہ شد وبغیر مستحق رسید مکذب خدا ومکذب رسول اویند۔ (ج ۱ ص ۲۳ طبع صدیقی بریلی ۱۲۸۶ھج)

اوراسی کتاب میں آگے چل کر حفاظت قرآن کریم پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"چوں تمام عالم بر مصاحف عثمانیہ جمع شدند یقین کردیم کہ محفوظ ہمانست وغیر او مراد الحفظ نبود، واگر مراد الحفظ می بود محو نمی شد، وایں راہیچ عاقلے حفظ نشمارد کہ نزدیک امام موہوم الوجود مختفی الحال ادعا کنند کہ نہادہ شدہ است سبحانک ھذا ابھتان العظیم، یا در روایتے غریبے درکتابے نادرے بطریق تعجب آوردہ باشد کہ فلاں چنیں گفت وفلاں چنیں نوشت، دروقت اشکال یک جانب اصابت بود ویک جانب خطأ المعذور، چوں پردہ از روئے کار برداشتند وحق مثل فلق صبح پدید ارگشت مجال خلاف نماند، ہر کہ الآن یمینًا وشمالاً افتد زندیق است او را می باید بقتل رسانید۔ (ج ۱ ص ۲۵)

غرض یہی وہ عقائد باطلہ ہیں جن کی بنا پر حضرت ممدوح کے خلف ارشد مولانا شاہ عبدالعزیز

صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اپنے "فتاویٰ" میں صاف تصریح کی ہے کہ:
"در مذہب حنفی موافق روایات مفتی بہ حکم فرقہ شیعہ (امامیہ) حکم مرتدان است چنانچہ در فتاویٰ عالمگیری مرقوم است۔" (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۲ طبع مجتبائی دھلی سنہ ۱۳۴۱ھ)

یہ بھی واضح رہے کہ مذہب امامیہ اثنا عشریہ کا سارا تصنیفی سرمایہ گیارھویں امام حسن عسکری رحمہ اللہ المتوفی سنہ ۲۶۱ھ کے بعد کا ختہ پرداختہ ہے جس کو دشمنانِ دین نے اپنی طرف سے گڑھ کران حضرات آئمہ کے سرمنڈھ دیا ہے۔ بارھویں امام کا وجود تو محض فرضی اور موہوم ہے، وہ ابھی عالم وجود میں ہی نہیں آئے۔ ان کا وجود تو محض امامیہ اثنا عشریہ کا ذہنی اختراع ہے۔ بقیہ تمام گیارہ آئمہ مذہب اہل سنت سے وابستہ تھے۔ ان کے زمانے میں اگر یہ خرافات قلمبند ہوکر ان کے علم میں آتیں تو سب سے پہلے ان غلط عقائد پر نکیر کرنے والے اور ان گمراہوں کی تکفیر کرنے والے یہی حضرات ہوتے۔ جس طرح کہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے سبائیوں کو نذر آتش کیا تھا اور جامع کوفہ کے منبر پر اعلان فرمایا تھا کہ جو شخص بھی مجھ کو حضرت ابوبکر وعمر پر فضیلت دے گا اس مفتری کو حد اسّی ۸۰ کوڑے لگائے جائیں گے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

کتبہ۔ الفقیر الی رحمۃ اللہ تعالیٰ محمد عبدالرشید النعمانی غفر اللہ ذنوبہ
۲۲/ربیع الاول سنہ ۱۴۰۷ھ

دارالافتاء والارشاد، کراچی

الجواب باسم ملھم الصواب

شیعہ بلاشبہ کافر ہیں، ان کے کفر میں ذرا سے تامل کی بھی کوئی گنجائش نہیں، ان کی کتابیں کفریات سے لبریز ہیں جن میں سب سے بڑی وجہ تکفیر عقیدۂ تحریف قرآن ہے جو ان کے ہاں متواترات و مسلّمات میں سے ہے، اس مذہب کا جاہل سے جاہل ہر ہر فرد ہر مرد وعورت بلکہ ہر بچہ یہی عقیدہ رکھتا ہے، ان کے گھروں میں جو بچہ بھی جیسے ہی ہوش سنبھالتا ہے اس کے دل ودماغ میں مذہب کا یہ بنیادی عقیدہ زیادہ سے زیادہ راسخ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے ان کا چھوٹا بڑا ہر فرد اسے جزء ایمان بلکہ مدار ایمان سمجھتا ہے، میں یہ بات کئی شہادتوں کے بعد پورے یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں۔

اگر کوئی شیعہ عقیدۂ تحریف قرآن سے انکار کرتا ہے تو وہ بطور تقیہ ایسا کرتا ہے اس کی کئی مثالیں خود

انہیں کی کتابوں میں موجود ہیں جب ان پر ان کی کتابیں پیش کی جاتی ہیں تو جواب دیتے ہیں کہ ہم میں سے ہر شخص مجتہد ہے، اس لئے جس مصنف نے تحریف قرآن کا قول کیا ہے وہ اس کا اپنا اجتہاد ہے جو ہم پر حجت نہیں، ایسی صورت میں ان کے تقیہ کا پول کھولنے کے لئے دو طریقے ہیں:

۱: عقیدہ تحریف قرآن ''اصول کافی'' میں بھی موجود ہے اور اس کتاب کے بارے میں شیعہ کا یہ عقیدہ ہے کہ امام مہدی نے اس کی تصدیق کی ہے۔ یہ لوگ امام مہدی کی تصدیق اس کتاب کے ٹائیٹل کی پیشانی پر چھاپتے ہیں، اور ان کے عقیدہ کے مطابق امام غلطی سے معصوم اور عالم الغیب ہوتا ہے، اس لئے ''اصول کافی'' کے فیصلہ سے انکار کرنا امام کی عصمت اور اس کے علم غیب سے انکار کرنا ہے۔

۲: ان کے جن مصنفین اور مجتہدین نے تحریف قرآن کا قول کیا ہے یہ ان سب کو کافر کہیں اور ایسی تمام کتابیں جلا ڈالیں، اپنے اس قول وعمل کا اخباروں میں اشتہار دیں۔

میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ دنیا میں کوئی شیعہ بھی اس پر آمادہ نہیں ہوسکتا جو چاہے اس کا تجربہ کر کے دیکھ لے، کیا اس کے بعد کسی کو اس حقیقت میں کسی قسم کے تامل کی کوئی گنجائش نظر آسکتی ہے کہ بلا استثناء شیعہ کا ہر فرد کافر ہے۔

شیعہ کا کفر دوسرے کفار سے بھی زیادہ خطرناک ہے، اس لئے کہ یہ بطور تقیہ مسلمانوں میں گھس کر ان کی دنیا وآخرت دونوں برباد کرنے کی تگ ودو میں ہر وقت مصروف کار رہتے ہیں اور اس میں کامیاب بھی ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ سب اہل اسلام کو ان کا دجل وفریب سمجھنے کی فہم عطاء فرمائیں اور ان کے شر سے حفاظت فرمائیں۔ ان کے مذہب کی تفصیل میری کتاب ''حقیقت شیعہ'' میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

رشید احمد

رئیس دار الافتاء والارشاد۔ ناظم آباد کراچی ۱۱ صفر ۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح عبد الرحیم نائب مفتی دار الافتاء والارشاد ۱۶ صفر ۱۴۰۷ھ

جواب از مولانا مفتی محمد عبد السلام چاٹگامی

دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم۔

امابعد! صورت مسئولہ میں شیعہ اثناعشریہ کے بارے میں فاضل مستفتی حضرت علامہ مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم نے شیعوں کے جن بنیادی عقائد کفریہ کو ان کی مستند کتابوں سے حوالہ کے ساتھ نقل فرمایا ہے ان میں سے ہر عقیدہ ایسا ہے کہ ان کے کفر وارتداد کے لئے کافی ہے، جب کہ شیعوں کے مذکورہ بالا عقائد باطلہ کے علاوہ بے شمار کفریات ایسے ہیں کہ ان کو دیکھ کر اور پڑھ کر کوئی ایماندار آدمی انہیں مسلمان نہیں کہہ سکتا اور نہ ہی انہیں مسلمان سمجھ سکتا ہے۔

اس بارے میں قارئین کرام کی شرح صدر کی غرض سے عقائد شیعہ کے کچھ نمونے دیئے جاتے ہیں۔

(۱) قرآن کے بارے میں شیعوں کے عقائد

(الف) شیعوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو قرآن مجید نازل ہوا تھا اس میں ستّر (۷۰۰۰۰) ہزار آیتیں تھیں۔ (اصول کافی ۶۱۷)

(ب) اصل قرآن نہ سنّیوں کے پاس ہے نہ شیعوں کے پاس۔ (رسالۂ نافع ص ۲۳)

(ج) امام جعفر صادق نے فرمایا اصل قرآن ستر گز طویل ہے۔ (اصول کافی ص ۱۴۱)

(د) شیعوں کا عقیدہ ہے جو قرآن موافق تنزیل حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمع کیا تھا وہ نسلاً بعد نسل ہمارے آئمہ (بارہ اماموں) کے پاس محفوظ رہا اب وہ بارھویں امام کے پاس ہے۔

(عقائد شیعہ سیّد مظفر حسین امروھوی ص ۳۸)

(ہ) مرتدین (صحابہ کرامؓ) نے حضرت علیؓ کا نام آیات قرآنی سے اڑا دیا ہے۔

(ترجمۂ مقبول ص ۱۰۱۱)

(و) قرآن مجید میں پانچ قسم کی تحریف ہوئی ہیں (۱) کمی (۲) بیشی۔ (۳) تبدیل الفاظ (۴) تبدیل حروف (۵) خراب ترتیب اور تحریف شدہ آیات دو ہزار سے زیادہ ہیں۔

(فصل الخطاب ص ۲۲۷)

(ز) قرآن میں توراۃ اور انجیل کی طرح تحریف ہوئی ہے۔ (فصل الخطاب ص ۷۰)

(ح) مہدی منتظر جب ظاہر ہوگا موجودہ قرآن اٹھالیا جائے گا، مہدی منتظر امیر المومنین کا جمع کردہ قرآن

نکال کرامت کے سامنے پیش کریں گے۔ (الانوار النعمانیہ طبع ایران ص ۳۶۴)

شیعوں کے نزدیک تحریف قرآن کے چند نمونے

(ط) "سَلَامٌ عَلٰی اِلْ یاسِین" اصل میں "سَلَامٌ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ" تھا منافقین (صحابہ) نے اٰل محمد کو اڑا دیا۔ (کشف الاسرار خمینی ص ۲۴۵)

(ی) عمر نے قرآن میں تحریف کی۔ (بحوالہ زاد المعاد ص ۲۴۵)

جس کا خلاصہ اور نتیجہ یہ نکلا کہ موجودہ قرآن محرف ہے اصلی نہیں اس لئے شیعوں کا عقیدہ موجودہ قرآن پر نہیں، لہٰذا شیعہ منکر قرآن ثابت ہوئے جب کہ پوری امت کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ موجودہ قرآن اصلی ہے اس میں کسی قسم کی تحریف یعنی کمی وبیشی نہیں ہوئی۔

(۲) مسئلہ امامت کے بارے میں شیعوں کا عقیدہ

شیعوں کے بارہ اماموں کے بارے میں ان کے عقائد یہ ہیں:

(الف) امام نبی سے افضل ہے، امامت کا مرتبہ نبوت کے مرتبہ سے بالاتر ہے۔
(حیات القلوب جلد سوم علامہ مجلسی ص ۲۰۱)

(ب) آئمہ اطہار سوائے جناب سرور کائناتؐ کے دیگر تمام انبیاء اولوالعزم وغیرہم سے افضل واشرف ہیں۔ (احسن الفوائد فی شرح العقائد طبع پاکستان ص ۴۰۶)

امام کے برابر کوئی مقرّب فرشتہ یا نبی مرسل بھی نہیں

(ج) ہمارے مذہب (شیعہ اثنا عشریہ) کے ضروری اور بنیادی عقائد میں سے یہ بھی ہے کہ ہمارے آئمہ معصومین کو وہ مقام ومرتبہ حاصل ہے جہاں تک کوئی مقرّب فرشتہ اور نبی مرسل بھی نہیں پہنچ سکتا۔ (الحکومۃ الاسلامیہ خمینی ص ۵۲ طبع تہران)

دنیا وآخرت امام کی ملکیت ہے

(د) جناب ابونصیر سے روایت ہے کہ میرے سوال کے جواب میں امام جعفر صادق نے فرمایا کیا تم کو

معلوم نہیں کہ دنیا و آخرت سب امام کی ملکیت ہے وہ جس کو چاہیں دے دیں۔

(اصول کافی ص ۲۵۹)

امام کی اطاعت رسول کی اطاعت کی طرح ضروری ہے

امام باقر سے منقول ہے کہ خدا کی رضامندی یہ ہے کہ امام کو پہچان کر اس کی اطاعت کی جائے اس لئے کہ خدا فرماتا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰه.

جس نے رسول یعنی امام کی پیروی کی اس نے خدا کی پیروی کی۔

(حاشیہ ترجمۂ مقبول ص ۱۸۰)

امام جنت و دوزخ کا مالک ہے

(ز) روایت ہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں اللہ کی طرف سے جنت و دوزخ کے درمیان تقسیم کرنے والا ہوں۔

امام کا علم حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ سے بھی زیادہ ہے

(ح) امام جعفر صادق نے فرمایا: موسیٰؑ اور خضرؑ کو صرف ما کان کا علم تھا اور مجھے ما کان اور ما یکون کا علم دیا گیا ہے۔ (اصول کافی ص ۱۶۰)

امام کے سامنے بندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں

(ط) امام رضا سے منقول ہے کہ خدا کی قسم! ہر دن اور ہر رات تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ (اصول کافی ص ۱۲۴)

(ی) تمام انبیاء بشمولِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصلاح امت میں ناکام رہے ہیں۔

(الحکومۃ الاسلامیہ)

خلاصہ یہ ہوا کہ اماموں کے مرتبے انبیاء سے زیادہ ہیں۔ اماموں کو وہ اختیارات حاصل ہیں جو انبیاء کو حاصل نہیں، جس کا نتیجہ انکارِ ختم نبوت کے سوا اور کچھ نہیں۔

(۳) حضرات صحابۂ کرام کے بارے میں شیعوں کے عقائد ابوبکر کفر تھے۔ (نعوذ باللہ)

(الف) شیعوں کے علامہ باقر مجلسی فرماتے ہیں کہ ابوبکر نے یہود کے کہنے پر ظاہراً کلمۂ توحید اور کلمۂ

رسالت زبان سے پڑھ لیا تھا، اور حکومت واقتدار کے لالچ میں کلمہ پڑھا تھا لیکن اپنے باطن اور دل سے کافر ہی تھے۔ (بحوالہ آیاتِ بینات ص ۶۸)

حضرت ابوبکر کو خلیفہ ماننے والے کتے ہیں (نعوذ باللہ)

(ب) فروع کافی میں لکھا ہے کہ ہمارے شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جو لوگ ابوبکر کو خلیفۂ اوّل مانتے ہیں وہ کتے ہیں ولد الزنا سے بھی بدتر ہیں۔ (کتاب الروضہ طبع لکھنو ص ۱۳۵)

(ج) ابوبکر نے قرآن میں تحریف کی اور حضرت فاطمہ کو وراثت سے محروم کردیا۔ (کشف الاسرار خمینی ص ۱۱۵)

حضرت عمرؓ جہنمی ہیں (نعوذ باللہ)

(د) شیعوں کی کتاب حق الیقین میں لکھا ہے کہ جہنم میں ایک وادی ہے اس وادی میں سوائے بدبخت عمر کے اور کوئی نہیں جائے گا کیونکہ عمر نے رسول کی تکذیب کی تھی۔ (حق الیقین ص ۳۲۷)

عمر کے قاتل ابولولؤ پر اللہ کی رحمت ہو

(ہ) شیعوں کی روایت ہے کہ عمر نے فتنے برپا کیے، اپنے اندر کفر کو ظاہر کیا اور دین اسلام سے برگشتہ ہوگیا اور امامت وخلافت غصب کرنے کے لئے انتہائی بے حیائی کی، قرآن میں تحریف کرڈالی، حضرت فاطمہؑ کے چہرے پر مارا اس کی بدعا لگی کہ ابولولؤ نے قتل کردیا اس کے قاتل پر اللہ کی رحمت ہو۔ (بحوالہ زاد المعادص ۴۳۳)

حضرت عمر زندیق تھے (نعوذ باللہ)

(و) آیت اللہ خمینی نے اپنی کتاب "کشف الاسرار" میں حضرت عمرؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ کافر اور زندیق تھے۔ (کشف الاسرار ص ۱۱۹)

(ز) حضرت عمرؓ پر ایک مرتبہ لعنت بھیجنے سے سات کروڑ نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ (نعوذ باللہ)

امام زین العابدین سے روایت ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ سنّیوں پر لعنت کرے اس کو سات کروڑ نیکیوں کا ثواب ملے گا اور سات کروڑ گناہ اس کے معاف ہوجائیں گے اور سات کروڑ درجات بلند ہوں گے۔ (ماخوذ از آفتاب ہدایت ص ۲۰۷)

حضرت عثمان کے بارے میں شیعوں کے عقائد

حضرت عثمان غارت گر تھے (نعوذ باللہ)

(ح) امام خمینی لکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ غارت گر تھے، ان کے دور میں فحاشی کا سلسلہ شروع ہوا۔
(کشف الاسرار ص ۱۰۷)

(ط) حضرت عثمانؓ و معاویہؓ بدقماش تھے اس لئے ہم ان کے خدا کو نہیں مانتے۔ خمینی لکھتے ہیں ہم ایسے خدا کی پرستش کرتے ہیں اور مانتے ہیں جس کے سارے کام عقل و حکمت کے مطابق ہوں، ایسے خدا کو نہیں مانتے جو خدا پرستی، عدالت و دین داری کی ایک عالی شان عمارت تیار کرائے پھر خود ہی اس کی بربادی کی کوشش کرے، معاویہ اور عثمان جیسے بدقماش کو امارت اور حکومت سپرد کرے۔
(کشف الاسرار ص ۱۰۷)

خلفائے ثلاثہ کے بارے میں

(ی) خلفائے ثلاثہ قطعی کافر اور مرتد ہیں۔ (نعوذ باللہ)

شیعوں کی روایت ہے کہ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ فلاں فلاں، یعنی ابوبکر، عمر، عثمان، یہ تینوں امیر المومنین کی ولایت و امامت ترک کر دینے کی وجہ سے ایمان و اسلام سے مرتد ہو گئے تھے۔
(اصولِ کافی ص ۲۶۵)

(ک) خلفائے ثلاثہ جہنم کے اندر ایک صندوق میں بند ہیں۔ (نعوذ باللہ)

۶: شیعہ امام باقر مجلسی لکھتے ہیں: جہنم میں ایک ایسا کنواں ہے اس میں بارہ آدمی بند ہیں، کچھ اگلی امتوں میں سے اور اس امت میں سے ابوبکر، عمر، عثمان اور تین دوسرے ہیں۔ (حق الیقین ص ۵۰۳)

خلاصہ یہ کہ شیعوں کے نزدیک خلفائے راشدین سوائے حضرت علی کافر و مرتد اور جہنمی ہیں۔ (نعوذ باللہ)

(۴): تقیہ کے بارے میں شیعوں کا عقیدہ

تقیہ یعنی دین حق کو چھپانا بعض وقت فرض، بعض وقت واجب، کبھی جائز ہوتا ہے۔

۱: حسن بن علی سے شیعہ روایت کرتے ہیں کہ انبیاء کو سب لوگوں کے مقابلہ میں اس لئے فضیلت دی گئی کہ وہ دشمنوں سے تقیہ کی بناء پر حسن سلوک کرتے ہیں۔ (تفسیر حسن عسکری ص ۱۴۲)

دین کو چھپانے سے اللہ عزت دیتا ہے (نعوذ باللہ)

۲: روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا اے مسلمانو! تم ایسے دین پر ہو کہ جو شخص اس کو چھپائے گا اس کو اللہ کی طرف سے عزت عطا ہوگی اور جو ظاہر کرے گا اس کو اللہ ذلیل کرے گا۔ (اصول کافی ص ۴۸۳)

جوتقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے

۳: روایت ہے امام جعفر فرماتے ہیں کہ دین کے دس حصوں میں سے نو حصے تقیہ ہیں اور جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔ (اصول کافی ص ۴۸۲)

روئے زمین میں تقیہ سے کوئی چیز زیادہ محبوب نہیں

۴: روایت ہے امام جعفر صادق سے کہ روئے زمین پر کوئی چیز تقیہ سے زیادہ محبوب نہیں ہے، اور جو تقیہ نہیں کرے گا اللہ اس کو پستی میں گرائے گا۔ (اصول کافی ص ۴۸۳)

تقیہ ترک کرنے والا دین شیعہ سے خارج ہے

۵: امام مہدی کے آنے تک تقیہ کرنا فرض ہے جو شیعہ تقیہ کرنا چھوڑ دے گا وہ دین شیعہ سے خارج ہو جائے گا۔ (الاعتقادیہ صدوق مع ترجمہ ص ۲۰۲)

۶: تقیہ کی وجہ سے آسمان کے فرشتے سلام بھیجتے ہیں۔ (تفسیر حسن عسکری ص ۲۴۵)

عقیدۂ نکاح متعہ

تمام مسلمانوں کے نزدیک نکاح متعہ کا کوئی جواز نہیں، لیکن نکاح متعہ کے بارے میں شیعوں کا عقیدہ اور عمل یہ ہے کہ نکاح متعہ سنت رسول اور کارِ ثواب ہے۔

۱: نکاحِ متعہ (یعنی بلا گواہ چپ چاپ عورت سے کسی مدّت کے لئے جنسی تعلق قائم کر لینے) پر یقین کر کے اس پر عمل کرنا سنت رسول ہے۔ (رسالہ عجالہ حسنہ ص ۱۴ طبع لاہور)

۲: چار دفعہ متعہ کرنے والے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ ملے گا۔

(تفسیر منهج الصادقين ج ۱ ص ۳۵٦)

۳: ایک مرتبہ نکاح متعہ کرنے کا ثواب ۷۰ ستر مرتبہ خانۂ کعبہ کی زیارت کرنے کے برابر ہے۔

(عجالة حسنه ص ١٦)

۴: خمینی نے لکھا ہے کہ نکاح متعہ کم سے کم مدّت ایک رات یا ایک دن کے لئے بھی ہو سکتا ہے، ایک گھنٹہ یا دو گھنٹہ کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ (تحرير الوسيله ص ٢٩٠)

جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ قرآن و حدیث میں جنسی تعلقات قائم کرنے کے لئے صرف دو راستے مقرر کئے ہیں کہ باقاعدہ نکاح کر لیا جائے یا لونڈی سے ملاپ کرے لیکن شیعوں کے نزدیک جنسی تعلقات کے واسطے تیسری شکل زنا کا جواز بھی ہے، اسی وجہ سے کہ زنا میں مرد اور عورت چپ چاپ دونوں باہمی

رضامندی سے معاملہ کو معمولی وقت کے لئے یا ایک رات کے لئے یا ایک دن کے لئے طے کرتے ہیں۔

یہ پانچ امور ایسے ہیں جن کو شیعوں نے اپنے دین کے بنیادی عقائد کی حیثیت دی ہے اور یہ سب امور پوری امتِ مسلمہ کے نزدیک دین اسلام سے انکار بلکہ سراسر کفر والحاد اور زندقہ ہے۔

واضح رہے کہ روافض اور شیعوں کی تکفیر کا فیصلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے بلکہ زمانہ قدیم سے فقہاء اور محدثین کرام نے ان کے عقائد کفریہ کی بناء پر انہیں کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

امام دارالہجرت امام مالکؒ، ابن حزم اندلسی، امام شاطبی، شیخ عبدالقادر جیلانی حنبلیؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ حنبلی، مجدّد الف ثانی حنفیؒ، شاہ ولی اللہ حنفیؒ، شاہ عبدالعزیز حنفیؒ، قاضی عیاض مالکی، مولانا علی قاریؒ حنفی، بحرالعلوم حنفی اور اصحاب فتاویٰ میں سے صاحب فتح القدیر ابن ہمام، سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں دوسو علماء اور مفتیانِ کرام کا مرتب کردہ فتاویٰ عالمگیری کا فیصلہ، علامہ ابن عابدین شامی کے فتویٰ کے بعد روافض کی تکفیر میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا ہے، جب کہ اس سے تقریباً پچاس سال قبل امام اہل السنۃ والجماعۃ حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک اجتماعی فتاویٰ ترتیب دے کر شائع کیا تھا جس میں اس وقت دارالعلوم دیوبند کے تمام مدرسین اور مفتیان کرام کے علاوہ بہت سے علمائے کرام کے دستخط تھے، خاص کر مولانا مفتی مسعود صاحب، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا رسول خان صاحب، حضرت مولانا اصغر حسین صاحب دیوبندی، علامہ مولانا سیّد انور شاہ کشمیریؒ، مولانا ابراہیم بلیاویؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مفتی مہدی حسن شاہجہانپوریؒ، شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ، مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحبؒ وغیرہ اکابر علماء دیوبند اور بہت سے علمائے اہل حدیث کے دستخط ثبت ہیں اور جماعت بریلوی کے بانی مولانا احمد رضا خان نے ردّ شیعہ پر ایک مبسوط فتویٰ تحریر کر کے ''ردّ الروافض'' کے نام سے شائع کیا ہے۔

ان اکابر کے فتاویٰ کے بعد اگر شیعوں کی تکفیر میں کسی کو شبہ ہے تو اس پر بڑی حسرت کی بات ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے سینہ کو حق بات کے سمجھنے سے تنگ کر دیا ہے اور تا حال گمراہی میں چھوڑ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین۔ کتبہٗ

محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہٗ

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵

۱۴۰۸/۴/۱۵ھ

جواب از مجمع البحوث الاسلامیۃ العلمیہ بنگلہ دیش

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا امابعد!

ہمارا ادارہ مجمع البحوث الاسلامیۃ العلمیہ بنگلہ دیش کے اراکین نے شیعہ اثنا عشریہ کے سلسلہ میں حضرت مولانا منظور نعمانی دامت برکاتہم کے استفتاء اور اس پر تحریر کردہ مدلل و مفصل جوابات از (۱) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی دامت برکاتہم، واز (۲) مولانا مفتی ولی حسن خان ٹونکی مفتی اعظم پاکستان واز (۳) مولانا مفتی محمد عبدالسلام صاحب دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن پاکستان کو بغور مطالعہ کیا اور ان جوابات کو قرآن وسنّت اور فقہ اسلامی کی رو سے اہل السنۃ والجماعت کے عقائد کے مطابق صحیح اور درست پایا۔ اس واسطے ادارہ کے جملہ اراکین و متعلقین نے استفتاء کے جوابات مذکورہ سے مکمل اتفاق کیا اور ان جوابات کی توثیق کرتے ہوئے یہ فیصلہ دیا کہ شیعہ اثنا عشری (بارہ آئمہ کو ماننے والے) جن کے عقائد مذکورہ بالا کفریات کے علاوہ دوسرے بے شمار کفریات اور زندقہ پر مشتمل ہیں وہ کافر، ملحد اور زندیق ہیں جب تک وہ ان کفریات سے توبہ نہیں کرتے ان سے کسی قسم کا اسلامی رشتہ اور تعلقات جائز نہیں، ان سے مناکحت جائز نہیں، ان کی نماز جنازہ پڑھنا یا نماز جنازہ میں شرکت کرنا جائز نہیں، ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں اور یہ لوگ کسی مسلمان مرد یا عورت کے وارث نہ ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم۔

(تحریر کردہ بتاریخ ۲/۱/۱۹۸۸ء)

اراکین مجمع البحوث الاسلامیہ العلمیہ بنگلہ دیش کی توثیقات

۱: مفتی ولی حسن خان ٹونکی مفتی اعظم پاکستان سرپرست مجمع البحوث الاسلامیۃ العلمیۃ بنگلہ دیش۔

۲: مفتی محمد عبدالسلام صاحب چاٹگامی، مشیر خاص مجمع البحوث الاسلامیۃ العلمیۃ بنگلہ دیش، مفتی دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن۔

۳: مفتی نور احمد صاحب چاٹگامی مفتی دارالافتاء دارالعلوم معین الاسلام ہاٹہزاری چاٹگام۔

۴: مفتی محمد ادریس صاحب مفتی ہوروہ قربانیہ جامع العلوم مدرسہ برورہ بازار، برورہ، کملا۔

۵: مفتی محمد سعید احمد صاحب مفتی دارالافتاء جامعۃ الاسلامیہ عبیدیہ ناناپور چاٹگام۔

۶: مولانا جنید بابونگری صاحب استاذ حدیث جامعہ عزیز العلوم بابونگر چاٹگام۔

۷: مفتی محمود حسن صاحب مفتی دار الافتاء عزیز العلوم بابونگر چاٹگام۔
۸: مفتی مخلص الرحمٰن صاحب، جامعۃ الاسلامیہ قاسم العلوم جمیل مدرسہ بوگرا۔
۹: مفتی شہید اللہ صاحب فینوی فاضل از دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸۔
۱۰: مفتی شبیر احمد کملائی، فاضل تخصص فی الفقہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵۔
۱۱: مفتی عبدالحی صاحب ڈھاکوی، فاضل تخصص فی الفقہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵۔
۱۲: مفتی جسیم الدین صاحب چاٹگامی فاضل تخصص فی الفقہ جامعۃ العلوم
۱۳: مفتی شہید اللہ کسٹیوی فاضل تخصص فی الفقہ جامعۃ العلوم
۱۴: مفتی ابوالحسن محمد عبداللہ کملائی فاضل تخصص فی الفقہ جامعۃ العلوم
۱۵: مفتی نور الزمان جسری فاضل تخصص فی الفقہ جامعۃ العلوم
۱۶: مفتی حفظ الرحمٰن صاحب کملائی فاضل تخصص فی الفقہ جامعۃ العلوم
۱۷: مفتی فیض اللہ کملائی فاضل تخصص فی الفقہ جامعۃ العلوم
۱۸: مفتی جمال الاسلام کملائی فاضل تخصص فی الفقہ جامعۃ العلوم
۱۹: مفتی محمد نظر الاسلام کملائی فاضل تخصص فی الفقہ جامعۃ العلوم
۲۰: مفتی محمد انعام الحق چاٹگامی فاضل تخصص فی الفقہ جامعۃ العلوم
۱۲: محمد بذل الرحمٰن بریسالی فاضل مدرسہ نوریہ اشرف آباد ڈھاکہ ومتخصص جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
۲۲: محمد عبدالحی بریسالی فاضل ومتخصص جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
۲۳: محمد تاج الاسلام کشور گنجی فاضل ومتخصص جامعۃ العلوم الاسلامیہ۔
۲۴: محمد شہاب الدین فیروز پوری فاضل دار العلوم معین الاسلام ہاٹھزاری ومتخصص جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
۲۵: محمد رستم کھلنوی فاضل دار العلوم خادم الاسلام گوہرڈنگہ ومتخصص جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
۲۶: محمد شہید اللہ گوپال گنجی فاضل ومتخصص جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
۲۷: محمد عبدالرشید گوپال گنجی فاضل ومتخصص جامعہ قرآنیہ عربیہ لال باغ بنگلہ دیش۔

۲۸: محمد شمس الاسلام مومن شاہی فاضل و متخصص جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
۲۹: محمد عبدالقادر شریعت پوری فاضل و متخصص جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
۳۰: محمد عبدالحکیم نترکونا فاضل جامعہ اسلامیہ حسینیہ گوہر پور سلہٹ و متخصص جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی
۳۱: محمد ابوموسیٰ کشور گنجی فاضل دارالعلوم معین الاسلام ہاٹہزاری و متخصص جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن۔
۳۲: محمد حسن چاٹگامی فاضل جامعہ قرآنیہ عربیہ لال باغ و متخصص جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
۳۳: محمد عبدالغفار فرید پوری فاضل و متخصص جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
۳۴: محمد یونس علی فرید پوری فاضل و متخصص جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
۳۵: محمود الحسن مومن سنگھ جامعۃ العلوم الاسلامیہ
۳۶: محمد ابوالبشر شریعت پوری فاضل مدرسہ نوریہ اشرف آباد ڈھاکہ و متخصص جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
۳۷: محمد کفایت اللہ سندیپی فاضل دارالعلوم معین الاسلام ہاٹہزاری و متخصص جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
۳۸: محمد اسحاق ڈھاکوی فاضل و متخصص جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
۳۹: محمد مسعود الرحمٰن فرید پوری فاضل دارالعوم دیوبند و متخصص جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
۴۰: محمد ابوجعفر فرید پوری فاضل دارالعلوم دیوبند
۴۱: محمد روح الامین فرید پوری فاضل دارالعلوم دیوبند
۴۲: محمد شفیق الرحمٰن بہیروی فاضل دارالعلوم دیوبند
۴۳: محمد محب اللہ چاٹگامی فاضل دارالعلوم معین الاسلام ہاٹہزاری و متخصص بنوری ٹاؤن۔
۴۴: محمد ابراہیم حسن مطلوب کملائی فاضل و متخصص جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
۴۵: محمد عزیز الحق سلہٹی مطلوب فاضل و متخصص جامعۃ العلوم
۴۶: محمد سعید الرحمٰن رنگپوری فاضل و متخصص جامعۃ العلوم
۴۷: محمد عبداللہ ڈھاکوی فاضل و متخصص جامعۃ العلوم
۴۸: مولانا محمد شہید الاسلام فرید پوری درجہ تخصص فی الفقہ

رقص وسرود اور اسلام

درج ذیل سوال وجواب ایک کافر ملک کے بارے میں تھا فتویٰ کو اس ملک کے قانون نافذ کرنے والوں نے تسلیم کرتے ہوئے اتنا کیا کہ رقص اور موسیقی وغیرہ کو مسلمانوں کے نجی اسکولوں کے طلباء کے لئے لازمی قرار نہیں دیا چونکہ اس طرح کی بعض واہیات حرکتوں کا سلسلہ پاکستان کی طرح دوسرے ملکوں میں بھی شروع ہو چکا ہے لہٰذا مسلمانوں کی اس طرف مبذول کرانے کی غرض سے اس تحریر کو زیر نظر کتاب کا جز بنادیا گیا ہے۔ (راقم)

رقص وسرود اور اسلام

محترم جناب مفتی صاحب:

یہاں امریکہ کی ریاست ٹیکساس میں محکمہ تعلیم نے یہ قانون بنایا ہے کہ تمام اسکولوں میں طلبہ و طالبات کے لئے رقص وموسیقی کی علیحدہ علیحدہ جماعتوں میں شریک ہو کر فن رقص وموسیقی سیکھنا لازم ہوگا، ورنہ یہ طلبہ فیل کر دیئے جائیں گے۔

اس سلسلے میں جب محکمہ تعلیمات کے ذمہ دار افراد کو بتلایا گیا کہ گانا اور ناچنا دونوں ہی مذہب اسلام میں سخت منع ہیں، تو انہوں نے جواب دیا کہ اس سلسلہ میں کسی مذہبی ادارے کا فتویٰ ضروری ہے جس میں قرآن وحدیث کے حوالے سے یہ ثابت کیا گیا ہو کہ ہمارے مذہبی عقائد کی رو سے رقص وموسیقی کا سیکھنا اور ایسے پروگراموں میں حصہ لینا قطعاً حرام ہے۔

اس سلسلے میں اگر آپ اپنے ادارے کا فتویٰ ہمارے مندرجہ بالا پتے پر روانہ فرمادیں تو جملہ مسلمانان ٹیکساس آپ کے ممنون ہوں گے۔

براہ کرام یہ فتویٰ آپ اپنے ادارے کے پیڈ پر تحریر فرمائیے۔ اس فتویٰ کو ہم انشاء اللہ یہاں کی عدالت میں پیش کریں گے تاکہ اس قانون میں ترمیم کی جائے اور مسلمان طلبہ وطالبات کو رقص وموسیقی کی جماعت سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

دعا فرمائیے کہ ہمیں اس سلسلے میں کامیابی ہو۔ ہمیں آپ کے فتویٰ کا انتظار رہے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو علم وحکمت اور بصیرت عطا فرمائے اور ہماری رہنمائی کے لئے آپ کو صحت وعافیت عطا فرمائے۔

والسلام
نیاز مند: خواجہ سعید الدین احمد

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

بصورت مسئولہ میں از روئے قرآن وسنت اور فقہ اسلامی گانا، بجانا، ناچنا، رقص وسرود اور موسیقی سب ناجائز وحرام ہیں۔

قرآن کریم میں کئی مقامات پر اس کے بارے میں ہدایت اور رہنمائی ملتی ہے۔

ا: آیات قرآنیہ:

سورۂ لقمان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْن. (لقمان ٦)

بعض لوگ ایسے ہیں جو ان باتوں کے خریدار ہیں جو اللہ سے غافل کرنے والی ہیں تا کہ بے سمجھے بوجھے اللہ کی راہ سے بھٹکائیں اور اس راہ کی ہنسی اڑائیں ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ''لھو الحدیث'' کی تعریف فرماتے ہیں:

هو الغناء و اشباهه.

''لہو الحدیث'' گانا اور اسی قسم کی چیزیں ہیں۔

(بیهقی بحواله مذکور، تفسیر روح المعانی ص ٦٧ ج ٢١، ابن کثیر ص ۴۴۲ ج ۳)

صاحب روح المعانی نے بیہقی کے حوالہ سے ابو عثمان اللیثی کی روایت نقل کی ہے:

ايّا كم و الغناء فانّه ينقص الحياء ويزيد فى الشهوة ويهدم المروة الخ.

(روح المعانی ص ٦٨. ج ٢١)

غناء سے بچے رہنا کیونکہ یہ حیاء کو کم کرتا ہے شہوت میں اضافہ کرتا ہے، مروت اور اخلاق کو تباہ کر دیتا ہے۔

۲: سورۂ بنی اسرائیل میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاستفزز مَنِ اسْتَطَعْتَ منهم بصوتک. (بنی اسرائیل: ٦۴)

ان میں سے جس پر تو قابو پائے اسے اپنی آواز کے ذریعہ راہ راست سے ہٹا دے۔

تشریح: حضرت مجاہد بن جبر کی تفسیر کے مطابق آیت میں (صوت) سے مراد گانا بجانا لہو ولعب اور فضول اور بے کار قسم کے کام ہیں۔ (روح المعانی ص ١١١. ج ١۵)

ابن عباسؓ سے ابن ابی حاتم روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس قوله: "واستفزز من استطعت منهم بصوتک" كل داعٍ الىٰ معصية.

اللہ تعالیٰ کے قول میں ''بصوتک'' سے مراد ہر وہ چیز ہے جو گناہ اور نافرمانی کی طرف بلائے۔
علامہ ابن القیمؒ لکھتے ہیں:۔

ومن المعلوم ان الغناء من اعظم الدواعی الی المعصیة ولهذا فسر صوت الشیطان به. الخ (اغاثة اللهفان ص ۱۵۵ : ج ۱)

اور یہ بات معلوم ہے کہ گناہ کی طرف بلانے والی چیزوں میں سب سے بڑھ کر گانا ہے اور اسی وجہ سے شیطان کی آواز کی تفسیر گانے سے کی گئی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ گانا بجانا راہ راست سے ہٹانے کے لئے شیطان کے ہتھیاروں میں سے ایک بڑا ہتھیار ہے جس کے ذریعہ وہ لوگوں کو سیدھے راستے سے بھٹکا کر غلط راستہ میں ڈال دیتا ہے۔

۳: سورۂ نجم میں باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

افمن هذا الحدیث تعجبونo وتضحکون ولاتبکونo وانتم سامدونo (النجم ۵۹. ۶۰. ۶۱)

کیا تمہیں اس بات سے تعجب ہوتا ہے اور ہنستے ہو اور روتے نہیں اور تم کھلاڑیاں کرتے ہو۔

اس میں صاحب لسان العرب ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

روی عن ابن عباس انه السمود الغنا لغة حمیر یقال اسمدی لنا غنی لنا، یقال للقینة اسمد ینا ای الهینا بالغناء. (لسان العرب ص ۲۰۴ ج ۴)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سمود کے معنیٰ ''گانا'' کے ہیں اور یہ لغت حمیر کے مطابق ہے۔ چنانچہ ''اسمدی لنا'' کے معنی ہیں ''غنی لنا'' اور جب کسی گانے والی سے کہا جاتا ہے ''اسمدینا، تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے کہ ہمیں گانا سنا کر مست کردو۔

اس کی تشریح یہ ہے کہ مشرکین جب قرآن کی آواز سنتے تو بیزاری ظاہر کرنے کے لئے گانا شروع کردیتے۔ چنانچہ آیت مذکور کی تشریح میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

۱: **وکانوا اذا سمعوا القرآن غنوا تشاغلاً عنهٗ.** (روح المعانی ص ۷۲. ج ۲۷)

مشرکین جب قرآن سنتے تو اس سے بیزاری ظاہر کرنے کے لئے گانا شروع کردیتے۔

غنا، رقص، ناچ گانے کے سلسلہ میں چند احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ ہو:

عن ابی مالک الاشعری رضی الله عنه انه سمع النبی صلی الله علیه وسلم یقول: لیکونن من امتی اقوام یستحلون الحرو الحریر والمعازف یشربن ناس

من امتی الخمر یسمونها بغیر اسمها، یعرف علی رؤسهم بالمعازف والمغنیات یخسف اللّٰہ بهم الارض ویجعل منهم القردة والخنازیر.

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہٗ نے بتایا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہونگے جو زنا، ریشم، شراب اور باجوں کو حلال سمجھیں گے۔ اور ایک روایت میں الفاظ مروی ہیں عنقریب میری امت کے کچھ لوگ شراب پیئیں گے اور اس کا نام بدل دیں گے۔ ان کے سروں پر ناچ گانے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو زمین میں دھنسا دے گا اور ان میں سے بعضوں کو بندر بنا دیا جائے گا اور بعضوں کو سوٴر۔

۲: عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنه ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم سمع رجلا یتغنی من اللیل فقال: لاصلوٰة له، لاصلوة له، لاصلوٰة له. رواه محمد بن اسحٰق. (نیل الاوطار ص ۱۰۰. ج ۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات کسی شخص کے گانے کی آواز سنی تو آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا اس کی نماز مقبول نہیں۔

۳: عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: استماع الملاهی معصیةو الجلوس علیها فسق، و التلذذ بها کفرٌ.

(نیل الاوطار ص ۱۰۰. ج ۸، ردالمحتار ص ۲۲۲. ج۵)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا گانا باجا سننا معصیت ہے، اس کے لئے بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لطف اندوزی کفر ہے۔

۴: عن علی رضی اللّٰہ عنه ان النبی صلی اللّٰہ لیه وسلم قال: بعثت بکسر المزامیر. (رواه غیلان (بحواله مذکوره، و کنز العمال ص ۳۳۵. ج۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں بانسریاں (آلات موسیقی) توڑنے کے واسطے بھیجا گیا ہوں۔

۵: عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنه ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل. (البیهقی ص ۲۲۳. ج ۱۰)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گانا دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی اگاتا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت دوسرے الفاظ میں اس طرح ہے:

٦: عن عبداللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه عنه ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: ایاکم وسماع المعازف والغناء فانّهما ینبتانِ النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل. (رواه ابن الصفری فی امالیه)

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گانے باجے سننے سے بچو، اس لئے کہ یہ دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتے ہیں جس طرح پانی کھیتی اگاتا ہے۔

٧: عن ابی موسیٰ الاشعری ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: من استمع الٰی صوت غناء لم یؤذن ان یستمع الی صوت الروحانین فی الجنة: وفی کنز العمال قیل :ومن الروحانیون؟ قال: قرّاء اهل الجنة. (کنز العمال ص ۳۳۳. ج ۷)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص گانا سنتا ہے اسے جنت میں روحانیون کی آواز سننے کی اجازت نہ ہوگی۔ کنز العمال میں یہ بھی اضافہ ہے کہ آپ سے پوچھا گیا، روحانیون سے کون لوگ مراد ہیں ؟ آپؐ نے فرمایا وہ جنت کے قراء ہیں۔

یہاں تک تو آپ نے غناء کے بارے میں قرآنی آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کیا ہے۔ اب فقہائے کرام کی آراء بھی ملاحظہ فرمائیں۔

تمام فقہاء کرام کے نزدیک باتفاق رائے غناء کے علاوہ موسیقی کے تمام آلات جو کہ ناچ گانے اور لہو ولعب کے لئے بنائے جاتے ہیں اور ان سے لطف اندوزی کے لئے گانے کی بھی خاص ضرورت نہیں ہوتی بلکہ بغیر گانے کے بھی کیف اور مستی پیدا کرتے ہوں، جیسے ستار، طنبور وغیرہ یہ سب حرام ہیں، پھر اگر یہ ناچ اور گانے کے ساتھ ہوں تو ان کی حرمت اور معصیت میں کیا شبہ باقی رہ جاتا ہے۔

۱: صاحب بدائع ملک العلماء علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

واما المغنی فان کان یجتمع الناس علیه للفسق لصوته فلا عدالة وان کان هو لایشرب لانه رأس الفسقة. (بدائع ص ٢٦٩. ج ٦)

جس مغنی کے گرد لوگ گانے سے مزے لینے کے لئے جمع ہو جاتے ہوں وہ عادل نہیں (فاسق

ہے) خواہ شراب بھی نہ پیتا ہو کیونکہ وہ بدکاروں کا سرغنہ ہے۔

۲: صاحب ہدایہ شیخ الاسلام علی بن ابی بکر نے لکھا ہے:

ولامن یغنی للناس لانه یجمع الناس علیٰ ارتکاب الکبیرة.

(کتاب الشهادة ص ۱۶۱. ج۳. مکتبه امدادیه ملتان)

مغنی کی شہادت قبول نہیں کی جائیگی کیونکہ وہ لوگوں کو گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے لئے اکٹھا کرتا ہے۔

۳: محقق ابن ہمام شارح ہدایہ اس کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ونصوا علیٰ ان التغنی للهو اولجمع المال حرام بلاخلاف الخ.

(فتح القدیر ص ۴۸۱ ج ۶ مطبوعه سکهر، فتاوی خانیه ص ۴۸۶ ج۲ بحرالرائق ص ۸۸ ج۷)

فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ لہولعب یا مال کمانے کے لئے گانا باتفاق حرام ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

۴: صاحب الکفایہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ غناء اور رقص وسرود وغیرہ تمام ادیان میں حرام ہے:

قال فی المستصفیٰ: واعلم بان التغنی حرام فی جمیع الادیان الخ.

(فتح القدیر ص ۴۸۱. ج۶)

مستصفی میں لکھا ہے کہ غناء تمام ادیان میں حرام ہے۔

۵: ابوبکر جصاص حنفیؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے سورۂ فرقان کی آیت لایشهدون الزور کی تفسیر میں نقل کیا ہے:

ان الزور الغناء. (احکام القرآن للجصاص ص ۴۲۸. ج۳)

بے شک "زور" سے مراد گانا ہے۔

۶: امام غزالی الشافعیؒ گانے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

ترجمہ: امام شافعیؒ نے ایسے شخص کے بارے میں جو گانے کو مستقل پیشہ بنائے صراحت کی ہے کہ اس کی شہادت رد کی جائے گی، وجہ یہ ہے کہ گانا بجانا ایک ناپسندیدہ اور مکروہ مشغلہ ہے جو باطل سے مشابہت رکھتا ہے۔ (احیاء العلوم ص ۲۰۰. ج ۲) اسی طرح کتاب الام میں بھی ہے ص ۲۱۱. ج ۸)

۷: علامہ محمد بن محمد خطاب المالکی مواہب الجلیل میں لکھتے ہیں:

قال فی التوضیح: الغناء ان کان بغیر آلة فهو مکروه، واما الغناء بآلة فان کانت ذات اوتار کالعود والطنبور فممنوع، وکذٰلک المزمار والظاهر عند بعض العلماء ان ذلک یلحق بالمحرمات، وان کان محمد اطلق فی سماع العود انه مکروه وقد یرید بذٰلک التحریم، ونص محمد بن الحکیم علیٰ انّ

سماع العود ترد به الشهادة قال: وان كانَ ذٰلک مكروها علىٰ كل حال و قد يريد بالكراهة التحريم كما قدمنا الخ. (مواهب الجليل ص ۱۵۳. ج ۶)

توضیح میں لکھا ہے کہ غناء جو بغیر آلۂ موسیقی کے ہو مکروہ ہے اور اگر آلہ موسیقی کے ساتھ ہو تو دیکھا جائے گا کہ آلہ تاروالا ہے جیسے عود اور طنبور تو ممنوع ہے، اور اسی طرح بانسری کا حکم ہے۔ اور ممنوع سے بعض علماء حرام مراد لیتے ہیں اگر چہ محمد نے سماع عود کے بارے میں مکروہ ہونا لکھا ہے اور بعض اوقات کراہت سے مراد تحریم ہوتی ہے۔ محمد بن الحکیم نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ سماع عود کی وجہ سے شہادت رد کی جائے گی اور یہ بھی لکھا ہے کہ استعمال عود ہر حال میں مکروہ ہے۔ اور کراہت سے مراد بسا اوقات تحریم یعنی حرمت مراد ہوتی ہے جیسا کہ گذر چکا ہے۔

۸: علامہ ابن جوزیؒ تحریر فرماتے ہیں:

رہا وہ گانا جو آج کل معروف و مشہور ہے امام احمدؒ کے نزدیک ممنوع ہے اور اگر انہیں معلوم ہوتا کہ لوگوں نے کیا جدتیں پیدا کی ہیں تو خدا جانے کیا حکم دیتے اور کس قدر شدّت سے روکتے۔

(تلبیس ابلیس ص ۲۹۹)

اس کے بعد ابن جوزیؒ لکھتے ہیں:

۹: گانے کے بارے میں فقہاء حنابلہ کا یہ قول ہے کہ گانے والے اور رقص کرنے والے کی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔ (تلبیس ابلیس ص ۳۰۰)

۱۰: مشہور حنبلی مصنف علی بن سلیمان مردادی ''الانصاف'' میں گانے کی حرمت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وان داومه او اتّخذه صناعة يقصد له او اتّخذ غلامًا او جارية مغنين يجمع عليها الناس ردت شهادته. (الانصاف ص ۵. ج ۱۲)

اگر کوئی شخص گانے پر مداومت کرے یا اس کو اپنا پیشہ بنائے یا اپنے غلام یا باندی کو اس طرح گانے بجانے کیلئے استعمال کرے کہ وہاں لوگ اکھٹے ہوتے ہوں تو ایسے شخص کی شہادت رد کردی جائے گی۔

اسی طرح ابن قدامہ صاحب المغنی نے بھی تحریر کیا ہے ملاحظہ ہو:

(المغنی مع الشرح الكبير ص ۴۲. ج ۱۲. مطبوعه بيروت لبنان)

مذکورہ بالا قرآن وحدیث کی نصوص اور کتب فقہ کی تصریحات سے درج ذیل امور ثابت ہیں:

۱: گانے بجانے کے آلات، موسیقی، اور رقص یہ سب چیزیں شریعت اسلامیہ کی رو سے ناجائز وحرام ہیں۔

۲: جو لوگ گاتے، بجاتے، ناچتے اور رقص کرتے ہیں قرآن وسنت کی رو سے یہ لوگ مرتکب حرام ہونے کی بناء پر فاسق وفاجر ہیں۔ اور جو اسے جائز اور حلال جانتے ہیں وہ تحلیل حرام کی بناء پر کافر ہو جائیں گے۔

۳: جو لوگ گانے، بجانے، رقص کرنے کے پیشے اختیار کرتے ہیں وہ شرعاً مجرم اور گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں، ان کو فوری طور پر اس پیشہ کو ترک کر کے توبہ واستغفار کرنی چاہیئے۔

۴: مغنی (گانے والا) اور رقص (ناچنے اور رقص کرنے والا) اس قابل نہیں کہ کسی عدالت میں گواہ بن سکے۔ اسی لئے کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ ایسے قوانین پر عمل کرے خواہ وہ مسلمانوں کے ملک میں رہتا ہو یا کافروں کے، لہٰذا تمام امریکی مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس سلسلہ میں حکومت امریکہ کو درخواست دیں اور اس سے مطالبہ کریں کہ مسلمانوں کے تعلیمی اداروں اور مسلمان طلبہ و طالبات کو گانے، ناچنے اور رقص کرنے کے قانون سے مستثنیٰ قرار دیا جائے جب کہ بین الاقوامی قانون اور اصول بھی یہی ہے کہ ہر شہری کو اپنے مذہب پر رہنے اور مذہب کے مطابق عمل کرنے کا اختیار ہوگا۔ لہٰذا اس وجہ سے بھی مسلمانوں کو استثناء کا حق ملتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

کتبہ محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہ

دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵ پاکستان۔ ۱/۹/۱۴۰۶ھ

الجواب صحیح

(۱) (مفتی) ولی حسن ٹونکی صاحب مدّ ظلہ
رئیس دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن۔

(۲) (مفتی) احمد الرحمٰن غفرلہ۔ (مدیر جامعہ)

(۳) (مفتی) محمد ولی درویش غفرلہ

(۴) (مفتی) محمد ابوبکر سعید الرحمٰن غفرلہ

(۵) (مفتی) محمد شاہد

(۶) (مفتی) محمد رضاء الحق غفرلہ۔

انسانی اعضاء کا عطیہ

انسانی اعضاء کا عطیہ اور اس کی شرعی حیثیت الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مرنے کے بعد کوئی شخص اپنی آنکھیں عطیہ کے طور پر دینے کی وصیت کرسکتا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

صورت مسئو میں کوئی چیز ہبہ یا عطیہ کے طور پر کسی کو دینے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ شئی مال ہو اور دینے والے کی ملک ہو یہی شرط وصیت کے لئے بھی ہے چنانچہ ابن رشد بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں:

اما الواھب اتفقوا علیٰ تجوز ھبته اذا کان مالگا للموھوب صحیح الملک الخ. (ص ۲۴۵، ج ۲)

اور واہب کے لئے علماء نے متفقہ طور پر فرمایا کہ ہبہ اس وقت جائز ہے جب ہبہ کرنے والا شئی موہوب کا صحیح معنی میں مالک ہو۔

اور ملک العلماء علامہ کاسانی بدائع الصنائع میں تحریر فرماتے ہیں:

ومن شرائط الھبة ان یکون مالاً متقومًا فلاتجوز ھبة ما لیس بمال کالحرّ و المیتة والدم وصید الحرم والخنزیر وغیر ذلک الخ

(ص ۱۱۹، ج ۶، کذافی البحر ص ۲۵۷. ج ۵، و عالمگیری ص ۳۷۴. ج ۴)

ہبہ کرنے کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ شئی موہوب مال متقوم ہو لہٰذا جو چیز سرے سے مال ہی نہیں اس کا ہبہ کرنا جائز نہیں۔ مثلاً آزاد آدمی، مردہ، خون، حرام کا شکار، سور وغیرہ کا ہبہ کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ سب مال نہیں۔

اسی طرح کسی شئی کے بارے میں وصیت کرنے کے لئے جہاں یہ شرط ہے کہ (جس شئی کی وصیت کی جائے) وہ مال متقوم ہو وہاں یہ بھی شرط ہے کہ وہ چیز وصیت کرنے والے کی ملک ہو چنانچہ عالمگیری میں ہے:

وشرطھا کون الموصی اھلًا للتملیک والموصی له اھلًا للتملک والموصی به مالاً قابلاً للتملیک الخ ص ۹۰. ج ۶، کذا فی البحر الرائق ص ۴۰۳. ج۸، وکذافی ردالمحتار ص ۵۷۰. ج ۵، و فی بدائع الصنائع. واما الذی یرجع الی الموصی به فانواع منھا: ان یکون مالاً اومتعلقاً بالمال؛ لان الوصیة

ایجاب الملک او ایجاب مایتعلق بالملک من البیع والھبة والصدقة والاعتاق، ومحل الملک ھو المال فلاتصح الوصیة بالمیتة والدم من احد ولا لاحد؛ لانھما لیسا بمال فی حق احد. ولابجلد المیتة قبل الدباغ وکل مالیس بمال الخ ومنھا: ان یکون المال متقوماً فلاتصح الوصیة بمال غیر متقوم کالخمر الخ (بدائع الصنائع ص ۳۵۳. ج ۷)

یعنی وصیت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ موصی اس چیز کا مالک ہو اور جس شئی کی وصیت کی جارہی ہے وہ شئی بھی قابل تملیک ہو۔

چونکہ انسانی اعضاء مال نہیں ہیں اور نہ انسان اپنے اعضاء کا مالک ہے اس لئے اپنے اعضاء میں سے کسی عضو کا نہ ہبہ کرسکتا ہے نہ عطیہ دینے کی وصیت کرسکتا ہے۔

انسان کو اپنے جسم کو استعمال کرنے کا حق ہے یعنی اس سے انتفاع حاصل کرسکتا ہے لیکن اپنے اعضاء کا مالک نہ ہونے کی وجہ سے کسی کو نہ فروخت کرسکتا ہے، نہ کسی کو عطیہ یا ہبہ کے طور پر دے سکتا ہے جس طرح دوسرے کے جسم و اعضاء کو نقصان پہنچانا جرم ہے خود اپنے جسم و اعضاء کو نقصان پہنچانا بھی گناہ ہے۔ فتح الباری میں حافظ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں:

ویؤخذ منه ان جنایة الانسان علیٰ نفسه کجنایة علیٰ غیره فی الاثم لان نفسه لیست ملکًا له مطلقًا بل ھی للّٰه تعالیٰ فلایتصرف فیھا الا بما اذن فیه.

(ص ۵۳۹. ج ۱۱)

یعنی خودکشی کرنے کی ممانعت والی حدیث سے یہ حکم نکلتا ہے کہ جو انسان اپنے آپ کو ہلاک کرے اور نقصان پہنچائے اس کا گناہ ایسا ہے جیسا کہ دوسرے کو ہلاک کرنے اور نقصان پہنچانے کا گناہ، کیونکہ انسان کا جسم و جان اس کی اپنی ملکیت نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے انسان کو صرف اس سے کام لینے کا اختیار ہے کام بھی وہ جن کے متعلق اللہ کی طرف سے اذن ہے۔

مذکورہ بالا کتب فقہ وفتاویٰ کے حوالوں سے معلوم ہوا کہ انسان اپنے اعضاء کے مالک نہ ہونے کی وجہ سے کسی عضو کے بطور ہبہ یا عطیہ دینے کی وصیت نہیں کرسکتا، اس کے علاوہ انسان تو قابل احترام ومکرم ہے اس کے اعضاء میں سے کسی عضو کو اس کے بدن سے الگ کر کے دوسرے انسان کو دینے میں انسانی تکریم کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے علاج ومعالجہ اور شدید مجبوری کے موقعہ پر بھی انسانی اعضاء کا استعمال ممنوع قرار دیا ہے، چنانچہ شرح سیر الکبیر میں ہے:

فکما لایجوز التداوی بشیء من الآدمی الحیی اکراماً له فکذٰلک لایجوز التداوی بعظم المیت قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علی وسلم: کسر عظم المیت ککسرعظم الحی الخ. (سیر الکبیر ص ۸۹. ج ۱).

جس طرح کسی زندہ آدمی کے کسی عضو کو لے کر علاج کرنا درست نہیں اسی طرح کسی مردہ انسان کی ہڈی سے بھی علاج کرنا جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردہ انسان کی ہڈی کا توڑنا ایسا ہی گناہ ہے جیسا کہ زندہ انسان کی ہڈی توڑنے کا گناہ ہے۔

ابن ہمام نے فتح القدیر میں تحریر کیا ہے:

وحرمة الانتفاع باجزاء الأدمی للکرامة لئلا یتجاسر الناس علیٰ من کرم اللّٰہ بابتذال اجزائه الخ ص ۶۵. ج ۱، (کذافی البدائع ص ۱۳۴. ج ۵، عالمگیری ص ۳۵۴. ج ۵)

آدمی کی کھال سمیت اس کے تمام اعضاء سے فائدہ اٹھانے کی حرمت اس کی تکریم اور احترام کے پیش نظر ہے تا کہ جس ہستی کو اللہ تعالیٰ نے مکرم ومحترم بنایا ہے لوگ اس کے اجزاء واعضاء کو استعمال کرنے کی جسارت نہ کریں جس سے معلوم ہوا کہ انسانی اعضاء کا دوسرے کیلئے استعمال کسی طرح اور کسی حال میں بھی جائز نہیں۔

مزید تفصیلات کے لئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ’’انسانی اعضاء کی پیوند کاری‘‘ اور راقم کی تصنیف ’’اعضاء کا احترام اور طب جدید‘‘ کا جو کہ عنقریب طبع ہونے والی ہے کا مطالعہ کیا جائے۔

فقط واللہ اعلم

کتبہٗ

محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہٗ

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی نمبر ۵

۱/۹/۱۴۰۵ھ

الجواب صحیح

(۱) (مفتی) ولی حسن ٹونکی (صاحب مدظلہ) رئیس دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن۔

(۲) (مفتی) احمد الرحمٰن غفرلہ۔ (مدیر جامعہ)

(۳) (مفتی) محمد ولی درویش غفرلہ

(۴) (مفتی) محمد شاہد

(۵) (مفتی) محمد ابوبکر سعید الرحمٰن غفرلہ

(۶) (مفتی) محمد رضاء الحق غفرلہ

مسلمان کے خلاف شیعہ کی گواہی

مسلمان کے خلاف شیعہ کی گواہی استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شیعہ اثنا عشری کسی سنی مسلمان کے خلاف دعویٰ کرتا ہے کہ سنی مسلمان نے اثنا عشری کی دکان جلادی ہے اور دکان کا مال لوٹا ہے۔ سنی مسلمان ان تمام باتوں سے انکاری ہے۔ سنی مسلمان کا کہنا ہے کہ مجھے مذکورہ باتوں میں سے کسی ایک بات کی بھی خبر نہیں ہے۔ اس پر گواہ پیش نہیں کیا جاسکتا بلکہ میرے خلاف جھوٹا الزام ہے، لیکن شیعہ اثنا عشری معاملہ عدالت میں پیش کرتا ہے اور گواہی کے لئے چار اثنا عشری شیعہ کو پیش کرنا چاہتا ہے۔ سنی مسلمان کو بلاوجہ پریشان کئے جانے کا قوی اندیشہ ہے۔ سنی مسلمان نے ایک وکیل سے مشورہ کیا ہے، وکیل نے کہا کہ سنی علماء کرام ''شیعہ اثنا عشری'' کو مسلمان نہیں سمجھتے اگر یہ فتویٰ مل جائے کہ شیعہ اثنا عشری مسلمان نہیں ہیں پھر ان کی گواہی پر فیصلہ نہیں ہوسکے گا کیونکہ اسلام میں کافروں کی گواہی مسلمان کے خلاف معتبر نہیں ہوتی۔ وکیل نے مزید کہا کہ اگر شیعہ اور رافض کی گواہی معتبر نہ ہونے پر تاریخ اسلام کے قاضیوں کا فیصلہ یا مثال مل جائے تو بہت بہتر ہوگا۔

لہٰذا بندۂ ناچیز جناب عالی سے درخواست کرتا ہے کہ آپ اس بارے میں ہماری شرعی رہنمائی فرمائیں۔

عرض گذار

محمد عمر اور محمد ناصر

لیاقت آباد، کراچی، ۲۲ نومبر ۱۹۸۶ء

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

صورت مسئولہ میں اسلامی قانون شہادت کی رو سے کسی مسلمان کے معاملہ میں اس کے خلاف کسی غیر مسلم کافر کی شہادت قابل قبول نہیں ہوتی۔

شیعہ اثنا عشری اپنے عقائد باطلہ وفاسدہ کی بنا پر کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ اس لئے ان کی شہادت مسلمان کے خلاف معتبر نہ ہوگی۔

ویسے تو شیعوں کے عقائد باطلہ کئی ایک ہیں:

(۱) مثلاً قرآن کے محرف ہونے کا عقیدہ۔ (۲) امامت آئمہ اثنا عشری کے جز وایمان ہونے کا عقیدہ۔

(۳) بارہ اماموں کے من جانب اللہ نامزد ہونے کا عقیدہ (۴) بارہ اماموں کا تمام انبیائے سابقین اور رسولوں سے افضل ہونے کا عقیدہ۔ (۵) بارہ اماموں کو حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینے کے اختیار کا عقیدہ۔ (۶) شیخین حضرت ابو بکر صدیق و عمر رضی اللہ عنہما کے کافر و مرتد ہونے اور منافق قرار دینے کا عقیدہ وغیرہ وغیرہ، لیکن یہاں پر صرف تحریف قرآن کے عقیدہ کے ثبوت میں چند حوالے پیش کئے جاتے ہیں۔

شیعوں کی مستند تفسیر صافی میں امام باقر سے روایت ہے:

(۱) لو لا انهٗ زید فی القرآن و نقص ماخفی حقنا علیٰ ذی حجیٰ.

(تفسری صافی ص ۱۱ ج ۱)

اگر قرآن میں کمی یا زیادتی نہ کی گئی ہوتی تو کسی عقل رکھنے والے پر ہم بارہ اماموں کا حق پوشیدہ نہیں رہتا۔

یعنی قرآن میں کمی واقع ہوئی اور زیادتی بھی ہوئی، اس وجہ سے ہمارے اماموں کے حقوق کا ذکر موجود نہیں۔

دوسری جگہ پر لکھتے ہیں:۔

(۲) لوقرئ القرآن کما انزل لالفیتنا فیه مسمّین.

(تفسیر صافی ص ۱۱. ج ۱)

اگر قرآن اس طرح پڑھا جاتا جس طرح نازل ہوا تھا، تو تم اس میں ہمارے آئمہ کا تذکرہ نام بنام پاتے۔

یعنی چونکہ قرآن میں کمی اور زیادتی کے ساتھ تحریف ہوئی ہے۔ اس لئے ہمارے آئمہ کا تذکرہ موجودہ قرآن میں نہیں ہے۔

(۱) شیعوں نے اپنی کتابوں میں تحریف قرآن پر بڑی نظائر اور مثالیں پیش کی ہیں، ان میں سے بطور نمونہ چند یہاں لکھی جاتی ہیں۔

سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۳ کے اندر "وان کنتم فی ریبٍ ممانزلنا علیٰ عبدنا فأتوا بسورة من مثلهٖ الخ" کے بارے میں شیعہ کی اصح الکتب "اصول کافی" میں امام باقر کی روایت ہے:

نزل جبرائیل بهٰذه الأية علیٰ محمد صلی الله علیه وسلم هٰكذا "وان کنتم فی ریب ممانزلنا علی عبدنا "فی علی" فاتوا بسورة من مثلهٖ.

جس کا مطلب یہ ہے کہ آیت مذکور میں "فی علی" کا اضافہ تھا۔ جس کو آپؐ کے بعد قرآن جمع

کرنے اور مرتب کرنے والوں، یعنی ابوبکرؓ، عمرؓ، اور عثمانؓ نے نکال دیا ہے۔

(۲) سورۂ طٰہٰ کی آیت نمبر ۱۰ ''ولقد عهدنا الٰى اٰدم من قبل فَنسِيَ'' ہے۔اس کے بارے میں شیعہ اثنا عشریہ کے چھٹے امام امام جعفر صادق سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں اصل آیت اس طرح ہے:

''ولقد عهدنا الٰى اٰدم من قبل كلمات في محمد وعلى و فاطمة والحسن والحسين و الائمة من ذريتهم فنسي.'' هٰكذا انزلت علٰى محمد صلى الله عليه وسلم. (اصول کافی ص ۲۶۳)

جس کا مطلب یہ ہے کہ دراصل آیت کی دوسری قراءت خط کشیدہ عبارت کو ملا کر تھی، لیکن قرآن مرتب کرنے والوں یعنی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان نے درمیان سے خط کشیدہ عبارت کو نکال دیا ہے۔

(۳) سورۂ احزاب کے آخری رکوع میں آیت ''ومن يطع اللّٰه و رسولهٗ فقد فازفوزًا عظيماً'' ہے۔اس کے متعلق ''اصول کافی'' میں امام جعفر صادق سے روایت نقل کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اصل آیت اس طرح ہے ''ومن يطع اللّٰه ورسولهٗ فى ولاية على والحسن والحسين و الا ئمة من بعدهٖ فقد فازفوزًا عظيمًا.'' (اصول کافی ص ۲۶۳)

جس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن سے ''في ولاية على'' سے لے کر والائمة من بعده تک پوری عبارت حذف کر دی گئی اور آیت سے اسے نکال دیا گیا ہے، اور یہ کام قرآن جمع کرنے والوں نے یعنی ابوبکر، عمر، عثمان نے کیا ہے۔

اس طرح کے بے شمار نظائر ہیں جس سے شیعہ اثنا عشریہ کے آئمہ نے ثابت کیا ہے کہ قرآن محرّف ہے، یہ پورا قرآن نہیں ہے۔ جب کہ عہد صحابہ سے لے کر تا حال پوری کی پوری امت مسلمہ کا عقیدہ یہ ہے کہ موجودہ قرآن وہی قرآن ہے جس کو حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے تھے۔ اور یہ قرآن تا حال بلا تحریف وتبدیل جوں کا توں موجود ہے۔ تحریف کا عقیدہ قرآن کا انکار ہے اور انکارِ قرآن صریح کفر ہے۔ اس لئے شیعہ اثنا عشریہ تحریف قرآن کا عقیدہ رکھنے کی بناء پر کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، جب کہ ان کے دوسرے بھی باطل وفاسد عقائد بہت ہیں۔ اور کافروں کی شہادت مسلمان کے خلاف قابل اعتبار نہیں ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) واستشهدوا شهيدين من رجالكم.
''گواہ بناؤ دو تمہارے مردوں میں سے۔''
تشریح: آیت میں مومنوں سے خطاب کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اے ایمان والو! تم اپنے مومنین مردوں میں سے دو گواہ بنالو، جس کے مفہوم سے معلوم ہو رہا ہے کہ کافروں کی شہادت معتبر نہیں ہے، نہ ہی ان کو گواہ بنانا جائز ہے۔
(۲) امام ابوبکر الجصاص ''احکام القرآن'' میں آیت مذکورہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:
قولهٗ من رّجالكم كان كقوله من رّجال المؤمنين، فاقتضى ذٰلك كون الايمان شرطاً في الشهادة على المسلمين. (احکام القرآن ص ۴۹۴. ج ۱)
اللہ تعالیٰ کے قول ''من رجالکم'' کی تفسیر یوں ہے گویا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: أى من رّجال المؤمنين جس کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف شہادت دینے کے لئے ایمان شرط ہے۔
(۳) امام ابن الہمام ''فتح القدیر'' شرح الہدایہ میں شہادت کی بحث میں رقمطراز ہیں:
ترجمہ: مسلمانوں کے خلاف کافروں کی شہادت قابلِ قبول نہیں کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا ''لن يجعل الله للكفرين على المؤمنين سبيلا'' یعنی کافروں کے لئے مسلمانوں کے خلاف کوئی راستہ اللہ تعالیٰ نے نہیں رکھا۔ (ص ۴۸۹. ج ۶)
اسی طرح کا مضمون بحرالرائق میں بھی ہے ملاحظہ ہو، ص ۹۴۔ ج ۷
(۴) علامہ ابن عابدین الشامی ''ردالمحتار'' میں لکھتے ہیں:
فبشرط الاسلام لو المدعٰى عليه مسلما. (ص ۴۶۲. ج ۵)
پس مدعیٰ علیہ اگر مسلمان ہے تو شاہد اور گواہ کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے۔
درالمختار میں ہے:
عن الاشباه لاتقبل شهادة كافر علىٰ مسلم. (ص ۴۷۵)
کسی مسلمان کے خلاف کسی کافر کی شہادت قبول نہیں کی جائیگی۔
واضح رہے کہ شیعہ روافض کی شہادت مسلمان کے خلاف ناقابل اعتبار ہونے پر نظائر تو بے شمار ہیں، یہاں پر صرف دو نظائر پیش کئے جاتے ہیں۔
(۱) ''صاحب اخبار القضاۃ'' رقمطراز ہیں:۔

کان ابن أبی لیلیٰ لَا یجیز شهادة الرافضة.

(اخبار القضاۃ ص ۱۳۳ . ج ۳)

قاضی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ روافض کی شہادت کو ناجائز قرار دیتے تھے۔

(۲) وکان شریک لایجیز شهادة الرافضة.

(ص ۱۶۲ . ج ۳)

قاضی شریک روافض (شیعہ) کی شہادت کو جائز قرار نہیں دیتے تھے۔

لہٰذا مسلمانوں کے مقدمات میں معتبر اور دین دار مسلمان گواہ کا پیش کرنا ضروری ہے، شیعہ اور روافض کی شہادت قابل قبول نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہ ۸/۴/۱۴۰۷ھ

فتویٰ مذکورہ پر حضرت مفتی ولی حسن صاحب کی رائے گرامی

علاوہ اس کے یہ ہے کہ شہادت اس شخص کی قبول نہیں ہوتی کہ جو شخص کسی سے عداوت رکھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ایک طویل حدیث میں ہے:

"ولاذی غمرٍ لاخیه (جامع الترمذی ص ۳۵. ج ۲). فی الحاشیة کذا وقع، والصّواب ولاغمر لاخیه بالیاء وقد ذکره الدار قطنی وصاحب الغریبین بلفظ یدل علیٰ صحّة هٰذا.

ظاہر بات ہے کہ شیعہ اثنا عشری اہل سنت والجماعت سے عداوت رکھتے ہیں اس لئے ان کی شہادت قابل اعتبار نہیں ہے۔

ولی حسن

حضرت مولانا مفتی یوسف لدھیانوی صاحب کی رائے گرامی

کسی مسلمان کے خلاف شہادت دینے کے لئے یہ شرط ہے کہ گواہ مسلمان ہو، سچا ہو، غیر جانب دار ہو، اور شیعہ میں یہ تینوں شرطیں مفقود ہیں۔ لہٰذا مسلمان کے خلاف اس کی شہادت مردود ہے۔

والجواب صحیح

محمد یوسف لدھیانوی۔

الجواب صحیح

(۱) (مفتی) ولی حسن ٹونکی (صاحب مدظلہ) رئیس دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن۔

(۲) (مفتی) احمد الرحمٰن غفرلہٗ (مدیر جامعہ)

(۳) (مفتی) محمد ولی درویش غفرلہٗ

(۴) (مفتی) محمد شاہد

(۵) (مفتی) محمد ابوبکر سعید الرحمٰن غفرلہٗ

(۶) (مفتی) محمد رضاء الحق غفرلہٗ

کیا ازروئے شرع کسی دینی یا سیاسی مقصد کیلئے ہڑتال جائز ہے؟

الاستفتاء

۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کیا اسلام میں ہڑتال کرنے اور کرانے کی اجازت ہے جب کہ اس میں فسادات بھی ہوتے ہیں، کیا یہ بغاوت میں نہیں آتے؟

۲: کوئی جماعت اگر ہڑتال کرنے کا اعلان کرے تو کسی دینی یا سیاسی جماعت کی طرف سے اس کی موافقت کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے آپ سے درخواست ہے کہ مسئلہ کا جواب مدلل طریقے سے دیں گے ویسے ایک بہت بڑے مفتی صاحب نے اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

ایک سائل جمشید روڈ کراچی نمبر ۵

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

صورت مسئولہ میں ہڑتال کرنا یا کرانا جس کا مقصد حکومت سے عدم تعاون ہے، اور اس پر دباؤ ڈالنا ہے، حکومت وقت سے عدم تعاون اور ظلم و زیادتی کو روکنے کیلئے اس پر دباؤ ڈالنا ہے، بعض حالات میں جائز ہے بلکہ ضروری اور کار ثواب ہے، اور بعض حالات میں ناجائز اور معصیت ہے۔

اگر کوئی حکومت مسلمانوں کی نمائندہ ہو اور وہ دینی اور اسلامی حکومت ہو، اور نمائندہ حکومت احکام اسلام کا نفاذ کرتی ہو، اور احکام اسلام کی پابندی کرتی ہو، اسلامی احکام کے نفاذ سے عاجز اور بے بس نہ ہو، ایسی نمائندہ حکومت مسلمانوں پر کسی قسم کا ظلم یا زیادتی بھی نہ کرتی ہو، تو ایسی حکومت کے ساتھ تعاون اور اس کی اطاعت کرنا مسلمانوں پر واجب اور اس پر کسی قسم کا غیر شرعی دباؤ ڈالنا یا عدم تعاون، گناہ اور معصیت ہے۔

قرآن کریم کی آیت ”تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ“ ان باتوں کی دلیل کے لئے واضح ہے۔

لیکن جو حکومت اسلامی نہیں، نہ ہی احکام اسلامی کا نفاذ کرتی ہو، نہ ہی اس کی استطاعت رکھتی ہو، بلکہ قوم اور مسلمانوں پر ظلم کرتی ہو ایسی حکومت سے تعاون کرنا درست نہیں بلکہ ناجائز اور حرام ہے، اس لئے کہ اس سے ظلم اور معصیت کا تعاون ہوتا ہے ایسی حکومت کے ساتھ عدم تعاون نہ صرف جائز ہے بلکہ

ضروری ہے، لہٰذا ہڑتال جو کہ حکومت سے ایک طرح کا عدم تعاون کا اظہار، اور ظالم حکومت پر دباؤ ڈالنا ہے، نہ صرف جائز ہے بلکہ بعض اوقات ضروری ہوجاتا ہے، اور یہ بغاوت کی تعریف میں نہیں آتا، اس لئے کہ اسلام کے نزدیک بغاوت کسی اسلامی حکومت کے سربراہ اور امام عادل کے خلاف مسلح خروج کرنے کو کہا جاتا ہے جب کہ ایسا خروج ناحق ہو، کسی جائز حق کے لئے نہ ہو چنانچہ درمختار میں ہے:

البغاة شرعًا هم الخارجون عن الامام الحق بغير حق فلو بحقٍ فليسوا ببغاة، وتمامهٗ فی جامع الفصولين. (۲۶۱/۴)

مطلب یہ ہے کہ باغی وہ لوگ ہیں جو کسی امام عادل کے خلاف ناحق خروج کریں لیکن اگر وہ کسی حق بات کو لے کر خروج کرتے ہیں تو وہ باغی قرار نہیں پاتے۔ جامع الفصولین میں تفصیلات موجود ہیں۔

نیز یہ کہ اگر حکومت اسلامی نہ ہو اور لوگوں پر ظلم بھی کرتی ہو تو شرعًا ایسی حکومت کے خلاف مسلح خروج تو جائز نہیں ہے لیکن اس سے تعاون بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے:

قوله لاينبغی للناس معاونة السلطان ای الظالم ولامعاونتهم وبيانهٗ ان المسلمين اذا اجتمعوا علی امام وصاروا آمنين بهٖ فخرج عليه طائفة من المومنين فان فعلوا ذٰلک لظلم ظلمهم بهٖ فهم ليسوا من اهل البغی وعليه ان يترک الظلم وينصفهم، ولا ينبغی ان يعينوا الامام عليهم، لان فيه اعانة علی الظلم. الخ. (۲۶۱/۴)

مطلب یہ ہے کہ تمام مسلمانوں نے یا انکی اکثریت نے اگر کسی امام پر اتفاق کرلیا ہے اور وہ سب اس پر مطمئن ہیں، لیکن مسلمانوں کی ایک جماعت امام کے خلاف مسلح خروج پر آمادہ ہوجاتی ہے، تو اگر ان کا خروج مسلمانوں کی اس جماعت پر (امام کی طرف سے) کسی ناروا زیادتی اور ظلم کی بناء پر ہے تو اس وقت مسلمانوں کی ایسی جماعت کے افراد امام کے خلاف خروج کرنے والے باغی نہیں ہوں گے، نہ ان پر بغاوت کا حکم آئیگا، ایسے موقع پر حکومت کے سربراہ کو چاہیئے کہ اس جماعت مسلمین پر ظلم ترک کردے اور انکے ساتھ انصاف کرے، اور مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ مظلوم جماعت مسلمین کے خلاف ظالم امام یا اس کی حکومت سے تعاون کا معاملہ کریں۔

مذکورہ بالا فقہی روایات کی تائید میں بخاری شریف کی ایک حدیث پیش کی جاتی ہے:

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انصر أخاک ظالمًا او مظلومًا قال: یا رسول اللّٰہ! ھٰذا ننصرہ مظلوما فکیف ننصرہ ظالمًا؟ قال: تأخذہ فوق یدیہ أی تمنعہ عن الظلم. (بخاری ۱/۳۳۱)

جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تم اپنے بھائی مسلمان کی مدد کرو، خواہ مظلوم ہو یا ظالم، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد کرنے کا حکم تو سمجھ میں آتا ہے کہ اس پر ظلم کیا جارہا ہے کہ کسی طرح سے اس کی مدد کی جائے، لیکن ظالم کی مدد کیسے کی جائے؟ یہ سمجھ میں نہیں آیا، آپ نے فرمایا ظالم کا ہاتھ اوپر سے پکڑلو اور ظلم سے روک دو، یہ اس کے ساتھ تعاون اور مدد کرنا ہے۔

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

قولہ: تأخذ فوق یدیہ کنّٰی بہٖ عن کفہٖ عن الظلم بالفعل ان لم یکف بالقول.
(فتح الباری ۵/۹۸)

جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ "تأخذ فوق یدیہ" میں اس بات کی طرف کنایہ ہے کہ ظالم کو جب ظلم کرتا ہوا دیکھا جائے تو وہ اگر زبانی طور پر منع کرنے پر ظلم سے باز نہیں آتا تو اسکو زبانی منع کرنا کافی نہیں ہے بلکہ اپنے فعل اور عمل سے اسکو ظلم کرنے سے روک دیا جائے۔

پھر لفظ "فوق یدیہ" میں اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ روکنے کے لئے طاقت اور قوت کا استعمال بھی کیا جائے گا۔

پھر حدیث مذکور میں عموم ہے کہ کوئی بھی ظالم اگر کسی پر ظلم کررہا ہے تو دوسرے مسلمان پر لازم اور ضروری ہے کہ اس مظلوم کی مدد کرے اور اس سے تعاون کرے، اور ظالم کا ہاتھ بزور طاقت ظلم سے روک دے۔

ان نصوص شرعیہ اور روایات فقہیہ کی رو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب عام ہڑتال کا مقصد کسی ظالم حکومت کے ساتھ عدم تعاون کا اظہار اور اس کو ظلم سے روکنے کے واسطے دباؤ ڈالنا ہوتا کہ وہ اپنے ظلم سے باز آجائے تو یہ جائز ہے اور دوسرا کوئی طریقہ اگر نہ ہو تو یہی طریقہ نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے، اور حدیث کے مفہوم کے مطابق تو یہ اسکی حکومت کے ساتھ تعاون ہے تاکہ وہ آئندہ کسی پر ظلم نہ کرے۔

باقی رہا یہ کہ ہڑتال میں بعض شرپسند فسادات کرواتے ہیں، توڑ پھوڑ کرتے ہیں، لوگوں کی نجی اور

سرکاری املاک کو نقصان پہنچاتے ہیں تو یہ سب امور غلط اور ناجائز ہیں، شریعت اسلامیہ میں اسکی کوئی گنجائش نہیں ہے، ایسے لوگ فسادی ہیں، شرعاً وہ سزا اور ضمان عائد کئے جانے کے مستحق ہیں۔

لیکن پُر امن ہڑتال جس میں صرف کاروبار بند ہو، بازار اور دکانیں بند ہوں یہ بغیر کسی توڑ پھوڑ کے ممکن ہے اور جائز بھی ہے۔

(۲) جب آپ کو ہڑتال کے جواز اور عدم جواز کی سب تفصیلات معلوم ہوگئیں ہیں تو اس کی تفصیل کی رو سے خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کب ہڑتال کرنا یا کرانا جائز ہے، اور کس ہڑتال کی موافقت کرنی چاہیئے، اور کس کی موافقت کرنی ہے وہ یہ کہ اگر کسی دینی یا سیاسی جماعت نے حکومت کے ساتھ عدم تعاون کے ارادہ سے ہڑتال کی اپیل کی ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ اسکی وجہ کیا ہے؟ کسی دینی امر کی وجہ سے ہے یا حکومت کی کسی زیادتی و ظلم کی وجہ سے، اگر یہی باتیں ہیں تو ہڑتال کی اپیل درست ہے اور اس کی موافقت کرنا بھی درست ہے بلکہ بعض دفعہ ضروری ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر ہڑتال کی وجہ اگر کوئی دینی مسئلہ نہیں، نہ ہی حکومت کی جانب سے کسی قسم کی زیادتی و ظلم کی وجہ سے ہے، بلکہ کسی ناجائز مطالبہ کے واسطے ہے یا کسی غیر شرعی امر کی بناء پر ہے تو ایسی صورت میں حکومت کے ساتھ تعاون یا اس پر بلا وجہ دباؤ ڈالنے کے واسطے ہڑتال کی اپیل کرنا درست نہیں ہے، نہ ہی اس کی موافقت کرنا درست ہے۔

آپ نے جس مفتی صاحب کا ذکر کیا ہے اگر انہوں نے مطلقاً ہڑتال ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے تو ہم اسکی تصدیق نہیں کرتے، یہ انکی رائے ہوگی جو کہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے، ہاں انہوں نے اگر ہڑتال کی کوئی خاص ممنوع صورت کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے تو درست ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب مسلمانوں کو دین کا فہم اور سمجھ عطا فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ فقط واللہ اعلم۔

کتبہٗ

بندہ محمد عبد السلام عفا اللہ عنہٗ

دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵ ۴/۳/۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح

(۱) (مفتی) ولی حسن ٹونکی (صاحب مدظلہ) رئیس دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن۔

(۲) (مفتی) احمد الرحمٰن غفرلہ (مدیر جامعہ)

(۳) (مفتی) محمد ابوبکر سعید الرحمٰن غفرلہ

(۴) (مفتی) محمد شفیع

(۵) (مفتی) محمد ولی درویش غفرلہ

(۶) (مفتی) محمد شاہد

(۷) (مفتی) محمد رضاء الحق غفرلہ

(۸) (مفتی) محمد انعام الحق

غائبانہ نماز جنازہ کی شرعی حیثیت

☆ مندرجہ بالا مضمون میں غائبانہ نماز جنازہ کی شرعی حیثیت کو حدیث وفقہ کی روشنی میں لکھا گیا ہے۔

☆ امام اعظمؒ کے مسلک کو ماننے والوں کے لئے نماز جنازہ کی شرعی حیثیت کو بیان کیا گیا ہے۔

☆ مروجہ طریقہ پر سیاسۃً غائبانہ نماز جنازہ کے حکم کو بیان کیا گیا ہے

مؤلف

مفتی عبد السلام چاٹگامی

ناشر

اسلامی کتب خانہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان

کیا سیاسۃً نماز جنازہ جائز ہے؟

فہرست:

۱: غائبانہ نماز جنازہ کی شرعی حیثیت
۲: جمہور فقہاء غائبانہ نمازِ جنازہ کے قائل نہیں
۳: حافظ ابنِ حجر کا شبہ اور اس کا جواب
۴: غائبانہ نمازِ جنازہ صرف نجاشی پر ثابت ہے
۵: غائبانہ نمازِ جنازہ کے بارے میں صاحب فیض الباری کی تحقیق
۶: احناف کے نزدیک نمازِ جنازہ کی شرطیں
۷: حرمین شریفین کے ائمہ غائبانہ نمازِ جنازہ کیوں پڑھتے ہیں؟
۸: حنفی ائمہ کے لئے غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔
۹: سیاسۃً غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟
۱۰: سیاسی وفاداری کے لئے غائبانہ نمازِ جنازہ کیسا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا سیاسۃً غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے؟

استفتاء

بخدمت جناب مفتی صاحب مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی۔

السّلام علیکم و رَحمة اللّٰهِ وَبرکاتهٗ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ غائبانہ نماز جنازہ کے بارے میں قرآن وحدیث میں کہاں تک گنجائش ہے، آئے دن بہت سے مذہبی رہنما اور سیاسی شخصیات کی متعدد بار متعدد شہروں میں مختلف ملکوں میں غائبانہ نماز جنازہ ادا کی جاتی رہی ہے۔ بعض دوستوں کا خیال ہے کہ حنفیوں میں تو غائبانہ نماز جنازہ نہیں ہے، لیکن دوسرے ائمہ کے نزدیک جائز ہے۔ یہ خیال کہاں تک درست ہے۔ نیز اگر حنفیوں کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ نہیں ہے تو اس کی کیا وجوہ ہیں اور اگر سیاسۃً حنفی حضرات دوسرے مذہب کی پیروی کرتے ہوئے نماز جنازہ غائبانہ طور پر ادا کریں تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی آپ سے گزارش ہے کہ اس سلسلہ میں مدلّل جواب تحریر فرما کر تسلّی بخشیں گے۔

(محمد نواز یکے از خدام علمائے کراچی)

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

بعد حمد وصلوٰۃ واضح رہے کہ غائبانہ نماز جنازہ کے بارے میں فقہائے اسلام کا اختلاف ہے۔

حنفیوں اور مالکیوں کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں ہے، شوافع کے نزدیک مشروع ہے۔ حنابلہ سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ ایک قول مطلقاً جواز کا ہے دوسرا قول مطلقاً عدم جواز کا ہے۔ تیسرے اقوال میں تفصیل ہے۔

اگر میت کا انتقال ایسی جگہ میں ہوا ہے کہ وہاں پر نماز جنازہ پڑھنے والا کوئی مسلمان نہیں یا کسی وجہ سے لوگوں کی رسائی وہاں تک ممکن نہیں ہے تو ایسی صورت میں میت پر غائبانہ نماز جنازہ کی حاجت نہیں ہے اس لئے درست نہیں ہے اب اس کے حوالہ جات ملاحظہ فرمائیے۔

چنانچہ کتب شافعیہ میں سے معتبر ترین کتاب ''المجموع'' میں امام نووی تحریر فرماتے ہیں:

ومذهبنا جواز الصلوٰة علیٰ الميت الغائب عن البلدسوآء كان فی جهة القبلة ام فی غير ها ولكن المصلّی يستقبل القبلة ولا فرق بين ان يكون المسافة بين البلدتين قريبة اوبعيدة ولا خلاف فی هذا كلّه عندنا واما اذا كان الميّت فی البلد فطريقان، المذهب وبه قطع المصنّف والجمهور، لا يجوزان يُصلّی عَليه حتّی يحضر عنده لأن النبی صلی الله عليه وسلم لم يصلّ علیٰ حاضر فی البلد الّا بحضرته ولانه لامشقة فيه بخلاف الغائب عن البلد.

(المجموع ص ۲۵۳. ج ۵)

میت غائب پرنماز جنازہ کے بارے میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ اس پرنماز جائز ہے خواہ میت کا شہر قبلہ کی طرف ہو یا نہ ہو اور اس میں بھی کوئی فرق نہیں ہے کہ دونوں شہروں کے درمیان مسافت قریبہ ہو یا بعیدہ ہر صورت میں نماز جائز ہونے میں ہمارے ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

البتہ اگر میت شہر میں ہے تو اس شہر والوں کے لئے غائبانہ نمازِ جنازہ کے بارے میں ہمارے ائمہ کے دوقول منقول ہیں، لیکن جس پر صاحب مذہب اور جمہور نے قطعی فیصلہ کیا ہے وہ یہ کہ ایک ہی شہر میں غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی جائیگی، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شہر میں کسی غائب پرنمازِ جنازہ نہیں پڑھی، مگر یہ کہ جنازہ حاضر ہوا تو آپ نے نماز جنازہ پڑھی اس لئے کہ جنازہ کی حاضری میں نماز جنازہ کی ادائیگی میں کوئی مشقت وحرج نہیں ہے بخلاف اس کے کہ جنازہ اگر شہر سے غائب ہو۔

پھر فقہ حنبلی کی روایات بھی ان کی کتابوں سے ملاحظہ فرمائیں۔

چنانچہ ابن قدامہ حنبلی اپنی تصنیف ''المغنی'' میں تحریر فرماتے ہیں:

وتجوز الصلوٰة عن الغائب فی بلد آخر بالنية فيستقبل القبلة ويصلّی عليه كصلوته علیٰ حاضر و سواء كان الميت فی جهة الصلوٰة اولم يكن وسواء كان بين البلدين مسافة القصر اولم يكن وبهذا قال الشافعی وقال مالک وابو حنيفة لا يجوز وحكی ابن أبی موسیٰ عن احمد رواية اُخریٰ كقولهما لأن من شرط الصّلاة علیٰ الجنازة حضور ها بدليل مالو كان فی لابلد لم تجز الصلوٰة عليها مع غيبتها عنه. (المغنی. ص ۳۸۲. ج ۲)

میّت کی نیت سے غائبانہ نمازِ جنازہ دوسرے شہر میں جائز ہے، نماز جنازہ کے وقت قبلہ کو

سامنے لیا جائے گا اور اس طرح نماز جنازہ پڑھی جائے گی جس طرح ایک حاضر میت پر پڑھی جاتی ہے، خواہ میت کا شہر قبلہ کی جانب ہو یا کسی اور جانب میں، خواہ میت کا شہر اور غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کے درمیان مسافت سفر ہو یا نہ ہو یہی قول امام شافعیؒ کا ہے، البتہ امام مالک امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میت پر غائبانہ نماز جنازہ نہیں ہے۔ اور امام احمد بن حنبل سے ابن ابی موسیٰ نے ایک روایت اس طرح نقل کی ہے جس طرح امام ابوحنیفہ اور امام مالک فرماتے ہیں (یعنی غائبانہ نماز جنازہ نہیں ہے) اسلئے کہ نماز جنازہ کے لئے یہ شرط ہے کہ میت حاضر ہو اور غائبانہ نماز کی صورت میں میّت کا جنازہ سامنے نہیں ہوتا۔ اس لئے نماز جنازہ درست نہیں ہے۔

تقریباً اسی طرح کا مضمون "لامع الدّراری شرح بخاری" میں منقول ہے۔

چنانچہ صاحب لامع الداری رقمطراز ہیں کہ:

قالت الحنيفية و المالكيّة لا تشرع ونسبه ابن عبدالبّر الىٰ اكثر العلمأ.

(ص ۴۳۲. ج ۴)

احناف اور مالکیہ نے کہا کہ غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں ہے، ابن عبدالبر مالکی نے اس کو اکثر علماء کا قول قرار دیا ہے۔

حنابلہ کے بارے میں علامہ ابن تیمیہ حنبلی تحریر فرماتے ہیں کہ

الصواب أنّ الغائب ان مات ببلدٍلم يصل عليه فيه صلّى النّبى صلى اللّٰه عليه وسلّم على النجاشِى لانه مات بين الكفارولم يصلّ عليه وان صلّى عليه حيث مات لم يصلّ عليه صلاة الغائب لان الفرض قد سقط بصلوٰة المسلمين والاقوال ثلاثة فى مذهب احمد واصحهّا هذا التفصيل والمشهور عند اصحابه الصّلاة عليه مطلقًا. (ص ۴۲۴. ج ۴)

صواب اور صحیح رائے یہ کہ میّت کا انتقال اگر کسی ایسے شہر میں ہوا ہے کہ اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تو اس پر غائبانہ نماز جنازہ ادا کی جائیگی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی پر پڑھی ہے اس لئے کہ نجاشی کا انتقال ایسی جگہ پر ہوا ہے کہ جہاں کفار رہتے ہیں اور ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی، لیکن کسی کا انتقال اگر ایسی جگہ پر ہوا ہے کہ اس پر نماز جنازہ پڑھی گئی ہے تو اس پر نماز غائبانہ نہیں پڑھی جائے گی۔ اس واسطے کہ فرضیت ساقط ہو چکی ہے۔ بہر حال امام احمد سے تین اقوال ثابت ہیں اور ان میں سے صحیح یہی تفصیل والی روایت ہے جبکہ امام احمد کے

تلامذہ سے زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ مطلقاً پڑھی جائیگی۔

مذکورہ بالا حوالوں سے معلوم ہوا کہ غائبانہ نماز جنازہ میں علماً متقدمین اور ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے۔ جمہور اہل علم اور امام ابوحنیفہ و مالک اور امام احمد کے ایک قول میں غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں ہے جبکہ امام احمد کے دوسرے قول کے موافق اور امام شافعی کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ مشروع اور جائز ہے اس سلسلہ میں امام شافعی واحمد کی مشہور دلیل حدیث نجاشی ہے۔

جبکہ جمہور اہل علم اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک واقعہ نجاشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصیت پر محمول ہے۔

کتب حدیث میں بخاری شریف کا مقام اصحّ الکتب بعد کتاب اللہ کا ہے۔

ائمہ حدیث میں امام ہمام امام بخاری کا درجہ سب سے اونچا اور بڑھا ہوا ہے، امام ہمام امام بخاری کی رائے اوران کا رجحان یہ ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں ہے۔

چنانچہ اس رجحان کو شارحین حدیث نے بیان کیا ہے۔

چنانچہ صاحب لامع الدّراری رقمطراز ہیں کہ:

فالاوجه عند هٰذا العبد الضعيف ان الامام البخارى مال فى هٰذه المسئلة الٰى قول الحنفية والمالكيّة وأشار بباب الصفوف على الجنازة الٰى توجيههم المشهور ان الجنازة كانت مشاهدة ولذالم يبوب بباب الصلوٰة على الغائب مع وجود الحديث وقد تقدّم فى الاصل الخامس والستين من اصول التراجم ان الامام البخارى قد لايترجم علٰى مسئلة فى الحديث لعدم رويته بذالك.

(ص ۴۲۵. ج ۴)

اور بندہ کے نزدیک راجح یہی ہے کہ اس مسئلہ میں امام بخاری کا میلان حنفیہ و مالکیہ کے قول کی طرف ہے اس لئے اس حدیث پر جو باب باندھا وہ الصفوف علی الجنازۃ یعنی جنازہ کے اوپر صف بندی کرنا اس سے حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک حدیث کی مشہور توجیہ کی طرف اشارہ اور تنبیہ فرمائی ہے، یعنی نجاشی کا جنازہ معجزانہ طور پر آپ ﷺ کے سامنے حاضر تھا غائب نہ تھا اور چونکہ امام بخاری کے نزدیک اس حدیث کی صحیح توجیہ یہی تھی اس لئے مشہور مسئلہ کے مطابق حدیث کا ذکر نہیں کیا ''باب الصفوف علی الغائب'' کے عنوان سے باب قائم نہیں کیا اور اصول تراجم کے نمبر ۶۵ اصول کے اندر یہ بات گزر چکی ہے کہ امام بخاری حدیث کے کسی مشہور مسئلہ

پر اس لئے عنوان قائم نہیں کرتے کہ امام بخاری اس مشہور مسئلہ کو صحیح نہیں سمجھتے۔

مذکورہ بالا عبارت اور اس کے ترجمہ سے یہ ثابت ہوا کہ امام بخاری جیسے جلیل القدر محدث کے طرز انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ کے مسئلہ میں امام بخاری، امام ابو حنیفہ، امام مالک اور جمہور کے ساتھ ہیں، کیونکہ ابواب حدیث میں امام ہمام کا طرزِ عمل یہی ہوتا ہے کہ حدیث باب سے اگر کوئی فقہی مسئلہ مشہور یا غیر مشہور معلوم ہو اور امام بخاری اس کو صحیح سمجھتے ہوں تو اس کو ترجمۃ الباب میں ذکر کردیتے ہیں۔

لیکن کوئی مسئلہ بھی اگر ظاہر حدیث سے معلوم ہو رہا ہو، لیکن امام بخاری اس کو صحیح نہیں سمجھتے تو عنوان باب میں اس کو ذکر نہیں فرماتے۔ چنانچہ یہاں پر بھی امام بخاری نے "باب الصلوٰۃ علی الغائب" کے عنوان سے حدیث کا ذکر نہیں کیا، بلکہ "باب الصفوف علی الجنازۃ" کا عنوان قائم کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ درست نہیں ہے۔ نیز اس میں "علی الجنازۃ" کا جملہ ذکر کر کے امام بخاری حدیث باب کی تشریح کرنا چاہتے ہیں اور اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ نجاشی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے جو نماز ادا کی ہے یہ غائبانہ نماز جنازہ نہ تھی، بلکہ جنازہ کو ان کے سامنے حاضر کردیا گیا تھا۔ اس واسطے "باب الصفوف علی الجنازۃ" کا جملہ لایا گیا اور اس طرح باب نہیں باندھا "باب الصّفوف علیٰ صلوٰۃ الجنازۃ" غرض یہ کہ غائبانہ نما جنازہ احناف اور مالکیہ کے نزدیک اور بقول ابن رشد اور ابن عبد البرؒ مالکی، جمہور اہل علم کے نزدیک بھی مشروع نہیں ہے۔ صرف شوافع اور بعض حنابلہ کے نزدیک جواز کا قول ہے۔

شوافع اور بعض حنابلہ کی دلیل مشہور حدیث نجاشی ہے جس کو امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نجاشی کا جنازہ حبشہ میں تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بذریعہ وحی اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ مسجد سے باہر نکلے صحابہ کرام کو لیکر جب نماز جنازہ کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیں درست کرنے کا حکم دیا، پھر آپ ﷺ نے چار تکبیریں کہیں اور نماز جنازہ ادا کی۔ (بخاری ص ۱۷۶. ج ۱)

جمہور فقہائ غائبانہ نماز جنازہ سے منع کرتے ہیں، ان کے دلائل

احناف، مالکیہ اور جمہور اہل علم غائبانہ نماز جنازہ کے عدم جواز پر مختلف طریقے سے استدلال کرتے ہیں۔

(الف) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام تعامل،

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کے بے شمار جاں نثار صحابۂ کرام مختلف شہروں میں وفات پائے ہیں، آپ نے ان پر غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی اور بہت سے مجاہدین صحابۂ کرام نے دشمن کے مقابلے میں لڑتے ہوئے معرکہ جنگ میں آپ کی غیر موجودگی میں جام شہادت نوش فرمایا ہے آپ ﷺ نے ان پر غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی اور یہ کہ جہاد ودعوت اسلام کے سلسلہ میں اسفار اور غزوات میں آپ ﷺ کے بے شمار صحابہ کرام شہید ہوئے انتقال فرما گئے ان میں سے آپ ﷺ کے محبوب ترین صحابہ کرام قرّاء صحابہ کی ایک بڑی جماعت آپکی غیبوبت میں شہید کردی گئی۔ لیکن آپ ﷺ نے ان میں سے کسی پر غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جبکہ آپ ﷺ نے امّت کی نمازِ جنازہ کے بارے میں صحابہ کرام کو بے انتہا تاکید کی تھی کہ اگر کسی کے یہاں میت ہوجائے تو جنازہ کی اطلاع آپ کو دی جائے تاکہ آپ ﷺ اس پر نماز جنازہ ادا کرسکیں نیز آپ کے نماز جنازہ پڑھانے سے امّت کی مغفرت اور اس کے لئے سبب تسکین ہونا نص سے ثابت ہے، لیکن ان سب تقاضوں کے باوجود آپ ﷺ نے بے شمار صحابہ کرام شہداء اور انتقال ہونے والوں پر غائبانہ نمازِ جنازہ ادا نہیں کی اور نہ ہی آپ کا ایسا معمول رہا ہے۔

اسی واسطے علامہ ابن القیمؒ جیسے وسیع المعلومات سریع الذہن حنبلی المذہب کو بھی اس کا اعلان کرنا پڑا کہ غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنا آپ ﷺ کا طریقۂ مسنونہ ہرگز نہ تھا۔

چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

قال الشیخ ابن القیم لم یکن من هدیه صلی اللّٰه علیه وسلم الصلوٰة علیٰ کل میت غائب فقدمات خلق کثیر من المسلمین و هم غیب فلم یصلی علیهم

(بحواله لامع الدّراری ص ۴۳۳. ج ۴)

شیخ ابن القیم نے کہا کہ ہر میت غائب پر نماز جنازہ پڑھنا آپ کی سنّت نہ تھی، کیونکہ بہت سے صحابۂ کرام کا انتقال آپ کی زندگی میں اس حالت میں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ لوگ غائب تھے۔ آپ ان کے پاس نہ تھے لیکن آپ ﷺ نے ان میں سے کسی پر نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

قریب قریب یہی مضمون فتح القدیر میں ابن ہمام حنفی کا بھی ہے۔ چنانچہ فتح القدیر کی عبارت ملاحظہ کیجئے:

أنّه توفی خلق کثیر منهم رضی اللّٰه عنهم غیبًا فی الاسفار کارض الحبشة

والغزوات ومن اعزّ النّاس علیه کان القراء ولم یوثر عنه قطّ بانّه صلّی علیهم وکان علیٰ الصّلاة علیٰ کل من توفی من اصحابه حریصًا حتّٰی قال لا یموتنّ احد کم الّا اذنتمونی به فان صلوتی علیه رحمة علی ماسند کره

(فتح القدیر ص ۴۵۶. ج ۱)

بے شک صحابۂ کرام کی بہت بڑی تعداد ایسی گزری ہے جن کا انتقال مدینۃ الرسول سے باہر مختلف سفروں میں ہوا ہے مثلاً حبشہ اور مختلف غزوات میں بہت سے صحابۂ کرام وفات پائے ہیں۔ ان میں سے آپ ﷺ کے نزدیک سب سے محبوب ترین جو حضرات تھے وہ قراء صحابہ عظام ہیں، لیکن کسی روایت سے ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے ان میں سے کسی پر نماز جنازہ پڑھی ہو۔ حالانکہ آپ ﷺ ہر صحابی کی نماز جنازہ ادا کرنے کی بے حد خواہش رکھتے تھے اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو پہلے سے حکم دے رکھا تھا کہ تم میں سے اگر کسی کا بھی انتقال ہو جائے تو مجھے ضرور اس کی اطلاع دینا تا کہ میں اس پر نماز جنازہ ادا کروں کیونکہ میری نماز تمہارے واسطے باعثِ رحمت ہے۔

(۱) دیکھئے ابنِ ہمام نے تاریخی روایت کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہجرت حبشہ کے موقع پر اور اس کے بعد غرض یہ کہ سوائے ایک دو خصوصی واقعات کے آپ صلی اللہ علی وسلم سے غائبانہ نماز جنازہ کا ثبوت کہیں نہیں ملتا۔ اس لئے احناف کے ہاں مشروع نہیں ہے اور حدیث نجاشی خصوصیت پر محمول ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ کا معمول غائبانہ نماز جنازہ کے خلاف رہا ہے، واضح رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات اور طرز عمل سے جس طرح کسی فعل کی مشروعیت اور سنیّت ثابت ہوتی ہے اسی طرح کسی فعل کے اسباب وتقاضے کے باوجود آپ کے ترکِ فعل پر مواظبت ومداومت سے بھی امت کے لئے اس فعل کی عدم مشروعیت اور (عدسنیت) ثابت ہوتی ہے جیسا کہ صاحبِ لامع الدّراری نے شیخ ابن تیمیہ حنبلی سے نقل کیا ہے:

وترکه سنّة کما ان فعله سنّة. (لامع الدّراری ص ۴۲۴. ج ۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل جیسا کہ سنّت ہے اسی طرح آپ کا ترک عمل بھی امت کے لئے سنت ہے۔

اس واسطے صرف بعض خصوصی واقعات کے سوا ہمیشہ آپ کا معمول یہ رہا ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے نہ پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

خاص کر حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے علاوہ سفر حبشہ میں اور بھی صحابہٴ کرام وفات پائے ہیں آپؐ نے انکی بھی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی، معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ حبشہ کا واقعہ خصوصیت پر محمول ہے چنانچہ احناف اور مالکیہ حدیث نجاشی کے مختلف طریقے سے جوابات دیتے ہیں۔

ان میں سے ایک جواب یہ ہے کہ یہ خصوصی واقعہ ہے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص تھا۔ اس پر قیاس کرنا درست نہیں ہے خصوصیت کی دلیل واضح ہے کہ امت پر نماز جنازہ پڑھنے کی بے انتہا خواہش ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے بے شمار صحابہ کرام جو کہ مختلف اسفار اور غزوات میں وفات پائے ہیں آپ نے ان پر نماز جنازہ غائبانہ طور پر ادا نہیں کی نیز یہ کہ نماز جنازہ کی ایک حیثیت دعا کی ہے اگر اس کو دیکھا جائے تو آپ ﷺ ان سب صحابہٴ کرام پر جو مختلف اسفار میں غزوات میں وفات پائے شہید ہوئے ان پر کم از کم دعاء کی نیت سے غائبانہ نماز جنازہ ادا فرماتے، لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ عمومی دعا نہیں ہے کہ ہر مرنے والے کے لئے جب چاہے جہاں چاہے دعاء کردے، بلکہ نماز جنازہ دعاء کی ایک خاص شکل ہے جو کہ صرف جنازہ کے حاضر ہونے اور اسی طرح دوسرے شرائط و قیودات کے ساتھ مخصوص ہے۔

حافظ ابن حجر کا شبہ اور اس کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی نے حدیث نجاشی میں احناف اور مالکیہ کی جانب سے خصوصیت والے جواب پر اعتراض کیا ہے اور کہا کہ شاہ حبشہ کے واقعہٴ نماز جنازہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ نجاشی کے علاوہ معاویۃ اللّیثی صحابی پر بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہے اور حافظ نے کہا کہ معاویۃ اللّیثی کے قصّہ والی حدیث اگرچہ ضعیف اسانید سے مروی ہے۔ لیکن متعدّد طرق سے مروی ہے اس اعتبار سے اصول حدیث کے قانون کے مطابق متعدّد طرق کی بناء پر حدیث قوی ہوجاتی ہے۔ حافظ ابن حجر کی عبارت فتح الباری میں صف ۱۸۸۔ ج ۳ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

احناف کی جانب سے محقق ابن ہمام اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خصوصیت کا دعویٰ بالکل صحیح ہے اور حافظ صاحب کا اعتراض درست نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے ایک دو کے دوسرے بے شمار غائبانہ انتقال ہونے والے صحابہٴ کرام پر نماز جنازہ ادا نہیں کی اور نجاشی کے علاوہ جن کے بارے میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہے ان روایات

میں یہ بھی تصریح ہے کہ ان کے جنازہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے معجزانہ طور پر حاضر کر دیا گیا تھا تو گویا کہ آپؐ نے ان پر غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی، بلکہ حاضر پر نماز جنازہ ادا کی ہے تفصیل آگے آرہی ہے۔

(ب) نیز احناف اور مالکیہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ کی عدم مشروعیت کی دوسری دلیل تعامل صحابہ ہے۔

کہ آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کے بہترین ادوار گزرے ہین ان ادوار میں بے شمار صحابہ کرام مختلف بلاد اور مختلفِ ملکوں میں مدینہ سے باہر انتقال فرما گئے ہیں اور شہید ہوئے ہیں، لیکن خلفائے راشدین نے ان پر غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی نہ کسی نے حدیث نجاشی سے غائبانہ نماز جنازہ کی مشروعیت پر استدلال کیا ہے اگر صحابہ کرام میں سے کسی صحابی نے بھی واقعہ نجاشی پر قیاس کر کے دوسرے کسی صحابی پر نماز جنازہ پڑھی ہوتی تو شوافع اور حنابلہ کے لئے حدیث نجاشی سے استدلال کرنا صحیح ہوتا، لیکن ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ حدیث نجاشی کا واقعہ آپ ﷺ کے ساتھ خاص تھا اور واقعۂ خاص پر قیاس صحیح نہیں ہوتا۔ کمافی الاصول۔

(ج) غائبانہ نماز جنازہ کی عدم مشروعیت اور نجاشی کے واقعہ کی آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہونے کی تیسری دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے موقع پر بہت سے صحابہ کرام مدینہ سے باہر دوسرے ملکوں میں تھے جو کہ آپ ﷺ کے تدفین کے بعد دوسرے تیسرے روز مدینے پہنچے ہیں لیکن صحابہ کرام کی کسی جماعت سے یا کسی فرد سے یہ منقول نہیں ہے کہ انھوں نے مدینہ سے باہر آپ ﷺ پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہے جو اسی روز پہنچ پائے ہیں۔ جبکہ آپ ﷺ سے زیادہ کون مستحق تھا کہ اس پر غائبانہ نماز جنازہ ادا کی جائے؟ اس سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کرام یہی سمجھتے تھے کہ غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں ہے اور یہ کہ نجاشی کا واقعہ خصوصیت پر محمول ہے اس واسطے کسی نے بھی اس پر استدلال کر کے غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کی خواہش ظاہر نہیں کی۔

اسی واسطے صاحب منح الجلیل مالکیؒ نے شرح مختصر الخلیل میں لکھا اور ان کی عبارت یہ ہے:

وبدليل عدم صلوٰة امته عليه صلى الله عليه وسلّم وفيها اعظم الرّغبة.

(منح الجلیل ص ۵۲۸. ج ۱)

کہ نجاشی کا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ مدینہ سے باہر رہنے والے صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غائبانہ نماز جنازہ ادا نہیں کی۔ حالانکہ

آپ پر نماز جنازکی رغبت بہت زیادہ تھی۔

جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صحابہ کرام کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ کا کوئی مسئلہ نہیں تھا نیز وہ نجاشی کے واقعہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص سمجھتے تھے۔

(۲) واضح رہے کہ غائبانہ نماز جنازہ کے بارے میں حدیث نجاشی کا دوسرا جواب احناف اور مالکیہ یہ دیتے ہیں کہ خصوصیت والا جواب اس وقت ہے کہ نجاشی کا جنازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غائب تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر غائبانہ نماز ادا کی ہے، لیکن حدیث نجاشی کے بعض طرق میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ نجاشی کے جنازہ کو معجزانہ طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر کر دیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر نماز جنازہ ادا کی ہے تو اس صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے نجاشی پر نماز جنازہ غائبانہ نہ تھی بلکہ حاضر کی نماز جنازہ تھی۔

چنانچہ نصب الرّایۃ میں امام زیلعی روایت نقل کرتے ہیں کہ:

عن عمران بن حصين رضى الله عنه قال ان النبى صلى الله على وسلم قال ان أخاكم النجاشِي توفّى فقوموا صلوا عليه فقام رسول الله صلى الله وصفّوا خلفه فكبّر اربعًا وهم لا يظنون الا ان جنازته بين يديه.

(رواه ابن حبّان فى صحيحه) ص ۳۵۵. ج ۱)

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے بھائی نجاشی کا انتقال ہو گیا چلو اس پر نماز پڑھو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی سے خود اٹھے اور مسجد نبوی سے باہر جا کر نماز جنازہ کا ارادہ کیا تو صحابہ کرام آپ کے پیچھے صفیں بنا کر کھڑے ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام نماز جنازہ کی طرح اس میں بھی چار تکبیریں کہیں، صحابہ کرام یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نجاشی کا جنازہ حاضر تھا۔ ابن حبّان نے اپنی صحیح میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔

نیز صاحب فتح الباری نے اس روایت کو امام اوزاعی کے طریق سے نقل کیا ہے پوری سند اس طرح ہے؟

بعد نقل الحديث قال اخرجه ابن حبّان من طريق الا وزاعى عن يحيىٰ بن كثير عن ابى قلابة عن أبى المهلب عن عمران بن حصين ولابى عوانة فى صحيحه

من طريق ابان وغيره عن يحيىٰ فصلّينا خلفه ونحن لانرىٰ الّا ان الجنازة قد امنا. (فتح البارى ص ۱۸۸. ج ۳)

ابن حبان نے اس روایت کو اوزاعی سے اوزاعی نے یحییٰ بن کثیر سے اور اس نے ابو قلابہ سے اور اس نے ابوالمہلب سے، ابوالمہلب نے عمران بن حصینؓ سے روایت کی ہے اور ابو عوانہ نے بھی اپنی سند میں اس کو شیخ ابان عن یحییٰ بن کثیر کے طریق سے روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی اس حال میں کہ ہم دیکھ رہے تھے کہ اس کا جنازہ ہمارے سامنے ہے۔

روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نجاشی پر نماز جنازہ غائبانہ نہ تھی، بلکہ اس کے جنازہ کو معجزانہ طور پر آپ کے سامنے حاضر کردیا گیا تھا لہٰذا غائبانہ نماز جنازہ کے واسطے استدلال حدیث نجاشی کے ساتھ درست نہیں ہے۔

نیز واضح رہے کہ حدیث نجاشی بطریق عمران بن حصین کو محدثین کرام نے دو سند صحیح کے ساتھ مروی ہونے پر تصریح کی ہے۔ (کذافی نصب الرّایہ ص ۲۸۳. ج ۱)

علاّمہ انور شاہ کشمیری نے فرمایا اسناد ابن حبان جيّد

صاحب لامع الدّراری نے کہا کہ مسند احمد کی روایت میں سب رواۃ ثقات میں سے ہیں
(ص ۴۲۵. ج ۳)

نیز علامہ زرقانی نے بھی عمران بن حصین کی روایت کو ابو عوانہ اور ابن حبان سے صحیح قرار دیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ ہمارے مدّعا کی تائید حضرت عمران بن حصین کی حدیث سے ہوتی ہے اور وہ دو سند صحیح سے ہم تک پہنچی ہے، لہٰذا ہم نے جو کہا وہ روایت صحیحہ اور احادیث ثابتہ کی روشنی میں کہا ہے۔
(زرقانی ص ۱۰. ج ۲)

نیز یہ شبہ کہ عمران بن حصینؓ کی روایت کے بعض طرق میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ جنازہ ہمارے سامنے نہیں تھا کہ اس کا کیا جواب ہے تو کہا جائے گا کہ بعض صحابہ کرام کے سامنے اگرچہ نجاشی کا جنازہ حاضر نہ تھا اس بات سے روایت مذکورہ کی صحت میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ اس سے استدلال میں کوئی کمزوری آتی ہے اس لئے کہ طرق متعدّدہ کے درمیان تطبیق ممکن ہے وہ یہ کہ بہت ممکن ہے کہ بعض صحابہ کرام کو آپ کا جنازہ نظر نہ آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور دوسرے صحابہ کرام کو نظر آیا تو اس طرح نماز جنازہ کو غائبانہ نہیں کہا جائے گا۔ چنانچہ آجکل بھی نمازِ جنازہ کی بڑی جماعت میں ایسا ہوتا ہے کہ جنازہ بیشتر لوگوں کو نظر نہیں آتا ہے۔ صرف امام کو اور بعض اگلی صف والوں کو نظر آتا ہے، لہٰذا اس طرح کے کمزور

شبہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ (کما حققه ابن الهمام فی فتح القدير ص ۸۰ ج ۲)

خلاصہ یہ کہ عمران بن حصین کی روایت جس کو امام احمد بن حنبل ابن حبان اور ابوعوانہ نے نقل کیا ہے، ائمۂ حدیث نے اسے صحیح اور مستند قرار دیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نجاشی کے جنازہ کو نماز جنازہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر کر دیا گیا تھا، بعض صحابہ کرام نے بھی اسے مشاہدہ کیا ہے، لہٰذا نجاشی کی نماز جنازہ اس صورت میں غائبانہ نہ تھی، بلکہ حاضر پر تھی اور جنازہ کا یہ حضور معجزانہ طور پر تھا اور اس حدیث کی تائید میں ایک دوسرے واقعہ کا ذکر بھی خالی از فائدہ نہیں ہے وہ یہ کہ بعینہ اس طرح کا واقعہ معاویۃ المزنی اللّیثی کا بھی ہے چنانچہ طبرانی میں ہے:

عن انس بن مالک رضی اللّٰہ عنه قال نزل جبرئیل علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال یا محمّد مات معاویة بن معاویة المزنی اتحبّ ان تصلی علیه قال نعم فضرب بجناحیه فلم یبق أكمة ولاشجرة الّا تضعضعت فرفع سریره حتّی نظر الیه وخلفه صفان من الملائکة کل صفّ سبعون الف ملک فقال یاجبرئیل بما نال معاویة هذه المنزلة قال هویحب قل هو اللّٰہ احد وقراته ایّاها جائبا وذاهبًا وقائما وقاعدا وعلی کلِّ حال وفی روایة قال جبرائیل فهل لک ان تصلّی فاقبض لک الارض قال نعم فصلّی علیه.

(کذافی اعلاء السنن ص ۲۳۴. ج ۸)

انس بن مالک سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السّلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا یا رسول اللہ معاویہ بن معاویۃ المزنی کا انتقال ہو گیا ہے کیا آپ ان پر نماز جنازہ پڑھنے کی خواہش رکھتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہاں۔ اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے اپنے دونوں پروں کو زمین پر مارا جس کے بعد تمام درخت اور ٹیلے زمین کے برابر ہو گئے اور زمین بالکل ہموار نظر آ رہی تھی پھر اس کا جنازہ اٹھایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھ رہے تھے پس آپ نے اس پر نماز پڑھی اور آپ کے پیچھے دو صفیں صرف فرشتوں کی تھیں جن میں سے ہر صف میں ستّر ستّر ہزار فرشتے تھے۔ نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ جبرئیل کس عمل کی بناء پر معاویہ کو یہ مقام حاصل ہوا ہے تو جبرئیل نے جواب دیا کہ وہ سورۂ اخلاص سے بہت محبت رکھتے تھے اور اس کو چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں تلاوت کرتے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے

جبرئیل نے پوچھا کہ کیا آپ معاویہ پر نماز جنازہ پڑھنا چاہتے ہیں تاکہ میں آپ کے لئے زمین کو سمیٹ دوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ اس کے بعد آپ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔

اس واقعہ کے بارے میں بھی محدثین کا اختلاف ہے کہ یہ صحیح ہے یا نہیں۔ بعض نے انکار کیا ہے، بعض نے ثابت کیا ہے اگر اس واقعہ کو صحیح تسلیم کیا جائے تو حدیث مذکورہ کے الفاظ اور ترجمہ سے ظاہر ہے کہ معاویہ مزنی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمازِ جنازہ پڑھنا غائبانہ نہ تھی، کیونکہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جنازہ کا تختہ آپ کے سامنے لایا گیا تھا اور آپ نے گویا جنازہ حاضر پر نماز ادا کی ہے اگر یہ نماز غائبانہ ہوتی تو جبرئیل علیہ السلام کا آپ سے یہ سوال کرنا کہ آپ اس پر نمازِ جنازہ پڑھنا چاہتے ہیں تو میں زمین کو سمیٹ دوں تاکہ جنازہ آپ کے سامنے ہوجائے وغیرہ گفتگو بے معنٰی ہوجاتی ہے، کیونکہ غائبانہ نماز مشروع ہونے کی صورت میں زمین کو سمیٹنے کا کوئی فائدہ نہ تھا یہ تو آپ ﷺ کے معجزات اور خصوصیات میں سے تھا لہٰذا اس حدیث سے غائبانہ نماز جنازہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

شیخ علامہ محمد انور شاہ کشمیری فیض الباری میں رقمطراز ہیں:

اما الصّلوٰۃ علی الغائب فلم یثبت فیھا الا واقعة النجاشی واما واقعة معاویة اللّیثی فاختلفوا فیھا والظاھر انه منکر فاذالم یثبت تلک الصلاۃ فی عھد النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم مع ان کثیرا من المسلمین فی دارعزابة فی عھدہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فانسب ان نختم بعھدہ صلی اللّٰہ علیه وسلم سیّما اذالم تجری علیھا توارث الامة ایضا بخلاف الصّلوٰۃ علی القبر فان بعضھم عملوابھا فیما بعد أیضا. (فیض الباری ص ۴۶۹. ج ۲)

لیکن غائبانہ نماز جنازہ یہ تو سوائے نجاشی کے واقعہ کے کسی موقع پر آپ سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ معاویہ اللیثی کے واقعہ کے بارے میں ائمۂ حدیث کا اختلاف ہے صحیح ہے یا نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ محدثین کے نزدیک ثابت نہیں ہے منکر ہے، کیونکہ غائبانہ نماز جنازہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بے شمار صحابہ کرام آپ سے غائبانہ طور پر انتقال کے باوجود آپ ﷺ نے جب نہیں پڑھی تو مناسب یہی ہوگا کہ آپ کے زمانے سے یہ سلسلہ ختم ہوگیا خصوصًا اس وجہ سے کہ آپ کے بعد اس میں صحابہ کا تعامل و توارث نہ رہا بخلاف قبر پر نماز جنازہ کے یہ ثابت ہے، کیونکہ بعض صحابہ نے اس پر بعد میں بھی عمل کیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی اس تشریح سے بات منقح ہو کر سامنے آگئی ہے کہ غائبانہ نماز صرف نجاشی پر پڑھی گئی ہے اور یہ خصوصی واقعہ ہے آپ کے زمانہ میں اور آپ کے بعد کے زمانہ میں غائبانہ نماز جنازہ کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے اگر اس کی مشروعیت ہوتی تو صحابہ کرام اور اس کے بعد تابعین عظام بھی اس پر عمل کرتے مگر ایسا کوئی واقعہ ثابت نہیں ہے، معاویۃ اللیثی کے واقعہ میں ائمہ حدیث کا اختلاف ہے ظاہر ہے کہ یہ ثابت نہیں ہے لہٰذا اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

اسی پر حضرت شیخ علامہ کاشمیریؒ فیصلہ فرماتے ہیں:

وبالجملة لانترک سنة فاشية مستمرة لاجل الوقائع الجزئية التي لم تنكشف وجوهها ولم تدر اسبابها. (فيض البارى ص ۴۷۰.ج ۲)

حاصل کلام یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی اور مشہور سنت کو چھوڑا نہیں جا سکتا بعض ایسے خصوصی واقعات کی وجہ سے جن کی خاص اور یقینی نہ وجہ معلوم ہے نہ سبب کا پتہ ہے۔

غرض یہ کہ احادیث اور ان کی تشریحات کی رو سے بھی غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں ہے اسی واسطے احناف مالکیہ اور جمہور اہلِ علم اس کی مشروعیت کے قائل نہیں ہیں اور اسی پر آپ ﷺ کا تعامل رہا ہے آپ کے بعد خلفائے راشدین اور جملہ صحابہ کا تعامل پھر تابعین میں سے اکثر اہل علم کا معمول یہی رہا ہے جبکہ بعد والوں میں سے امام شافعی اور امام احمد اس کے قائل ہوئے۔

اس سلسلے میں اب یہاں فقہائے احناف کی طرف سے چند فقہی نقول ملاحظہ فرمائیں۔

ملک العلماء ابوبکر کاسانی رقمطراز ہیں:

ولهٰذا قال اصحابنا لا يصلى على ميت غائب. (ص ۳۱۲.ج ۱)

اسی بناء پر ہمارے اصحاب احناف نے فرمایا کہ میت غائب پر نماز جنازہ نہیں، مجتہد اور محقق ابن ہمام فتح القدیر میں تحریر فرماتے ہیں:

وشرط صحّتها اسلام الميت وطهارته ووضعه امام المصلى فلهذا القيد لا تجوز على غائب ولا حاضر محمول على دابته أو غيرها.

(فتح القدير ص ۸۰ ج ۲)

نماز جنازہ کے شرائط میں سے یہ ہے کہ میت مسلمان ہو اور جنازہ نمازیوں کے سامنے ہو اور زمین پر رکھا ہوا ہو اس قید کی وجہ سے کسی میت غائب پر یا میت حاضر جو کہ سواری کے اوپر ہے نماز جنازہ درست نہیں، بلکہ ایسی میت حاضر پر نماز جنازہ جائز ہے جو کہ زمین پر رکھا ہوا ہو۔

اسی طرح خاتمۃ المحققین والفقہاء محمد امین بن عابدین الشامی تحریر فرماتے ہیں:

وشرطها أيضا حضوره ووضعه امام المصلى فلا تصح على غائب

(ص ۲۰۹ ج ۲)

نماز جنازہ کی شرائط میں سے یہ ہے کہ جنازہ حاضر ہوا ہو غائب نہ ہو اس واسطے کہ میت غائب پر نماز جنازہ صحیح نہیں ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

باقی رہا یہ شبہ کہ جمہور فقہاء کے نزدیک اگر غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں ہے تو حرمین شریفین اور بعض دوسرے ممالک میں موقر علمائے کرام اور عامۃ الناس غائبانہ نماز جنازہ کیوں پڑھتے ہیں؟

تو اس کا جواب تو بالکل واضح ہے کہ مسئلہ ائمہ اربعہ کے درمیان مختلف فیہ ہے امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور اکثر اہل علم اس کو ناجائز اور غیر مشروع سمجھتے ہیں جبکہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی ایک روایت کے مطابق وہ اسے جائز تصور کرتے ہیں۔ اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں نجاشی کے واقعہ کا ذکر ہے جس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے، جبکہ جمہور فقہا کی دلیل تعامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تعامل صحابہ کرام و تابعین عظام ہے۔

اور چونکہ اس وقت حرمین شریفین کے ائمہ حنبلی یا شافعی ہوتے ہیں اور مقامی نمازیوں کی اکثریت بھی حنبلی یا شافعی ہوتی ہے اس لئے وہ غائبانہ نماز جنازہ پڑھتے ہیں جبکہ حکومت بھی تقریباً انھیں لوگوں کی ہے، لہٰذا کسی ایک مذہب والے کے عمل کو پوری دنیا کی امت مسلمہ پر حجت قرار نہیں دیا جا سکتا نہ ہی دوسرے کے لئے حجت بن سکتا ہے۔ مثلاً احناف کے ائمہ اگر پاکستان و ہندوستان میں نمازوں میں قراءۃ خلف الامام نہیں کرتے، نماز میں جہراً آمین نہیں کہتے اور جہراً بسم اللہ نہیں پڑھتے تو ان کا یہ عمل شوافع اور حنابلہ کے لئے حجت نہیں ہے اسی طرح امام شافعی و احمد کے پیروکاروں کا عمل خواہ رفع یدین کے بارے میں ہو یا بسم اللہ اور آمین کے جہر کے بارے احناف اور مالکیہ کے لئے حجت نہیں بن سکتا۔

دوسرا وہم اور اسکا جواب

نیز اگر کوئی یہ وہم کرے کہ بالفرض احناف اور مالکیہ کے نزدیک اگرچہ غائبانہ نماز جنازہ درست نہیں لیکن اگر اختلاف سے بچنے کی غرض سے یا سیاسۃً ان کی موافقت میں غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے

تو کیا جرم ہے، جبکہ اس سے سیاسی فوائد حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ اصحاب اموات کے خاندان کے لئے ایک گونہ قوت پہنچتی ہے صبر حاصل ہوتا ہے اور سکون ملتا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ نماز جنازہ کوئی سیاسی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ خالص دینی فریضہ اور عبادت ہے لہٰذا جہاں پر اس کی مشروعیت ہے اس کو عبادت اور فریضۂ دینی نیت سے ادا کرنا ضروری ہے۔ سیاست یا سیاسی فوائد کی نیت سے نماز جنازہ ادا کرنا ناجائز اور باطل ہے۔ لہٰذا جن مواقع میں نماز جنازہ مشروع نہیں ہے اور جن لوگوں کے مذہب اور عقیدہ کے مطابق غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں ہے ان کے لئے ازروئے سیاست یا دوسروں کی مشابہت میں نماز جنازہ ادا کرنا جائز نہیں ہے ایسے حالات میں نماز جنازہ پڑھنے کا ثواب تو کجا بلکہ عبادت کو سیاست بنانے اور اس سے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کی وجہ سے الٹا گناہ اور عذاب کا قوی اندیشہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو صحیح سمجھ اور راہ راست کی ہدایت نصیب فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سید نا مُحمّدٍ وعلی آلِ محمّدٍ وعلی سائر الصحاالصی ته اجمعین.

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ

محمد عبدالسلام چاٹگامی عفا اللہ عنہٗ

۲۵ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ

الجواب صحیح
مفتی ولی حسن ٹونکی
رئیس دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔

الجواب صحیح
مفتی احمد الرحمٰن غفرلہٗ
رئیس جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔

الجواب صحیح
(مفتی) محمد شاہد۔

کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت

☆ اس مضمون میں پاکستان بلکہ دنیا بھر کے کاغذی سکے اور کرنسی کی شرعی حیثیت کو فقہ اسلامی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے

☆ اور یہ کہ تمام ممالک کے کاغذی سکے سونا چاندی کے قائم مقام ہو کر قانونی و اصطلاحی ثمن ہیں۔

☆ جس طرح کاغذی سکوں سے ہر قسم کے معاملات اور لین دین صحیح ہیں اس طرح اس سے ہر قسم کی مالی عبادات زکوٰۃ، صدقہ، خیرات بھی ادا کر سکتے ہیں۔

کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت

فہرست:

۱: شرعی اصول اور فقہی قواعد کی رو سے کاغذی سکّے قائم مقام ثمن، میں۔
۲: ایک شبہ اور اس کا جواب
۳: ماہرینِ معاشیات نے کرنسی نوٹ کو قائم مقام زر قرار دیا ہے۔ بیشتر فقہاء کرام اور علماً محققین اور
۴: المجمع البحوث الاسلامیہ فی الافتاء والقضاأ (ریاض سعودی عرب) کے سترہ مفتیوں نے کرنسی نوٹ کو قائم مقام ثمن قرار دیا ہے۔
۵: کرنسی نوٹ سے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، زکوٰۃ میں نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

کرنسی نوٹ اور اسکی شرعی حیثیت استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماءٔ دین اس مسئلہ میں کہ کاغذی سکہ کرنسی نوٹ از روئے قرآن وسنت اور فقہ اسلامی سونا وچاندی کی طرح نقدین ثمن میں شامل ہیں یا نہیں؟

ہمارے یہاں بعض علماءٔ کہتے ہیں کہ کرنسی نوٹ سو روپے، دس روپے یا پانچسو روپے کے نوٹ سے زکوٰۃ ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیونکہ کرنسی نوٹ نقد ثمن کے حکم میں نہیں، بلکہ یہ حوالہ اور نقد ثمن کی رسید ہے، اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ مسئلہ کا مدلل جواب دیکر مطمئن فرمائیں۔

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی پاکستان کے فتویٰ پر یہاں کے اکثر علماء کا اتفاق ہوگا، لہٰذا جناب سے التماس ہے کہ جلد از جلد مسئلہ کے تمام گوشوں کے پیش نظر جواب عنایت فرمائیں۔

۲: مختلف ممالک کے سکوں کا حکم بھی بیان فرمائیں کہ ان کے درمیان بوقت تبادلہ تفاضل اور تقابض کے کیا احکام ہیں؟

مُستفتی
مخلص الرحمٰن رنگونی

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

صورت مسئولہ میں واضح رہے کہ کرنسی نوٹ اور رائج الوقت سکوں کے سلسلہ میں عرصہ سے علماء کا اختلاف رہا ہے کہ اس کی کیا حقیقت ہے، بعض حضرات کی تحقیق اور رائے یہ ہے کہ کرنسی نوٹ (کاغذی سکے) چونکہ بذاتِ خود خلقۃً ثمن یا مال نہیں، بلکہ سندِ مال ہیں اس لئے احکامِ زکوٰۃ میں اس کی حیثیت سند کی سی ہوگئی، اس پر مال اور ثمن کے احکام جاری نہیں ہوں گے، ایسے نوٹوں سے زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

اس کے برعکس دوسرے حضرات کی رائے اور تحقیق یہ ہے کہ کاغذی سکّے قائم مقام ثمن اور اصطلاحی ثمن ہیں اس وجہ سے وہ مال ہیں اور مال ہونے کی وجہ سے تمام احکام میں (خواہ عبادات ہوں یا معاملات) کاغذی سکّے معاوضہ اور بدل ثمن بن سکتے ہیں، کرنسی نوٹ خالص حوالہ یا سند نہیں اسلئے کہ سند اور حوالہ کی رسید کسی حال میں مال نہیں قرار پاتے اور رسید کو قائم مقام ثمن قرار نہیں دیا جاتا۔

اور چونکہ اس بارے میں بار بار استفتاء آتے رہتے ہیں اور برما سے اس سے قبل بھی ایک سوال آچکا

ہے اس لئے ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ اس بارے میں اپنی ناقص رائے کا اظہار کردیں تا کہ علامۃ الناس اس وجہ سے جس تشویش میں مبتلا ہیں وہ دور ہو جائے، اور جو حضرات ہماری تحقیق پر عمل کرنا چاہیں ان کے سامنے مسئلہ کے تمام پہلو پیش نظر رہیں اور جنھیں ہماری رائے سے اختلاف ہے یا انہیں ہماری رائے خلاف تحقیق نظر آئے وہ اپنی تحقیقات پیش کرسکیں۔

شرعی اصولِ تجارت اور فقہی قواعد کے رو سے موجودہ کاغذی سکّے قائم مقام ثمن ہیں

شرعی تجارتی اصول اور قوانین پر غور کرنے سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ کرنسی نوٹ (کاغذی سکّے) قائم مقام ثمن اور اصطلاحی ثمن ہیں، جس طرح حقیقی زر (سونا وچاندی) کو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ میں اور معاملات کے اندر احد البدلین کے معاوضہ میں استعمال کرنا درست ہے اسی طرح کاغذی سکوں کو زکوٰۃ وصدقہ ودیگر معاملات میں استعمال کرنا جائز ہے جیسا کہ اس کا رواج بھی ہے، کاغذی سکّہ ہی عرصۂ دراز سے اکثر ممالک میں اور تمام معاملات میں گردش کررہا ہے "بیع مطلق" بیع مقائضہ بیع صرف سے لیکر بیع سلم، مضاربت، اجارہ، ہرقسم کے لین دین میں بھی بطور عوض احد البدلین کی حیثیت سے کاغذی سِکّوں (ڈالر، پونڈ، روپے، ٹاکا، دینار، درہم، ریال وغیرہ) کو استعمال کیا جاتا ہے، اور کسی فریق کے ذہن وخیال میں اس بات کا تصوّر پیدا نہیں ہوتا کہ یہ حوالہ یا رسید ہے مجھے اس کے بدلہ میں سونا ملے گا، چاندی ملے گی پھر بازار میں جا کر اسے بیچنا پڑے گا۔

لہٰذا اگر کاغذی زر کو حقیقی زر کی طرح قائم مقام ثمن نہ قرار دیا جائے، بلکہ اسے رسید یا حوالہ کہا جائے تو اس سے ہمارے اکثر بلکہ تمام معاملات کا فاسد یا باطل ہونا لازم آتا ہے، حالانکہ تجارتی معاملات میں خرید وفروخت کرنے والوں میں فقہ اور مسائل جاننے والے قرآن وحدیث کو سمجھنے والے حضرات بھی موجود اور مبتلا ہیں، انھیں کاغذی سکوں سے بیع صرف کرنیوالے بیع سم کرنے والے بھی ہیں، عقد مضاربت اور عقد اجارہ بھی، غرض تمام معاملات کا دارومدار کاغذی سکوں پر ہی ہوتا ہے اور میرے خیال میں سب اس کو جائز سمجھ کر کرتے ہیں اور آج تک کسی عالم نے یہ مسئلہ بیان نہیں کیا نہ کسی مفتی صاحب نے یہ فتویٰ دیا کہ ان کاغذی سِکوں سے بیع صرف سونا وچاندی کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے یا عقد مضاربت اور بیع سلم جائز نہیں ہے جبکہ ان معاملات کے لئے احد البدلین کا نقد اور ثمن ہونا ضروری

ہے مثلاً بیع صرف میں ثمن کی بیع ثمن سے ہوتی ہے اس لئے اس میں ادھار نا جائز ہے، نقدین کا تقابض بھی ضروری ہے، سونا اور چاندی کو نوٹوں سے خریدنا باتفاق جائز ہے، اور بیع سلم میں اور مضاربت میں یہ ضروری ہے کہ احد البدلین راس المال ثمن اور نقد ہو، اگر کاغذی سکوں کو قائم مقام نقد اور بدل ثمن قرار نہیں دیا جاتا تو تمام عقد صرف سونا چاندی کی خرید وفروخت اور عقدِ مضاربت، بیع سلم وغیرہ سب معاملات کا فاسد اور باطل ہونا لازم آتا ہے، حالانکہ دنیا کے تمام اہل علم اور اہلِ دانش اس بات پر متفق ہیں کہ کاغذی سکّوں سے جس طرح بیع صرف اور بیع سلم جائز ہے اسی طرح عقد مضاربت بھی جائز ہے۔

جس سے واضح ہوا کہ عملاً معاملات میں کاغذی سکے (کاغذی زر) خواہ ڈالر ہو یا پونڈ، ریال ہو یا روپیہ وغیرہ) کو قائم مقام ثمن اور بدلِ نقد تسلیم کرلیا گیا ہے، لہٰذا تمام معاملات میں جب کاغذی زر کو حقیقی زر سونا وچاندی کے قائم مقام تسلیم کرلیا گیا تو کیا وجہ ہے کہ عبادات میں زکوٰۃ وعشر صدقات کے وجوب اور اس کی ادائیگی میں کاغذی سکے کو بدل ثمن اور قائم مقام نقد تسلیم نہ کیا جائے اس لئے ہم شروع سے دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ کی جانب سے یہ فتویٰ دیتے چلے آرہے ہیں کہ کاغذی سکے قائم مقام ثمن اور اصطلاحی زر ہیں اور یہ اصول ہے کہ قائم مقام ثمن اور اصطلاحی زر کا وہی حکم ہے جو ثمن اور حقیقی زر کا ہوتا ہے جس طرح تمام حقوق اور معاملات اور خرید وفروخت میں کاغذی سکوں کو بحیثیت مال تسلیم کر کے استعمال کرنا جائز ہے اسی طرح عبادات یعنی زکوٰۃ وعشر صدقہ وخیرات میں بھی اسے بدلِ ثمن واصطلاحی زر کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے، سونا وچاندی پر جس طرح بقدر نصاب موجود ہونے سے سال کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اسی طرح کاغذی سکّوں پر بھی۔ اگر بقدرِ نصاب ہوں تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور کاغذی سکّوں کے ذریعہ ادائیگی زکوٰۃ بھی صحیح ہوگی، خواہ سو روپے کا سکّہ ہو یا دس روپے کا پانچ سو کا ہو یا پانچ ہزار کا، سوال کا اجمالی جواب اور اس کے اسباب اور وجوہ میں سے کچھ تو قارئین کرام کے سامنے آگئے ہیں اور کچھ اگلے صفحات میں کتبِ فقہ اور فتاویٰ کے حوالوں سے ملاحظہ فرمائیں۔

۱: کاغذی سکّے اور کرنسی نوٹ قائم مقام زر اور اصطلاحی ثمن ہیں۔ اور عرفاً مال ہیں۔ چنانچہ ابن عابدین الشامیؒ مال کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

المال مایمیل الیه الطبع ویمکن ادخاره لوقت الحاجة. (ردالمحتار ص ۵۰۱. ج ۴)

اصطلاحِ شرع میں مال وہ ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو اور ضرورت کے وقت کیلئے ذخیرہ کیا جاسکتا ہو۔

ممکن ہے کہ کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہاں پر مال سے مراد وہ چیز ہے جو پیدائشی طور پر قیمتی ہونے کی وجہ

سے اس کی طرف طبیعت کا میلان ہو، جیسا کہ سونا چاندی، کاغذی نوٹ چونکہ ایسے نہیں ہیں اسلئے مال کی تعریف میں وہ نہیں آتے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ ظاہر اور فقہاء کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے لہٰذا معتبر نہیں، کیونکہ فقہاء کرام نے مال ہونے کے لئے یہ شرط نہیں لگائی کہ پیدائشی قیمتی ہو اور اسی وجہ سے طبیعت کا اس کی طرف میلان ہو، بلکہ انہوں نے یہ تصریح کی ہے کہ لوگوں نے جس چیز کو مال تسلیم کرلیا ہو، اور اس کے مال نہ ہونے پر نص شرعی موجود نہ ہو وہ مال ہے، چنانچہ صاحب ردالمحتار لکھتے ہیں۔

والمالية تثبت بتمول الناس كافة او بعضهم الخ.

(ردالمحتار ص ۵۰۱. ج ۴)

(اور چیزوں میں) مالیت اس سے بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ پوری قوم یا اسکی اکثریت کسی چیز کو مال قرار دے۔

آگے علامہ شامیؒ مال کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هو مبادلة شئ مرغوب فيه بمثله على وجه مفيد مخصوص.

(ص ۵۰۲. ج ۴)

(بیع) مرغوب چیز کو مرغوب چیز کے بدلہ میں دینے کا نام ہے اس طرح کہ اس سے بائع اور مشتری دونوں کو فائدہ پہنچے۔

لہٰذا زرِ حقیقی اور قائم مقام ثمن ہونے کے اعتبار سے کرنسی نوٹ اور کاغذی سکّے بھی جب ہمارے معاشرے میں بلکہ پوری دنیا میں شئی مرغوب بن گئے ہیں، تو مال کی تعریف میں آجاتے ہیں ڈالر، پونڈ، ریال وغیرہ جو کہ کاغذی سکے ہیں پوری دنیا میں مرغوب ومقبول ہیں اور مال ہونے کی حیثیت سے مقبول ہیں، اسی طرح ہر ملک کے مخصوص سکے اسی ملک کے باشندے کے لئے مرغوب اور مقبول ہیں اسی وجہ سے خرید وفروخت میں، بلکہ تمام معاملات میں انہیں استعمال کرتے ہیں اور بطور ثمن اور مال کے استعمال کرتے ہیں حوالہ اور رسید کے طور پر استعمال نہیں کرتے، چنانچہ علامہ شامی کاغذی سکوں کے ذریعہ خرید وفروخت کرنے کو بیع قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

البيع بالاوراق المالية بيع اولا؟ قال نعم، لأن البيع مبادلة المال بالمال اومبادلة شئ مرغوب فيه بمثله. الخ

رہا یہ سوال کہ کاغذی سکوں سے لین دین خرید وفروخت کرنا بیع میں شامل ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی بیع میں داخل ہے، کیونکہ بیع مال کے بدلہ میں مال دینے یا شئی مرغوب کے بدلہ میں شئی مرغوب دینے کا نام ہے۔

اس حوالہ میں علامہ شامی نے ''اوراقِ مالیہ'' کاغذی سکّوں کو نہ صرف مال تسلیم کیا ہے بلکہ اس کے ذریعہ ہونے والی بیع (خرید وفروخت) کو بیع شرعی قرار دیا ہے۔

شامی کے اندر صاحب کتاب دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

وفی الشرنبلالیة الفلوس ان کانت اثماناً رائجة اوسلعة للتجارة تجب الزکوٰة فی قیمتها و الافلا الخ.

اور گلٹی اور دوسری دھات کے پیسے اگر وہ سکّہ رائجہ ہیں یا تجارت کے سامان ہیں تو اس کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے۔

عبارت مذکورہ میں رائج الوقت (فلوس) پیسوں پر زکوٰۃ واجب قرار دی گئی ہے ظاہر ہے کہ زکوٰۃ مال پر واجب ہوتی ہے اور زکوٰۃ میں مال ہی (دیا) جاتا ہے لہٰذا رائج الوقت سکّوں کا ثمن اور مال ہونا اور اس پر زکوٰۃ واجب ہونا اور اس کے ذریعہ زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ کا ادا ہونا ثابت ہوا۔

ثانیاً کرنسی نوٹ کاغذی سکوں کو قائم مقام ثمن اور بدل مال قرار دینا اس لئے بھی ضروری ہے کہ بیع صرف، سونا چاندی کی خرید وفروخت میں بطور ثمن کاغذی سکوں کو دیا جاتا ہے۔ اندرون وبیرون ملک اس سے خرید وفروخت کرنا عام ہو چکا ہے، اگر کاغذی سکے کو مال قرار نہ دیا جائے اور ثمن تسلیم نہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سونا چاندی خریدنے والا سونا اور چاندی کے عوض ثمن ادا کرنے کی جگہ ثمن کی رسید ادا کر رہا ہے اور سونا وچاندی کی قیمت ادا کرنے کی جگہ کسی اور کے حوالہ کر رہا ہے جو کہ بیع صرف میں ناجائز ہے، لیکن آج تک کسی صاحب علم اور فقہ جاننے والے نے یہ فتویٰ نہیں دیا کہ اس طرح سونا اور چاندی کی خرید وفروخت کرنا بیع فاسد ہے اور ناجائز ہے، بلکہ اس میں سب کا اتفاق واجماع ہے کہ سکّہ رائج الوقت کے ساتھ سونا وچاندی کی خرید وفروخت بیع صرف ہے، اور اس طرح بیع کرنا جائز ہے۔

ثالثاً: خرید وفروخت میں عوضین مال ہوتے ہیں کاغذی سکوں کو بطور عوض دیا جاتا ہے، لیکن اس تصوّر سے نہیں دیا جاتا کہ یہ حوالہ ہے یا رسید ہے، بلکہ اس تصور سے دیا جاتا ہے کہ یہ مال ہے اور قائم مقام ثمن ہے۔

رابعاً: بیع صرف اور بیع سلم میں قبل القبض ثمن میں تصرف ناجائز ہے لہٰذا کرنسی نوٹ اور کاغذی سکّہ اگر مال اور قائم مقام ثمن نہیں ہے تو بیع صرف کے عوض میں ملنے والے کرنسی نوٹ اور کاغذی سکوں کو سونا یا چاندی کے عوض میں ادا کرنا درست نہیں ہوگا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کاغذی سکوں سے بیع صرف بھی جائز ہے۔ بیع سلم بھی اور کاغذی سکوں کو ثمن اور اس المال کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے جس طرح سونا وچاندی کو

راس المال قرار دیا جاتا ہے اسی طرح کاغذی سکّہ کو بھی راس المال قرار دیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ جب ساری دنیا کے اہل علم نے بیع صرف، بیع سلم، مضاربت میں کاغذی سِکّہ کو راس المال اور ثمن تسلیم کرلیا ہے تو زکوٰۃ وعشر وغیرہ کے وجوب اور زکوٰۃ اور صدقہ کی ادائیگی میں بھی اسے ثمن قرار دینا چاہیئے۔ جملہ معاملات میں اس کو قانونی ثمن تسلیم کرنیکے بعد قرار دینا تفریق بلاوجہ اور قول بلا جواز ہوگا اور اس سے قیاس صحیح کا ابطال لازم آئے گا اس لئے ہم نے شروع سے کہا کہ بیع صرف اور بیع سلم میں اسی طرح مضاربت میں کاغذی سکوں پر قبضہ کرنا ایسا ہے جیسا کہ حقیقی ثمن کا قبضہ پس جس طرح حقیقی ثمن میں قبضہ کے بعد تصرف کرنا جائز ہوتا ہے، اسی طرح قائم مقام زر، کاغذی سکوں پر قبضہ کرنیکے بعد تصرف کرنا جائز ہوگا۔

خامساً: بیع صرف کے علاوہ تمام بیوع اور اسلامی معاملات مضاربت میں حتی کہ نکاح کے عوض مہر، طلاق کے عوض خلع میں، قصاص کے عوض دیت وغیرہ میں کاغذی سکوں کو مال کی جگہ پر استعمال کیا جاتا ہے، اور ایسے موقع پر اسے کوئی شخص حوالہ نہیں سمجھتا نہ رسید سمجھتا ہے اسی طرح رواج اور عرف عام ہو چکا ہے۔

واضح رہے کہ عرف عام، احکامِ شرع میں مؤثر ثابت ہوتا ہے علامہ شامی نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جو رسائل ابن عابدین میں دیکھا جاسکتا ہے۔

سادساً: فقہاء کرام نے اثمان، دراہم اور دنانیر کے سلسلہ میں ثمنیت کی جو علامات بتائی ہیں وہ کاغذی سکوں میں کرنسی نوٹ دراہم ودنانیر میں بھی پائی جاتی ہیں مثلاً فقہا کرام لکھتے ہیں:

(الف) الدراهم والدنانير لايتعين بالتعيين ولايلزم بالاشارة.

(ردالمحتار ص ۳۶۴)

دراہم ودنانیر تعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتے اور کسی درہم کی طرف اشارہ کرنے سے وہی درہم لازم نہیں ہوتا۔

(ب) جس طرح حقیقی زر سونا اور چاندی کی بیع میں متحد الجنس ہونے کی صورت میں برابری اور تقابض ضروری ہے، اسی طرح باتفاق علماء واہل حق رائج الوقت کرنسی نوٹ، اور کاغذی سکہ میں بھی متحد الجنس ونوع کی صورت میں برابری اور تقابض ضروری ہے، مثلاً ایک ڈالر کے عوض دو ڈالر کی بیع جائز نہیں، ایک پونڈ کے عوض دو پونڈ کی بیع جائز نہیں ہے۔

علیٰ ہٰذا القیاس تمام ممالک کے کاغذی سکوں کا حکم ہے، ہر ملک کا سکّہ الگ الگ جنس ثمن ہے ایک ملک کے مساوی سکّہ میں تفاضل ربٰوا اور سود ہوگا، مثلاً ایک ڈالر کے بدلہ میں دو ڈالر ایک ریال کے بدلہ میں دو ریال، ایک پونڈ کے بدلہ میں دو پونڈ ایک روپیہ کے بدلہ میں دو روپیہ یا ایک روپیہ کچھ پیسے، لیکن

مختلف ممالک کے سکے مختلف جنس کے حکم میں ہونے کی وجہ سے اس میں تفاضل جائز ہے، اور ہوتا بھی یہی ہے، مثلاً ایک ڈالر کے بدلہ میں ۱۶ روپے، ایک ریال کے بدلہ میں چار روپے، تاہم نقد بنقد ہونا ضروری ہے ادھار جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ حقیقی ثمن سونا اور چاندی کے حکم میں ہیں۔

لہٰذا مختلف ممالک کے سکّوں کی جب بیع ہو تو دست بدست ہونا ضروری ہے۔

(ج) جس طرح حقیقی ثمن سونا اور چاندی کے دراہم و دنانیر میں قبضہ کرنیکے بعد ہلاک ہوجانے سے اتلاف ثمن ہوجاتا ہے اور قابض مال کا ہلاک متصورّ ہوتا ہے۔ اسی طرح قائم مقام ثمن کاغذی سکّے کرنسی نوٹ وغیرہ میں بھی قبضہ کرنیکے بعد اگر ہلاک ہوجائیں تو اس کو ہلاک ثمن تصور کیا جائے گا اور قابض کا مال ضائع ہونا متصور ہوگا، اور ہوتا بھی یہی ہے لیکن رسید یا حوالہ کے کاغذات ایسے نہیں ہیں، رسید گم یا ہلاک ہوجانے سے ثمن ہلاک نہیں ہوتا اس طرح حوالہ کا رقعہ ہلاک ہوجانے سے، قابض رقعہ کا مال اور ثمن ہلاک نہیں ہوتا، بلکہ دوبارہ رسید بنوائی جاتی ہے، حوالہ کا کاغذ دوبارہ لکھوایا جاتا ہے۔

(د) جس طرح بائع سے حقیقی زر سونا چاندی کے سکے کے ہلاک ہوجانے سے بائع دوبارہ مشتری کی طرف ثمن کے لئے رجوع نہیں کرسکتا اسی طرح حکمی زر، کاغذی سکّہ اور کرنسی نوٹ پر قبضہ کرنیکے بعد اگر بائع سے کرنسی نوٹ ہلاک ہوجائے تو بائع مشتری کی جانب رجوع نہیں کرسکتا، جبکہ حوالہ کے کاغذ ضائع ہونے کی صورت میں جس کو کاغذ دیا گیا دوبارہ دوسرا کاغذ لینے کے لئے رجوع کرسکتا ہے، یہ تمام باتیں اس بات کے لئے بین ثبوت ہیں کہ کاغذی سکے کی حیثیت اثمان حقیقیہ کی حیثیت سے کم نہیں، بلکہ یہ سکے تمام احکام معاملات اور مالیت میں بھی برابر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ایک شبہ اور اسکا ازالہ

یہاں پر کوئی یہ شبہ ظاہر کرسکتا ہے کہ کرنسی نوٹ کا اگر آدھا حصّہ ضائع ہوگیا اور آدھا حصہ باقی ہے اور نمبر بھی محفوظ ہے تو بینک میں جا کر پورا نوٹ حاصل کیا جاسکتا ہے، اگر کرنسی نوٹ مال ہوتا اور ثمن ہوتا تو ایک مرتبہ قبضہ کرنے کے بعد بینک سے دوبارہ نیا نوٹ حاصل کرنے کا حق کس طرح حاصل ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب آدھا نوٹ باقی ہے اور نمبرات بھی باقی اور محفوظ ہیں تو گویا اس کی اصل قیمت تو باقی ہے، لیکن اس کی صفت میں نقصان ہوا ہے تو اسی ناقص نوٹ کے نمبرات سے جب دوسرا

نوٹ حاصل کیا گیا تو گویا اس نے ایک روپیہ کے ناقص نوٹ کے بدلہ میں ایک روپیہ کا عمدہ نوٹ حاصل کیا ہے، مال کے بدلہ میں برابر کا مال خریدا ہے، اور حکومت اور بینک کے مجاز افسر نے اس ناقص نوٹ کے بدلہ میں اس نمبر کا دوسرا نیا نوٹ جاری کر دیا ہے، ناقص نوٹ کو ضائع کر دیا یعنی ناقص نوٹ کی مالیت کو ختم کر کے اس کے قائم مقام دوسرے نوٹ کو اصطلاحی ثمن قرار دیا ہے، لیکن پھر بھی ناقص نوٹ کے عوض میں بقدر نوٹ چاندی یا سونا ادا نہیں کیا جاتا، دوسرا نوٹ وصول کرنے والا اسے مال کی حیثیت سے وصول کرتا ہے۔

نیز واضح رہے کہ صرف نوٹ کے نمبرات محفوظ کر لینے سے بینک سے نیا نوٹ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ نقصان پذیر نوٹ کو بھی لیجانا پڑتا ہے، گویا نقصان پذیر نوٹ ثمن ناقص ہے، نیا نوٹ ثمن کامل ہے، دونوں ثمن ہی ہیں اس لئے حکومت نقصان پذیر نوٹ کی مالیت کے برابر دوسرا نوٹ دیتی ہے، نقصان کا خسارہ نہیں دیکھتی گو جس صاحب اختیار اسٹیٹ نے نقصان پذیر کرنسی نوٹ کو مخصوص مدت کے لئے مالی حیثیت دی تھی وہی صاحب اختیار اسٹیٹ پہلے نقصان پذیر کرنسی نوٹ کی مالی حیثیت ختم کر کے دوسرے نئے نوٹ کو مالی حیثیت دیکر جاری کرتی ہے، جبکہ اسٹیٹ نے شروع دن سے یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ موجودہ اصطلاحی ثمن جاری کرنے کے بعد اگر اس میں کسی قسم کا عیب یا نقصان پیدا ہو جائے اور اس کے نمبرات اور ذاتیت باقی رہے، تو نقصان پذیر نوٹ کے عوض دوسرا نیا نوٹ جاری کیا جائے گا۔

بہر حال دوسرا نوٹ بھی کاغذی سکہ ہی ہوتا ہے تو اس سے کرنسی نوٹ کی مالیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ اس سے تو اس کی مالیت اور ثمنیت کی تائید ہوتی ہے۔

سابعاً: کتب فقہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے صریح روایت موجود ہے کہ عامۃ النّاس کے اصطلاحی ثمن، حقیقی ثمن کے حکم میں ہیں، حقیقی ثمن کے جو احکام ہوتے ہیں اصطلاحی ثمن کیلئے بھی وہی احکام ہوں گے، البتہ شیخین نے امام محمد کی روایت سے اختلاف کیا ہے، انہوں نے کہا کہ اصطلاحی ثمن کے احکام بالکل حقیقی ثمن کی طرح نہیں ہیں، اس لئے شیخینؒ کے نزدیک حقیقی ثمن میں اتحاد جنس ہو تو تفاضل ناجائز ہے، لیکن اصطلاحی ثمن میں تفاضل جائز ہے، شیخین نے اس موقع پر اصطلاحی ثمن کی حقیقی ثمن کی طرح نہ ہونیکی جو وجہ بتائی ہے وہ یہ ہے کہ عامۃ النّاس کی اصطلاح پر عمل کرنا عاقدین کے ذمہ لازم نہیں ہے اور عامۃ النّاس کو اس بات کا حق حاصل نہیں کہ اپنی مقرر کردہ اصطلاح عاقدین پر مسلط کر دیں، اور نہ ہی عاقدین کے ذمہ لازم ہے کہ عامۃ النّاس کی اصطلاح پر پابندی کریں ''لعدم الولایة'' کیونکہ عامۃ النّاس کو اس کا اختیار نہیں ہے۔

شیخین کی اس تعلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخین کے نزدیک عاقدین پر عامۃ الناس کی اصطلاح پر عمل کرنا اور ان کے اصطلاحی ثمن کو ثمن تسلیم کرنا اس لئے ضروری نہیں ہوتا کہ عامۃ الناس کو عاقدین پر ولایت عامۃ کا حق حاصل نہیں ہے اس لئے ان کی مقرر کردہ اصطلاح پر عمل کرنا عاقدین کے ذمہ واجب نہیں ہے، لیکن ہمارے زیر بحث مسئلہ میں حکومت اور اسٹیٹ کو "عامۃ الناس" ماتحت رعایا پر ولایت عامہ حاصل ہے، حکومت اور اسٹیٹ کی جانب سے جاری کردہ کاغذی سکّوں کو سکّہ تسلیم کرنا اور کرنسی نوٹ کو قائم مقام ثمن تسلیم کرنا اور اس کو تمام معاملات میں لین دین میں قبول کرنا رعایا اور عامۃ الناس پر ضروری و لازم ہوتا ہے۔ قبول نہ کرنے کی صورت میں قانوناً مجرم قرار پاتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ صاحب ولایت حکومت اور صاحب اختیار اسٹیٹ کی طرف سے جاری کردہ کاغذی سکوں کو ثمن تسلیم کرنا اور اس پر عمل کرنا عامۃ الناس پر شیخین کے نزدیک بھی واجب ہے۔

شیخین کا امام محمدؒ سے اختلاف اس صورت میں ہے کہ جب اصطلاح ثمن جاری کرنے والے کو ولایت عامہ حاصل نہ ہو تو اس وقت ان کے اصطلاحی ثمن کو تسلیم کرنا عاقدین پر واجب اور لازم نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی صاحب اختیار حکومت نے اصطلاحی ثمن جاری کیا ہے تو اسکو ثمن تسلیم کرنا اور لین دین میں اسے استعمال کرنا عاقدین کیلئے شیخین کے نزدیک بھی لازم وضروری ہے تو باتفاق ائمہ ثلاثہ حکومت کے جاری کردہ کاغذی سکّے حقیقی سکے کے قائم مقام ہوں گے اس واسطے جو تصرفات حقیقی ثمن میں جائز ہوں گے وہی تصرفات حکمی ثمن کاغذی سکوں میں بھی جاری ہوں گے، اور جو تصرفات حقیقی ثمن میں ناجائز ہوں گے وہی تصرفات ان کاغذی سکوں میں بھی ناجائز ہوں گے، اسی وجہ سے سب کا متفقہ فتویٰ ہے کہ کاغذی سکوں سے جب لین دین ہو تو بصورتِ اتحاد جنس تفاضل بوجہ سود ہونے کے ناجائز وحرام ہوگا مثلاً دس روپے کے ایک نوٹ کے بدلہ میں دس روپے سے زائد لینا سود ہوگا، حرام ہوگا، کیونکہ کاغذی سکّہ اصطلاحی ثمن قرار پایا ہے، حکومت کی جانب سے جاری کردہ اصطلاحی ثمن کو عامۃ الناس نے بطور ثمن قبول کیا ہے اور اسے ثمن تسلیم کرتے ہوئے تمام اسلامی معاملات میں بحیثیت ثمن ہونے کے استعمال کیا جاتا ہے، بلکہ عامۃ الناس پر قانوناً یہ لازم ہے کہ اصطلاحی ثمن کو تسلیم کریں اور اسی سے تمام معاملات اور خرید و فروخت کریں، اگر کوئی شخص اس کو ثمن تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے اور بحیثیت ثمن اسے قبول نہیں کرتا تو یہ شخص قانون ملک کی رو سے سزا کا مستحق قرار پاتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ با اختیار حکومت کو رعایا پر ولایتِ عامہ حاصل ہے، اور حکومت کی جانب سے جاری کردہ کاغذی سِکّہ (مصنوعی ثمن) حقیقی ثمن کی طرح ہے، اسے تسلیم کرنا رعایا پر لازم و واجب ہے۔

چنانچہ علامہ شامیؒ نے فلوس نافقہ اور دراہم مغشوشہ کی بیع کے جواز پر بحث فرماتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

البیع بالفلوس النافقة وان لم یتعین کالدراھم لانھا صارت اثماناً بالاصطلاح فجاز بھا البیع و وجبت فی الذمة کالنقدین ولایتعین وان عیّنھا کالنقد.

(ص ۲۷۰. ج۵)

رواجی پیسوں کے ذریعہ بیع جائز ہے اگرچہ ان کو متعین نہ کیا جائے مانند دراہم کے اس لئے کہ رواجی پیسے اصطلاحی ثمن ہوگئے ہیں لہٰذا ثمن ہونے کی حیثیت سے اس سے خرید وفروخت جائز ہے اور اس سے خرید وفروخت کرنے کے بعد خریدار کے ذمہ قیمت لازم ہوجاتی ہے جیسا کہ سونا چاندی کے دراہم اور وہ متعین کرنے سے متعین بھی نہیں ہوتے۔

جس سے معلوم ہوا کہ اصطلاحی زر اور حقیقی زر خرید وفروخت میں دونوں کے احکام یکساں ہیں اور جب تک اصطلاحی ثمن کاغذی سکّے اور گلٹی کے پیسوں میں حکومت کی جانب سے ثمن ہونے کا حکم جاری رہے گا اس وقت تک اس کی ثمنیت باطل نہ ہوگی۔

کذا فی ردالمحتار: فما دام ذالک الاصطلاح موجوداً لا تبطل الثمنیة لقیام المقتضی الخ. (ص ۲۶۷. ج ۵)

ترجمہ: جب تک اصطلاحی زر پر اصطلاح ثمنیت باقی رہے گی اس کی ثمنیت اور زر ہونے کی صلاحیت باقی رہے گی، کیونکہ مقتضی ثمنیت کا باقی ہے، لہٰذا قانونی سکوں اور پیسوں کو اصطلاحی ثمن قرار دینا بالکل اصول اور قانون کے مطابق ہے اور انہیں حوالہ قرار دینا بے دلیل مدعیٰ ہے اور اختلاف برائے اختلاف ہے۔

جبکہ بعض حضرات کرنسی نوٹ اور کاغذی سکوں کو حوالہ سے تعبیر کرتے ہیں، حالانکہ حوالہ کی حقیقت اور اس کے احکام کاغذی سکوں کی حقیقت واحکام سے بالکل مختلف ہیں اور وجوہ اختلاف یہ ہیں۔

اولاً: حوالہ کا قبول کرنا ''محتال'' (صاحب دین) پر لازم نہیں ہے، اگر برضا ورغبت حوالہ قبول کرلیتا ہے فبہا، ورنہ کسی کو جبر کرنے کا حق نہیں ہے، بخلاف مُلک کے کرنسی نوٹ اور کاغذی سکہ کے اس میں تو صاحبِ دین اس بات پر مجبور ہے کہ نوٹ اور کاغذی سکہ کو قبول کرے، بلکہ قانوناً وعرفاً وہ کاغذی سکوں کو قبول کرنے سے انکار نہیں کرسکتا، اگر کوئی انکار کرتا ہے تو سزا کا مستحق ہوتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ کاغذی سکّہ حوالہ نہیں ہے۔

ثانیاً: حوالہ میں محتال الیہ کے ہلاک ہونے کی صورت میں صاحب دین (مدیون) کی جانب رجوع کرسکتا ہے، اور محیل (یعنی مدیون) کے ذمہ لازم ہے کہ محتال کا قرض از خود ادا کردے، لیکن کرنسی نوٹ اور کاغذی سکوں کا مسئلہ اس سے مختلف ہے، یہاں پر صاحب حق نے اگر کرنسی نوٹ پر قبضہ کرلیا ہے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ اپنے حق حقیقی ثمن پر قبضہ کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ کرنسی نوٹ دینے والے کے ہاتھ سے اگر کرنسی نوٹ ضائع ہوگیا تو وہ دوبارہ نوٹ دینے والے کی طرف رجوع کرکے دوسرا نوٹ حاصل نہیں کرسکتا، مثلاً سونا کے خریدار نے جوہری سے سونا خریدا اس کے بدلہ میں کرنسی نوٹ سے سونا کی قیمت ادا کی پھر اتفاقاً سُنار سے وہی نوٹ ضائع ہوگئے تو اب سُنار خریدار کی طرف رجوع کرکے یہ نہیں کہہ سکتا کہ تمہارے دیئے ہوئے نوٹ ضائع ہوگئے ہیں دوبارہ اتنے نوٹ ادا کردو بلکہ سنار یہ سمجھتا ہے کہ اسے اپنے مال کی قیمت اور ثمن مل گیا ہے اور ضائع شدہ نوٹ کا ضائع ہونا گویا اس کے ہاتھ سے مال کا ضائع ہونا ہے، علیٰ ہٰذا القیاس اگر اسی طرح بائع سے اگر رقم چوری ہوجاتی ہے تو وہ دوبارہ مشتری سے رقم کا مطالبہ نہیں کرسکتا، معلوم ہوا کہ یہ نوٹ حوالہ یا رسید نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ حوالہ ہوتا یا حوالہ کی رسید ہوتی تو رسید کے گم ہونے یا ضائع ہونے سے مال کا ہلاک یا ضائع ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ رسید اور حوالہ کے رقعہ گم ہوجانے کے بعد بھی رسید اور حوالہ کے رقعہ جاری کرنے والے کی جانب رجوع کیا جاسکتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ کاغذی سکّہ حوالہ یا رسید نہیں ہے، بلکہ اصطلاحی ثمن ہے اس لئے اس پر حقیقی ثمن کے احکام لاگو ہوں گے۔

ثالثاً: حوالہ کے ذریعہ بیع صرف ناجائز ہے، مثلاً سونا چاندی کی بیع میں ادھار اور رقم کو کسی کا حوالہ کرنا جائز نہیں ہے اگر کاغذی سکّے حوالہ کے حکم میں ہوتے تو سونا و چاندی کی بیع کس طرح صحیح ہوتی جبکہ کاغذی سکوں کے ساتھ سونا چاندی کی بیع باتفاق امت جائز ہے اور یہ بیع صرف ہے جس سے ثابت ہوا کہ کاغذی سکے (اصطلاحی ثمن) حقیقی ثمن کے بدل اور قائم مقام ہیں، اس پر حقیقی ثمن کے احکام جاری ہوں گے۔

رابعاً: بیع سلم اور مضاربت میں رأس المال کا نقد اور اثمان میں سے ہونا بھی ضروری ہے اور اس وقت سکہ رائج الوقت کو بیع سلم اور عقد مضاربت میں بطور رأس المال دیا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کاغذی سکے جو اصطلاحی ثمن ہیں حقیقی ثمن کے حکم میں ہیں جبکہ مضاربت اور بیع سلم فاسد ہوجاتی ہے۔

الغرض اصولِ فقہ اسلامی اور قانونی دستور کی رو سے مختلف ممالک کے کاغذی سکے قائم مقام ثمن ہیں، جس طرح تمام معاملات میں اسے بحیثیت ثمن و حقیقی زر تصور کیا جاتا ہے، اسی طرح عبادات، زکوٰۃ

عشر دیگر صدقات میں بھی اسے اصطلاحی ثمن اور قائم مقام ثمن تصور کیا جائے گا اور جو احکام حقیقی ثمن سونا چاندی اور دینار و دراہم کے ہونگے وہی احکام کاغذی سکوں کے ہونگے۔

یہاں پر مذاہب اربعہ کی تصریح کو ملاحظہ فرمالیا جائے جس کو انھوں نے جمہور کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے کہ کاغذی سکے حقیقی ثمن کے حکم میں ہیں، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

جمهور الفقهاء يرون وجوب الزكوٰة في الاوراق المالية: لانها حلت محل الذهب والفضة في التعامل ويمكن صرفها بالفضة دونِ عسر فليس من المعقول ان يكونِ لدى الناس ثروة مالية من الاوراق المالية ويمكنهم صرف نصاب الزكوٰة منها بالفضة ولايخرجون منها زكوٰة، ولهٰذا اجمع فقهاء ثلاثة من الائمة علىٰ وجوب الزكوٰة فيها.

(الفقه على المذاهب الاربعه ص ۶۰۵. ج ۱)

جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ کاغذی سکے میں زکوٰۃ واجب ہے، اسلئے کہ تعامل الناس (عرف عام) میں اوراقِ مالیہ (کاغذی سکے) نے سونا و چاندی کی جگہ لے لی ہے۔ اس کو بلا تکلّف چاندی اور سونا میں بدلا جاسکتا ہے، لہٰذا یہ معقول بات نہ ہوگی کہ لوگوں کے پاس کاغذی سکوں کی شکل میں مال موجود ہو اور چاندی کی قیمت لگا کر زکوٰۃ بھی ادا کر سکتے ہوں پھر بھی زکوٰۃ ادا نہ کریں، یہی وجہ ہے فقہاً اور ائمہ میں سے تین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ کرنسی نوٹ میں مال ہونے کی حیثیت سے زکوٰۃ واجب ہے۔

عبارت بالا صاف سے ظاہر ہے کہ کرنسی نوٹ اور کاغذی سکے باتفاق ائمہ مذاہب اربعہ ذہب و فضہ (سونا و چاندی) کے قائم مقام اور اس کا بدل ہیں، اسی وجہ سے ماہرین معاشیات نے بھی کاغذی سکوں کو حقیقی زر کے قائم مقام اور حکمی زر قرار دیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ ماہرین معاشیات کے نزدیک بھی کرنسی نوٹ (زر) ثمن ہے، کیونکہ کاغذی زر جسے حکومت کا مرکزی بینک جاری کرتا ہے عامۃ الناس کو اس بارے میں حکومت پر اعتماد ہے جس کی بناء پر وہ حقیقی زر کے بدلہ میں کاغذی زر کو بطور ثمن قبول کر لیتے ہیں، اور حقیقی ثمن (سونا و چاندی) کے تمام اوصاف یعنی ۱ قبولیت عامہ، ۲ انتقال پذیری، ۳ پائیداری ۴ شناخت پذیری یکسانیت کے ساتھ ۵ تقسیم پذیری، ۶ ثبات بدل ثمن (کاغذی سکوں) میں پائے جاتے ہیں اور بہترین نظام زر کی یہی خوبیاں ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، نیز قیمتوں میں استحکام برقرار رہنا، شرح مبادلہ مستحکم رہنا، نظام زر سادہ اور قابلِ فہم ہونا، نظام زر لچکدار ہونا کامل روزگار کی سطح برقرار رکھنے

میں معاون ہونا بھی کرنسی نوٹ اور کاغذی سکوں میں موجود ہیں۔

مزید برآں کاغذی سکوں کو قائم مقام ثمن اور بدل مال قرار دینے میں بے شمار فوائد ہیں۔ اور اس کو سند یا حوالہ قرار دینے میں بے شمار مفاسد و نقصانات ہیں جو اہل دانش اور اہل فہم پر مخفی نہیں ہیں، اسلام کے اصول تجارت اور معاشی قوانین کے تقاضے سے اقرب الی الصواب فیصلہ یہی ہے کہ کاغذی سکوں کو قائم مقام ثمن قرار دیا جائے اور جو احکام حقیقی اثمان کے ہوں وہی احکام اصطلاحی اثمان کے ہوں۔

الدین یسرٌ لاعسر" وما جعل اللّٰہ علیکم فی الدین من حرج کا یہی مرکزی نکتہ ہے۔ واللہ اعلم۔

الجواب صحیح محمد یوسف بنوری عفاء اللہ
الجواب صحیح ولی حسن ٹونکی
الجواب صحیح احمد الرحمٰن غفرلہٗ

کتبہ
بندہ محمد عبد السلام عفا اللہ عنہٗ چاٹگامی
۲۲ / ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ

نوٹ:

احقر نے یہ جواب تقریباً گیارہ سال قبل برما کے ایک عالم کے سوال کے جواب میں تحریر کیا تھا، الحمد اللہ اب بھی اسی رائے اور تحقیق پر اطمینان ہے بلکہ اس پر مزید طمانیت حاصل ہوئی ہے، کیونکہ گزشتہ دنوں ریاض کے دینی ادارہ "المجمع البحوث الاسلامی فی الافتاء والقضاء" کے اراکین نے بھی متفقہ طور پر فتویٰ دیا ہے۔ کہ اوراق مالیہ کاغذی سکے حقیقی اثمان سونا و چاندی کے قائم مقام ہیں ان کے وہی احکام ہیں جو حقیقی اثمان کے ہیں، لہٰذا جس کے پاس سکہ رائج الوقت بقدرِ نصاب موجود ہوں اس پر زکوٰۃ، حج قربانی وغیرہ شرعی ذمہ داریاں عائد ہوں گی، اور جس مال پر زکوٰۃ واجب ہے اسی مال میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے، اس لئے دس یا سو روپے کے سکوں سے زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، نوٹ سے زکوٰۃ وصول کرنے والے کے قبضہ سے اگر نوٹ ضائع ہو گیا تو زکوٰۃ دینے والے کے ذمہ دوبارہ زکوٰۃ دینی نہ ہو گی۔

حکومت پاکستان کے مرکزی بینک کے گورنر کو ایک مفید مشورہ

سو روپے اور دس روپے کے نوٹوں پر درج کردہ عبارت "بینک دولت پاکستان سو روپیہ" یا دس روپیہ حامل ہٰذا کو مطالبہ پر ادا کریگا کی جگہ اگر یہ عبارت لکھ دی جائے تو زیادہ مناسب ہو گا۔

”یہ سو روپے ہیں، حامل ہذا کو بوقت مطالبہ بینک حکومت پاکستان اس کے عوض سو روپیہ کا غذی سکہ یا سو روپیہ چاندی کا متبادل سکہ جاری کرے گا“ تاکہ جن علماء کرام کو کاغذی سکوں پر رسید یا حوالہ ہونے کا شبہ ہے وہ بھی ختم ہو جائے، فقط واللہ اعلم۔

راقم بندہ محمد السلام عفا اللہ عنہ

نظر ثانی ۹/۵/۷ ۱۴۰ھ

دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵

الجواب صحیح ولی حسن ٹونکی۔ رئیس دار الافتاء جامعۃ العلوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔

الجواب صحیح احمد الرحمٰن غفرلہ، رفیق دار الافتاء جامعۃ العلوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حیاۃ النبی ﷺ

بخدمت جناب مولانا مفتی محمد عبدالسلام صاحب چاٹگامی مدظلہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

امابعد! یہ کہ دارالافتاء بنوری ٹاؤن کے جانب سے حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فتوی چھپ چکا ہے، جس میں دارالافتاء کے دوسرے مفتی حضرات کے دستخط بھی موجود ہے، ان میں سے حضرت مفتی نظام الدین شامزی صاحب نے رجوع کیا ہے اور دارالافتاء کے فتوی پر اعتراض بھی کیا ہے، دستخط بر بناء غفلت اور دارالافتاء کے مفتوں پر اعتماد کرنا بتایا ہے، اب آپ سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ آپ کا فتوی صحیح تھا یا غلط؟ فی الحال آپ لوگوں کی رائے کیا ہے؟

حیات نبی ﷺ کے بارے میں علمائے دیوبند اہل السنّت والجماعت کا واضح موقف کیا ہے؟ آپ حضرات کے متضاد فتووں کا سلسلہ کب تک رہے گا؟ آئے دن یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے کہ دارالافتاء کی جانب سے ایک جواب صادر کیا جاتا ہے، جامعہ کے دوسرے مفتی یا غیر مفتی کی جانب سے دوسرا جواب آجاتا ہے، ہمیں صحیح رہنمائی کیجائے ورنہ عوام بے چارے ویسے بھی دین سے ناواقف ہیں جس کی وجہ سے گمراہی میں ہیں، پھر آپ لوگوں کی جانب سے اس طرح متضاد فتوے آتے رہیں گے تو وہ بے چارے کس طرف جائیں گے؟ وہ بھی ایک ہی ادارہ سے، یہ بہت بری بات ہے، عوام میں اس کے کیا اثرات پڑیں گے خود سوچیں!

آپ لوگ وارث انبیاء علیہم اسلام ہیں، علوم دین اور علوم اسلامیہ کے حامل ہیں، ہمیں صحیح رہنمائی فرمائیں، گمراہی سے بچائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اور سب علماء دین کو اس سے بچاوے۔ مزید کیا لکھوں چند احباب جو کہ عقید تمند ہیں حیاۃ النبی ﷺ کی۔

شجاع آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قبر میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ حیات انبیاءؑ پر امت اسلامیہ کا اجماع ہے

حامدًا و مصلیًا و مسلماً! امابعد یہ کہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آپ لوگوں کا سوال اور شکوک وشبہات پر مشتمل تحریر ملی۔ ارادہ تو نہیں تھا کہ اس بارے میں کچھ لکھوں لیکن آپ لوگوں کی تحریر اور اطراف وجوانب سے آئے ہوئے خطوط نے مجبور کیا کہ کچھ وضاحت کر دینا لکھ ضروری ہے، لہٰذا مزید وضاحت کے ساتھ چند سطور لکھ دیئے امید ہے کہ اس سے تشفی ہوگی اور سب شکوک وشبہات بھی دور ہو جائیں گے۔

دراصل ہمارے اکابرین دیوبند کثّر اللہ سوادھم کا فتویٰ تو وہی ہے جو جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے جاری ہوا ہے، وہ یہ کہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام وشہداء کرام کی حیات کا عقیدہ نصوص شرعیہ اور اجماع سے ثابت ہے۔ باتفاق علماء اہل السنۃ و الجماعت خاص کر اکابرین علمائے دیوبند اس کو جماعت دیوبندیہ کیلئے معیار قرار دیتے ہیں۔

اور اس کے خلاف منکرین حیات النبی والانبیاء والشہداء کو مبتدع اور اہل السنۃ والجماعت سے خارج قرار دیتے ہیں، ان منکرین حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور امامت کو مکروہ تحریمی فرماتے ہیں۔ تفصیلات دلائل سے آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

اس کی تفصیل یوں سمجھئے کہ ہم نے جو کہا ہے کہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ حیات انبیاء علیہم السلام والشہداء تو نصوصِ قرآنی اور احادیث وآثار کثیرہ سے ثابت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور شہداء کی ارواح کا تعلق وربط اپنے اجساد عنصریہ کے ساتھ حیات دنیویہ کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی قوی تر ہے۔ فرق یہ ہے کہ دنیوی حیات کو ہم محسوس کرتے ہیں، اور بعد از وفات حیات کو ہم محسوس نہیں کر پاتے لیکن نصوص وروایات کے ذریعہ سے جب معلوم ہو گیا ہے کہ وہ زندہ اور حیات ہیں، اگرچہ ہم محسوس نہیں کرتے تو اس پر ایمان وعقیدہ ضروری اور واجب ہے۔

اسی حیات النبی اور حیات انبیاء کے حوالے سے حیاۃ النبی کا مسئلہ اتنا اہم ہے کہ ان کی حیات، شہداء اور دوسرے مؤمنین کی حیات کے مقابلہ میں جداگانہ حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ بعض احکام شرعیہ میں وہ شہداء اور دوسرے مؤمنین سے بھی ممتاز ہیں، مثلاً: انبیاء کی وفات کے بعد ان کی جائیداد میں وراثت جاری نہیں ہوتی، ان کے اموال وارثوں میں تقسیم نہیں کئے جاتے، (۲) انبیاء علیہم السلام کی وفات کے

بعد ازواج مطہرات سے کسی ایماندار کا نکاح درست نہیں جبکہ شہداء اور بعض دوسرے مؤمنین بھی حیات ہوتے ہیں مگر شہداء اور دوسرے ایمانداروں کی ازواج سے بعد عدت دوسرے مسلمانوں کا نکاح درست ہے، ان کے مال میں وراثت جاری ہوتی ہے۔ (۴) انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو مٹی نہ کھا سکتی ہے نہ فنا کر سکتی ہے، وہ اجسامِ دنیویہ کے ساتھ قبر میں محفوظ اور زندہ ہوتے ہیں یہی تمام علمائے اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ اور جماعت علمائے دیوبند کا بھی عقیدہ ہے۔

علمائے دیوبند سے منسوب جن لوگوں کے دلوں میں زیغ اور کجی یا کسی قسم کی کمزوری ہے تو وہ طرح طرح کے شکوک وشبہات میں مبتلا ہوکر خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جبکہ علمائے اہل السنۃ والجماعت خاص کر علمائے دیوبند کا مسلک اس بارے میں بالکل بے غبار اور منقح ہے، جگہ جگہ اپنی تحریروں میں، تالیفات وتصنیفات میں واضح طور پر بیان کیا ہوا ہے کہ

روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر جا کر درود وسلام پڑھنے والے کے درود وسلام کو آپ ﷺ بلا واسطہ سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں، اور دور سے درود وسلام پڑھنے والوں کے درود وسلام کو آپ تک روضۂ شریف میں فرشتے پہنچاتے ہیں۔ (امداد الفتاویٰ ص ۱۱۰، ج ۵)

پھر بھی کوئی دیوبندی اگر اس سے اختلاف رکھتا ہے اور حیاۃ النبی ﷺ کا منکر ہوتا ہے تو یہ اس کی ذاتی رائے اور اس کی سینہ زوری ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام اہل السنۃ والجماعت کے خواص وعوام کو اس گھمنڈ اور سینہ زوری سے بچاوے اور ہم سب کو راہ اعتدال نصیب فرمائے اور صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی توفیق بخشے۔

لہٰذا دارالافتاء جامعۃ العلوم السلامیہ بنوری ٹاؤن کی جانب سے دوبارہ یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ ان کا عقیدہ اور مسلک وہی ہے جو فتویٰ: ۳۷۰۳۰ جاری کردہ مؤرخہ ۱۴۲۱/۶/۲۰ میں درج ہے، اس فتویٰ میں دیئے گئے جوابات بندہ حقیر اور دیگر رفقائے دارالافتاء کے نزدیک بالکل صحیح اور درست ہیں، قرآن وحدیث سے مبرہن ومدلل ہیں، مزید کچھ دلائل وشواہد کے ساتھ اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔

دنیا کی حیات اور موت کی حقیقت

تمام انسانوں کو دنیا میں آنے کے بعد اجلِ مسمّٰی پوری کر کے پھر ایک مرتبہ دنیوی زندگی کو خیر باد کہہ کر آخرت کی طرف جانا پڑتا ہے۔ نقل اور عقل، مشاہدے سے یہ بات ثابت اور مقرر ہے، انسان کی

پیدائش سے لے کر اجل مسمّٰی پوری کرنے تک کی زندگی کو حیات دنیوی کہا جاتا ہے اور یہ حیات اس لئے دی گئی ہے کہ انسان اس میں رہ کر اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے مطابق ایمان وعمل کو درست کر کے آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کا فکر کرے۔ آخرت کی ابدی زندگی کی راحت وآرام کے لئے سعی کرے اور آخرت کی ابدی عذاب وسزا سے اپنے آپ کو بچانے کا فکر کرے۔

کیونکہ بعض روایات میں ہے کہ دنیا اور دنیا کی چیزوں کو انسان کے واسطے بنایا گیا ہے مگر انسان کو آخرت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے:

الدنيا مزرعة الآخرة.

دنیا آخرت کے واسطے کھیتی کی جگہ ہے۔

جو لوگ یہاں سے ایمان وعمل درست کر کے جائیں گے وہ ہمیشہ ہمیشہ کی راحت وآرام اور آخرت کی نعمتوں میں رہیں گے اور جو لوگ ایمان واعمال کو خراب کریں گے وہ ہمیشہ ہمیشہ تکلیف اور سزا بھگتیں گے۔

تو انسان جب دنیوی حیات پوری کر کے آخرت کی طرف جانے لگتا ہے تو بیچ کی گھاٹی موت آتی ہے۔ موت کے بعد جب قبر کی زندگی شروع ہوتی ہے تو قبر میں سوالات ہوتے ہیں کہ دنیوی زندگی اللہ و رسول کے احکام کے مطابق گزاری ہے یا اللہ و رسول کے احکام کے خلاف گزاری ہے؟ اس پر ابتدائی سوالات اور پوچھ گچھ ہیں۔ پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ تمہارا رب کون ہے؟ دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ تمہارا دین اور مذہب کیا ہے؟ تیسرا سوال یہ ہے کہ تمہاری دینی رہنمائی کے لئے جو رسول بھیجا گیا تھا وہ کون ہے؟ انسان اگر ان سوالات کے جوابات میں کامیاب ہوتا ہے تو گویا ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کے تمام مراحل میں کامیابی سے ہمکنار ہونے کی امید ہوتی ہے اور راحتوں کی زندگی شروع ہوتی ہے، انسان قبر میں راحتوں کی ان چیزوں کو محسوس کرتا ہے۔ اور جب انسان قبر کے سوالات وجوابات میں ناکام ہوتا ہے اور ان سوالات کے جوابات نہیں دے پاتا بلکہ سوال کے جواب میں صاف جواب دیتا ہے کہ میں تو کچھ نہیں جانتا۔ تو پھر قبر کی زندگی ہی سے تکلیف والے حالات پیش آنے لگتے ہیں، یہیں سے پریشانی کی زندگی شروع ہوتی ہے، ابتدائی عذاب وسزا کا معاملہ شروع ہو جاتا ہے، انسان ان کو بھی محسوس کرتا ہے۔ نصوص و احادیث میں ان کی تفصیلات موجود ہیں۔

تو حاصل یہ نکلا کہ انسان مرنے کے بعد ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ایک زندگی سے دوسری زندگی کی طرف

جاتا ہے۔دونوں زندگی کے درمیان موت پل کی طرح ہوتی ہے۔مرنے کے بعد قبر میں اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے، اگر انسان ایماندار ہے تو ابتدائی سوالات کے صحیح جوابات دیتا ہے اور قبر میں وہ راحت اور آرام کی زندگی گزارتا ہے، اور انسان کا حال اگر برا ہوتا ہے تو سوالات کے جوابات نہیں دے پاتا، موت میں سختی اور پھر قبر میں سختی ہوتی ہے۔حدیث میں ہے۔:

القبر حُفرَةٌ من حفر النار أو روضة من رياض الجنة.

دنیا کی زندگی ایمان وعمل کی زندگی ہوتی ہے۔قبر کی زندگی (قیامت کبریٰ حساب وکتاب تک کا زمانہ تک) کی ہوتی ہے اس کو عالم برزخ کی زندگی کہا جاتا ہے، یہ اخروی زندگی کا ابتدائی حصہ ہے، اس عالم برزخ میں انسان اور اس کی روح (جوکہ اعلیٰ علیین یا اسفل السافلین میں ہوتی ہے) سے تعلق وربط ہوتا ہے۔آدمی نیک ہوتا تو جنت کی خوشبو اور ہوا اور نعمتوں سے متمتع ہوتا ہے اور اگر بد ہوتا ہے تو جہنم کی بدبو اور گرم ہوا اور دوسری تکالیف سے متاثر اور رنجیدہ ہوتا ہے اور یہ سب کچھ روح اور جسم دونوں پر ہوتے ہیں۔رہا یہ کہ دنیا کے انسانوں کو اس کا احساس نہیں ہوتا، اس کا پتہ نہیں چلتا تو یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان عالمِ دنیا میں ہوتے ہوئے عالم آخرت کے امور کو محسوس کرے۔اللہ تعالیٰ نے شہداء کے بارے میں فرمایا:

وَلَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّاتَشْعُرُوْنَ. (بقرة)

جولوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں ان کو تم مردار مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں البتہ زندگی کا شعور تمہیں نہیں ہے۔

تم کو ان کی حیات کا احساس نہیں ہونا اور عدم احساس یہ عدم حیات کی دلیل نہیں ہے جبکہ رب العالمین نے اعلان فرمادیا ہے کہ وہ زندہ ہیں تمہیں اس کا شعور نہیں ہے۔لہٰذا ہر ایماندار کو اس پر ایمان رکھنا ضروری ہے، اس کے خلاف عقیدہ رکھنا کفر اور گمراہی ہے۔جب تقریر مذکور سے واضح ہوا کہ دنیوی حیات عارضی حیات اور فانی ہے اس کے بعد ہر انسان کو موت آنی ہے، سفر آخرت میں جانا ہے۔

كل نفس ذائقة الموت.

ہر جاندار موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔

موت، عالمِ دنیا اور عالمِ آخرت کے درمیان پل کی طرح ہے، اس سے انسان ختم نہیں ہوتا، فنا نہیں ہوتا بلکہ ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو اس سے موت کی حقیقت بھی معلوم ہوگئی اور عالم برزخ کا مفہوم بھی معلوم ہوگیا۔دوسرے عالم، عالمِ آخرت کے دو حصے ہیں: پہلا حصہ جو کہ عالمِ

برزخ اور قبر کی زندگی ہے، انسانی روح وہاں لوٹادی جاتی ہے تاکہ سوالات و جوابات ہوں پھر اعلیٰ علیین یا اسفل السافلین میں اسے رکھ دیا جاتا ہے مگر جسم کے ساتھ روح کا تعلق و ربط بدستور رہتا ہے۔ ارواح کے ساتھ اچھا اور برا جو کچھ ہوتا ہے اجسام بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں اگرچہ دنیا کے انسان کو اس کی خبر اور شعور نہیں ہوتا۔ احادیث میں قبر کے اندر انبیاء علیہم السلام کا نماز پڑھنا اور بہت سے صحابۂ کرام کا تلاوت کرنا اور بہت سے انسانوں پر سانپ کا مسلط کر دیا جانا عذاب اور سزا کا معاملہ چلنا ثابت ہے اور یہ برزخی حیات کی زندگی تمام انسانوں کے لئے مقرر اور متعین ہے۔

یہاں ایک دوسری چیز کا جاننا بھی ضروری ہے وہ یہ کہ عالم دنیا میں جیسا کہ سارے انسان ایک ہی درجہ کے نہیں ہوتے بلکہ ان کے درجات اور مراتب متفاوت ہوتے ہیں۔ ان میں نیک بھی ہوتے ہیں اور نیکوں میں بھی سب برابر نہیں ہوتے بلکہ الگ الگ درجات اور مراتب کے ہوتے ہیں بعینہٖ اسی طرح عالم برزخ اور عالم آخرت کی زندگی جو کہ دائمی اور ہمیشہ کی زندگی ہے اس میں بھی انسان الگ الگ درجات اور مراتب کے ہوتے ہیں۔

کچھ انسان تو اعلیٰ ترین ذات وصفات کے مالک ہوتے ہیں جیسے انبیاء علیہم السلام، پھر صدّیقین و شہداء کے درجات ہوتے ہیں، پھر صالحین اور عام مؤمنین کے درجے ہوتے ہیں تو جو انسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذات وصفات کے لحاظ سے اعلیٰ ترین انسان ہوتے ہیں ان کو بھی موت آتی ہے۔

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ آپ نے بھی مرنا ہے اور دوسروں نے بھی۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کی موت دوسرے انسانوں کی موت کی طرح نہیں، وہ انبیاء علیہم السلام بھی عالم برزخ اور قبر میں رہتے ہیں لیکن دوسرے، تیسرے اور چوتھے درجہ کے انسانوں کی طرح نہیں ہیں۔ ان کا بھی حشر ہوگا لیکن دوسرے انسانوں کی طرح نہیں، ان کا بھی حساب و کتاب ہوگا مگر دوسرے انسانوں کی طرح نہیں، اس فرقِ مراتب کو سمجھنا بہت ضروری ہے، اسی وجہ سے کہا گیا ہے۔

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

حدیث میں ہے:

اُنزلوا الناس منزلھم.

ہر انسان کو اپنے اپنے مقام پر رکھو۔

انبیاء علیہم السلام کو انبیاء کی جگہ پر، صدیقین و شہداء کو ان کے مقام پر، عام صالحین اور مؤمنین کو ان کی جگہ پر۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو تیسری بات یہ بھی جان لو کہ انبیاء علیہم السلام، جو کہ اعلیٰ ترین انسان ہیں، ان کے اوپر انسانوں کا اور کوئی درجہ نہیں ہے تو ان کی حیاتِ برزخی اور عالمِ آخرت کی حیات بھی اعلیٰ ترین حیات ہوگی۔ عام انسانوں کو انبیاء علیہم السلام والصلوٰۃ کی ارفعیت اور بلندی کا اندازہ نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے ان کو ارفع واعلیٰ انسان بنایا ہے وہی ان کے مراتب کو جانتا ہے یہی حال ان کی حیات برزخیہ کا ہے۔ وہ بیک وقت عالم بالا میں مشاہدۂ حق جل تعالیٰ سے بھی متمتع ہوتے ہیں اور عالم سفلی زمینی مخلوق سے بھی ان کا ارتباط ہوتا ہے، پھر ان انبیاء علیہم السلام والسلام میں سید الانبیاء وخاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندی درجات اور شان رفعت کا کیا ٹھکانا ہوسکتا ہے، وہ اللہ ہی جانتا ہے، عام انسان اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ عام انسان اس ذات ستودہ صفات کے نہ کمالات کا احاطہ کرسکتا ہے، نہ اس کے مقامات عالیہ کا ادراک کرسکتا ہے، نہ کسی کو اس کی پوری محامد اور تعریف کی قدرت ہے تو ایسی ذات باصفات کی حیاتِ برزخیہ کا پورا اندازہ کون کرسکتا ہے، اسی واسطے حضرت مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا ہے:

بہ بیتے ہم قناعت می تواں کرد مناجاتے اگر بامید بیان کرد
خدایا از تو حب مصطفیٰ را خدارا از تومی خواہم محمد

مگر نفس انسانی کی حیات بعد الممات اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ بعد از وفات کے عقیدہ کا ثبوت نصوص وروایات سے ملنے کے ساتھ ساتھ درایت سے بھی ثابت ہے کیونکہ ہر ذی عقل وذی فہم اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ جس شخص نے بھی آپ کی زندگی میں کلمہ پڑھایا بعد میں پڑھا اور قیامت تک کلمہ پڑھے گا ان میں ہر شخص آپ کی زندگی میں آپ کو جس طرح رسول سمجھتا ہے آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کے رسول ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے اور رسول جسم وروح دونوں چیزوں کا نام ہے، جیسے دنیا میں وہ جسم مع الروح رسول تھے، وفات کے بعد بھی عالم برزخ میں جسم مع الروح رسول ہیں، رسول یا رسول کا کوئی حصہ فنا نہیں ہوسکتا اور یہی حال تمام انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ سب رسول اپنے اجسام عنصریہ اور ارواح کے ساتھ قبر میں زندہ ہیں، سب پر ایمان لانا تمام مسلمانوں پر لازم اور ضروری ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے رسولوں میں فرق یہ ہے کہ دوسرے انبیاء اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شرائع ہمارے رسول کے بعد منسوخ ہوگئی ہیں لیکن رسول اور انبیاء حضرات اپنے منصب رسالت ونبوت پر پھر بھی فائز ہیں، اس لئے قیامت تک آنے والے انسانوں پر تمام انبیاء علیہم اسلام پر ایمان لانا ضروری ہے وہ اپنی دنیوی زندگی میں رسول اور نبی تھے، دنیا

سے جانے کے بعد بھی عالم برزخ میں رسول و نبی ہیں، ان پر ایمان لانا ضروری ہے جس سے حیاۃ الانبیاء کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔

حیات النبی ﷺ کتاب اللہ اور سنت رسول کی روشنی میں

واضح رہے کہ بعد از وفات عالم برزخ میں حیات النبی ﷺ و دیگر انبیاء علیہم السلام کی حیات کا ثبوت ادلہ اربعہ سے ملتا ہے یہاں پر بطور نمونہ چند نصوص قرآنی اور احادیث رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پیش خدمت ہیں:

۱: اللہ تعالیٰ کا قول:

وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَا اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ○ (زخرف)

آیت مذکورہ کی تفسیر میں مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ اس آیت سے حیات انبیاء علیہم السلام ثابت ہوتی ہے، چنانچہ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یستدل بھذہ الاٰیۃ علی حیاۃ الانبیاء الخ.

(مشکلات القرآن، ص ۲۳۴، وہکذا فی الدر المنثور ج ۶ ص ۱۶، روح المعانی ص ۸ ج ۲۵، جمل ص ۸۸ ج ۴)

۲: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ..... الخ. (الم سجدہ)

اس آیت کی تفسیر میں شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ کہ معراج کی رات ان سے ملے تھے اور بھی کئی بار (موضح القرآن) اس وقت حیات تھے آپ کی ملاقات جسد عنصریہ سے ہوئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے تھے، آپ سے ملاقات جو ہوئی وہ بھی جسد عنصری کے ساتھ ہوئی، اس لئے من لقائہ فرمایا من لقاء روحہ نہیں فرمایا تو ملاقات تو صراحت النص سے ثابت ہے اور حیاۃ انبیاء اقتضاء النص سے ثابت ہے، اصول میں دونوں کو حجت مانا گیا ہے۔

۳: شہداء کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قَالَ تَعَالٰى: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّاتَشْعُرُوْنَ○ (بقرہ)

۴: دوسری جگہ فرماتے ہیں:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ○

فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ. (آل عمران)

یہ دونوں آیات حیاتِ شہداء کے بارے میں نازل ہوئیں۔ شہداء کے بارے میں جو لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ مردار ہو گئے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے سختی کے ساتھ ان کی تردید فرمائی۔

کہ جو لوگ اللہ کے راستہ میں شہید ہو گئے ہیں تم لوگ انہیں نہ مردہ سمجھو نہ مردہ کہو کیونکہ یہ لوگ زندہ ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ان آیات کے بارے میں لکھتے ہیں:

۵: واذا ثبت انهم احياء من حيث النقل فانه يقويه من حيث النظر كون الشهداء بنص القراٰن، والانبياء افضل من الشهداء. (ص ۳۷۹، ج ۶)

یعنی جب شہداء کے بارے میں از روئے نص اور نقل حیات ثابت ہے کہ وہ زندہ ہیں تو انبیاء علیہم السلام تو شہداء سے افضل ہیں ان کے درجات اعلیٰ وارفع ہیں تو صراحۃ النص سے حیاۃ شہداء ثابت ہوئی، اور دلالۃ النص سے حیات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ثابت ہوئی ہے کہ وہ بھی زندہ ہیں، کیونکہ شہیدوں کی شہادت انبیاء علیہم اسلام کی وجہ سے ہے اور ان کا درجہ انبیاء علیہم السلام سے دو درجہ بعد کا ہے، ان کی حیات جب صراحت قرآن سے ثابت ہے تو انبیاء کی حیات دلالت اور اقتضاء النص سے ثابت ہے۔

۶: حق تعالیٰ قرآن حکیم کے اندر فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا.

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے اپنے نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والوں! تم بھی ان پر (ان کی دنیوی زندگی میں اور برزخ کی زندگی میں ہر حال میں ان پر) درود بھیجا کرو، اور سلام بھیجا کرو۔

اللہ تعالیٰ بذات خود حی وقیوم ہے اور اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج رہا ہے، اپنے نبی کی طرف رحمتوں کے ساتھ متوجہ ہے۔ کیا حبیب اور نبی کے لئے یہ شان مناسب ہے کہ وہ بے جان مردہ پڑا رہے اور اپنے آقا سے لاتعلق اور بے حس پڑا رہے؟ ہرگز نہیں ہوسکتا بلکہ آپ کی اخروی اور برزخی حیات تو عالم علوی کے لحاظ سے دنیوی حیات سے بھی اقویٰ ترین حیات ہے، آپ کا مشاہدۂ باری اور آپ کا ربط و تعلق حق تعالیٰ سے عالم برزخ میں تو عالم دنیا سے کہیں زیادہ ہے۔

نیز خالق کائنات تو از روئے اکرام اپنے نبی پر درود بھیجے اور جس حبیب و نبی پر درود بھیجے اور فرشتے کے ذریعہ اکرام کرتے ہوئے درود و سلام بھیجے اور وہ تمام انسانوں سے اکرام کا حکم دے کہ اپنے نبی و حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام درود و سلام کے ساتھ کریں۔ ہمیشہ کریں، عالم دنیا میں کریں اور عالم برزخ میں جانے کے بعد بھی کریں۔ درود و سلام بھیجا کریں، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس کا اکرام کیا جا رہا ہے اس کو پتہ نہ ہو، وہ اس سے بے خبر ہو؟ اسی واسطے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دنیوی حیات میں ہوتے ہوئے ان سب سوالوں کے جوابات دے دیئے تھے اور فرمادیا تھا کہ قریب سے درود پڑھنے والوں کے درود و سلام کو آپ بلا واسطہ سنتے اور جواب دیتے ہیں، دور سے درود و سلام بھیجنے والوں کے درود و سلام کو بذریعہ فرشتے آپ کو پہنچایا جاتا ہے، تو آیت صلوٰۃ و سلام سے بھی حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت دلالۃ النص اور اقتضاء النص سے ملتا ہے۔

حیاۃ النبی ﷺ بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات کا ثبوت احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں

- حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔

(شفاء الاسقام، ص ۱۳۴)

- انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ نماز پڑھتے ہیں۔

(فتح الباری، ص ۳۵۲، ج ۶، فتح الملھم، ۳۲۶، ج ۱)

- مجمع الزوائد میں ہے: رجاله الثقات۔ (ص ۱۸۸، ج ۸)
- ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: وصح خبر الانبیاء احیاء فی قبورھم . (مرقاۃ ص ۲۱۲، ج ۲)
- فیض القدیر میں ہے: وھذا حدیث صحیح. (ص ۱۸۴، ج ۳)
- مدارج النبوۃ میں ہے:
- ورجال حدیث انس فی مسند ابی یعلی ثقات۔ (ص ۴۴۷، ج ۲)
- علامہ شوکانی نے لکھا ہے:

وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احیاء فی قبورھم رواہ المنذری و صَحَّحَهُ البیھقی. (ص ۲۱۴، ج ۳)

۲: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ. (ابو داود، ص ۲۷۹ کذا فی مسند احمد، ص ۵۲۷، ج ۲)

ترجمہ: کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام پڑھتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

یعنی ہر صلوٰۃ وسلام پڑھنے والا جو میری قبر شریف میں آکر صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے اس کا جواب دینے کے لئے اللہ تعالیٰ آپ کی روح کا ملاءِ اعلیٰ سے جسد اطہر کے ساتھ اس طرح اتصال کر دیتے ہیں کہ سب کے صلوٰۃ وسلام کا جواب دیا جاسکے۔ ظاہر ہے دن ورات لاکھوں فرشتے، انسان، جنّ آپ کی قبر شریف میں صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کے جوابات دیتے ہیں۔ یہ اتصال الروح مع الجسد کے بدون ممکن نہیں۔

- حدیث ابی ہریرۃؓ کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا یہ روایت صحیح ہے: رُوَاتُهٗ ثِقَاتٌ. (فتح الباری ص ۴۷۹، ج ۶)
- حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: صححه النوویؒ فی الاذکار. (تفسیر ابن کثیر ص ۵۱۴، ج ۳)
- حافظ ابن تیمیہؒ نے لکھا: هو حديث جيد. (فتاویٰ ابن تیمیہ، ص ۳۰۶، ج ۴)
- محدث العصر علامہ محمد انور کشمیریؒ فرماتے ہیں: رُوَاتُهٗ ثِقَاتٌ: (عقیدۃ الاسلام، ص ۵۲)
- علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: رواه ثقات، (فتح الملہم ص ۳۳، ج ۱)
- تو حدیث صحیح سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں جسد اطہر کے ساتھ زندہ ہیں اور ہر صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے کے صلوٰۃ وسلام کا جواب دیتے ہیں، البتہ جو دور سے صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں فرشتے کے ذریعے ان کے صلوٰۃ وسلام کو آپ تک پہنچا دیا جاتا ہے اور آپ جواب دیتے ہیں جیسا کہ آگے احادیث میں تفصیل آرہی ہے۔

۳: حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

وَاِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ، وَفِيْهِ قُبِضَ رُوْحُهٗ فيه النَّفْخَةُ، وَفِيْهِ الصَّعِقَةُ، فَاَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ، قَالَ: قَالُوْا: كَيْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتَ؟ يَقُوْلُوْنَ: بَلِيْتَ، فَقَالَ: اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ.

(ابوداود، ص ۱۴۱، ج ۱ کذا فی النسائی، ص ۱۵۴، ج ۱، مستدرک حاکم، ص ۵۶۰، ج ۴)

ترجمہ: بے شک تمہارے افضل ترین ایام میں سے یوم جمعہ ہے، اس میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کیا گیا، اسی روز ان کی وفات ہوئی، اسی روز نفحہ اولیٰ ہوگا اور اسی روز میں نفحہ ثانیہ ہوگا۔ اسی جمعہ کے روز تم لوگ کثرت کے ساتھ مجھ پر درود بھیجا کرو کیونکہ تمہارا درود و سلام مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ راوی کہتے ہیں صحابۂ کرام نے سوال کیا: یارسول اللہ! بعد وفات دیگر اموات کی طرح آپ بھی تو ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا؟ پس آپ نے فرمایا اللہ نے زمین پر حضرت انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو حرام کر دیئے ہیں، زمین ان کو کھا نہیں سکتی، فنا نہیں کر سکتی۔

دیکھئے! حدیث میں صرف حیاۃ النبی الامّی کا ذکر نہیں بلکہ آپ نے تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات اور زندہ ہونے کا ذکر فرما دیا۔ اور ساتھ ساتھ اس سوال کا جواب بھی دے دیا کہ عالمِ دنیا کے مشاہدے میں جو چیز آتی ہے کہ میت قبر میں مرورِ زمانے کی وجہ سے ریزہ ریزہ اور بوسیدہ ہو جاتی ہے کسی سوال و جواب کے قابل نہیں رہتی، تو صلوٰۃ وسلام کے جواب آپ کیسے دیں گے؟ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء علیہ السلام کے بارے میں اصول اور ضابطہ بتا دیا کہ مٹی انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارک کو کھا نہیں سکتی، لہٰذا جب تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا یہی حال ہے کہ سب کے سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنے اجساد عنصریہ کے ساتھ حیات ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء ہیں آپ کی حیات بطریق اولیٰ ثابت ہوگی لہٰذا درود وسلام کے جواب دینے میں کچھ اشکال باقی نہ رہا، یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ اس کے بارے میں:

- حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا صححه ابن خزيمة و غيره ، (فتح الباری ص ۲۷۹، پارہ ۲۰، ج ۶)
- حافظ بدرالدین عینیؒ نے فرمایا: ''صَحَّ عنه صلى الله عليه وسلم ان الارض لا تأكل اجساد الانبياء.'' (عمدة القاری، ص ۶۹، ج ۶)
- شیخ محدث عبدالحق دہلویؒ فرماتے ہیں۔ حديث صحيح، مدارج النبوۃ، ص ۹۲، ج ۲
- علامہ ذہبیؒ نے فرمایا فهو على شرط الصحيحين'' مستدرک، حاکم، ص ۵۶۰
- محدث العصر علامہ محمد کشمیریؒ نے فرمایا:

''فانه صح عنه صلى الله عليه وسلم انه قال ان الله عزوجل حرم على الارض اجساد الانبياء'' (خزائن الاسرار، ص ۱۹)

جب صحیح حدیث سے ثابت ہو گیا ہے کہ اجسام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام زمین پر حرام کر دیئے گئے

ہیں انہیں مٹی نہیں کھا سکتی تو، اس کے باوجود منکرین حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا کہ قبر شریف میں نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیگر مردوں کی طرح مردہ ہیں، درود و سلام کو نہ سنتے ہیں نہ جواب دیتے ہیں۔ بڑی جرأت کی بات ہے، ہمارے نزدیک یہ باتیں ایمان اور ایمانی تقاضے کے خلاف ہیں۔

۴: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ. (ابن ماجه، ص ۱۱۹)

پس اللہ کے نبی زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

- علامہ مناویؒ فرماتے ہیں: وَرِجَالُهٗ بِرِجَالٍ ثِقَاتٍ. (فیض القدیر، ص ۸۷، ج ۲)
- علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں: رَوَاهُ ابْنُ مَاجَة بِرِجَالٍ. (زرقانی شرح مواہب، ص ۲۳۶، ج ۵)
- حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: قُلْتُ رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ (تہذیب التہذیب، ص ۳۹۸، ج ۳)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں، آپ روایت فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی زندہ ہیں اور ان کو اللہ کی طرف سے رزق دیا جاتا ہے، دونوں لفظ قابل غور ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد وفات عام مردوں کی طرح نہیں ہیں بلکہ جس طرح شہداء کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ کے راستے میں شہید ہو گئے ہیں، ان کو تم لوگ مردہ نہ کہو نہ مردہ سمجھو کیونکہ یہ لوگ زندہ ہیں، ان کو جنت میں رزق دیا جاتا ہے، اس طرح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی زندہ ہوتے ہیں، ان سب کو رزق ملتا ہے، یہ بات آپ نے اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ یہ سماعی چیزیں ہوتی ہیں۔ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر فرمایا ہے، حدیث صحیح ہے معنی و مفہوم بالکل واضح ہے جس میں کسی قسم کی تاویل کی نہ ضرورت ہے، نہ اس کی گنجائش ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث ہے: یوم جمعہ کو کثرت درود کی فضیلت ہے۔ (۱) جس میں جمعہ کی فضیلت (۲) نبی علیہ السلام کے مقام محبوبیت (۳) بعد وفات آپ کی حیات کا ذکر موجود ہے نیز (۴) یہ کہ دنیوی حیات اور برزخی حیات برابر نہیں بلکہ برزخی حیات دنیا کی حیات سے قوی تر ہے۔

۴: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً فی الارض سیّاحین یبلغوننی من امتی السلام."

رواہ النسائی شریف: (۱/۱۸۹) واحمد برقم (۳۶۶۶) وابن ابی شیبۃ (۲/۵۱۷) وقال احمد محمد شاکر فی تعلیقہ علی مسند احمد: اسنادہ صحیح۔

ترجمہ: نبی علیہ السلام نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسے فرشتے مقرر ہیں

جو زمین میں گھومتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

❁ علامہ محدث ہیثمیؒ نے فرماتے ہیں: رواه البزار و رجاله رجال الصحيح

(مجمع الزوائد، ص ۲۴، ج ۲)

❁ امام سخاوی فرماتے ہیں: رواه احمد و النسائی والدارمی و ابن حبان والحاكم فی صحيحهما وقال صحيح الا سناد. (القول البدیع ص ۱۱۵)

❁ فتاوی عزیزی میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ فرماتے ہیں: وبتواتر رسيده اين معنی۔

(ص ۶۹، ج ۲)

معنی کے لحاظ سے یہ حدیث حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قدماء صحابہ میں سے ہیں، فقیہ و محدث ہیں، اور ان صحابہ میں سے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں فتویٰ دینے کے مجاز تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فتویٰ اور مسائل پوچھنے کو فرمایا تھا، آپ معتمد ترین صحابہ میں سے ہیں، آپ کی روایت میں ہے کہ روئے زمین میں کچھ فرشتے گشت کرتے ہیں جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے والوں کے درود وسلام کو آپ تک پہنچاتے ہیں۔

حدیث میں صاف لفظوں میں کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک درود وسلام پہنچاتے ہیں، یہ نہیں ہے کہ روح کو پہنچاتے ہیں، جس سے ظاہر ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مع جسد عنصری قبر شریف میں حیات اور زندہ ہیں۔ بالفرض آپ نعوذ باللہ! مردہ اور آپ کا جسم مبارک ریزہ ریزہ ہو جاتا تو درود وسلام کیسے پہنچایا جاتا۔ اس قسم کی بات کرنے والوں کو ذرا عقل سے بھی کام لینا چاہئے جبکہ نقل اور حدیث میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ آپ تک سلام پہنچایا جاتا ہے اور آپ اس کا جواب دیتے ہیں۔

دیکھئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ درود بیان فرماتے ہیں۔

۶: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دوسری حدیث میں فرماتے ہیں:

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ :مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ، وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مِنْ بَعِيْدٍ اُعْلِمْتُهٗ. (جلاء الافهام، ص ۱۹، ابن القيم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے بھی میری قبر پر درود پڑھا تو میں اسے خود سنتا ہوں، اور جس نے بھی مجھ پر دور سے درود وسلام پڑھا تو بواسطہ فرشتہ مجھے بتلا دیا جاتا ہے۔

حدیث مذکور کے بارے میں:

❁ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: بسند جید، (فتح الباری، ص ۳۵۲، ج ۶۔)

- امام سخاویؒ فرماتے ہیں: وسند جید، (القول البدیع، ص ۱۱۶.)
- شارح مشکوٰۃ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: بسند جید، (مرقات، ص ۱۰، ج ۲.)
- علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: وسنده جید، (فتح الملهم، ص ۲۳۰، ج ۱.)

حضرت ابوہریرہؓ مکثرین فی الحدیث میں سے ہیں، سب سے زیادہ احادیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہی کے ذریعہ مروی ہیں۔ شب وروز سفر وحضر میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے والے اور آپ کے انفاس قدسیہ کلمات طیبہ کو یاد کرنے والے اور لکھنے والے تھے، روایت مذکورہ بھی انہیں کی مرویات میں سے ہے اور روایت صحیح ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ قریب سے درود وسلام پڑھنے والے کے درود وسلام کو آپ بنفس نفیس سنتے اور جواب دیتے ہیں اور دور سے درود وسلام پڑھنے والوں کے درود وسلام کو آپ تک بذریعہ فرشتے پہنچایا جاتا ہے، اس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ قبر شریف میں آپ زندہ ہیں کیونکہ زندگی کے بغیر سننا اور جواب دینا محال ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ قبر شریف کے اندر زندہ ہیں، روح مبارک کا تعلق جسد اطہر سے بدستور قائم ہے۔ اس سے قبل مذکور دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ اجساد انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مٹی پر حرام ہیں، تو آپ اور تمام انبیاء علیہم السلام اپنے اجساد عنصریہ کے ساتھ زندہ ہیں، درود وسلام کا جواب دیتے ہیں، ان کو مردہ سمجھنا نصوص و روایات کے خلاف عقیدہ ہے۔

۷: واقعۂ معراج کو نقل کرنے والے بہت سے صحابۂ کرام فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہاں پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام خاص کر حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی، ظاہر ہے کہ یہ ملاقات آپ کی جسمانی تھی یہ حضرات سب عالم برزخ میں تھے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم دنیا میں۔

۸: نیز ایک حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے روضہ شریف سے آپ کا گزر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، جس کی بناء پر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا: یہ حدیثیں دلیل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام قبر شریف میں زندہ ہیں، (عقیدۃ الاسلام، ص ۲۵۔)

۹: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک تیسری حدیث روایت کرتے ہیں:

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا، وَّلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا، وَصَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلٰوتَكُمْ تُبَلِّغُنِيْ حَيْثُ كُنْتُمْ. (نسائی)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے ہوئے میں نے سنا کہ تم لوگ اپنے گھروں کو قبر کی طرح خاموش گھر نہ بناؤ بلکہ اس میں نماز، تلاوت وغیرہ کیا کرو اور یہ کہ میری قبر کو میلہ مت بناؤ اور یہ کہ تم لوگ مغرب یا مشرق میں جہاں بھی ہو، مجھ پر درود بھیجا کرو کیونکہ ہر شخص کا درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔

۱۰: حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں نزول فرمائیں گے، حج وعمرہ کے بعد روضۂ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زیارت کے لئے جائیں گے اور آپ درود وسلام پڑھیں گے۔ اور نبی علیہ السلام درود وسلام کا جواب بھی دیں گے۔ (عقیدۃ الاسلام، ص ۲۲.)

نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں احادیث کو نقل کرتے ہوئے حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ضرور آسمان سے اتریں گے، وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے، وہ اس وقت سب کے پیشوا ہوں گے اور دور دراز سفر کر کے جب حج وعمرہ سے فارغ ہوں گے تو روضۂ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضری دیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے صلوٰۃ وسلام کے جواب دیں گے۔ (بحوالۂ مذکور)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں، تب ہی تو حضرت عیسیٰ بن مریم کے درود وسلام کے جواب دیں گے۔

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عقیدۂ حیات النبی ﷺ

۱۱: حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرہ میں مدفون ہیں، آپ کی وفات میرے حجرہ میں ہوئی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آخری وقت میں وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے سامنے حجرہ کے پاس رکھ دینا اگر حجرہ شریف کا دروازہ کھل جائے اور روضۂ شریف کے اندر سے آواز آئے کہ ابوبکر کو اندر لے آؤ، تب تو حجرہ شریف میں دفن کر دینا ورنہ عام مؤمنین کے قبرستان میں دفن کر دینا۔

چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد وصیت کے مطابق عمل کیا گیا، جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جنازہ حجرہ شریف کے سامنے رکھ دیا گیا تو قبر شریف کے اندر سے آواز آئی: ادخلوا الحبیب

الی الحبیب. (محبوب کو اپنے محبوب کے پاس لاکر دفنادو) (تفسیر کبیر ص ۴۸۵، ج ۵)

اس سے واضح ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں، اگر وہ حجرہ شریف کے اندر سے آواز دیں تو ان کو اس میں دفنایا جائے ورنہ نہیں۔ اگر وہ یہ سمجھتے کہ نعوذ باللہ! آپ مردہ لاش ہو گئے، اور ریزہ ریزہ ہو گئے ہیں تو کیونکر اس طرح وصیت فرماتے۔

نیز صحابۂ کرام نے اس وصیت پر عمل فرمایا، معلوم ہوا کہ اس وقت موجود تمام صحابہ کرام کا عقیدہ بھی یہی تھا، ورنہ یہ کہہ دیا جاتا ابوبکر کی وصیت خلاف شرع ہے نعوذ باللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مردہ لاش ہو گئے ہیں، لہٰذا ابوبکر کے لئے دوسری تدبیر کی جاتی۔ لیکن صحابہ کرام میں سے کسی نے اس وصیت پر اعتراض نہیں کیا۔

خلیفۂ ثانی حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا عقیدۂ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

وہ جب بھی مدینہ کے باہر سفر سے واپس ہوتے، روضۂ اطہر کے پاس حاضر ہو کر درود و سلام پڑھتے اور دوسرے صحابۂ کرام کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔ (جذب القلوب، ص ۲۰۰)

❖ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کھڑا تھا کسی شخص نے کنکری ماری، کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میرے پیچھے کھڑے ہیں، آپ نے مجھے فرمایا کہ ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لے آؤ۔ میں جا کر ان کو آپ کے پاس لے آیا آپ نے ان سے فرمایا تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہم طائف سے آئے ہیں، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم لوگ اہل مدینہ میں سے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا اس لئے کہ تم مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آئے ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آواز بلند کر رہے ہو۔

(بخاری شریف ص ۲۷، ج ۱)

❖ اس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگ باہر کے مسافر ہو ورنہ تمہیں سزا دی جاتی کیونکہ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس ان کی مسجد میں آواز بلند کرتے ہو جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت کا سبب ہے۔ اس جرم کے بدلہ میں تم سزا کے مستحق ہو مگر چونکہ تم لوگ مسافر ہو باہر سے

آئے ہو اور انجانے میں ایسا ہو گیا ہو گا اس لئے معاف کیا جاتا ہے، آئندہ ایسا مت کرنا۔

اس سے اندازہ ہوا کہ مسجد نبوی میں آواز بلند کرنے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اذیت کا سبب سمجھتے تھے، اور وہ اس وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حیات اور زندہ سمجھتے تھے، مردہ لاش نہیں سمجھتے تھے۔

خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عقیدۂ حیات النبی ﷺ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جب باغیوں نے محاصرہ کر لیا تھا تو بعض صحابۂ کرام نے آپ کو مشورہ دیا کہ بہتر ہے آپ شام تشریف لے جائیں وہاں کی افواج زیادہ مضبوط ہیں، آپ کی پوری حفاظت کریں گی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں اس کو جائز نہیں سمجھتا کہ دار الہجرہ کو ترک کر دوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی کو چھوڑ دوں۔ (جذب القلوب، ص ۲۰۰)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کو زندہ سمجھتے تھے اور آپ کی ہمسائیگی سے جدا ہونا نہیں چاہتے تھے آپ سے جدا ہونے کو ناجائز اور عار سمجھتے تھے، اگر نعوذ باللہ! آپ کا مردہ لاش ہونے کا عقیدہ ہوتا تو ہمسائیگی کا تصور کیسے ہوتا۔

خلیفۂ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدۂ حیاۃ النبی ﷺ

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

مَنْ زَارَ قَبْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ جِوَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.

ترجمہ: جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت کریگا وہ اس وقت نبی علیہ السلام کا ہمسایہ اور جوار میں ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے کہ ایک دیہاتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے جو پروردگار سے سنا، ہم نے آپ سے سنا اور جو کچھ آپ نے اللہ کی جانب سے یاد کیا ہم نے آپ سے یاد کیا، آپ پر جو آیات نازل ہوئیں ان میں یہ آیت شریفہ بھی ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا. (سورۂ نساء)

ترجمہ: جب ان لوگوں نے اپنے آپ پر (نافرمانیوں کے ساتھ) ظلم کیا تو اگر یہ لوگ آپ کے پاس آتے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے اور آپ بھی ان کے لئے بخشش مانگتے تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔

اس پر روضۂ اطہر کے اندر سے آواز آئی، کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بخش دیا ہے۔ (جذب القلوب، ص۱۹۶)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین اور دوسرے عام صحابۂ کرام بھی حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل تھے، چنانچہ مذکورہ آخری روایت میں ایک دیہاتی صحابی رضی اللہ عنہ نے حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدے سے آپ کو خطاب کیا اور آپ کے ذریعہ گناہ بخشش کرانے کی کوشش کی، اندر سے آواز آئی کہ اللہ نے آپ کو بخش دیا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی الہ عنہ کے جنازہ کو حجرہ شریف میں دفن کرنے کیلئے اندر سے آواز آئی کہ آپ نے فرمایا کہ ابوبکر میرا حبیب ہے اس کو اپنے حبیب یعنی میرے پاس ہی دفن کرو۔

اس کے علاوہ یہ بھی ملحوظ رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد آپ پر باقاعدہ نماز جنازہ (جیسے عام مسلمانوں کے لئے پڑھنے کا حکم ہے) نہیں پڑھی گئی بلکہ صحابۂ کرام کی ایک ایک جماعت اندر جاتی صلوٰۃ وسلام اور دعائے رحمت کر کے واپس آجاتی کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سمجھتے تھے کہ بعد الدفن آپ زندہ ہیں، آپ مردہ نہیں ہیں تو زندہ کی نماز جنازہ کیسے پڑھی جائے اور کون پڑھتا۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ حیات النبی ﷺ

اخرج احمد برقم (۲۵۵۳۶) والحاکم فی المستدرک (۶/۳) وصححه علی شرطهما و وافقه الذهبی. وقال الهیثمی فی المجمع (۸/۵۷) رجال احمد رجال الصحیح.

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كُنْتُ اَدْخُلُ بَيْتِيَ الَّذِيْ دفن فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنِّيْ اَضَعُ ثَوْبِيْ، وَ اَقُوْلُ اِنَّمَا هُوَ زَوْجِيْ وَاَبِيْ، فَلَمَّا دُفن عُمَر معَهُم فَوَاللّٰه مَادَخَلْتُ اِلَّا اَنَا مَشْدُوْدَةٌ عَلَىّ ثِيَابِيْ حَيَاءً مِنْ عُمَرَ.

(رواه احمد كذا فی المشکوة،)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے حجرہ میں جہاں رسول اللہ ﷺ مدفون ہیں، کھلی چادروں میں داخل ہو جایا کرتی تھی، مجھے یہ خیال ہوتا تھا کہ اس حجرہ میں تو ایک

میرے شوہر اور دوسرے میرے باپ ہیں، پردہ کا اہتمام نہیں کرتی تھی، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس میں دفن کیا گیا، قسم بخدا! اس کے بعد سے میں کپڑے کو اچھی طرح کس کر باندھ کر پردہ کر کے اندر جاتی ہوں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیا آتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انتقال کے بعد پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد جب حجرہ میں جاتیں تو ان کو زندہ سمجھتے ہوئے بھی ان سے حیا نہیں کرتی تھی کیونکہ ایک تو آپ کے زوج اور شوہر ہیں اور دوسرے آپ کے والد ہیں، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دفنانے کے بعد آپ پردہ کے اہتمام کئے بغیر حجرہ میں نہیں جاتیں تھیں، پردہ میں کپڑے باندھ کر اندر جاتی تھی کیونکہ وہ سمجھتی تھیں کہ عمر بھی زندہ ہیں۔ اگر بدون پردے کے جائیں تو یہ بے حیائی کی بات ہے کہ عائشہؓ دنیوی زندگی میں تو حیا اور پردہ کرتی تھی، اور انتقال کے بعد حیا کرنا اور پردہ کرنا چھوڑ دی ہے۔

دیکھئے اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو صرف حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مان رہیں بلکہ حیات ابوبکرؓ اور حیات عمرؓ کو بھی مان رہی ہیں جس کی وجہ سے ان سے پردہ کرتی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مکثرین فی الحدیث صحابہ میں سے ہیں اور فقہائے صحابہ میں سے بھی، وہ سفر سے جب بھی واپس ہوتے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جا کر نماز پڑھتے پھر روضۂ اطہر کے پاس آکر درود و سلام پڑھتے اور ان کے الفاظ یہ ہوتے تھے: السلام علیک یا رسول اللہ، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھتے السلام علیک یا ابا بکر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کی قبر پر آتے اور سلام کرتے السلام علیک یا اباہ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ص ۱۳۸، ج ۴، موطا امام محمد، ص ۳۹۲)

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو سو دفعہ سے زیادہ مرتبہ دیکھا ہے کہ جب سفر سے واپس ہوتے تو نماز پڑھ کر پھر روضۂ اطہر میں سلام کیلئے کھڑے ہو جاتے اور السلام علیک یا رسول اللہ کہ کر سلام پڑھتے۔ (مقام حیات، ص ۱۹۳)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اَجلّہ صحابہ میں سے ہیں، ان سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قحط پڑا تو میں نے روضۂ اطہر کے سامنے حاضر ہو کر یوں عرض کی:

یا رسول اللہ! استسق لأمتک فانھم قد ھلکوا! (فتح الباری)

ترجمہ: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لئے بارش کی درخواست فرمائیں، آپ کی امت قحط سے ہلاک ہو رہی ہے۔

یہ کہہ کر بلال رضی اللہ عنہ چلے گئے مگر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث کو خواب کے ذریعہ بتادیا کہ اے بلال! عمر سے میرا اسلام کہہ دو اور یہ بھی کہہ دو کہ ان شاء اللہ بارش ہو جائے گی، پھر جلد ہی بارش شروع ہوگئی۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ رکھتے تھے۔

ان سب روایات سے خلفائے راشدین اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عقیدۂ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہوا۔ اس سے قبل آیات قرآنی اور متعدد صحیح حدیثوں سے حیات النبی پر استدلال کیا گیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ سنت اور آثار صحابہ کی رو سے بھی متفقہ ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، صحابۂ کرام اور تابعین عظام کا مسلک بھی یہی ہے، اختلاف کرنے والے سنت رسول اور عقیدہ متواترہ کے خلاف کرتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، ان میں سے صرف ایک جماعت جنت میں جائے گی، باقی سب جہنم میں، صحابۂ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! جنت میں جانے والی کونسی جماعت ہوگی؟ آپ نے فرمایا:

"جس دین اور راہ پر میں ہوں اور میرے اصحاب کرام ہوں ہیں جو اس پر گے وہ جماعت جنت میں جائے گی۔ باقی سب جہنم میں۔"

اب مسئلہ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں رسول اللہ کی سنت وحدیث کو آپ نے پڑھ لیا ہے اور خلفائے راشدین اور دوسرے صحابۂ کرام کا نظریہ وعقیدہ بھی دیکھ لیا ہے کہ سب کے سب حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدے والے تھے، کوئی ایک بھی ان میں سے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منحرف نہ تھا۔

فقہائے کرام کا عقیدۂ حیات النبی ﷺ

امام ابوحنیفہؒ تابعی ہیں، آپ نے کم از کم چار صحابہ کرام اور زیادہ سے زیادہ دس صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دیکھا ہے، آپ فقہاء اربعہ میں سے افقہ الناس فی الارض اور امام اعظم کے لقب کے ساتھ دنیا کے لوگوں میں مشہور ہیں:

ان کے مسلک کے ترجمان امام طحاویؒ فرماتے ہیں:

يَنبَغِي لِمَنْ قَصَدَ زِيَارَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُكْثِرَ الصَّلٰوةَ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ يَسْمَعُهَا وَتُبْلَغُ اِلَيْهِ. (طحاوی شریف ص ۴۰۵)

ترجمہ: جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا قصد وارادہ کرے اسے چاہیے کہ کثرت سے درود شریف پیش کرے کیونکہ آپ خود درود شریف کو سنتے ہیں جب زیارت کرنے والے درود وسلام پڑھتے ہیں، اور دور سے پڑھتے ہیں تو آپ تک درود شریف کو پہنچایا جاتا ہے۔

فقہ حنفی کی ابتدائی کتاب نورالایضاح میں ہے:

وَلَمَّا هُوَ مُقَرَّرٌ عِنْدَ الْمُحَقِّقِيْنَ اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ يُرْزَقُ مُتَمَتِّعٌ بِجَمِيْعِ الْمَلَاذِ وَالْعِبَادَاتِ غَيْرَ اَنَّهُ حُجِبَ عَنْ اَبْصَارِ الْقَاصِرِيْنَ عَنْ شَرَائِفِ الْمَقَامَاتِ. (ص ۱۷۷)

ترجمہ: محققین حنفیہ کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں، آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور عبادات سے آپ لذت بھی اٹھاتے ہیں، ہاں اتنی بات ہے کہ وہ ان تمام لوگوں کی نگاہوں سے پردہ میں ہیں جو ان کے مقامات تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔

علامہ ابن عابدین الشامیؒ فرماتے ہیں:

اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ كَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيْثِ. (رسائل ابن عابدین، ص ۲۰۳)

حضرت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

مذکورہ بالا نقول سے واضح ہوا کہ فقہ حنفی کے محققین کے نزدیک حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حیات الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ثابت ہے۔

فقہاء شوافع کے نزدیک حیات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا عقیدہ:

طبقات الشافعیہ میں ہے:

وَ عِنْدَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ يُحِسُّ وَيَعْلَمُ وَ يُعْرَضُ عَلَيْهِ اَعْمَالُ الْاُمَّةِ وَ يُبَلَّغُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْهِ. (ص ۴۸۲)

ہمارے فقہائے شافعیہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، آپ میں حس اور علم سب چیزیں موجود ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں، اور صلوٰۃ وسلام دور سے پڑھنے پر آپ کو پہنچایا جاتا ہے، جبکہ قریب سے پڑھنے والوں سے آپ خود سنتے ہیں۔ (مقام حیات، ص ۱۹۸)

فقہائے حنابلہ کے نزدیک حیات انبیاء کا عقیدہ

قَالَ ابْنُ عَقِيلٍ مِنَ الْحَنَابِلَةِ: هُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ فِي قَبْرِهِ يُصَلِّي الخ.

(الروضة، ص ۱۴، بحوالہ مقام حیات، ۱۹۹)

حضرت ابن عقیل حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں اور نماز بھی پڑھتے ہیں۔ ان مذکورہ بالا نقول و روایات سے واضح ہوا کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک حیات النبی بلکہ حیات الانبیاء علیہم السلام سے ثابت ہے۔

حیات النبی ﷺ کے بارے میں محدثین کرام کے اقوال

قارئین اب محدثین کرام کے کچھ اور حوالے بھی ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

اِنَّ حَيَاتَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقَبْرِ لَا يَعْقِبُهَا مَوْتٌ بَلْ يَسْتَمِرُّ حَيَاتُهُ لِاَنَّ الْاَنْبِيَاءَ اَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ. (فتح الباری ص ۲۴، ۴۷)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں زندگی ایسی ہے جس پر کبھی موت طاری نہ ہوگی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

(۲) حافظ علامہ بدر الدین عینیؒ فرماتے ہیں:

وَ اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فَاِنَّهُمْ لَا يَمُوْتُوْنَ فِي قُبُوْرِهِمْ بَلْ هُمْ اَحْيَاءٌ.

(عمدة القاری، ص ۲۰۰۰، ج ۷)

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، ان پر موت نہیں آئے گی، وہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ ہی رہیں گے۔

(۳) امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

اِنَّ جَلَّ ثَنَائُهُ رَدَّ اِلَى الْاَنْبِيَاءِ اَرْوَا حَهُمْ فَهُمْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ كَالشُّهَدَآءِ.

(حیاۃ الانبیاء، ص ۱۴)

ترجمہ: بے شک بڑی ہو اللہ کی تعریف، اس نے انبیاء علیہم السلام کو ان کی روحیں قبروں میں لوٹا دیں، لہٰذا وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں، جیسا کہ شہداء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

(۴) ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اَلْمُعْتَقَدُ الْمُعْتَمَدُ اَنَّهٗ ﷺ فِیْ قَبْرِهٖ حَیٌّ كَسَائِرِ الْاَنْبِيَاءِ فِیْ قُبُوْرِهِمْ وَهُمْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَالْاَرْوَاحُ لَهَا تَعَلُّقاً بِالْعَالَمِ الْعُلْوِیْ وَالسُّفْلِیْ كَمَا كَانُوْا فِیْ حَالِ الدُّنْيَوِیِّ فَهُمْ بِحَسَبِ الْقَلْبِ عَرْشِيُّوْنَ وَبِاعْتِبَارِ الْقَالِبِ فَرْشِيُّوْنَ.

(ص ۱۸، شرح شفاء)

ترجمہ: حیات الانبیاء کے بارے میں قابل اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اپنے رب سے بھی ان کا تعلق ہے، ان کی ارواح کو عالم علوی اور عالم سفلی دونوں سے تعلق اور ربط ہوتا ہے جیسے کہ وہ دنیا میں تھے، سو وہ قلب کے اعتبار سے تو عرشی یعنی عرش کے رہنے والے ہیں مگر قالب اور جسم کے لحاظ سے فرشی یعنی قبروں میں رہنے والے ہیں۔

(۵) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس مسئلہ حیات انبیاء کو اتفاقی اور اجماعی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

بدانکہ حیات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام متفق علیہ ست، میانِ علمائے ملت وہیچ کس را خلاف نیست، دراں کہ آں کامل تر وقوی تر از وجود شہداء و مقاتلین فی سبیل اللہ ست کہ آں معنوی اخروی ست عند اللہ و حیات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حیات حسی دنیاوی ست واحادیث وآثار دراں واقع شدہ۔

(ص ۲۴۷، مدارج النبوۃ)

ترجمہ: اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات اتفاقی مسئلہ ہے، اس میں علماء میں سے کسی شخص کو اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کی زندگی شہداء کرام اور اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں سے کامل تر اور قوی تر ہے کیونکہ ان کی حیات روحانی واخروی ہے اور انبیاء کی حیات حسی وجسمانی و دنیوی کی سی ہے نہ کہ صرف روحانی۔ یہ بات آثار واحادیث ثابت شدہ ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(۶) محدث مولانا احمد علی سہارنپوریؒ حاشیہ بخاری میں لکھتے ہیں:

وَالْاَحْسَنُ اَنْ يُّقَالَ اَنْ حَيَاتَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَعَقَّبُهَا مَوْتٌ بَلْ يَسْتَمِرُّ حَيًّا وَالْاَنْبِيَاءُ فِیْ قُبُوْرِهِمْ.

(حاشیہ بخاری، ص ۵۱۷، ج ۱)

ترجمہ: سب سے بہتر بات یہ ہے کہ بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ایسی

ہے کہ اس کے بعد موت طاری نہ ہوگی بلکہ آپ کو قبر کی حیات دائمی و مستمرہ حاصل ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے جیسا کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں پر زندہ ہیں۔

(۷) محدث احمد علی سہارنپوریؒ کے اجل شاگرد حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتے ہیں:

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے اجسام دنیاوی کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔

(قصائد قاسمیه، ص ۴)

ماہنامہ دار العلوم دیوبند شائع شدہ ۱۹۵۷ء میں لکھا ہے کہ ”حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت گزیں سے تعبیر کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات جسمانی کو عوام و خواص کا اجماعی عقیدہ قرار دیتے ہوئے ایک گراں قدر کتاب ”آب حیات“ تصنیف فرمائی ہے۔ مقام حسرت ہے کہ آج بعض اہل علم حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وجود پاک کے ساتھ زندہ تشریف فرما ہیں جس طرح دنیا میں تشریف فرما تھے“۔

(ماهنامه دار العلوم دیو بند، نومبر ۱۹۵۷ء)

(۸) فقیہ محدث مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتے ہیں:

”قبر کے پاس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سماع میں کسی کا اختلاف نہیں۔

(فتاویٰ رشیدیه، ص ۱۰۰، ج ۱)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں، وہ سنتے بھی ہیں اور فرماتے ہیں۔“ جن الفاظ میں شبہ ہو، وہم ہو کہ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی ہے وہ باعث ایذا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں“ اور آخر میں فرمایا ”بس ان کلمات کے کفر کہنے والے کو سختی سے منع کرنا چاہئے اگر قدرت ہو، اگر باز نہ آوے قتل کرنا چاہئے کہ موذی و گستاخ شان جناب کبریا تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔“

ان سب باتوں سے واضح ہے کہ یہ حضرات اکابر محدثین وفقہاء حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ رکھتے تھے اور دوسروں کو اس کی تاکید فرماتے تھے۔ اس کے خلاف عقیدہ رکھنے سے روکتے اور منع کرتے تھے۔

حضرت گنگوہیؒ ”ہدایۃ الشیعہ“ میں فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں، ان کو وہاں پر رزق دیا جاتا ہے۔ (ص ۳۶)

(۹) مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَیٌّ فِیْ قَبْرِہٖ کَمَا اَنَّ الْاَنْبِیَاءَ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ.

(بذل المجهود ص ۱۱۷، ج ۲)

ترجمہ: بے شک نبی پاک ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں، جیسا کہ دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام بلا کسی شک وشبہ کے اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

(۱۰) فقیہ محدث مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے ''المہند'' علی المفند میں اس مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی واضح کر دیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

عِنْدَنَا وَعِنْدَ مَشَائِخِنَا حَیَاۃُ حَضْرَۃِ الرِّسَالَۃِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دُنْیَوِیَّۃٌ مِّنْ غَیْرِ تَکَلُّفٍ، وَھِیَ مُخْتَصَّۃٌ بِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبِجَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ وَالشُّھَدَآءِ، لَا بَرْزَخِیَّۃٌ کَمَا ھُوَ لِسَائِرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بَلْ لِجَمِیْعِ النَّاسِ نَصَّ عَلَیْہِ الْعَلَّامَۃُ السُّیُوْطِیُّ فِیْ رِسَالَۃِ ابناءِ الاذکیاء لحیوۃ الانبیاء حَیْثُ قَالَ: قَالَ شَیْخُ تَقِیِّ الدِّیْنِ السُّبْکِیُّ: حَیٰوۃُ الْاَنْبِیَآءِ وَالشُّھَدَآءِ فِی الْقَبْرِ کَحَیٰوتِھِمْ فِی الدُّنْیَا وَیَشْھَدُلَہٗ صَلٰوۃُ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْ قَبْرِہٖ فَاِنَّ الصَّلٰوۃَ تَسْتَدْعِیْ جَسَدًا حَیًّا اِلٰی اٰخِرِ مَاقَالَ فَثَبَتَ بِھٰذَا اَنَّ حَیَاتَہٗ دُنْیَوِیَّۃٌ بَرْزَخِیَّۃٌ لِکَوْنِھَا فِیْ عَالَمِ الْبَرْزَخِ. (ص ۱۳۔ ۱۴، المهند على المفند)

ترجمہ: ہمارے اور ہمارے تمام مشائخ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات، حیات دنیوی کی سی ہے بلا مکلّف ہونے کے اور یہ حیاۃ مخصوص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، یہ حیات خالص برزخی حیات نہیں ہے جو کہ تمام ایمانداروں کو حاصل ہے، بلکہ سب انسانوں کو۔ چنانچہ علامہ سیوطی نے اپنے رسالہ ''ابناء الاذکیاء بحیوۃ الانبیاء'' میں بتصریح لکھا ہے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور شہداء کی حیات قبر میں ایسی ہے جیسی دنیا کی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہم کو خبر دینا اس کی دلیل ہے، کیونکہ نماز کی ہیئت کذائیہ زندہ جسم کو چاہتی ہے۔ بس اس سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیا کی حیاۃ جیسی ہے (اور دونوں میں فرق یہ ہے، دنیوی حیاۃ میں تکلیف ابلاغ

رسالت ودین کے ساتھ مامور تھے اور برزخ میں تکلیف ابلاغ رسالت ودین کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے بلکہ آپ کے بعد آنے والے علماء پر ہے اور اس کو حیات برزخی اس لئے کہا جاتا ہے کہ عالم برزخ میں ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "المہند علی المفند" ۲۶ سوالات کے جواب میں لکھی ہے اور اس میں اکابر علمائے دیوبند کی توثیق اور دستخط موجود ہیں اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ حیات الانبیاء پر تمام آئمہ اہل السنّت والجماعت کا اجماع ہے۔

(المهند على المفند، ص ۲۷. ۲۸. ۲۹)

(۱۱) شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَدَلَّتِ النُّصُوصُ الصَّحِيحَةُ عَلٰى حَيَاةِ الْاَنْبِيَاءِ. (فتح الملهم،ص ۳۲۵، ج ۱)

نصوص صریحہ صحیحہ اس بات پر دال ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

(۱۲) حضرت علامہ محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ حیات النبی بھی عقیدہ الاسلام کے حوالے سے گزرا ہے۔

(۱۳) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنص حدیث زندہ ہیں۔ (التکشف، ص ۴۴۶)

(۱۴) حضرت شیخ الہندؒ انوار محمد شرح ابوداؤد میں فرماتے ہیں:

اَنَّهُمُ اتَّفَقُوا عَلٰى حَيَاتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ حَيَاةِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ لَا خِلَافَ لِاَحَدٍ فِيْهِ. (ص ۶۱۰، ج ۱)

ترجمہ: تمام محدثین وفقہاء اس پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات پر سب کا اتفاق ہے، اس میں کسی ایک محدث وفقیہ کا اختلاف نہیں ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ائمہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک متفق علیہ اور مجمع علیہ ہے، اس میں کسی اہل علم اور اہل تقویٰ کا اختلاف نہیں، مگر میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ کمزور لوگ اپنی کمزوری کی وجہ سے شکوک میں پڑتے ہیں، علماء ان کے شبہات کو دور فرما دیتے ہیں۔

اسی طرح کا ایک اختلاف ۱۳۷۲ھ میں رونما ہوا تھا پھر اس وقت موجود اکابر علمائے دیو بند نے جمع ہو کر متفقہ اعلان فرما دیا:

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اکابر دیو بند کے مسلک کے بارے میں ایک بار پھر متفقہ اعلان مع دستخط علمائے کرام۔

"وہ یہ کہ حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اکابر علمائے دیو بند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے۔ اور یہ حیات دنیوی حیات کے مماثل ہے، صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں، لیکن وہ قبر میں نماز پڑھتے ہیں استلذاذا، اور روضہ اقدس پر جو درود پڑھا جائے بلاواسطہ سنتے ہیں اور دور سے درود وسلام پڑھا جائے اس کو بذریعہ فرشتے پہنچایا جاتا ہے، یہی جمہور محدثین و متکلمین وفقہاء اہل السنۃ والجماعت کا مسلک ہے۔

اور اکابر علماء دیو بند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تو مستقل تصنیف حیات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر "آب حیات" کے نام سے موجود ہے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے خلیفہ ارشد مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف "المہند" سب اہل انصاف وبصیرت کیلئے کافی وشافی ہے۔ اب جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ کرے، اتنی بات تو یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیو بند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔

وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ.

۱: محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن، کراچی۔

۲: عبدالحق عفی عنہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، پشاور۔

۳: مفتی محمد صادق صاحب، سابق ناظم محکمہ امور مذہبیہ بہاول پور۔

۴: محمد رسول خان عفا اللہ عنہ استاذ حدیث وفنون جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد، لاہور۔

۵: شمس الحق عفا اللہ عنہ صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان۔

۶: مفتی محمد حسن جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور۔

۷: ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار سندھ۔

۸: بندہ محمد شفیع مفتی ومہتمم دارالعلوم کراچی (مقام حیات، ص ۲۷۲)

جواہر الفتاوی

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالسلام چاٹگامی دامت برکاتہم العالیہ

اسلامی کتب خانہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی